MARCH 2003
کرن
سالگرہ نمبر
PDFBOOKSFREE.PK

حمد، امجد اسلام امجد 11

نعت، امجد اسلام امجد 11

انٹرویو

جہاں آرا حسنی سے ملاقات، شاہین رشید 12

ایک حوالہ، قیصر خان 18

خوشبو دریچے کھول رہی ہے، ریحانہ علی احمد 23

مجھے سب ہے یاد ذرا ذرا، ایشا مریم 256

ہم بتاتے چلیں، روبینہ شریف 265

کچن کارنر، سنجیدہ سلطانہ 262

آواز دے کہاں ہے، ریحانہ علی احمد 259

ناول

گرداب آرزو، ثمرہ بخاری 236

دل کا دروازہ، رخ چوہدری 30

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

500 روپے

خط و کتابت کا پتہ

ماہنامہ کرن

37. اردو بازار کراچی

مکمل ناول

سانوں لگ گئی بے اختیاری، فائزہ افتخار 70

محبت کا سخن، آمنہ ریاض 142

ناولٹ

مسافتیں کیسی، نوربانو محبوب 118

جب محبت کا در کھلا، سیما بنت عاصم 214

افسانے

پسِ آئینہ، سائرہ عارف 110

چاہت کے رنگ، در ثمن 182

خوشبو کے سوداگر، صائمہ اکرم 48

موسمِ گل، رابعہ کاشمیری 194

ماہنامہ کرن میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق طبع و نقل بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ کسی بھی فرد یا ادارے کے لیے اس کی کسی بھی حصے کی اشاعت یا الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے کسی بھی انداز میں پیش کرنے سے پہلے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ بصورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔

مستقل سلسلے

کرن کرن خوشبو، شعاع محمود 266

یادوں کے دریچے سے، بشریٰ محمود 272

مجھے یہ شعر پسند ہے، شگفتہ سلیمان 276

مسکراتی کرنیں، ریحانہ علی احمد 278

نہلے پہ دہلا، ذوالقرنین 285

کرن کا دسترخوان، روبینہ شریف 282

نامے میرے نام، مدیرہ کرن 287

مارچ 2003

جلد 25 شمارہ 12

قیمت 35 روپے

پبلشر وایڈیٹر آذر ریاض (عمران محمود) نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔

مقام اشاعت: بی / 91 علامہ اقبال ٹاؤن، کراچی۔ فون: 7721777-7726617

مدیرہ

اداریہ

کرن ڈائجسٹ کا مارچ کا شمارہ سالگرہ نمبر آپ کے ہاتھ میں ہے۔
محمود بابر فیصل نے پچیس سال پہلے ایک سفر کا آغاز کیا تھا۔
وہ میر کارواں تھے اور کارواں کو سفر مسلسل کی نوید دے کر اپنے آخری سفر پر روانہ ہو گئے۔ آج وہ ہم میں نہیں ہیں لیکن اُن کی یادوں کی کرن ہمیشہ جگمگاتی رہے گی۔
سفر کبھی نہیں رُکتا۔ کرن عمر عزیز کی پچیس بہاریں دیکھ چکا ہے۔ اس دوران کرن قارئین اور مصنفین کے درمیان ایک مضبوط رشتہ استوار ہوا جس میں اہم کردار ہماری مصنفین نے ادا کیا ہے۔ جن کی خوبصورت تخلیقات نے قارئین کے احساس جمال کو تقویت بخشی۔ کرن نے نوآموز مصنفین کی ہمیشہ حوصلہ افزائی کی اور قارئین نے اپنی ناقدانہ رائے سے آگاہ کر کے بہتر کو بہترین کے عمل تک پہنچانے میں اہم کردار ادا کیا۔
کرن کو خوب سے خوب تر بنانے کے لیے اور معیاری تحریروں کو ایک جگہ جمع کرنے کے لیے آپ کا ساتھ اور تعاون بہت ضروری ہے۔
ہمیں آپ کی تخلیقات اور قابل قدر آراء کا ہمیشہ انتظار رہتا ہے۔
آپ کو کرن کا سالگرہ نمبر کیسا لگا خط لکھ کر ضرور بتایئے گا۔

سالگرہ نمبر میں،

- کرن کی سالگرہ کے موقع پر مصنفین سے سروے "خوشبو دریچے کھول رہی ہے"۔
- اداکارہ جہاں آرا حئی سے شاہین رشید کی ملاقات،
- اداکار قیصر خان نظامانی کی گھریلو باتیں،
- "مجھے سب ہے یاد ذرا ذرا"، کرن کی سالگرہ کے موقع پر نیا سلسلہ "ایشاہریم" کے یادگار سفر کی روداد،
- "ہم بتلاتے چلیں" میں زیب النساء بٹ کے جوابات،
- "آواز دے کہاں ہے" قارئین کا پسندیدہ سلسلہ،
- "کچن کارنر" کی میزبان ہیں سنجیدہ سلطانہ،
- ثمرہ بخاری اور رُخ چوہدری کے سلسلے وار ناول،
- "ساتوں لگ گئی بے اختیاری" سالگرہ نمبر کے لیے فائزہ افتخار کی خصوصی شوخ تحریر،
- "محبت کا سخن" آمنہ ریاض کا مکمل ناول،
- "مسافتیں کیسی" نور بانو محجوب کا دلکش ناولٹ،
- "جب محبت کا در کھلا" سیما بنتِ عاصم کا دلچسپ ناولٹ،
- سائرہ عارف، درثمن، صائمہ اکرم چوہدری اور رابعہ کاشمیری کے افسانے،
- اور مستقل سلسلے،

مفت،

انسان کی شخصیت کو جاذب نظر اور خوبصورت بنانے میں دیگر اشیاء کی طرح، رنگ اور خوشبو کا کردار بہت اہمیت رکھتا ہے۔ محفل، موقع اور شخصیت کے اعتبار سے کیا جانے والا انتخاب آپ کی شخصیت کو اور بھی متاثر کُن بنا دیتا ہے۔ کرن کتاب "رنگ، خوشبو اور آپ"، آپ کی شخصیت کو متاثر کُن بنانے میں آپ کی مدد کرے گی۔ جو کرن کے ہر شمارے کے ساتھ علیحدہ سے مفت پیش خدمت ہے۔

حمد باری تعالیٰ

میں اُس کا نام لیتا ہوں
تو ہونٹوں پر تبسم کی
دھنک لہرانے لگتی ہے
میں اُس کو یاد کرتا ہوں
تو اک مانوس کی خوشبو
مجھے مہکانے لگتی ہے
وہ میرے دل میں رہتا ہے گُل امید کی صورت
زمانے کی شبِ تاریک میں خورشید کی صورت

امجد اسلام امجد

نعت رسول مقبول ﷺ

حرا کی خلوتوں میں جو شہ لولاک پر اُترا
رہے گا حشر تک امجد اُسی پیغام کا چرچا

نہ رستہ ہے نہ منزل ہے عجب آشوب ہے دل میں
مرے ہادی، مرے رہبر، مرے مولا، مرے آقا

خوشا راہیں کہ جن پر آپؐ نے اپنے قدم رکھے
خوشا آنکھیں کہ جن کے بخت میں تھا آپؐ کا چہرا

بس اک آواز گونجے اور جہاں کا رُخ بدل جائے
نہ ممکن تھا، نہ ممکن ہے مگر یہ معجزہ دیکھا

وہ مسجد، جس کی دیواریں تیری خوشبو سے روشن ہیں
خوشا قسمت کہ میں نے اُس مٹی پر کیا سجدہ

ازل سے تا ابد امجد درود اُس پر، سلام اس پر
کہ جس نے آدمی کو آدمی کا مرتبہ بخشا

امجد اسلام امجد

سالگرہ نمبر

جہاں آرا حئی سے ملاقات

شاہین رشید

انٹرویو

ڈرامے تو آپ سب ہی دیکھتے ہوں گے اور ہر ڈرامے میں ایک عدد ماں بھی ہوتی ہے۔ ہمارے ڈراموں میں عموماً" ماں کے کردار کے لیے ادھیڑ عمر خواتین یا پھر اچھی خاصی ینگ خواتین کا انتخاب کیا جاتا ہے اور جو حقیقت میں جوان بچوں کی مائیں ہوتی ہیں ان کی خدمات سے بہت کم فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ مگر کچھ پروڈیوسر ایسے بھی ہیں جو حقیقت کا رنگ بھرنے کے لیے حقیقی ماؤں کا ہی انتخاب کرتے ہیں اور حقیقی ماؤں میں جن کا انداز بہت ٹھہرا ٹھہرا ہے وہ جہاں آرا حئی ہیں یہ اور بات ہے کہ ان کا میک اپ بہت ڈارک ہوتا ہے اور انہوں نے کبھی بھی غریب ماں کا کردار ادا نہیں کیا' شاید انہیں گلیمر سے بھرپور کردار ہی ملتے ہیں یا یہ خود ہی امیر امرا کے کردار ہی پسند کرتی ہیں۔

جہاں آرا حئی ایک پرکشش شخصیت کی مالک ہیں۔ بے شمار ڈراموں میں کام کر چکی ہیں ان کا لہجہ دلفریب' میٹھا اور ٹھہرا ٹھہرا سا ہوتا ہے۔ بڑے گھرانوں کے گرد بنائے گئے ڈراموں میں ان کی موجودگی ضروری ہوتی ہے آج کل آپ انہیں ڈرامہ سیریل "مہندی" میں دیکھ رہے ہیں جن میں یہ چار بیٹیوں کی ماں دکھائی گئی ہیں۔

☆ "کیسی ہیں جہاں آرا حئی صاحبہ؟"

○ "اللہ کا شکر ہے۔"

☆ "آج کل آپ کو ڈرامہ سیریل "مہندی" میں دیکھ رہے ہیں۔ حسب معمول بہت اچھی لگ رہی ہیں آپ۔"

○ "بہت شکریہ"

☆ "ڈرامے میں آپ کو چار بیٹیوں کی ماں دکھایا گیا ہے۔ حقیقت میں کتنے بچے ہیں آپ کے؟"

○ "حقیقت میں میرے دو بچے ہیں ایک بیٹی اور ایک بیٹا دونوں خیر سے شادی شدہ ہیں اور یہاں کراچی میں ہی رہتے ہیں۔"

☆ "جہاں آرا صاحبہ آپ ایک اچھی آرٹسٹ ہونے کے علاوہ ایک سوشل ورکر بھی ہیں کچھ اپنے ان

کاموں کے بارے میں بتائیے۔"

○ "میں آل پاکستان وومن ایسوسی ایشن کی نائب صدر ہوں اور اس کے تحت سوشل ورک کرتی ہوں۔ مجھے لوگوں کی مدد کر کے یا ان کے لیے کام کر کے اچھا محسوس ہوتا ہے۔"

☆ "آپ نے ایک مرتبہ بتایا تھا کہ آپ کی شادی چھوٹی عمر میں ہو گئی تھی تو شادی کے بعد تو ویسے ہی زندگی بہت مصروف ہو جاتی ہے' تو پھر آپ نے ان کاموں کے لیے وقت کیسے نکالا؟"

○ "ساری بات شوق اور لگن کی ہوتی ہے اور چونکہ میری والدہ بہت سوشل ورک کرتی تھیں اس لیے مجھے بھی شوق ہوا کہ میں بھی سوشل ورک کروں۔ ایسے شوق اور ولولے گھر کے ماحول سے ہی ملتے ہیں۔"

☆ "اپنی امی کے بارے میں کچھ بتائیں؟"

○ "میری امی بیگم خورشید رفیق آل پاکستان وومن ایسوسی ایشن کی ایک سرگرم کارکن اور رہنما تھیں ان کا شمار اپوا کی بانیوں میں ہوتا ہے اور وہ بیگم رعنا لیاقت علی خان کی رفیق سفر بھی تھیں' یعنی انہی کے ساتھ مل کر انہوں نے سماجی کاموں کا آغاز کیا۔ تو میں بچپن سے ہی والدہ کو خدمت خلق کرتے ہوئے دیکھ رہی تھی لہٰذا میرا بھی دل چاہا کہ میں بھی یہی کام کروں۔ میرے والد صاحب میں بھی کچھ ایسا ہی جذبہ تھا۔"

☆ "ایسے جذبات آج کل لوگوں میں کہاں ہوتے ہیں؟"

○ "نہیں ایسی بات نہیں' یہ سب تنظیمیں جو چل رہی ہیں ان میں نئے لوگ بھی تو شامل ہو رہے ہیں اور اگر ایسا نہ ہوتا تو پھر کب سے یہ تنظیمیں بند ہو چکی ہوتیں۔"

☆ "بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ... والدہ تو سماجی کارکن یا رہنما تھیں اور والد...؟"

○ "میرے والد ڈاکٹر تھے اور ٹی بی اسپیشلسٹ تھے اور انہوں نے بھی اینٹی بائیوٹک ایسوسی ایشن کی بنیاد رکھی تھی اور یہ ایسوسی ایشن ابھی بھی قائم ہے اور کئی

لوگ اس تنظیم کی وجہ سے صحت یاب ہوئے ہیں۔"

☆ "آج کل ورلڈ کپ کے تحت کرکٹ کا زور ہے۔ آپ کو کھیلوں سے لگاؤ ہے؟"

○ "ہاں مجھے کھیلوں سے لگاؤ ہے۔ مگر بہت زیادہ نہیں۔ طالب علمی کے زمانے میں ٹینس بہت شوق سے کھیلتی تھی اور سب کھیل اچھے لگتے ہیں۔ کرکٹ بھی پسند ہے مگر صرف اسکور جاننے کی حد تک۔ ویسے میری خواہش ہے کہ پاکستان ورلڈ کپ جیت کر آئے۔"

☆ "اور آپ کے شوہر فاروق صاحب کو تو یقیناً" کرکٹ سے لگاؤ ہو گا۔۔ کیونکہ یہ مردوں کا کھیل ہے۔؟"

○ "کرکٹ تو میں سمجھتی ہوں کہ سب ہی کو پسند ہوتا ہے۔ فاروق صاحب کو تو کرکٹ کا کھیل بھی بہت پسند ہے اور دیگر کھیلوں سے بھی ان کو لگاؤ ہے۔"

☆ "آپ ڈراموں میں کام کرتی ہیں۔ ماڈلنگ بھی کرتی ہیں اور سماجی کام بھی کون سا کام آپ کو کر کے خوشی حاصل ہوتی ہے؟"

○ "کام تو سارے ہی کرنے میں مزہ آتا ہے۔ لیکن سماجی کام کرنے میں زیادہ خوشی ہوتی ہے کسی کی مدد کر کے ضرورت کے وقت کسی کے کام آ کر بہت دل کو تسکین ملتی ہے۔ باقی ڈراموں میں کام کر کے اور ماڈلنگ کر کے بھی اچھا لگتا ہے۔"

☆ "اپنے ڈرامے دیکھتی ہیں؟"

○ "ہاں کیوں نہیں وقت ملتا ہے تو دیکھ لیتی ہوں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ مجھے ٹی وی پروگرام دیکھنے کا زیادہ شوق نہیں ہے وقت مل جائے تو دیکھ لیتی ہوں ورنہ نہیں۔"

☆ "ٹی وی پہ آمد کیسے ہوئی؟"

○ "ٹی وی میں آمد تو کافی بعد میں ہوئی پہلے تو میں نے فیشن شو میں حصہ لیا تھا۔"

☆ "آپ نے۔۔ فیشن شو میں حصہ لیا تھا؟"

○ "ہاں بھئی یہ آج کل کی بات نہیں ہے بلکہ ۲۰، ۲۱ سال پرانی بات ہے۔ جب میں نے فیشن شو میں حصہ لیا تھا۔"

☆ "اچھا! اچھا تو فیشن شو میں آمد کیسے ہوئی تھی۔؟"

○ "ہاں فیشن شو میں آمد اس طرح ہوئی کہ میں اپنی بیٹی کی شاپنگ کے لیے جو کہ بہت چھوٹی تھی طارق روڈ گئی۔ ایک دوکان میں گئی۔ شاپنگ کر کے واپس جانے لگی تو دوکان کی مینجر نے کہا کہ اندر کمرے میں ہماری باس آپ کو بلا رہی ہیں۔"

☆ "آپ تو گھبرا گئی ہوں گی؟"

○ "ہاں۔۔۔ ہاں میں نے گھبرانا تو تھا ہی لیکن یہ سوچنے لگی کہ کیوں بلایا ہو گا' خیر میں اندر کمرے میں گئی تو جو باس تھیں انہوں نے بڑی عزت سے مجھے بٹھایا اور پھر کہنے لگیں کہ میں عنقریب ایک فیشن شو کر رہی ہوں کیا آپ اس میں حصہ لیں گی بلکہ میری خواہش ہے کہ آپ اس فیشن شو میں حصہ لیں۔ میں نے کہا ٹھیک ہے لیکن پہلے میں اپنے شوہر سے اجازت لے لوں اور پھر جب فاروق نے مجھے اجازت دے دی تو میں نے اس فیشن شو میں حصہ لیا۔"

☆ "یہ فیلڈ ایسی ہے کہ جب انسان ایک مرتبہ اس میں داخل ہو جائے تو پھر چسکا پڑ جاتا ہے اور بار بار اس فیلڈ میں آنے کو دل چاہتا ہے۔۔ کیا آپ کے ساتھ ایسا ہوا؟"

○ "بالکل ہوا۔۔ مجھے فیشن شو میں حصہ لے کر مزہ آیا تو میرا دل چاہا کہ میں اور بھی کام کروں اور پھر اتفاق سے مجھے ماڈلنگ کی آفر آ گئیں اور اس طرح میں نے ماڈلنگ شروع کر دی اور یوں یہ سلسلہ چل پڑا۔"

☆ "پھر ٹی وی پہ آمد کیسے ہوئی؟"

○ "ٹی وی پہ آمد بجیا کی وجہ سے ہوئی۔ بجیا سے ہمارے خاندانی تعلقات ہیں۔ تو ایک دن بجیا نے فون کیا کہ میں تاریخی ڈرامہ کر رہی ہوں اور مجھے اس میں شہزادی کے کردار کے لیے ایک لڑکی چاہیے اور وہ تم ہی ہو سکتی ہو میں نے کہا ٹھیک ہے اور اس طرح میں اداکاری کے شعبے میں بھی آ گئی یہ تاریخی سیریل غالباً" آبگینے" کے نام سے تھا۔"

☆ "یہ تو گیٹ اپ والا رول تھا۔ گیٹ اپ کے بغیر سب سے پہلا ڈرامہ کون سا کیا؟"

○ "گیٹ اپ کے بغیر جو ڈرامہ کیا وہ ڈرامہ سیریل "سائے" تھا جسے شہزاد خلیل نے ڈائریکٹ اور پروڈیوس کیا تھا اور اس میں میں نے خوش بخت شجاعت کی بیٹی کی ماں کا کردار ادا کیا تھا؟"

☆ "یہ وہی ڈرامہ تو نہیں تھا جس میں خوش بخت کی بیٹی نے ابنارمل لڑکی کا کردار ادا کیا تھا؟"

○ "ہاں یہ وہی ڈرامہ تھا اور لوگوں نے بہت پسند کیا تھا۔"

☆ اور یہ ڈرامہ تو کئی مرتبہ ٹیلی کاسٹ بھی ہو چکا ہے؟"

○ "جی ہاں کئی مرتبہ ٹیلی کاسٹ ہو چکا ہے اور جو چیز اچھی ہوتی ہے وہی بار بار پیش کی جاتی ہے۔"

☆ "اس فیلڈ میں سفارش کا کتنا عمل دخل ہے؟"

○ ہنستے ہوئے۔ "معلوم نہیں کیونکہ میں تو بغیر سفارش کے ہی آئی تھی ویسے اس فیلڈ میں آنے کے لیے محنت تو کرنی ہی پڑتی ہے۔"

☆ "جہاں آراحشی صاحبہ آپ اداکاری' ماڈلنگ اور سوشل ورک کرتی ہیں۔ آپ کو فارغ وقت مل جاتا ہے؟"

○ "ہاں مل تو جاتا ہے۔ لیکن بہت کم ملتا ہے اب تو لگتا ہے کہ وقت بھاگا جا رہا ہے۔ صبح شام ہونے کا پتہ ہی نہیں چلتا۔"

☆ "تو پھر کیا کرتی ہیں فارغ اوقات میں؟"

○ "ان کاموں کے بارے میں سوچتی ہوں جو مجھے کرنے ہوتے ہیں۔ ان کی پلاننگ کرتی ہوں۔ یا پھر گزرے وقت کو یاد کرتی ہوں۔۔ کبھی کبھی پرانی یادوں سے بھی بہت اچھا وقت گزر جاتا ہے۔"

☆ "ویسے تو آپ کے کردار ایک جیسے ہی ہوتے ہیں۔ ہمیشہ شفیق ماں کا ہی رول آپ کرتی ہیں۔ لیکن پھر بھی آپ کی کیا خواہش ہے کہ کس قسم کے رول کروں؟"

○ "ماں کے رول تو ویسے ہی بہت اچھے ہوتے ہیں۔ لیکن پھر بھی میرا دل چاہتا ہے کہ میں بہت ہی اچھے اور پاور فل رول کروں اور میرے رول ایسے ہوں جن سے دوسروں کو کچھ نصیحت حاصل ہو جس سے کسی کو کچھ سیکھنے کا موقعہ ملے۔"

☆ "آپ نے کہا کہ فرصت کے وقت میں گزرے وقت کو یاد کرتی ہوں۔ مگر ہم نے تو اکثر لوگوں کو یہ کہتے سنا ہے کہ وہ فارغ اوقات میں مطالعہ کرتے ہیں؟ تو کیا آپ کو مطالعہ کا شوق نہیں ہے کیا؟"

○ "مجھے بھی مطالعہ کا شوق ہے۔ میں کتابیں پڑھتی ہوں مگر کم کیونکہ اتنا وقت ہی کہاں ملتا ہے۔ البتہ اخبار اور میگزین کا مطالعہ ضرور کرتی ہوں کیونکہ اس سے روز مرہ کے حالات اور دنیا میں کیا ہو رہا ہے پتہ چلتا ہے۔"

☆ "آپ ماڈلنگ اور اداکاری شہرت کی خاطر کرتی ہیں یا پیسے کی خاطر؟"

○ "پیسہ میرا پرابلم نہیں ہے۔ لیکن پیسہ برا کسے لگتا ہے۔ ویسے میں تو شوق کی خاطر کام کرتی ہوں۔ وقت اچھا گزر جاتا ہے۔ تعلقات بڑھتے ہیں اور پھر یہ بھی تو اندازہ ہوتا ہے کہ ہم کیا ہیں۔"

☆ "اور اب میں چاہوں گی کہ آپ اپنا فیملی بیک گراؤنڈ بتائیے۔"

○ "میرا فیملی بیک گراؤنڈ کچھ یوں ہے کہ میرے والد دہلی کے ہیں اور والدہ علی گڑھ کی۔ میرے والد کی طرح میری والدہ بھی پڑھی لکھی ہیں انہوں نے گریجویشن کیا اور دلچسپ بات یہ کہ انہوں نے شادی کے بعد گریجویشن کیا اور علی گڑھ کالج سے گریجویشن کیا اب اس سے بھی زیادہ دلچسپ بات یہ ہے کہ میں نے بھی شادی کے بعد ہی گریجویشن کیا اور میں کراچی میں پیدا ہوئی۔"

☆ "کہتے ہیں بلکہ بزرگوں کی سوچ تو یہ ہے کہ جب تک لڑکی کی شادی نہ ہو وہ بے شک پڑھتی رہے لیکن اگر شادی ہو جائے تو پھر پڑھائی کا سلسلہ منقطع کر دینا چاہیے مگر آپ نے شادی کے بعد بھی تعلیم جاری رکھی اس کی کیا وجہ ہے؟"

○ "کوئی خاص وجہ نہیں اولاد کی ہمیشہ یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ والدین سے زیادہ نہیں تو کم سے کم اتنا تو ضرور پڑھے جتنا والدین نے پڑھا ہے تو میرے والدین دونوں ہی پڑھے لکھے تھے تو میں کیسے کم تعلیم حاصل کرتی۔

اس لیے میں نے بھی شادی کے بعد تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔"

☆ "کس کلاس میں تھیں جب آپ کی شادی ہوئی۔"

○ "میں جب انٹر کی طالبہ تھی تب میری شادی ہوئی اور میں یہ کہتی ہوں کہ لڑکیوں کو ہر حالت میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنی چاہیے اور تعلیم حاصل کر کے اسے کام میں بھی لانا چاہیے کہ اس میں لڑکیوں کی عزت بھی ہوتی ہے اور وہ اچھی ماں اور معاشرے کا کار آمد پرزہ بھی ثابت ہوتی ہیں۔"

☆ "شادی کے بعد تعلیم حاصل کرنے میں کوئی دشواری تو نہیں ہوئی؟"

○ "نہیں بالکل نہیں میرے سسرال والے اور خود فاروق بہت اچھے تھے انہوں نے مجھے اجازت دے دی اور میں نے گریجویشن کیا اور مینجمنٹ کے کئی کورسز کیے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے میرے آنگن میں پھول کھلا دیے تو میں نے مزید کورسز اور تعلیم حاصل کرنے کا خیال ترک کر دیا۔"

☆ "فاروق صاحب کیا کرتے ہیں اور مزاج کے کیسے ہیں؟"

○ "ہماری شپنگ ایجنسی ہے اور فاروق صاحب کا تعلق ایک علمی گھرانے سے ہے اور ان کی فیملی کا علم سے جو لگاؤ ہے اس کی ایک مثال میں آپ کو یہ دوں گی کہ جب علی گڑھ کالج کی تعمیر کا وقت آیا تو فاروق کی دادی نے اپنی زمینوں میں سے آدھا حصہ علی گڑھ کالج کے لیے دے دیا۔"

☆ "اور مزاج کے بارے میں تو آپ نے بتایا ہی نہیں؟"

○ "مزاج کے ٹھنڈے ہیں۔ خوش مزاج خوش اخلاق ہیں۔ حس مزاح بھی بہت اچھی ہے۔ حلقہ احباب بھی وسیع ہے اور کسی کے مزاح کا برا نہیں مناتے بلکہ مزا لیتے ہیں۔"

☆ "فضول خرچ ہیں یا کفایت شعار ہیں؟"

○ "ہم دونوں ہی کفایت شعار ہیں خوامخواہ کی فضول خرچیاں نہیں کرتے زمانے کو دیکھ کر چلتے ہیں۔"

☆ "آپ مزاج کی کیسی ہیں؟ لگتا ہے کہ آپ کو غصہ کم آتا ہوگا؟"

○ "بالکل ٹھیک کہا آپ نے۔۔۔ مجھے غصہ آتا ہے مگر بہت زیادہ نہیں اور میں غصے میں کبھی اونچا بھی نہیں بولتی بلکہ دھیمے لہجے میں بات کو سمجھانے کی کوشش کرتی ہوں۔ کیونکہ میرے خیال میں اس طرح آسانی سے بات لوگوں کی سمجھ میں آجاتی ہے۔"

☆ "لڑکیوں کے لیے تعلیم کس حد تک ضروری ہے؟"

○ "حد تک تو بات ہی نہیں کرنی چاہیے۔ لڑکیوں کے لیے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا بہت ضروری ہے اور تعلیم کے ساتھ ساتھ ہنر سیکھنا بھی بہت ضروری ہے اور میری ہی بیٹی کی مثال لیں کہ وہ انٹیریئر ڈیزائنر ہے تو لڑکیوں کے لیے تعلیم اور ہنر بہت ضروری ہے۔ کیونکہ یہ چیزیں زندگی میں بہت کام آتی ہیں۔"

☆ "کیا آپ نے بھی اپنی بیٹی کی شادی جلدی کر دی تھی اور کیا انہوں نے بھی شادی کے بعد تعلیم حاصل کی تھی؟"

○ "نہیں نہیں۔۔۔ میں نے ایسا نہیں کیا بلکہ جب میری بیٹی نے اپنی تعلیم مکمل کر لی تب میں نے اس کی شادی کی۔"

☆ "شاپنگ کرنے جاتی ہیں تو لوگ آپ کو پہچان لیتے ہوں گے؟"

○ "بالکل پہچان لیتے ہیں اور تعریف کرتے ہیں۔ عزت کے ساتھ بلاتے ہیں اور مجھے اپنی یہ پہچان بہت اچھی لگتی ہے۔ ویسے میں آپ کو بتاؤں کہ میں بہت کم شاپنگ کے لیے گھر سے نکلتی ہوں۔ مجھے عام خواتین کی طرح ڈھیر سارے کپڑوں اور زیورات کا شوق نہیں ہے۔"

☆ "صبح دیر سے اٹھنے کی عادت ہے یا جلدی اٹھ جاتی ہیں؟"

○ "مجھے دیر تک سونے والے لوگ اچھے نہیں لگتے میں صبح ہی صبح اٹھ جاتی ہوں اور فاروق بھی جلدی اٹھ جاتے ہیں۔"

☆ ☆

سالگرہ نمبر

قیصر خان نظامانی کی گھریلو باتیں

شاہین رشید

انٹرویو

قیصر خان اب کامیابی کی ان منزلوں کو پہنچ چکے ہیں جہاں ان کا نام ہی ان کی شناخت بن چکا ہے اور یہ کامیابی' انہوں نے ایک نہیں بلکہ دو شعبوں میں حاصل کی۔ قیصر خان نے شعبہ اداکاری سے آغاز کیا تھا اور بہت جلد اپنی صلاحیتوں کی بدولت صف اول میں جگہ بنالی تھی اداکاری کے بعد ان کی اگلی منزل ہدایت کاری تھی اور اس میں بھی انہوں نے اپنی جگہ بنالی آیئے آج ان سے کچھ گھریلو باتیں کرلیں۔

☆ "کیسے ہیں قیصر خان؟"

○ "اللہ کا شکر ہے۔"

☆ "کیا کر رہے تھے؟"

○ "کیا کر رہا تھا؟ میں تیار ہو کر گھر سے نکل رہا تھا۔"

☆ "تھوڑا ٹائم دیں گے؟"

○ "حکم کریں۔"

☆ "گھر کے حوالے سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔"

○ "اچھا۔ تو کریں۔"

☆ "فضیلہ کیسی ہیں؟"

○ "کن معنوں میں؟"

☆ "ایک بیوی کے معنوں میں۔؟"

○ "بہت اچھی ہے، بہت خیال رکھنے والی اور بہت محبت کرنے والی بیوی ہے۔"

☆ "فضیلہ کے بارے میں باتیں تو ہوں گی ہی، کیوں نہ قدم بہ قدم چلتے ہوئے گزرے دور کی باتیں کریں کہ جب آپ باشعور تو تھے مگر چھوٹے تھے؟"

○ "اس دور کی باتیں تو نہ پوچھیں کیونکہ بہت برا دور تھا وہ اور وہ ناقابل تحریر ہے۔"

☆ "ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟"

○ "ایسا ہی تھا۔"

☆ "آپ اپنے بہن بھائیوں میں بڑے ہیں۔ گویا لیڈر ہیں تو لیڈری کی آپ نے؟"

○ "میں نے کیا لیڈری کرنی تھی سب کی غلطیاں میرے ہی کھاتے میں جاتی تھیں اور مجھے ہی ڈانٹ پڑتی تھی باقی سب مزے کرتے تھے۔"

☆ "اس بات پر احتجاج نہیں کرتے تھے کیا؟"

○ "نہیں احتجاج کیا کرتا ڈر تا تھا کہ کہیں یہ احتجاج بھی برا نہ لگ جائے اور عموماً" ایسا ہوتا ہے کہ جب کوئی بچہ بلاوجہ ڈانٹ کھا رہا ہو تو پھر وہ باغی سا ہو جاتا ہے اور اس کی شرارتوں اور نافرمانیوں میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ مگر میں ان بچوں میں سے نہیں تھا جو ایسا سوچتے تھے۔ بس تھوڑا سا احساس کمتری کا شکار تھا۔ مگر اللہ کا شکر ہے کہ میں نے اپنی اس خامی پر قابو پالیا ہے۔"

☆ "اور پھر اللہ نے آپ کو ہی سب سے زیادہ عزت و شہرت سے نوازا ہے۔؟"

○ "جی بالکل بڑا کرم ہے اللہ کا اس نے مجھے میری سوچ سے بھی زیادہ عزت و شہرت دی ہے۔"

☆ "پڑھائی میں کیسے تھے آپ اور کبھی ایسا ہوا کہ اپنی رپورٹ کارڈ پر خود ہی دستخط کرنے پڑے ہوں؟"

○ "میں پڑھائی میں نارمل تھا اور پاس ہو جاتا تھا اور کبھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ رپورٹ کارڈ پر خود ہی دستخط کرنے کی ضرورت پیش آئی ہو۔"

☆ "گھر کے بڑے بچوں کے لیے والدین کے بڑے خواب ہوتے ہیں۔ آپ کے لیے آپ کے والدین کے کیا خواب تھے؟"

○ "نہیں ایسی کوئی خواہش نہیں تھی میرے والدین کی کیونکہ میرے بابا کے پاس اتنا وقت نہیں ہوتا تھا کہ وہ بچوں کے ساتھ بیٹھ کر اپنے خیالات ان میں منتقل کر سکتے یا بچوں سے پوچھتے کہ تم فیوچر میں کیا کرنا چاہتے ہو۔ وہ چونکہ پیشے کے اعتبار سے ڈاکٹر ہیں تو وہ سارا وقت اپنے مریضوں میں ہی کھوئے رہتے تھے۔"

☆ "کہاں ہوتے ہیں آپ کے والد؟ ... میرا مطلب ہے کون سے اسپتال سے منسلک ہیں؟"

○ "وہ یہاں شہر میں نہیں ہوتے بلکہ ایک بہت ہی چھوٹے سے قصبے میں ان کا کلینک ہے اور انہیں شہر جیسی ماڈرن سہولیات نہیں ہیں۔ لیکن اس کے باوجود والد صاحب بلڈ کینسر اور بلڈ ٹرانسفیوژنگ کا سارا کام خود ہی کرتے ہیں اور اس سے اندازہ لگالیں کہ

وہ کتنے مخلص ہیں اپنے پیشے سے۔"

☆ "یعنی ڈاکٹر ہونے کے باوجود کبھی ان کے دل میں لالچ نہیں آیا اور انہوں نے اپنے پیشے کا ناجائز فائدہ نہیں اٹھایا؟ جیسا کہ دیکھا ہے کہ آج کل کے ڈاکٹر ہوتے ہیں؟"

○ "جی ہاں میں نے بتایا نا کہ اگر ان کے دل میں لالچ ہوتا تو ایک چھوٹے سے قصبے میں خدمات انجام نہ دے رہے ہوتے بلکہ کئی عدد بنگلوں کے مالک ہوتے اور بہت کچھ حاصل کر چکے ہوتے۔"

☆ "بچپن میں گھر والوں سے تو ڈانٹ پڑتی ہی تھی۔ اسکول میں کیا صورت حال تھی؟"

○ "اسکول میں بھی صورت حال کچھ مختلف نہ تھی۔ ہمارے پرنسپل صاحب کو ہم سے خاص دشمنی تھی وہ مجھے بہت مارتے تھے ان کا نام علوی تھا اور سچ بات تو یہ ہے کہ ان کے لیے میرے دل سے کبھی دعا نہیں نکلتی۔"

☆ "اسکول کون سا تھا آپ کا؟"

○ "کینٹ پبلک اسکول اور وہ استاد حیات ہیں یا نہیں مجھے نہیں معلوم میرا قصور نہیں بھی ہوتا تھا تب بھی وہ مجھے مارتے تھے۔ اس اسکول میں زیادہ تر فوجیوں کے بچے ہوتے تھے یا جن کے والد بہت بڑے عہدے پر ہوتے تھے ان کے بچے ہوتے تھے اور ان سب میں سندھی میں ہی ہوا کرتا تھا اور میری ٹھیک ٹھاک کٹ

(مار) لگا کرتی تھی۔"

☆ "ایسی بات تھی تو آپ اسکول چھوڑ دیتے؟"

○ "تو چھوڑ تو دیا تھا اور سینٹ پیٹرک میں ٹیسٹ دیا اور ساتویں کلاس میں داخلہ لیا اور یہاں سے ہی میں نے میٹرک امتحان پاس کیا پھر بی ایس سی کیا' ایم اے اردو کیا اور پھر ایس ایم لاء کالج سے لاء کر رہا ہوں۔"

☆ "گویا وکیل بن کے لوگوں کی خدمت کریں گے۔؟"

○ "بالکل کروں گا اور میں نے سوچا ہے کہ لوگوں کے مسائل کو قانونی لڑائی لڑ کر حل کروں گا۔ اکثر لوگ بڑے بڑے ادارے بنا کر پھر لوگوں کے پیسے کھا کر بھاگ جاتے ہیں ان کے لیے کام کروں گا۔ جیسے این ٹی ایم والوں نے اور یو ٹی این والے پیسہ کھا کر بھاگ گئے ہیں۔ کبھی پولیس والے تنگ کرتے ہیں اور وہ لوگ جو فیس افورڈ نہیں کر سکتے ان کے لیے زیادہ کام کروں گا۔"

☆ "وہ ایک شعر ہے کہ۔

پیدا ہوا وکیل تو شیطان نے کہا
لو آج میں بھی صاحب اولاد ہو گیا

"تو....؟"

○ "لیکن میں ایسا — نہیں ہونا چاہتا۔ مجھے اللہ نے سب کچھ دیا ہوا ہے۔ میں تو یہ کہنا چاہ رہا ہوں کہ کس کا کوئی مسئلہ میری وجہ سے حل ہو سکتا ہے تو میں لازمی طور پر اسے حل کروں گا اور سب سے پہلے میں ان لوگوں کے لیے کام کروں گا جن کا سوائے اللہ کے کوئی نہیں ہے اور اس وقت بھی آپ جا کر دیکھیں تو جیلیں بھری پڑی ہیں اور ان لوگوں کا کوئی نہیں ہے کہ جو ان کے مسائل کو حل کرے۔ پتہ ہی نہیں ہے کہ کب سے بچارے پڑے ہیں اور کس جرم میں پڑے ہیں۔"

☆ "اس خدمت خلق کے لیے کسی سے مدد لیں گے؟"

○ "نہیں... نہ کسی ٹرسٹ سے نہ کسی این جی او سے مدد لوں گا بلکہ میں خود لوگوں کے لیے کام کروں گا بس دعا کریں کہ اللہ مجھے میرے مقصد میں کامیاب کرے۔"

☆ "آپ کے خیالات تو بہت نیک ہیں۔ شاید اس لیے آپ نے الیکشن میں بھی کھڑے ہونے کا فیصلہ کیا تھا؟"

○ "جی ہاں اسی لیے میں الیکشن میں کھڑا ہوا تھا کیونکہ مجھے ایک پلیٹ فارم چاہیے تھا لیکن چلیں خیر جو ہوا سو ہوا۔ اب میرے اختیار میں جو ہو گا وہ میں خود ہی کروں گا۔"

☆ "خدا آپ کو کامیاب کرے۔ قیصر خان آپ ایک خوب صورت جوان ہیں۔ کالج کے زمانے میں نوجوان تھے اس دور میں خواتین آپ کی طرف راغب ہوتی تھیں یا آپ ان کی طرف راغب ہوتے تھے؟"

○ "کام دونوں طرف سے ہوتا تھا کم ہم بھی نہیں تھے اور وہ عمر تو ایسی ہوتی ہے کہ ہر کوئی پسند آجاتی ہے۔ تو بس دل لگی رہتی تھی مگر میں سنجیدہ کسی کی طرف نہیں تھا کالج میں ہر کوئی ایسا ہی ہوتا ہے۔"

"تحفوں کا تبادلہ ہوتا تھا؟"

☆ "نہیں جی... جیب میں اتنے پیسے کہاں ہوتے تھے۔ کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ شاہین ایسی کہانی تو کرتے ہی نہیں تھے۔"

○ "فضیلہ آپ کی پہلی اور آخری محبت ہیں؟"

☆ "فی الوقت تو ایسا ہی ہے... فضیلہ بہت اچھی لڑکی ہے میرے دو پیارے بچوں کی ماں ہے۔ میری اس سے محبت کی شادی ہے اور ہم بہت خوشحال زندگی گزار رہے ہیں۔"

○ "اور گزارتے رہیں۔"

☆ "آمین۔"

○ "فضیلہ سے ملاقات کہاں ہوئی تھی؟"

☆ "ایک ڈرامہ سیریل "آرزو" چل رہا تھا اس کے سیٹ پر ملاقات ہوئی ایک نظر میں ہی فضیلہ اچھی لگی اور میں نے سوچا کہ چلو یار یہ صحیح لڑکی ہے اس سے

شادی کر لیتے ہیں۔"

○ "کیسے آپ نے جج کر لیا کہ یہ ٹھیک لڑکی ہے؟ خراب بھی تو ہو سکتی تھی؟"

☆ "بس ہوتا ہے نا بعض اوقات آدمی سوچ لیتا ہے کہ یہ کام کرنا ہے تو پھر اس میں جج کرنے کا وقت نہیں ہوتا بس کرنا ہے تو کرنا ہی ہے۔"

○ "اور پھر فیصلہ کر لیا؟"

"جی بالکل فیصلہ کر لیا اور پھر شادی کر لی"

☆ "مطمئن ہیں اپنی گھریلو زندگی سے۔؟"

○ "الحمد اللہ مطمئن ہوں۔"

☆ "بچے وہی اچھے...؟"

○ "جی ہاں بچے دو ہی اچھے کیونکہ پھر ان والدین کی بھی تو ذمہ داری ہے۔ پیدا تو اللہ میاں کروا ہی دیتے ہیں۔ پھر ان کو سنبھالنا ان کی پرورش کرنا والدین کی ہی ذمہ داری ہوتی ہے۔"

☆ "بچے تو بہت سارے اچھے لگتے ہیں آپ کی فیملی تو بہت ہی چھوٹی ہے؟"

○ "ہم میں اور جانوروں میں فرق ہونا چاہیے۔ جانوروں کے ایک ساتھ کتنے بچے ہوتے ہیں مثلاً" بلی ایک وقت میں کتنے بچے دیتی ہے۔ مگر ہوتا کیا ہے۔ کوئی گاڑی کے نیچے آرہا ہے۔ کوئی ادھر گم ہو رہا ہے کوئی بھوک کے لیے چل رہا ہے تو اس لیے کم اولاد ہی ہونی چاہیے۔"

☆ "بھئی آپ جانوروں کی مثال تو نہ دیں؟"

○ "چلیں انسانوں کی مثال دے دیتا ہوں۔ جن لوگوں کے زیادہ بچے ہوتے ہیں ان کا حال دیکھا ہے کبھی موٹر سائیکل پہ دس دس لوگ جا رہے ہوتے ہیں۔ بچوں کی ایک قطار ہوتی ہے پھر کوئی سڑکوں پر بھیک مانگ رہا ہوتا ہے۔ کوئی چوری ڈاکے ڈالتا ہے۔ کوئی بھوک سے بلک رہا ہوتا ہے تو ایسی زندگی تو نہیں چاہیے۔"

☆ "واقعی جو روح دنیا میں آتی ہے اس کے بھی کچھ حقوق ہوتے ہیں؟"

○ "یہی بات تو میں آپ کو سمجھانا چاہ رہا ہوں کہ آنے والوں کا کیا قصور ہوتا ہے۔ لہٰذا کوشش یہی ہونی

چاہیے کہ بچے کم ہوں تاکہ ان کی اچھی طرح پرورش ہو سکے۔ وہ اچھی تعلیم حاصل کر سکیں اور معاشرے کا ایک کار آمد پرزہ بن سکیں۔"

☆ "فضیلہ آپ کا خیال رکھتی ہیں یا بچوں پر زیادہ توجہ دیتی ہیں؟"

○ "فضیلہ میرا بھی خیال رکھتی ہیں اور بچوں کا بھی وہ ایک سمجھدار لڑکی ہے اسے معلوم ہے کہ گھر کو کس طرح چلانا ہے۔"

☆ "آپ سمجھتے ہیں کہ فضیلہ سے شادی کا فیصلہ بالکل ٹھیک تھا؟"

○ "بالکل میں سمجھتا ہوں کہ میرا فیصلہ بالکل ٹھیک تھا۔ مجھے کوئی پچھتاوا نہیں ہے۔ میری زندگی بہت اچھی گزر رہی ہے۔"

☆ "کہتے ہیں کہ آدھی شادی لڑکی سے اور آدھی اس کے گھر والوں سے ہوتی ہے۔ کیا خیال ہے آپ کا؟"

○ "اگر آپ میرے سسرال والوں کے بارے میں پوچھنا چاہ رہی ہیں تو سچ بات ہے کہ میرے سسرال کے لوگ بھی بہت اچھے ہیں۔ سب میرا بہت خیال رکھتے ہیں میری عزت کرتے ہیں۔ مجھے کبھی شکایت کا موقعہ نہیں دیتے اور شکایت کیسی یہ تو رشتے ہی پیار محبت کے ہوتے ہیں۔"

☆ "جس طرح ساس بہو میں کھٹ پٹ رہتی ہے

اس طرح اکثر ساس سسر اور داماد کے درمیان بھی کھٹ پٹ کے قصے سنتے ہیں؟"

○ "ہاں ہوتا ہوگا ایسا... مگر میں آپ کو ایک بات بتاؤں کہ میں اور **فضیلہ** قرآن کے طالب علم ہیں۔ اس لیے ہمیں حقوق کے بارے میں پتہ ہے کہ کس کے کیا حقوق ہیں، ہمارے کیا حقوق ہیں اور ہمارے ذمہ دیگر لوگوں کے ... کیا حقوق ہیں۔ تو ہم دونوں کوشش کرتے ہیں کہ انہیں پورا کریں اور جب آپ سب کے حقوق پورے کرتے رہیں گے تو پھر آپ پر کوئی انگلی نہیں اٹھا سکے گا۔"

☆ "کب سے آپ قرآن کی تعلیم لے رہے ہیں؟"

○ "یہی کوئی سال ڈیڑھ سال کا عرصہ گزرا ہے۔ ہم ترجمہ اور تشریح کے ساتھ قرآن کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔"

☆ "آپ کے ساتھ اور لوگ بھی ہوں گے؟"

○ "جی ہاں... ماشاء اللہ کافی سارے لوگ ہیں اور ان میں ہمارے ملک کے دیگر نامور فنکار بھی شامل ہیں۔"

☆ "تو کیا اسی وجہ سے **فضیلہ** نے اس فیلڈ کو خیرباد کہا ہے؟"

○ "نہیں ایسی بات نہیں **فضیلہ** گھرداری میں بھی مصروف رہتی ہیں۔ پھر میرے ساتھ پروڈکشن میں بھی ہاتھ بٹاتی ہیں ... اور پروڈکشن میں آپ کو پتہ ہی ہے کہ کتنے کام ہوتے ہیں۔"

☆ "کن لوگوں کو یاد رکھتے ہیں۔ کن کو بھول جاتے ہیں؟"

○ "میں ان لوگوں کو یاد رکھتا ہوں جنہوں نے میرے ساتھ اچھائی کی ہو جو میرے برے وقت میں یا کسی پرابلم میں میرے کام آتے ہوں اور بھولتا میں کسی کو بھی نہیں ہوں۔ خواہ کسی نے میرے ساتھ برائی کی ہو یا اچھائی کی ہو۔"

☆ "تنہائی میں کیا سوچتے ہیں؟"

○ "تنہائی میں اپنے فیوچر کے بارے میں سوچتا ہوں کہ کیا کرنا ہے، کیسے کرنا ہے اور گزرے ہوئے لوگوں کو یاد کرتا ہوں اور احسان کرنے والوں کے بارے میں سوچتا ہوں۔"

☆ "لڑکیاں تو چھوٹی چھوٹی بات پر روتی ہیں۔ لیکن لڑکے بھی بعض اوقات ایسے دور سے گزرتے ہیں جب انہیں رونا آتا ہے؟ آپ بھی روئے؟"

○ "ہاں میں بھی رویا تھا، جب مجھے یہ احساس ہوا تھا کہ میں اب تک قرآن سے اتنا دور کیوں تھا کہ ہمیں پتہ ہی نہیں تھا کہ اس کے اندر کیا ہے۔ ہمیں تو صرف ڈرایا گیا تھا کہ قرآن میں یہ ہے۔ بس اس وقت مجھے افسوس ہوا تھا اور میں نے اللہ سے معافی مانگی تھی اور پھر باقاعدہ تعلیم حاصل کرنی شروع کر دی۔"

☆ "طالب علمی کے زمانے میں کبھی مالی طور پر پریشان رہے؟"

○ "نہیں کبھی نہیں کیونکہ میں اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے کبھی ٹیوشن پڑھا لیتا تھا اس سے پیسے مل جاتے تھے۔ اپنی موٹر سائیکل خرید کر اسے ٹھیک ٹھاک کرا کے بیچ دیتا تھا تو اس سے پیسے مل جاتے تھے۔ پیسوں کا کبھی مسئلہ نہیں رہا۔"

☆ "خرچ وغیرہ ٹھیک ٹھاک ملتا تھا؟"

○ "نہیں کبھی نہیں خود ہی کما کر اپنی ضروریات کو پورا کر لیا کرتا تھا۔ میں نے کبھی کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلایا حتیٰ کہ ماں باپ کے سامنے بھی نہیں۔"

☆ "والدین ہی تو ایک ایسی ہستی ہوتے ہیں جن سے اولاد بے جھجک مانگ لیتی ہے؟"

○ "لیکن یہ حقیقت ہے کہ کبھی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی تھی۔ جب اسکول جاتے تھے تو خرچی مل جایا کرتی تھی۔ کھانا گھر پر مل جاتا تھا کپڑے اور رہنا سہنا سب سہولتیں والدین نے دی ہوئی تھیں۔ خرچی سے قلفی اور گولا گنڈا کھانے کی خواہش پوری ہو جاتی تھی۔"

☆ "فضول خرچ تھے؟"

○ "نہیں بالکل نہیں... اگر فضول خرچ ہوتا تو والدین سے مانگتا۔ مجھے پتنگ بازی کا شوق تھا اور میں دوسروں کی چھتوں پر جو پتنگ کٹ کر آیا کرتی تھیں وہ میں اٹھا لایا کرتا تھا۔"

☆ ☆

سالگرہ نمبر

خوشبو بنگ دریچے کھول رہی ہے

ریحانہ علی احمد

سروے

راستوں میں کھڑا بارش کا پانی، خنک ہواؤں کے جھونکے، راستوں پر ٹوٹے اور گرے ہوئے پتے، شاخوں پر پرندوں کی چہچہاہٹ یا دروازوں اور کھڑکیوں کی گنگناہٹ ہٹ اسی احساس کو تقویت دیتی ہے کہ رُت بدل رہی ہے۔ تبدیلی، جو ہر لمحہ وقوع پذیر ہوتی رہتی ہے۔ آتے جاتے موسموں کے ساتھ دل کے موسم بھی بدلتے رہتے ہیں۔

؎ اس گردشِ جہاں کے عجب سلسلے ہوئے
عرصہ ہوا ہے اپنے ہی دل سے ملے ہوئے

اس گردش میں ہم اس طرح اُلجھ جاتے ہیں کہ موسم کے بدل جانے کا احساس ہی نہیں ہوتا بلکہ ہم اپنے اندر کے موسم سے بھی بے خبر رہتے ہیں۔ چونکہ سارے موسم دل کے موسم سے وابستہ ہوتے ہیں۔ اگر دل کا موسم خزاں رسیدہ ہو تو پھر خزاں کی اداسیاں، سوکھی شاخیں، بے لباس شجر، گرد و غبار سر دوش لیے پھرتی ہوائیں، راستوں پر آوارہ زرد پتے، سونے راستے، سنسان گلیاں سب کچھ جانا پہچانا سا منظر لگتا ہے۔ اور اگر دل خوش ہو تو بہاروں کے قافلے، برف پوش پہاڑیوں سے پھوٹتے جھرنے، چہچہاتے پرندے، پھولوں پر منڈلاتی تتلیاں، سرسبز وادیاں، پتوں پر سجدے کرتی اوس کی بوندیں، چاندنی راتوں کا سحر، لہراتا سمندر، ستاروں بھرا آسمان اور ساحل سے اٹھکیلیاں کرتی موجیں آنکھوں کا اثاثہ ہوتی ہیں۔

اس ترقی یافتہ دور میں انسان کی بنائی ہوئی مشینیں ہی انسان کے مقابل کھڑی ہیں اور ان کا سامنا کرتے کرتے انسان خود ایک مشین بن گیا ہے۔ بے دل کے لیے موت مشینوں کی حکومت۔ اس لیے دل کی زندگی کے بھی کچھ سامان کیے جانے چاہئیں۔ چوبیس گھنٹوں میں کچھ لمحے، کچھ ساعتیں اپنے لیے صرف اپنے دل کے ساتھ گزاری جائیں۔

کرن کی سالگرہ کے موقع پر ہم نے ان ہی ساعتوں کے بارے میں اپنی مصنفین سے کچھ سوالات کیے ہیں۔ آیئے دیکھتے ہیں انہوں نے اس کے کیا جوابات دیے ہیں۔

سوالات

۱۔ آپ کی شخصیت کی کون سی ظاہری خوبی ہے جسے لوگ پسند کرتے ہیں۔ خود آپ کو اپنی کون سی عادت پسند ہے؟

۲۔ اپنی سالگرہ کے نام کوئی خصوصی پیغام ان کی تحریر کے حوالے سے یا وہ جو آپ کہنا چاہتی ہیں؟

۳۔ سالگرہ کے حوالے سے کوئی خوبصورت جملہ، بات، کوئی شعر یا پیغام؟

۴۔ اب تک آپ نے جو کچھ لکھا اس میں اپنی پسندیدہ تحریر؟

رخ چوہدری

قارئین کو کرن کی پوری ٹیم کو کرن کی سالگرہ بہت بہت مبارک ہو میری دلی دعا ہے اللہ تعالیٰ کرن ڈائجسٹ کو ڈائجسٹوں کی دنیا میں اسی طرح جگمگاتا رکھے اور اس کی کرنیں دور دور تک پھیلیں آمین۔

۱۔ میں ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کرنے والوں میں سے ہوں ظاہری ہو یا باطنی اللہ تعالیٰ نے سب کچھ اچھا دیا اپنے رب عظیم کی شکر گزار ہوں جہاں تک پہلے سوال کا تعلق ہے تو ظاہری شخصیت کے بارے میں' میں کیا بتاؤں کہ کیسی ہوں ظاہری شخصیت کے بارے میں تو دیکھنے والے ہی بتا سکتے ہیں۔

میں تو بس اللہ کی شکر گزار ہوں کہ اس کی پاک ذات نے مجھ جیسی ناچیز کو اتنی عزت اور اتنی محبت دے رکھی ہے۔ رہی بات خود اپنی کون سی اپنی عادت یا خوبی پسند ہے تو اس کو انکساری نہ سمجھا جائے میں واقعی اپنی کوئی ایسی خوبی یا عادت کو نہیں دیکھتی کہ جو مجھے پسند ہو۔ کیونکہ خاصی اکھڑ بد دماغ اور بد مزاج ہوں میرے گھر والے میرے اس اعتراف پر بہت خوش ہوں گے ہاں کسی حد تک کوئی عادت پسند ہے تو وہ یہ ہے کہ کسی کی خوشی یا مصلحت کی خاطر اپنی خوشی کو دبا لیتی ہوں بعض اوقات شدید خواہش سے بھی دست بردار ہو جاتی ہوں۔ خیر یہ بھی کوئی ایسی خوبی نہیں جسے سراہا جائے۔

۲۔ ہم سے پہلے رائٹرز نے بھی خوب لکھا اور میری ہم عصر رائٹرز نے بھی بہترین تحریر لکھی جیسا کہ میں ہمیشہ اعتراف کرتی رہی ہوں کہ میں پڑھنے کی چور ہوں میرا مطالعہ وسیع نہیں مگر پھر بھی مجھے وہ تحریر پسند آتی ہے جو اپنے اندر اپنی جاذبیت رکھتی ہو جو دل کو چھو جائے' میری ہم عصر میں ایک نام عنیزہ سید کا ہے جنہوں نے بے شمار قارئین کے دل جیت لیے ہیں اپنی تحریر سے' ان قارئین میں' میں بھی شامل ہوں یوں تو عنیزہ کی ہر تحریر دل جیت لینے والی ہوتی ہے۔ مگر ان کا ایک مکمل ناول مجھے نام یاد نہیں' بہرحال بہترین تحریر تھی جس میں ہیروئین شکل کی بھی اتنی اچھی نہیں اور عمر میں بھی ہیرو سے بڑی ہے' ہیرو کی محبت اور دیوانگی کو بہت خوب صورت انداز میں لکھا ہے۔ بہرحال مجھے بہت پسند آیا تھا وہ ناول' پیغام ان کے لیے یہ ہے کہ عنیزہ جی مانا کہ آپ گھرداری میں مصروف ہو گئی ہیں مگر کبھی کبھی ہماری عنیزہ سے بھی ملاقات کرا دیا کریں۔ آپ کے بارے میں سنا ہے آپ میرے شہر پسرور میں آباد ہیں تو چلیے اب پسرور چکر لگا تو انشاء اللہ آپ سے ملاقات ہو گی۔

۳۔ یوں تو سالگرہ کے حوالے سے شعر بھی ہے بات پیغام سب کچھ مگر میں ایک جملہ جو صرف جملہ ہی نہیں میرے لیے اعزاز بھی ہے گو کہ اس کا تعلق کسی سالگرہ سے نہیں مگر چونکہ یہ جملہ مجھے بہت پسند بہت عزیز ہے اس کا تعلق محمود ریاض صاحب سے ہے۔ گو کہ میری کم نصیبی رہی کہ اتنا عرصہ اس ادارے سے وابستگی کے باوجود ان سے زیادہ ملاقات نہ رہی مگر ان کے جانے سے کوئی دو ماہ قبل میری ان سے ملاقات ہوئی تھی وہ بہت اداس سے تھے مگر —— کسی بات پر انہوں نے میرے لیے ایک جملہ کہا۔

"رخ بہت معزز لڑکی ہے؟" یقین جانیے یہ جملہ ہی نہیں میرا اعزاز ہے۔

۴۔ اپنی تحریر کے بارے میں وہی حساب ہو گیا ناں کہ ماں سے اس کے سارے بچوں میں سے —— ایک بچے کے بارے میں پوچھا جائے بات یہ ہے کہ میری تحریر جیسی بھی ہے آپ سب کے سامنے ہے جیسی بھی ہے اللہ تعالیٰ نے اسی تحریر سے مجھے عزت دی ہے ذاتی طور پر اپنا ایک ناولٹ جو کرن ہی میں شائع ہوا تھا نام یاد نہیں کامیڈی ناولٹ تھا وہ پسند تھا۔ ویسے تو اپنی تمام تحریریں مجھے بہت عزیز ہیں اور آج کل آپ کرن میں میرا ناول "دل کا دروازہ" پڑھ رہے ہیں آپ کے خطوط سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کو پسند آ رہا ہے۔ میرا انداز اس میں پہلے کے مقابلے میں مختلف ہے' آپ کی تعریف اور تنقید کی منتظر ہوں۔ ایک بار پھر ادارہ کرن کو سالگرہ مبارک ہو اللہ اسے پھلتا پھولتا رکھے آمین۔

سعدیہ عزیز آفریدی

سوالوں کے جواب سے پہلے کرن کے اسٹاف اور قارئین کو سالگرہ کی مبارک باد۔

۱۔ شاید میری ایک ہی ظاہری خوبی ہے اور وہ ہے شکل سے معصوم اور بے وقوف دکھائی دینا اور زیرک افراد میری اس خوبی سے خوب حظ اٹھایا کرتے ہیں خود مجھے جو اپنی عادت پسند ہے وہ ہر ایک سے بے تپاک اور بے تکلفی سے میل جول بڑھا لینا ہے۔ مجھے محبت کرنے اور محبت کو پسند کرنے والوں سے دلی لگاؤ ہے اس لیے مجھے ہر انسان سے بے ریا اور خدا واسطے کی محبت کرنا اچھا لگتا ہے طمع کا لالچ نہیں رکھتی اس لیے یہ خوبی اور بھاتی ہے۔

۲۔ سب اچھا لکھ رہی ہیں اس لیے اس حوالے سے کوئی پیغام ایجنڈے میں شامل نہیں۔

۳۔ سالگرہ کے حوالے سے ایک ہی پیغام ہے۔

مجھے ہمیشہ آپ سب اپنی محبتوں میں یاد رکھا کریں ۳ جنوری بھول کیوں جاتے ہیں بھئی؟ کسی شہر سے کوئی پھول' پرفیوم' کوئی اچھی کتاب' بھئی کچھ تو میرے نام پوسٹ کیا کریں کچھ نہ ہو سکے تو محبت ہی بخشش کر دیا کریں کہ یہی میری عمر کی کمائی ہے سنیں قارئین اب تو یاد رہے گی نا ۳ جنوری۔

۴۔ ارے بھئی یہ پوچھئے کون سی تحریر تھی جو بری لکھی بھئی ہم نے تو ہر تحریر ہی معرکتہ الآرا لکھی یہ اور بات قارئین کے حلق سے نیچے نہیں اتری اور ہم دل سے ہٹ کر معدے کے لیول کی چیز لکھنے کے لیے بھی خود کو تیار نہیں کر پائے ویسے یہ مذاق تھا حقیقت میں ابھی تک ایسی تحریر لکھنے کی حسرت ہے' جو معرکے کی چیز ہو ہاں کچھ تحریریں لکھتے ہوئے لکھنا اچھا لگا تھا مثلاً "سفید شرٹ' کچھ نہیں' میرے دل میں دیپ جلا سائیں' اوک میں سورج' صبح اول کا سورج' جنم جنم کا قیدی' سوروپ محبت کے اور' بہت سی ہیں لسٹ لمبی ہو جائے گی اور تھکے تھکے کم ہیں سو اسی پر اکتفا کریں کبھی موقع ملا تو پھر مل بیٹھیں گے پھر باتیں گے بقول شخصے یار زندہ صحبت باقی ویسے پرچے کے پروف ریڈر کی طرح آپ اسے محبت نہیں صحبت ہی سمجھئے گا بالفرض میرے محبت راگ پر آپ کو یہ محبت ہی پڑھا جائے تو بھی برا نہیں کہ میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے۔

فائزہ افتخار چندا

۱۔ ظاہری خوبی۔۔۔ یعنی دکھانے کے دانت۔۔۔ میرے آس پاس اس وقت جو لوگ موجود ہیں انہیں نہ میرے کھانے کے دانت پسند ہیں نہ دکھانے کے۔ افتخار کے ترلے کیے کہ تم بھی میری کسی ظاہری خوبی کی نشاندہی کر دو پہلے تو موصوف خود کو "لوگ" میں شمار کیے جانے پہ اکڑ گئے پھر بڑا احسان کر کے بولے "یہ جو تم ہر تلخی' ہر بد مزگی کو اندر ہی اندر پی جاتی ہو' اور کڑوے کسیلے منہ بنا کے دنیا کو نہیں دکھاتیں مجھے یہ عادت

بہت پسند ہے۔ "ایمان سے میرا جی جل گیا کوئی میرے دل سے پوچھے کہ یہ خوبی ہے یا برائی' یہ تو میری بزدلی ہے جسے وہ پسند کر رہے ہیں' ظاہر ہے ان کے فائدے میں جو جاتی ہے خیر دوبارہ سے سوال کی وضاحت کی کہ عادت کی نہیں ظاہری خوبی کی بات ہو رہی ہے' ظاہری یعنی جو دیکھنے میں نظر آتی ہو۔

جواب ملا "ابھی میں جلدی میں ہوں' آفس سے آ کر دیکھوں گا" "ہیں... تو اتنے سالوں سے کیا دیکھتے رہے ہو میاں؟ اپنے بھائی محمد سے' جو سعودیہ میں مقیم ہے' فون پہ رابطہ کیا' فوراً" بولا باجی آپ پڑا اور آملیٹ بہت زبردست بناتی ہیں۔ لو جی' گل ہی مک گئی۔ کال مہنگی پڑنے کا اندیشہ تھا ورنہ اسے بھی ظاہری خوبی کی تشریح سناتی۔ آخری امید کے طور پہ کزن شانی کو فون پہ میسج دیا۔ اگلی ہی سیکنڈ لکھا آیا and nature Your atitude عقل مند کو اشارہ کافی ہوتا ہے اس لیے مزید کسی فرد سے دریافت کرنے کی ضرورت نہ سمجھی بھئی ظاہر ہے کہ ظاہری خوبی ہوتی تو کوئی بتاتا بھی۔ دل رکھنے کو نیچر کی تعریفیں ہو رہی ہیں۔ بہنوں سے اس لیے نہیں پوچھا کہ وہ خاصی صاف گو ہیں۔ دوست... وہ صاف گو نہیں منہ پھٹ ہیں اس لیے...

ہاں یاد آیا کہ سال میں عموماً "ایک آدھ بار' اور گرمیوں میں لازماً" جب میں بیوٹ کٹنگ کے لیے کسی نہ کسی بیوٹی پارلر جاتی ہوں تو پہلا جملہ یہی سننے کو ملتا ہے کہ ہائے اللہ اتنے لمبے اور خوب صورت بال آپ کٹوا رہی ہیں؟ دراصل اور کسی کام سے میں بیوٹی پارلر جاتی ہی نہیں اس لیے کوئی مخصوص پارلر یا بیوٹیشن تو ہے نہیں جو میری عادت سے واقف ہو بس جب بھی گرمی سے دل گھبرائے کسی بھی پارلر چلی جاتی ہوں مجھے کون سا خاص ہیئر اسٹائل بنوانا ہوتا ہے بس بالوں کی لمبائی کم کروا کے کاندھوں سے اوپر تک لانا ہوتا ہے۔ اس لیے ہر بیوٹیشن یہ حیرت کا اظہار کرنا نہیں بھولتی' اب اسے آپ تعریف سمجھنا چاہیں تو سمجھ لیں ذاتی طور پہ مجھے اپنے بال کوئی خاص پسند نہیں' ان میں بے تحاشا بڑھتے چلے جانے کے علاوہ کوئی خوبی نہیں' نہ سلکی ہیں نہ سیدھے۔ کسی زمانے میں اپنے ہاتھ بہت پسند تھے مجھے بھی اور تقریباً" تمام کالج کی لڑکیوں کو بھی اور جہاں تک عادتوں کی بات ہے تو میں نے محسوس کیا ہے کہ میری ایک عادت جہاں بہت سے لوگوں کو پسند ہوتی ہے وہیں اسی عادت سے بہت سے لوگ چڑتے بھی ہیں اور میری وہ خوبیاں جو میرے خیال میں مجھ میں ہیں' کوئی دوسرا ان کو خوبی ماننے یا ان کے مجھ میں موجود ہونے سے ہی انکاری ہے اور اکثر لوگ میری جن خوبیوں کی نشان دہی کرتے ہیں خود میں ان سے حد درجہ بیزار ہوتی ہوں کیونکہ ان عادتوں سے دوسروں کو بھلے فائدہ ہوتا ہو میں نے ہمیشہ نقصان ہی اٹھایا ہے۔

۲۔ یہ سوال مزے کا ہے اور اس کا جواب دینے میں بھی مزا آئے گا۔ سب سے پہلے میں اپنی پسندیدہ مصنفہ کو ایک پیغام دینا چاہوں گی جسے میں نے بہت کم پڑھا ہے اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ اس نے بہت کم لکھا ہے یا شاید جب وہ لکھتی تھی میں ہی کم پڑھا کرتی تھی اب جب' کہ پچھلے رسائل میں اس کی شائع شدہ تمام تحریریں میں پڑھ چکی ہوں' مزید پڑھنے کی ہڑک میرے اندر اتنی شدید ہے کہ میں لفظوں میں اسے بیان کر بھی نہیں سکتی۔ اس وقت بہت سی مصنفین اچھا لکھ رہی ہیں لیکن اس کا مخصوص انداز کہیں نظر نہیں آتا۔ میری تسلی کسی طور نہیں ہو رہی مائی ڈیئر فارحہ ارشد۔

یہ تو ممکن نہیں کوئی کہہ دے
تیرے لہجے میں سامری باتیں

جی ہاں' فارحہ ارشد ہی میری پسندیدہ ترین مصنفہ ہے' کاش کہ یہ سطور اس کی نظروں سے گزریں اور وہ قلم اٹھالیں ان کے لیے فقط اتنا پیغام۔

ادا قاتل' نگاہ قاتل' زبان قاتل' بیان قاتل
تمہارا سلسلہ شاید کسی قاتل سے ملتا ہے

اور اپنی اس ساتھی مصنفہ کا ذکر کروں گی جس کے لفظوں کی خوب صورتی کے سبھی معترف ہیں۔ سعدیہ عزیز آفریدی۔ آپ کو پڑھنا اتنا سکون دیتا ہے' آپ کو سننا کتنا اچھا لگتا ہوگا؟

میں دل سے پڑھوں اس کو تو آتا ہے سمجھ میں
ورنہ وہ ہے حرفوں میں بھی جز دان سے آگے

راحت جبیں شاید وہ رائٹر ہے جس کا ہر قاری سے ایسا رشتہ ہے۔

ہر موسم کی پہلی بارش اس کی یاد دلاتی ہے
باد صبا کا ہر اک جھونکا اس کی خوشبو لاتا ہے

۳۔ سالگرہ کے حوالے سے کوئی خوب صورت جملہ' بات' پیغام۔ مگر کس کی سالگرہ۔ کزن کی یا میری؟ کزن مجھے ہر ماہ کی دس گیارہ کو ملتا ہے اور تیرہ مارچ کو میرا بھی جنم دن ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ میری اور کزن کی سالگرہ اکٹھے ہی منائی جائے گی اس لیے خوب صورت جملوں اور شعروں پر جتنا حق کزن کا ہے اتنی حقدار میں بھی ہوں۔ چلو چلو شاباش' خوب صورت جملوں سے مجھے برتھ ڈے کو سب اور پیغام یہ کہ "مجھے اس برتھ ڈے پہ ڈھیر سارے گفٹس چاہئیں اور یہ پیغام کھلا پیغام ہے" جہاں تک پہنچے اور خصوصاً" افتخار تک تو ضرور پہنچے۔

۴۔ پھر آ گیا ناں اوکھا سوال۔ مجھے اپنی بہت سی تحریریں پسند ہیں لیکن ان کو پسند کرنے کی بہت سی وجوہات ہیں صرف یہ نہیں کہ وہ میں نے اچھی لکھیں یا نہیں' ان سے مطمئن ہوں بلکہ مثلاً" جیسے کرن میں شائع ہونے والا پہلا مکمل ناول "اچپاں مجاجاں والا" مجھے اس لیے پسند ہے کہ اسے لکھنے کے بعد مجھے اندازہ ہوا میں اتنی کام چور اور سست بھی نہیں کہ طویل تحریریں نہ لکھ سکوں ورنہ اس سے پہلے بہت سے پلاٹ اس لیے ادھورے چھوڑ دیے کہ کام لمبا ہونے کی صورت میں کہیں انصاف نہ کر پاؤں۔ یہ ناول شائع ہونے کے بعد ہی میں مزید طویل تحریریں لکھنے کے قابل ہو سکی۔ اس کے علاوہ "پھلاں دے رنگ کالے" بہت اپنا اپنا سا لگتا ہے۔ اگرچہ اس کا نہ تو پلاٹ بہت منفرد تھا نہ ہی کردار کوئی معرکتہ الارا تھے بس ماحول بہت جانا پہچانا سا اور بچپن کی یادیں دہراتا ہوا لگتا تھا۔ اس کے کردار تخیلاتی تھے لیکن ان کے نام حقیقی تھے جن سے میرا خاصا واسطہ رہا' رحیم گل' خان ارباب' ڈاکٹر خوشنود' حضرتی بی' اورنگ زیب... ان سب ناموں کو اس تحریر میں دہرانا بہت اچھا لگا۔

آمنہ ریاض

۱۔ پہلے سوال کا جواب بہت لمبا چوڑا ہے۔ دراصل میری شخصیت میں اتنی خوبیاں ہیں کہ لکھتے لکھتے میں تھک جاؤں گی اور پڑھتے پڑھتے آپ... اب اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ خوبیاں ہی اس قدر ہیں کہ اکثر تو مجھے خود بھی یاد نہیں رہتیں اور اکثر لوگوں کو بھی میرا خیال ہے کہ میری خوش فہمی پر سب ہی کافی طنزیہ ہنسی ہنس چکے ہوں گے لہٰذا سنجیدگی سے جواب دیتی ہوں اکثر اپنے لیے "کیوٹ" کا لفظ سنا ہے یقین کیجیے میں سچ کہہ رہی ہوں اور خود اپنی جو عادت پسند ہے وہ یہ کہ تھوڑی سی (انگلی اور انگوٹھے کو آپس میں ملا کر) ہیلپ فل ہوں باقی اگر برائیاں پوچھ لیں تو ان گنت ہیں۔

۲۔ یہ سوال مجھے بے حد پسند آیا ہے اور اگر میں غلطی نہیں کر رہی تو یقیناً" یہ سوال سینئرز کے بارے میں ہی پوچھا گیا ہے۔ سب سے پہلے میں نام لوں گی "فرحت اشتیاق" کا جو مجھے بہت پسند ہیں (اپنی تحریروں سمیت) "تیرے لیے ہے میرا دل" اور "پل بھر رستہ طے کرنے میں" کو تو میں کئی بار پڑھ چکی ہوں۔ ان کا لکھا ہوا کچھ بھی میں شدید مصروفیت کے

باوجود بھی مس نہیں کرتی۔ اتنے سوفٹ الفاظ لکھنے والی لڑکی خود کتنی سوفٹ ہوگی؟ میں اکثر سوچتی ہوں۔ پھر "فائزہ افتخار" ہیں جن کی ہر تحریر پڑھنے کا دعوی تو نہیں ہے البتہ "پھلاں دے رنگ کالے" میں لفظوں کا طلسم بے حد شاندار تھا اور "اچیاں مجاجاں والا" سچ فائزہ آپ کی کمر ٹھونک کر داد دینے کو جی چاہتا ہے (ہتھوڑے سے نہیں ہاتھ سے)

۳۔ سالگرہ کے حوالے سے کوئی خوب صورت جملہ' بات کوئی شعر یا پیغام۔ میرا خیال ہے اس سب کے لیے فقط ایک مصرعہ ہی کافی ہے۔ "جتنے ہیں چاند ستارے اتنی ہو عمر تمہاری۔" اس سے بڑھ کر اور کیا کہوں۔

۴۔ یہ انتہائی مشکل سوال ہے ابھی تو ایک کے بعد دوسرا قدم ہی اٹھایا ہے تو سبھی کو خبر ہے کہ ابتدائی قدم کتنے ڈگمگاتے ہوئے ہوتے ہیں ان ڈگمگاتے ہوئے قدموں کو پسند کرنے کا مطلب ہے کہ بندہ ساری عمر پونہی ڈگمگاتا رہے۔ ابھی تک کچھ اتنا خاص لکھا ہی نہیں ہے البتہ خدا کا کرم رہا تو ضرور لکھوں گی۔ اس دعا کے ساتھ کہ آپ سب بہت خوش رہیں۔

سائرہ عارف

۱۔ پہلا سوال ہی مجھے تو خاصا مشکل لگا ہے' لوگوں سے اپنی کسی خوبی کے بارے میں پوچھنا خاصا رسکی کام ہے' جو کسی نے لگاوٹ' لحاظ اور رواداری ایک طرف رکھ کر دل کی بات سچ سچ کہہ دی تو برداشت کرنا مشکل ہو جائے گا' جہاں تک لوگوں کے خود سے اظہار کی بات ہے تو آج کے دور میں دوسروں کی خوبیوں کی تعریف کم ہی ہوتی ہے' ویسے میری ساس میری ایک خوبی کی بہت تعریف کرتی ہیں۔ وہ ہے "برداشت اور صبر" میرے اندر اچھی بری بات کو برداشت کرنے کا بہت حوصلہ ہے' میں بے صبری اور منہ پھٹ نہیں ہوں (اور جب کوئی ساس بہو کی کسی خوبی کی تعریف کرے تو وہ یقیناً "خوبی ہی ہوتی ہے) جہاں تک خود مجھے اپنی کون سی عادت پسند ہے تو اگر خامیوں کا پوچھا جاتا' میں زیادہ بہتر لکھ سکتی تھی کہ انسان کو اپنی خوبیوں سے زیادہ خامیوں پر نظر رکھنی چاہیے اور وہی شخص زندگی کے پر پیچ راستے پر کامیاب ہوتا ہے (سیانے کہتے ہیں) ویسے میں ایک دردمند اور حساس دل رکھتی ہوں اور اس پر مجھے فخر بھی ہے۔

۲۔ ویسے تو کرن میں تمام رائٹرز ہی بہت اچھا لکھ رہی ہیں۔ خصوصاً "نئے لکھنے والیوں کی حوصلہ افزائی جس طرح کرن میں ہوتی ہے یہ انتہائی قابل تعریف اور احسن قدم ہے' میں اپنی ساتھی رائٹرز سے صرف اتنا ہی کہوں گی کہ وہ جو کچھ بھی لکھیں' ان کی تحریر سے کوئی مثبت سوچ' مثبت راہ' مثبت خیال سامنے آنا چاہیے' قلم کی حرمت کے تقدس کا اہم فریضہ اگر خوش قسمتی سے ہمارے حصے میں آیا ہے تو ہمیں اسے پوری ایمانداری اور خلوص سے نبھانا چاہیے۔

۳۔ کرن ایک خوب صورت معیاری' دلچسپ' تفریحی رسالہ ہے' قارئین کی بہت بڑی تعداد اسے پڑھتی اور پسند کرتی ہے' میری اس کے لیے دعا ہے کہ یہ مزید ایسی ہزاروں سالگرہیں منائے' اسے ترقی اور

کامرانی ملے' عزت و شہرت کی بلندیوں پر سورج کی طرح جگمگائے اور اپنی کرنوں سے معاشرے میں روشنی بکھیرتا رہے۔ (آمین)

۴۔ اب تک جو کچھ بھی تھوڑا بہت لکھا ہے' اس میں سے بہت سی اپنی تحریریں پسند ہیں اور قارئین نے بھی انہیں پسند کیا ہے' مگر کوئی ایک ایسی پسندیدہ تحریر جسے میں لکھ سکوں' وہ اب تک میرے خیال میں نہیں لکھ پائی ہوں' ہاں کوشش بہتر سے بہترین کی ضرور ہوتی ہے' اللہ نے چاہا تو ایک دن وہ بھی تحریر لکھ سکوں گی' جس کے بارے میں برملا کہوں گی کہ یہ پسندیدہ ترین ہے۔

بشریٰ سعید

کرن سے متعلقہ لوگوں کو سالگرہ مبارک اللہ تبارک و تعالیٰ کرن کو بہت ترقی بخشے (آمین)

۱۔ جہاں تک میری معلومات ہیں ایسی کوئی بھی خوبی مجھ میں نہیں ہے' جسے لوگ پسند کرتے ہوں۔ کم از کم مجھے تو ایسا ہی محسوس ہوتا ہے۔ اس سوال کا جواب لکھتے ہوئے ملال سا ہو رہا ہے' بہت سوچ بچار کرنے کے باوجود کوئی قابل ذکر بات ذہن میں نہیں آئی بس اتنا ہے کہ گھر والے کبھی کبھار میرے ہاتھ کے پکے کھانوں کی تعریف کر دیا کرتے ہیں کوئی چھوٹا موٹا تعریفی فقرہ سننے کو مل جاتا ہے اور بس میں خوش ہو جاتی ہوں ہاں اگر مجھ سے پوچھتے ہیں کہ مجھے اپنی کون سی خوبی پسند ہے تو سنیے مجھے تو ڈھونڈنے سے بھی خود میں خامی نظر نہیں آتی۔ گنوں کی گتھی ہوں خوبیاں گنوانا شروع کروں تو صبح سے شام ہو جائے مگر فہرست ختم نہ ہو۔ بہرحال کسی ایک خوبی کا تذکرہ مقصود ہے تو مجھے اپنی خوش فہمی سب سے زیادہ پسند ہے۔ شاید آپ کو یہ بات قدرے عجیب یا شاید بہت زیادہ عجیب محسوس ہو۔ لیکن میرے ساتھ کچھ ایسا ہی معاملہ ہے میری خوش فہمی مجھے بہت سی تلخیوں سے محفوظ رکھتی ہے۔ میں ایک چھوٹی سی مثال کے ذریعے اپنی بات سمجھانے کی کوشش کرتی ہوں۔ فرض کیجیے کوئی میرے منہ پہ مجھے برا بھلا کہہ جائے تو میں اس نہج پر سوچنا شروع کر دوں گی۔

"لو بھلا وہ سچ مچ مجھے ایسا تھوڑی سمجھتے ہیں۔ وہ تو کسی حاسد نے الٹی سیدھی باتیں کر کے بہکا دیا ورنہ کیا وہ مجھے جانتے نہیں ہو سکتا ہے چند روز میں معافی تلافی کے لیے رابطہ کریں۔ ڈور بیل بجی ہے لگتا ہے راستے میں ہی احساس ہو گیا۔ چلو بشریٰ اب منتیں کروانے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

آپ خود ہی بتائیے یہ طریقہ کار کس قدر سکون بخش ہے۔ خوامخواہ حقیقت پسند بن کر جی جلانے سے حاصل؟ میرا خیال ہے اب آپ مجھ سے متفق ہو گئے ہوں گے۔

۲۔ ساتھی مصنفین میں جس مصنفہ نے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ فاخرہ جبیں ہیں سو پیغام بھی انہی کے نام ہے۔ سب سے پہلی بات تو یہ کہ آپ باقاعدگی سے لکھا کریں۔ بے شک خود ایسا نہیں کر پاتی لیکن اس کے باوجود آپ سے یہ فرمائش ضرور کروں گی۔ جاندار منظر نگاری اور رواں مکالمے فاخرہ کی تحریروں کی خاص پہچان ہیں۔ افسانہ نگاری کے حوالے سے ان کی سب سے بڑی خوبی جو مجھے محسوس ہوتی ہے وہ یہ کہ ان کا فن جمود کا شکار نہیں وقت کے ساتھ ساتھ ترقی کر رہا ہے۔ خصوصاً "موضوعات کے اعتبار سے اور ایک اچھے لکھنے والے کی یہی پہچان ہے۔

۳۔ سب پڑھنے والوں کے لیے میرا ایک مختصر سا پیغام ہے۔ خدا کے لیے کسی سے نفرت مت کیجیے۔ انسانوں سے' جانوروں سے چیزوں سے کسی بھی شے سے نفرت نہ کریں میں آپ کو لوگوں سے محبت کرنے کو نہیں کہتی میں جانتی ہوں یہ بہت مشکل کام ہے میں یا آپ یا کوئی بھی اتنا فارغ نہیں کہ ایرے غیرے قسم کے لوگوں سے محبت کرتا پھرے۔ لیکن ذرا سوچیے اگر

باقی صفحہ 249 پر

رُخ چوہدری

دل کا دروازہ

زینت اپنے نانا اور نانی کے ساتھ رہتی تھی۔ ایک حادثے میں ظفر اور وجاہت زینت کی مدد کرتے ہیں۔ اس کے نانا اور نانی دونوں کے بہت شکر گزار ہوتے ہیں۔ ظفر اور وجاہت نا صرف بچپن کے دوست ہیں بلکہ ظفر، وجاہت کا ملازم بھی ہے۔ وجاہت بگڑا ہوا رئیس زادہ ہے۔

لیلیٰ اپنے ماں باپ کی بہت لاڈلی اولاد ہے اسے ایکٹنگ کا جنون کی حد تک شوق ہے اور اسی شوق کے پیش نظر والدین نے اسے ایکٹنگ کی اجازت دے دی۔

شہباز لیلیٰ کو اپنے دوست راحیل کے گھر دیکھتا ہے اور پسند کر بیٹھتا ہے مگر اس کے ایکٹنگ کے شوق کو پسند نہیں کرتا۔

حسام الدین اور احتشام الدین دونوں بھائیوں کے ہاں روایتی گھرانوں جیسا ماحول تھا۔ احتشام الدین فطری طور پر خود غرض اور لالچی تھے۔ حسام الدین نے اپنی کلاس فیلو راحیلہ سے شادی کرلی تھی اور بعد میں انہیں لے کر بیرون ملک چلے گئے تھے ان کی اس شادی کو گھر والوں نے قبول نہیں کیا وہ بھی اپنی اس نافرمانی پر نادم تھے۔ اور اس غلطی کے ازالے کے طور پر بڑے بھائی کی ہر غلط بات پر سر جھکا دیتے تھے یہاں تک کہ احتشام الدین نے اپنے بیٹے کا رشتہ حسام الدین کی بیٹی آمنہ کے ساتھ بچپن میں ہی طے کردیا۔ بڑے ہونے پر آمنہ نے اس رشتے سے اپنی ماں کے سامنے انکار کردیا کیونکہ وہ حسن کو چاہتی تھی۔

زینت اور ظفر ایک دوسرے کو پسند کرنے لگے تھے یہ بات وجاہت کو پسند نہ آئی اور وہ زینت کو ظفر سے متنفر کرنے کی کوششوں میں لگ گیا اس کے باوجود زینت کے نانا نے ظفر کے کہنے پر اس کا رشتہ قبول کرلیا۔

شہباز اور لیلیٰ کا نکاح ہوجاتا ہے شہباز لیلیٰ سے صاف کہہ دیتا ہے کہ آئندہ وہ کسی ڈرامے میں کام نہ کرے۔ فاطمہ بیگم مریم کو اپنے گھر رکھنے پر تیار ہوجاتی ہیں مگر اس شرط پر کہ وہ خرم کے سامنے نہیں آئے گی لیکن اس کے باوجود خرم اور موی کا آمنا سامنا ہوجاتا ہے اور خرم موی کے لیے اپنے دل میں نرم گوشہ محسوس کرنے لگتا ہے۔

واصف آمنہ کو اس بات پر راضی کرلیتا ہے کہ منگنی کے بعد وہ اپنے اوپر ساری بات لے کر شادی سے انکار کردے گا۔ لیکن جب آمنہ یہ بات حسن کو بتاتی ہے تو حسن صاف کہہ دیتا ہے کہ وہ واصف سے ہی شادی کرلے۔

(اب آگے ملاحظہ فرمائیں)

۱۰
دسویں قسط

یہ الفاظ تھے کہ بم جس نے اس کے ہوش و حواس سمیت اس کے جسم کے پرخچے بھی اڑا دیے تھے کچھ دیر کے لیے ظفر کو کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ وجاہت نے کیا کہا ہے اور اس نے کیا سنا ہے وہ جو نجانے کن کن راستوں سے ہوتا ہوا مصائب جھیلتا ہوا ان خونخوار اجنبی لوگوں سے پیچھا چھڑا کر بہت مشکل سے یہاں تک پہنچا تھا اور پہنچتے ہی وجاہت نے یہ بم پھوڑ دیا۔

وہ ہمت کر کے اٹھا وہ وجاہت کی شیطانی نیچر کو جانتا تھا۔ زینت کو بھی اتنے دنوں بعد جیسے اپنے وجود میں دل کی موجودگی کا احساس ہو رہا تھا جیسے اس کی یادداشت واپس آ رہی ہو وہ بھی کھڑی ہو گئی۔

"وجاہت! یو چیٹر میں تمہیں بہت اچھی طرح جانتا ہوں مگر تم اس قدر گر جاؤ گے میں نہیں جانتا تھا لیکن آئندہ اگر تم نے زینت کا نام اپنے نام کے ساتھ لیا تو میں بھی سب کچھ بھول جاؤں گا تمہیں زندہ گاڑ دوں گا۔ آؤ زینت اب میں تمہیں ایک سیکنڈ بھی اس گندی ذہنیت کے آدمی کی نظروں کے سامنے نہیں رہنے دوں گا چلو میرے ساتھ ہمیں کچھ نہیں چاہیے ہم اپنی دنیا خود بنائیں گے چلو آؤ۔"

ظفر کو یقین تھا کہ وجاہت نے جو دھماکہ کیا ہے وہ اس کی طرح جھوٹا ہے اس نے زینت کا ہاتھ پکڑا اپنی طرف گھسیٹا تو وجاہت کا ہاتھ فضا میں بلند ہوا ایک زوردار تھپڑ ظفر کے ہوش اڑا لے گیا وہ زمین پر آ رہا۔

"لگتا ہے میری بات تمہاری سمجھ میں نہیں آئی یو ایڈیٹ گھٹیا انسان کس زبان میں بتاؤں کون سی زبان سمجھ میں آئے گی تمہاری کہ یہ لڑکی زینت جو کبھی تمہاری محبوبہ ہوتی تھی آج میری بیوی ہے کہو تو ثبوت کے لیے نکاح نامہ پیش کروں... مسز وجاہت بتاؤ اسے کہ تم میری کون ہو... میں تمہارا کیا ہوں۔"

وجاہت ایک ایک لفظ چبا چبا کر یوں ادا کر رہا تھا گویا الفاظ نہ ہوں ظفر ہو جس کو وہ دانتوں تلے دبا رہا ہو۔ اس نے زور سے زینت کو ظفر کی طرف دھکا دیا۔

"ہونہہ! آیا بڑا عاشق ارے بہت سے دیکھے تم جیسے فٹ پاتھئے عاشق ہونہہ چالباز ٹٹ پونجیا کہیں کا۔ ایک طرف لاکھوں کا گھپلا کیا لاکھوں کا ٹرک غائب کر لیا اب آئے ہیں اپنی وفاداریاں پیش کرنے کیا سمجھ رکھا ہے تم نے سب اندھے بہرے اور جاہل لوگ بیٹھے ہیں کہ تمہاری ہر من گھڑت کہانی پر یقین کر لیں گے۔ زینت یقین دلاؤ اس کمینے آدمی کو کہ تم میری بیوی ہو اور اسے دفع کرو آئندہ اگر اس کی صورت نظر آئی تو دونوں کو شوٹ کر دوں گا سمجھیں۔"

وہ بری طرح دھاڑ رہا تھا زینت کے اندر بھی طوفان موجزن تھا آج کتنے دنوں بعد تو اسے اپنے زندہ ہونے کا یقین ہوا تھا اس کے قریب کھڑا شخص اس کی محبت اس کے دل کی دھڑکن تھا۔ آج اجنبی اور نامحرم تھا وہ اس کی سچائیاں جانتی تھی مانتی تھی مگر اس کے مان لینے یا نہ ماننے سے فرق نہیں پڑتا تھا۔ اب تو سب کچھ ختم ہو چکا تھا۔ اب تو وہ وجاہت کی بیوی تھی اور اب وہ اپنی بے وفائی ظاہر کر کے اسے اپنی ذات سے ایسا مایوس کر دینا چاہتی تھی کہ ظفر کو اسے کھو دینے کا صدمہ نہ ہوتا اگر کوئی غم رہتا تو اس کی بے وفائی کا اس کے ہرجائی پن کا' عجیب سی حالت ہو رہی تھی دل بری طرح دھڑک رہا تھا خنکی کے باوجود اس کا چہرہ پسینے سے تر تھا۔

وہ پلک جھپکائے بغیر ظفر کو دیکھتی رہی کتنے ارمانوں سے اس شخص کو چاہا تھا اس کے ساتھ زندگی گزارنے کے کتنے خواب دیکھے تھے وہ جو اس وقت اجڑا ہوا کھڑا تھا الجھے بال زرد رنگت بڑھی شیو آنکھوں میں خوابوں کی کرچیاں لیے وہ اسے دیکھ رہا تھا اس کی آنکھوں میں ایک حسرت زدہ امید تھی التجا تھی کہ اٹھو زینت وجاہت کو جھٹلا دو مگر وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ مخالف ہواؤں کی زد میں آ چکا ہے اور اس کی محبت اس کے ارمان اس کی زینت سب اس طوفان میں کہیں گم ہو گئے ہیں۔ دونوں کے ہمیشہ کے لیے جدا ہونے کی گھڑی تھی اور اترے اندھیروں کی اوٹ میں گزرتے لمحے اس محبت کی داستان کو اپنے ساتھ لیے جا رہے تھے زینت پر ایک دم ہذیانی کیفیت طاری ہو

گئی اس نے ایک نظر وجاہت کو دیکھا جو تنا کھڑا اپنے حکم کی تعمیل کا منتظر تھا۔ زینت نے ظفر کے پیروں پر کچھ اس طرح ہاتھ رکھے گویا اس سے پاؤں پکڑ کر معافی مانگ رہی ہو پھر ایک دم جھٹکے سے اٹھی چہرے پر دنیا جہاں کی نفرت طاری کر لی۔

"تم نے سنا نہیں ظفر' وجاہت کیا کہہ رہے ہیں وجاہت کی زبان پر اگر تمہیں یقین نہیں آیا تو سنو میں نے اپنی مرضی اپنی خوشی سے وجاہت کے ساتھ شادی کی ہے میں نے محبت بھی وجاہت سے کی ہے۔ تمہارے ساتھ تو میں مذاق کر رہی تھی فلرٹ کر رہی تھی۔ ہے کیا تمہارے پاس' زمین آسمان کا فرق ہے تم میں اور وجاہت میں دیکھو آنکھیں پھاڑ... پھاڑ کر دیکھو ہیرے جواہرات میں تول دیا ہے وجاہت نے مجھے اور تم... تم تو ایک معمولی سا رنگ بھی مجھے نہیں دے سکتے تھے۔ کہاں یہ عیش و عشرت محل جیسی کوٹھی اور کہاں تم جس کے پاس اپنی جھونپڑی بھی نہیں۔ میرا دماغ خراب تھا کہ تمہارے ساتھ شادی کرنی یا تمہارا انتظار کرتی اٹھو اور اپنی خوش فہمی کی سزا بن کر لوٹ جاؤ' جاؤ اس سے قبل کہ ہمارے ملازم تمہیں دھکے دے کر نکالیں۔ جاؤ نکل جاؤ میرے گھر سے میرے دل سے نکل جاؤ۔"

زینت اس وقت اپنے حواسوں میں نہیں تھی پاگلوں کی طرح روئے جا رہی تھی اور بولے جا رہی تھی ظفر تو جیسے مر ہی گیا تھا۔ اسے نہ اپنی آنکھوں پر یقین آ رہا تھا اور نہ سماعتوں پر۔

"بکواس بند کرو فریبی دھوکے باز محبت کی آڑ میں محبت کا ڈھونگ رچاتے تمہیں شرم نہیں آئی تم... تم یہ سب جھوٹ بول رہی ہو۔ مجھے یقین ہے تم ایسی نہیں ہو تم جھوٹ بول رہی ہو یہ دولت یہ جائیداد کبھی بھی تمہاری دست طلب میں نہیں تھی تم صرف میری محبت ہو... میری چاہت ہو میں... میں۔"

وہ جو اتنے مصائب سے گزر کر آیا تھا اس قیامت خیز خبر نے اسے بے دم کر دیا وہ لمبے لمبے سانس لے رہا تھا شدت ضبط سے زینت نے اپنے ہونٹ کاٹ لیے اس کا جی چاہا وجاہت کو دھکا دے کر نکال دے بکھرے ہوئے ظفر کو سمیٹ کر اپنے دل میں چھپا لے مگر اب یہ ممکن نہیں تھا اسے خود سے بدظن کرنا ہی اس کے حق میں بہتر تھا۔

"ظفر! بہتری اسی میں ہے کہ تم چلے جاؤ' یہ جو تم سب دیکھ رہے ہو ناں یہ جھوٹ نہیں حقیقت ہے میں اس حقیقت کو تسلیم کر چکی ہوں تم بھی کر لو اور مان لو کہ وہ سب جھوٹ تھا فریب تھا مان لو تم جیسے لوگ اسی طرح سسک سسک کر مرتے ہیں۔ نکل جاؤ میرے گھر سے دور ہو جاؤ میری نظروں سے۔"

زینت کو بھی برداشت کا یارا نہیں رہا تھا وہ چلاتی ہوئی اندر بھاگ گئی ظفر آنکھوں میں سیلاب لیے اپنی زندگی دور ہوتا ہوا دیکھ رہا تھا سینے میں دل تھم چکا تھا دھڑکنیں ساکت ہو گئی تھیں گہرے گہرے سانس بہت ہلکے ہو گئے تھے۔ وہ جاتی ہوئی زینت کو ایسے ہی دیکھ رہا تھا جیسے طوفان میں گھری ناؤ کناروں کو دیکھتی ہے وجاہت کچھ دیر کھڑا ظفر کو دیکھتا رہا دونوں نے اب تک زندگی ساتھ گزاری تھی بچپن جوانی کتنی خوب صورت یادیں تھیں پر آج اجنبی بنے کھڑے تھے۔

"اگر اپنی اوقات کے آئینے میں اپنی یہ صورت پہچان لی ہے تو دفع ہو جاؤ اور آئندہ ادھر نہ آنا۔"

وجاہت کمینگی کی حدوں کو چھوتے ہوئے اسے دھتکار کر اندر چلا گیا ظفر میں تو جان ہی نہیں تھی کہ اپنے وجود کے ٹکڑے سمیٹتا اور چلا جاتا۔

"اٹھیے! ظفر بھیا میں آپ کو گھر چھوڑ کر آتا ہوں اور آج میں نے وجاہت کی نوکری بھی چھوڑ دی ہے بچہ تھا جب آیا تھا اب جوان ہوں مگر انسانیت کی جو توہین میں نے آج دیکھی ہے وہ مجھ سے برداشت نہیں ہوئی رشتوں کی بے عزتی توبہ توبہ لعنت ہے ایسی دولت پر۔ آپ چلیے میں آپ کو چھوڑ آتا ہوں۔"

عبدل بہت پرانا ملازم تھا وجاہت اور ظفر کی دوستی سے وہ بہت خوش ہوتا تھا ظفر سے اسے بہت پیار تھا آج اس کی بے عزتی عبدل سے برداشت نہیں ہوئی تھی۔

"یار عبدل! اس لاش کو کہاں لے جاؤ گے میں تو اپنی نظر میں گر گیا ہوں۔ دنیا میں ایسا بھی ہوتا ہے لوگوں کے ساتھ جیسے میرے ساتھ ہوا لوگ یوں بھی بدلتے ہیں۔"

ظفر عبدل کے شانے پر سر رکھے شدتوں سے رو رہا تھا غریب مگر مخلص شانہ مل گیا تھا رو تا رہا رہ کر زینت کے الفاظ اس کے کانوں میں سیسہ انڈیل رہے تھے۔

☆ ☆ ☆

"ختم کرو اب یہ ڈرامہ میں سب جانتا ہوں اس کے سامنے جو تم نے ڈائیلاگ بولے ہیں مجھے فول بنانے کے لیے بولے ہیں تمہارے دل میں اسی کی محبت ہے تمہارا وجود صرف کمرے میں ہے تمہارا دل تمہاری سوچیں سب اس کے پاس ہیں۔ تم کیا سمجھتی ہو میں تمہارے اس ڈرامے میں آجاؤں گا اور خبردار جواب آنسو بہائے۔"

وہ جو ظفر کو ذلیل کر کے بری طرح رو رہی تھی وجاہت نے آکر اسے بے نقط سنا ڈالیں۔

"کان کھول کر سن لو آج کے بعد ظفر کے نام کا ایک آنسو بھی تمہاری آنکھوں میں آیا تو آنکھیں پھوڑ ڈالوں گا کیا سمجھیں۔ آج سے لیلیٰ مجنوں کا ڈرامہ ختم ہو گیا سمجھیں ورنہ پھر خود سوچ لو۔"

"بس! بس کریں وجاہت کتنی بار تیر چلائیں گے میں جانتی ہوں کہ میں آپ کی بیوی ہوں غلام ہوں قیدی ہوں ایسی قیدی جو کھلے ہوئے دروازوں سے بھی فرار نہیں ہو سکتی۔" وہ کہاں تک برداشت کرتی پھٹ پڑی۔

"کیا کیا زبان چلاتی ہو اب تک تو روبوٹ بنی ہوئی تھیں عاشق کو دیکھتے ہی زبان چلنے لگی یہ زبان کاٹ کر ہاتھ پر رکھ دوں گا۔"

وجاہت شدید غصے میں تھا ایک زناٹے دار تھپڑ اسے رسید کیا تو زینت لہرا کر اس کے قدموں میں آگری وہ جھکا اور اس کے بال نوچ ڈالے۔

"ہاں! یہ ہی ہے تمہارا مقام یہیں تمہیں جینا اور یہیں مرنا ہے۔" وہ اسے ایک ٹھوکر مار کر آگے بڑھ گیا مگر وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔

☆ ☆ ☆

"چھوڑ دو مجھے جاوید میں مرجانا چاہتا ہوں زینت کی بے وفائی کیا کم تھی کہ ماں بھی نہ رہی میں کس قدر بد نصیب ہوں کہ زندگی میں دوبارہ ماں بیٹے کی ملاقات نہ ہو سکی یا اللہ مجھ سے کیا گناہ ہو گیا۔"

وہ تو زینت کی بے وفائی پر ٹوٹ کر بکھر گیا تھا گھر پہنچنے پر اطلاع ملی کہ ماں اللہ کو پیاری ہو گئیں جن کو وہ اپنے دوست جاوید کے گھر چھوڑ کر گیا تھا ان کی حالت نازک ہو گئی تو جاوید نے ان کو ہاسپٹل داخل کروا دیا تھا اور ظفر کے پہنچنے سے پہلے وہ انتقال کر گئی تھیں ظفر تو صدمے سے پاگل ہو گیا تھا دیواروں سے ٹکریں مارتا پھر رہا تھا۔

"ہمت اور حوصلے سے کام لو ظفر، مانتا ہوں تمہارے ساتھ جو زینت اور وجاہت نے کیا بہت برا کیا ہے مگر اب تم اس وجہ سے خود کو یوں ہلکان نہ کرو، ہاں البتہ ماں کے لیے تم جتنا رو سکتے ہو رو لو کیونکہ یہ وہ رشتہ ہے جس کا کوئی نعم البدل نہیں ہے یہ رشتہ کھو گیا تو یار سمجھو سب کچھ کھو گیا۔ مجھ سے پوچھو ماں کیا چیز ہوتی ہے۔ یار جب میری ماں مری تھی، تو لگتا تھا تنہا ہو گیا ہوں بھری دنیا ویران نظر آتی ہے اور اب بھی ایسا ہی لگتا ہے۔ یار یہ ماں کیا چیز بنائی ہے اللہ تعالیٰ نے اولاد کے لیے جان دینے والی ماں کو کیوں چھین لیتا ہے۔"

جاوید ظفر کو اپنی ماں کے لئے روتے دیکھ کر جذباتی ہو گیا اسے اپنی ماں کی بیماری ان کی محبتیں اتنی شدت سے

آئیں کہ وہ ظفر سے لپٹ گیا پھر دونوں لپٹ کر شدتوں سے رو پڑے دونوں بری طرح رو رہے تھے حتیٰ کہ قبرستان کے گورکن کو آنا پڑا وہ تو ہر وقت ایسے جذباتی مناظر دیکھتا تھا اس نے دونوں کو الگ کیا۔

"میں جانتا ہوں بیٹا تم لوگ اپنی ماں کو رو رہے ہو۔ لیکن بیٹا، وہ ماں جو زندگی میں تم لوگوں کی پلک بھی بھیگنے نہیں دیتی تھی آج تم اس کے سامنے اس طرح رو رہے ہو اسے تکلیف ہو رہی ہو گی کیونکہ وہ تم لوگوں کے نہ تو آنسو صاف کر سکتی ہے اور نہ کچھ اور کر سکتی ہے اس لیے جاؤ قرآن شریف پڑھو اور ماں کو تحفہ بھی بھیج دو قرآن پاک ہی ان کے لیے سب سے بڑا تحفہ ہوتا ہے۔ جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کرتا ہے جاؤ بیٹا اپنے والدین کی بخشش کی اللہ تعالیٰ سے دعا کرو اللہ تعالیٰ سب مسلمان مرحومین کی بخشش کرے اور ہمیں بھی ایمان کی موت عطا فرمائے بخش دے؟" گورکن بابا کی آواز بھی بھیگ گئی تھی تاہم انہوں نے خود پر قابو پایا اور دونوں کو تسلی دی۔

"تم جب تک زندہ ہو ان کی مغفرت اور بخشش کی دعا کرتے رہو جاؤ بیٹا اللہ تمہیں صبر جمیل عطا فرمائے آمین۔"

رہی ماں کی موت کی یہ آگ جو تمہارے سینے میں لگی ہوئی ہے تو بیٹا یہ تو رہے گی۔ دھیرے دھیرے اس کی شدت میں کمی آجائے گی مگر ختم نہیں ہو گی جاؤ اب!"

بابا کافی دیر ان دونوں کو سمجھاتے رہے پھر خود اٹھ کر چلے گئے اذان ہو رہی تھی وہیں لگے نلکے سے وضو کیا چٹائی بچھائی اور نماز پڑھنے لگے ظفر اور جاوید بھی نماز کے لیے اٹھ گئے۔

☆ ☆ ☆

جاوید ظفر کا بہت خیال رکھ رہا تھا دونوں دکھی تھے۔ جاوید بیوی بچوں والا تھا سب اس کا بہت خیال رکھتے مگر ظفر کو کسی پل چین نہیں آتا تھا۔ ایک عجیب طرح کی بے چینی رگوں کو کاٹتی رہتی اس کا جینے کو دل ہی نہیں چاہتا تھا ماں کی موت زینت کی بے وفائی وہ ریزہ ریزہ ہو گیا تھا۔ جاوید اس کے لیے بہت فکر مند رہتا۔

"خود کو سنبھالو یار ظفری اس طرح تو زندگی نہیں گزرتی۔"

"میں..... میں کیا کروں یار جاوید، میں بہت کوشش کرتا ہوں ارے یار خود کو سمیٹتے سمیٹتے اپنے وجود کی کرچیاں سمیٹتے سمیٹتے تو میری روح میرے ہاتھ لہولہان ہو گئے ہیں مجھے مارنے کے لیے ماں کی موت ہی کافی تھی اس زینت نے تو....!" ظفر کے زخمی لہجے میں اس کے تمام دکھوں کا سوز تھا جاوید کو غصہ آگیا۔

"ماں کی حد تک ٹھیک ہے مگر یہ اب تم نے اگر اس بے وفا ہرجائی لڑکی زینت کا ذکر کیا ناں تو مجھ سے برا کوئی نہ ہو گا۔ اس بے وفا نے یہ صلہ دیا ہے تمہیں تمہاری محبتوں کا۔"

"اسے کچھ نہ کہو، اس نے جو کہا ہے وہ جھوٹ ہے" اس کے الفاظ اس کی آنکھوں کی سچائی سے مات کھا رہے تھے "میں جانتا ہوں یہ سب اس وجاہت نے مجھے نیچا دکھانے کے لیے کیا ہے اور اس کی تانو بھی میرے خلاف تھیں زینت مجبور کر دی گئی ہو گی۔ مجھے اپنے جذبوں کی سچائی پر یقین ہے وہ اس عیار مکار جادوگر کی قید میں ہے وہ بے بس ہے۔"

اتنا کچھ ہو جانے کے باوجود ظفر زینت کو مجرم یا بے وفا ماننے پر تیار نہیں تھا۔ اسے وہ لمحے بہت دکھ دے رہے تھے جن کے دامن میں زینت کی محبت اس کے خواب اس کے ارمانوں نے آخری سانس لی ہو گی کتنا چاہتی تھی وہ اسے، دونوں نے کیا کیا خواب دیکھے تھے اکٹھے زندگی گزارنے کے۔

"کچھ بھی سہی اب تمہیں اپنی نئی زندگی کی ابتدا کرنی چاہیے وہ جیسے تیسے سہی اپنی نئی زندگی کی ابتدا کر چکی ہے اب تم بھی، اور یہ تم کہاں جا رہے ہو۔"

"کچھ نہیں یار بس ذرا بازار تک جا رہا ہوں، بہت گھبراہٹ سی ہو رہی ہے۔" وہ بے دلی سے بولا تو جاوید نے اسے

ساتھ لگایا تو ظفر ایک بار پھر بکھر گیا۔

"ٹھیک ہے دونوں چلیں گے مگر ابھی نہیں' بات یہ ہے کہ میں نے تمہاری ڈائری سے نمبر لے کر صوفیہ کو فون کیا تھا اس کے والد یعنی تمہارے ماموں کی حالت بہت خراب ہے وہ بہت پریشان ہے تمہاری امی کا اور زینت کا سن کر وہ بھی بہت روئی۔ چھ بجے تک وہ میرے موبائل پر فون کرے گی تم بات کرنا۔"

"اب مجھے کسی سے کوئی بات نہیں کرنی۔"

"خود غرض نہ بنو دیکھو ظفری موت زندگی کی سب سے بڑی حقیقت ہے جسے انسان کو نہ چاہتے ہوئے بھی تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ زندگی کا کاروبار چلتا رہتا ہے۔ کبھی رکتا نہیں ہاں جس کے پاس عمر کی نقدی ختم ہو جاتی ہے وہ قبر میں اتر جاتا ہے اور پھر میرے یار انسان کو چاہیے کہ اس کے پاس عمر کی جتنی بھی نقدی ہو اگر اس سے اپنے لیے خوشیاں نہ خرید سکا ہو تو اس نقدی سے دوسروں کے لیے کچھ خوشیاں خرید لینی چاہئیں اور پتا ہے ظفر دوسروں کے لیے جو خوشیاں خریدی جاتی ہیں ناں وہ بہت نایاب اور انمول ہوتی ہیں تم صوفیہ سے شادی کر لو۔"

"نہیں جاوید یہ بات نہ کرو۔" وہ بے زاری سے بولا۔

"مگر کیوں ظفری تم ناشکری کر رہے ہو۔"

"یہ بات نہیں ہے جاوید بلکہ اب میں وجاہت کو بتانا چاہتا ہوں کہ اس نے اب تک میری محبت اور دوستی ہی دیکھی ہے اب ذرا میری دشمنی کا مزا بھی چکھ لے۔ زینت اگر میری نہیں ہو سکی تو اس کا گھر بھی آباد نہیں رہنے دوں گا اس کا جینا حرام کر دوں گا کیا سمجھ رکھا ہے اس نے مجھے۔!"

وہ بہت بپھرا ہوا تھا غصے میں بولتا ہوا وہ باہر نکل گیا اور جاوید بس ہلتے ہوئے پردے کو دیکھ کر رہ گیا۔

☼ ☼ ☼

چٹاخ کی ایک آواز آئی تھی اور ہر طرف سناٹا گونج گیا تھا کانوں میں ایسی سائیں سائیں ہو رہی تھی کہ کچھ دیر کے لیے خرم کو سب کچھ گھومتا ہوا محسوس ہوا زندگی کا پہلا اتنا بڑا حادثہ تھا دل کچھ دیر کے لیے دھڑکنا بند ہو گیا دکھ تھپڑ کا نہیں تھا بلکہ اس بات کا تھا کہ موی نے اس کی نیک نیتی پر شبہ کیا تھا۔ وہ پھٹی آنکھوں سے گنگ سا اسے دیکھے گیا جو بری طرح روئے جا رہی تھی۔ وہ ساکت کھڑا بے یقینی سے اسے دیکھے جا رہا تھا۔

"آپ نے سنا نہیں خرم صاحب چلے جائیے یہاں سے ورنہ۔!"

فاطمہ بیگم سے کیے ہوئے وعدے کو نبھانے کے لیے تو وہ جان بھی دے سکتی تھی خود اسے اپنی عزت بے حد عزیز تھی۔ خرم کا ہتک آمیز رویہ وہ باخوشی برداشت کر رہی تھی کہ خرم عام گھٹیا مردوں جیسا نہیں تھا مردوں کی چاپلوسی اور گھٹیا جملوں اور گندی نظروں سے شدید نفرت تھی' اسے لاپروا لڑکیوں سے دور دور رہنے والے مرد اچھے لگتے تھے اور خرم تو بالکل ایسا ہی تھا' ہر وقت اسے ڈانٹتا جب بھی دیکھتا تہرار نظروں سے دیکھتا مگر وہ خرم کے اس رویے سے مطمئن تھی مگر آج خرم نے اسے بہت بلندی سے نیچے پٹخ دیا تھا وہ آپے سے باہر ہو گئی۔

"خرم صاحب! تشریف لے جائیے اس سے پہلے کہ میں چوکیدار اور گھر کے دوسرے ملازموں کو بلا کر آپ کی پارسائی کا پردہ چاک کروں پلیز چلے جائیں۔"

وہ بہت نفرت سے اور کرخت لہجے میں بولی تو خرم جیسے چونکا اسے لگا جیسے وہ مر چکا ہو وہاں اس کے لیے تو مرنے کا مقام ہی تھا آہستہ آہستہ رگوں میں خون کی گردش رواں ہوئی تو وہ طیش میں آ گیا۔

"یو اسٹوپڈ گرل کیا سمجھ رہی ہو تم۔ مطلب کیا ہے تمہارا کس گھٹیا سوچ اور خیال نے تمہیں یہ جرات دی ہے احمق لڑکی سنو تو سہی میں کس نیت سے اور کیا بات کہنے آیا ہوں۔"

خرم کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اس کی عدالت میں اپنی پارسائی کس طرح ثابت کرے۔

"پلیز! خرم صاحب چلے جائیں اب میں سمجھی آپ سب کے اتنے اصرار پر ڈنر پر کیوں نہیں گئے آپ شاید کسی ایسی ہی تنہائی کے منتظر تھے اور آج آپ کو موقع ملا جو آپ گنوانا نہیں چاہتے تھے۔۔۔ اور اپنے بہنوئی کی ذلالت کے بعد میرا مردوں پر سے اعتماد اٹھ گیا تھا جس کو آپ نے صرف آپ نے بحال کیا۔۔۔ مگر آج آپ نے ثابت کر دیا کہ آپ میں اور میرے بہنوئی میں کوئی فرق نہیں سب مرد ایک جیسے ہوتے ہیں بس انداز مختلف ہوتے ہیں۔۔۔!"

"شٹ اپ! موی۔۔۔!"

اب کی بار خرم کا مردانہ ہاتھ ہوا میں بلند ہوا اور موی کے نرم و نازک رخسار پر مثبت ہو گیا اس کے ہاتھ کی پانچوں انگلیاں اس کی سرخ و سفید رنگت پر ابھر آئی تھیں رخسار سلگ اٹھا تھا وہ کچھ دیر زخمی نظروں سے اسے دیکھتا رہا کتنی تمنا سے اس نے اسے چاہا تھا موی اپنی چارپائی پر گری ہوئی تھی خرم خود گرنے کی قریب تھا پھر اسے کچھ پتہ نہیں چلا کہ وہ اپنے کمرے تک پہنچا کیسے۔ سینے میں اسے اپنا سانس دبتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

"آپ میں اور میرے بہنوئی میں کوئی فرق نہیں۔"

ایک ایک جملہ ایک ایک لفظ ہتھوڑے برسا رہا تھا اس کے دماغ پر' وہ کس نیت سے کیا کہنے گیا تھا اور موی نے اسے اس کی نظروں میں گرا دیا تھا۔

خرم نے کمرے کا حلیہ بگاڑ دیا ہر چیز کو اٹھا کر دیوار سے مارتا رہا۔

"یہ تم نے کیا کیا موی میری نیک نیتی کو کس گندی سوچ کا لبادہ اوڑھا دیا تم نے مجھ میں اور اپنے بہنوئی میں کوئی فرق نہ رکھا میرے خدا میں کیوں گیا تھا وہاں کیوں اس نے میری نیک نیتی کو پاکیزہ نظر کو گالی دے ڈالی موی میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا۔"

خرم کے اندر طوفان آیا ہوا تھا اس نے سارا کمرہ اجاڑ کر رکھ دیا اور خود بے دم سا ہو کر آدھا بیڈ پر اور آدھا نیچے گر گیا یہ احساس بار بار زخموں پر نمک پاشی کر رہا تھا کہ وہ کتنی اچھی نیت سے گیا تھا اور موی نے اسے کیا سمجھا تھا۔

"کاش کاش میں نہ گیا ہوتا وہ اگر مجھ سے بدظن تھی تو رہتی اب تک وہ مجھے ظالم ہی سمجھ رہی تھی کتنا سکون تھا اس سمجھ میں کم از کم میں اپنی نظروں میں تو نہیں گرا تھا پہلے وہ مجھے ظالم سمجھتی ہو گی لیکن اب۔۔۔" وہ اٹھا اور باتھ روم میں چلا گیا کپڑوں سمیت شاور کے نیچے کھڑا ہو گیا اور جانے کتنی دیر تک وہ شاور لیتا رہا مگر آگ تھی کہ بجھنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ پھر وہ باہر آیا فل پنکھا کھول کر کارپٹ پر لیٹ گیا پھر اسے کوئی ہوش نہ رہا۔

موی شدتوں سے رو رہی تھی بہنوئی کی وجہ سے مردوں پر سے اعتماد ٹوٹا تھا اور خرم نے اسے جو ڈاٹھا وہ تو خود بہت بلندی سے گری تھی وہ تو خرم کو سچ مچ چاہنے لگی تھی اس کے کردار کی وجہ سے مگر آج سب کچھ چکنا چور ہو گیا تھا اس حقیقت کی کرچیاں اس کی روح کو لہولہان کر گئی تھیں وہ رو رو کر بے حال ہو رہی تھی۔

"یا اللہ جاؤں تو کہاں جاؤں یہ سب کیا ہو گیا نہ ہوتا تو اس دہلیز پر زندگی گزار دیتی خرم پر آپ نے کیا کر دیا کیا کر دیا۔"

وہ خرم کی نیت کی سچائی کو واقعی نہیں سمجھ سکی تھی آج زندگی میں پہلی بار اس کا خود کشی کرنے کو دل چاہ رہا تھا اسے یہ زندگی نہیں چاہیے تھی جس کی کتاب پر خرم کی محبت درج تھی اس کی تصویر ثبت تھی اور اسی کتاب پر خرم کے اس کردار کی بدنما تصویر بھی تھی۔

"ہائے قسمت میں مر بھی تو نہیں سکتی میرے ہی کردار کی دھجیاں بکھر کر اتنی دور جائیں گی کہ۔۔۔ اف میرے پروردگار تو دیکھ رہا ہے میں کیا کروں کہاں جاؤں۔"

موی کو خود میں اور ایک خزاں رسیدہ پتے میں کوئی فرق نہیں لگ رہا تھا نہ کوئی در تھا نہ ٹھکانہ' بہنیں تھیں وہ

اپنے اپنے شوہروں کی وجہ سے اسے نہیں رکھتی تھیں نہ ہی وہ ان کے ہاں جانا چاہتی تھی وہ تو یہاں ہی رہنا چاہتی تھی مگر آج خرم نے اس سے یہ آسرا بھی چھین لیا تھا وہ انگاروں پر لوٹ رہی تھی اتنی بے بس تھی کہ کسی سے کچھ کہہ بھی نہیں سکتی تھی ذرا سی بھاپ بھی منہ سے نکلتی تو فاطمہ اپنے لاڈلے بیٹے پر بات نہ آنے دیتیں وہ تو اسے ہی دھکے دے کر گھر سے نکال دیتیں کسی کو کیسے اپنی پارسائی کا یقین دلاتی سب کی نظر میں وہی بری ثابت ہوتی۔

"یا اللہ میری مدد فرما تو ہی میری عزت کا محافظ ہے اگر نکال دی گئی تو کہاں جاؤں گی میرا کون سا آسرا ہے اس دنیا میں لیکن کیا ستم ہے کہ اتنا کچھ ہونے کے باوجود مجھے یقین نہیں آرہا کہ خرم ایسا کر سکتا ہے۔ نہیں خرم کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا اگر وہ بد نیت تھا تو دل کو یقین کیوں نہیں آرہا کہ خرم نے غلط حرکت کی ہے یا اللہ میں کیا کروں میری مدد فرما۔"

اپنے اس گال پر ہاتھ رکھے موی متضاد سوچوں کے بھنور میں پھنس گئی تھی خرم کی نیک نیتی کا خیال آتا تو اس کا خوف بے یقینی اس کا راستہ روک دیتی۔ ایسی متضاد صورت حال میں وہ بری طرح الجھ کر رہ گئی۔ اسی وقت باہر گیٹ پر گاڑی کے ہارن سے ان لوگوں کی آمد کا پتا چلا اس میں تو ایک دم اٹھنے کی ہمت تھی اور نہ ہی ان سب کا سامنا کرنے کی ہمت ہو رہی تھی خاص طور پر فاطمہ کی نظریں تو اسے ہر وقت تفتیشی انداز میں دیکھتی تھیں اور پھر خرم نجانے اس حادثے کی خبر ان کو دیتا ہے یا چھپا جاتا ہے اگر بتاتا ہے کس انداز میں کہیں سارا الزام اس پر تو نہیں دھر دے گا۔

"نہیں! خرم ایسا نہیں کر سکتا یا اللہ یہ کیسا اعتماد ہے اس شخص پر یقین کی کون سی دیواریں ہیں جو اسے غلط سمجھنے سے روکتی ہیں۔"

وہ چاہتے ہوئے بھی خرم کو مجرم نہیں جاننا چاہتی تھی بمشکل وہ اٹھی خود کو سنبھالا اور اندر آگئی۔

"او کے! مما ہمیں اجازت دیں۔" لیلیٰ نے بیگ صوفے پر رکھا۔

"یہ بھائی کہاں ہیں ایک تو عجیب پر اسرار سے ہو گئے ہیں کچھ سمجھ میں نہیں آتی ان کی۔" وہ واقعی خرم کے لیے بہت پریشان تھی۔

"نہیں! ماشاء اللہ بالکل ٹھیک ہے بس ذرا کبھی کبھی موڈ آف ہو جاتا ہے۔ موی تم سب کے لیے کافی بناؤ میں ذرا اپنے بیٹے کو دیکھ لوں۔"

"لیلیٰ! ذرا جلدی پلیز۔" شہباز کو نیند آرہی تھی۔

"میں ابھی آئی بھائی سے تو مل لوں۔" دونوں ماں بیٹی خرم کے کمرے میں آئیں تو کچھ دیر کے لیے دونوں ساکت نظروں سے سب کچھ دیکھ کر رہ گئیں کمرے کا حلیہ ایسا تھا جیسے کوئی بھوت ہو کر گیا ہو اور اس وقت دونوں ماں بیٹی کی چیخ نکل گئی جب فل پنکھے کے نیچے خرم گیلے کپڑوں سمیت بے سدھ پڑا تھا۔

"مما! بھائی..." لیلیٰ تڑپ کر خرم کی طرف بھاگی۔

"میں مرگئی میرا بچہ...!" فاطمہ بیگم تو وہیں ڈھیر ہو گئیں خرم میں تو ان کی جان تھی۔

"پپا... پپا شہباز جلدی آئیں بھائی کو دیکھیں جلدی آئیں بھائی بھائی۔"

لیلیٰ کچھ اتنی زور سے چلائی کہ زبیر اور شہباز کئی کئی سیڑھیاں پھلانگتے پہنچ گئے۔

"کیا ہوا خرم کو، خرم، خرم بیٹے۔" زبیر صاحب نے کتنی ہی آوازیں دے ڈالیں۔

"یہ کیا ہوا ہے کمرے کا حلیہ تو کچھ اور ہی بتا رہا ہے خدانخواستہ.... انکل میں گاڑی نکالتا ہوں خرم کو فوراً ہاسپٹل لے کر جانا ہو گا۔"

اس وقت ایک شہباز ہی تھا جس نے اس ہولناک واقعے کی سنگینی کو محسوس کرتے ہوئے بھی حواس بحال رکھے

پنکھا بند کیا خرم کی حالت اسے اچھی نہیں لگ رہی تھی۔

"بھائی بھائی اٹھیں کیا ہوا ہے آپ کو۔" لیلیٰ بری طرح رو رہی تھی۔

اور پھر گھر کے ملازمین کی مدد سے خرم کو اٹھایا گیا دروازے کی اوٹ میں کھڑی موی مجرم بنی بے ہوش خرم کو دیکھے گئی۔

"گندی نیت والے مردوں کے چہرے پر اتنا نور تو نہیں ہوتا... یا اللہ اگر میں غلط ہوں تو مجھے معاف کر دے اور اگر خرم غلط ہے پھر بھی اسے معاف کر دے ہم دونوں کو معاف کر دے یا اللہ خرم کو زندگی اور صحت عطا فرما دے آمین!"

وہ دروازے کی اوٹ میں کھڑی دعائیں کر رہی تھی لیلیٰ اور فاطمہ بیگم کی حالت اس سے دیکھی نہیں جا رہی تھی زبیر صاحب بھی ایک دم ہی کمزور نظر آنے لگے تھے۔ وہ خود کو ان کا مجرم سمجھ رہی تھی وہ خود کو اس صورت حال کے لیے تیار کرنے لگی کہ جب خرم ہوش میں آکر نجانے اس واقعے کو کس انداز میں اور کن الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

"کاش، کاش یہ نہ ہوا ہوتا خرم آپ اسی طرح ظالم جابر ہی بنے رہتے اپنی بلندی سے نیچے آکر کچھ کہنے کی کوشش نہ کرتے کاش۔"

موی روئے جا رہی تھی اور سجدے میں گری خرم کے لیے دعا کر رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

"بھئی زبیر صاحب بیٹے کی نئی زندگی مبارک ہو۔" باہر آکر ڈاکٹر نے کہا۔

"کیوں ڈاکٹر صاحب کوئی خاص بات یا خطرے کی بات تو نہیں اور کس وجہ سے یہ سب ہوا تھا۔" شہباز نے فاطمہ بیگم کو کرسی پر بٹھا کر ڈاکٹر سے سوال کیا۔

"شہباز میاں ویسے تو خرم ٹھیک ہے مگر ہماری ڈاکٹری کے مطابق خرم کو کوئی بہت زبردست قسم کا شاک لگا ہے اور شاک اتنا زبردست تھا کہ جس سے اس کی جان بھی جا سکتی تھی لیکن خیر خدا کا شکر اور احسان ہے کہ اب وہ ٹھیک ہے۔ مسز زبیر ابھی تو نہیں چند گھنٹوں کے بعد آپ اپنے بیٹے سے مل سکتی ہیں۔"

"ڈاکٹر صاحب اب تو بھائی ٹھیک ہیں ناں ان کو کچھ ہو گا تو نہیں۔" لیلیٰ نے آنسو صاف کرتے ہوئے پوچھا دل کو کچھ قرار آیا تھا۔

"ہاں ہاں بیٹا اللہ کا شکر ہے اب خرم خطرے سے باہر ہے۔ ویسے زبیر صاحب ایسی کیا بات ہو گئی تھی جس کا خرم نے اس قدر اثر لیا ہے کہ جان پر بن آئی تھی۔"

"معلوم نہیں ڈاکٹر صاحب ٹھیک تھا بالکل خلاف معمول ایسی کوئی بات نہیں ہوئی ہم لوگ ڈنر کرنے باہر جا رہے تھے اس کو بھی چلنے پر اصرار کیا مگر یہ اپنی مرضی سے گھر میں رہ گیا ہم واپس آئے تو اس کے کمرے کا حلیہ بھی بگڑا ہوا تھا اور خود گیلے کپڑوں میں فل پنکھا چلا کر لیٹا ہوا تھا ہم آئے دیکھا تو بالکل سرد ہو چکا تھا اور خلاف بات کیا ہونی ہے آپ جانتے ہیں اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کوئی ایسا مسئلہ نہیں اختلاف نہیں لیکن یہ جو کچھ ہوا بہت غیر متوقع غیر یقینی اور ہمارے لیے جان لیوا حادثہ ہے۔"

زبیر صاحب نے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے پھولی سانسوں کے ساتھ بتایا۔

"کہیں ایسا تو نہیں کہ کوئی چور چوری کے ارادے سے آیا ہو آپ گھر کے ملازمین سے ضرور پوچھ گچھ کریں یہ واقعہ معمولی نہیں۔"

"نوکر اور چوری کا خدشہ ہو سکتا ہے مگر پہلی بات تو یہ کہ گھر کے تمام ملازمین گھر پر موجود تھے اور اگر کوئی چور آتا تو خرم ہی کے کمرے میں کیوں جاتا اور اس کے کمرے کا یہ حشر کیوں کرتا جبکہ اس کا کمرہ اس کی طرح صاف اور سادہ ہے کوئی ایسی قیمتی چیز نہیں پھر بھی کمرے کا حلیہ بہت خراب ہے؟"

"بہر حال! خرم ٹھیک ہو جائے تو آپ ضرور پوچھئے گا اس واقعے کے بارے میں کیونکہ یہ بات اگنور کرنے والی نہیں مسز زبیر آپ اور زبیر صاحب گھر چلے جائیے یہ نوجوان کپل ہے ناں یہ خرم کے پاس رک جائے گا۔"

"جی آنٹی ڈاکٹر صاحب ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ دونوں کی اپنی طبیعت ٹھیک نہیں آپ دونوں گھر جائیں آرام کریں، ہم دونوں ہیں ناں خرم کے پاس۔"

شہباز اور لیلیٰ چاہتے تھے وہ دونوں چلے جائیں مگر فاطمہ بیگم قطعی تیار نہ ہوئیں۔

"ہرگز نہیں میں اپنے بیٹے کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گی تم لوگ آرام کرنے کے لیے بھیج رہے ہو میں ایک سیکنڈ بھی سو نہیں پاؤں گی جب تک اپنے بیٹے کو ہوش میں بات کرتے نہ دیکھ لوں گی خدا تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے تو نے میرے بیٹے کو زندگی بخشی، کچھ بھی ہو میں اپنے بیٹے کے پاس ہی رہوں گی۔" فاطمہ بیگم جذباتی ہو گئیں۔

"چلیں ٹھیک ہے اگر مسز زبیر رک رہی ہیں تو آپ سب جائیں ویسے تو کوئی ضرورت نہیں سارا اسٹاف موجود ہے یوں بھی پریشانی کی اب کوئی بات نہیں اچھا ہے مسز زبیر کو بھی تسلی رہے گی آپ لوگ جائیں۔"

اور پھر ڈاکٹر کے کہنے پر وہ تینوں سوئے ہوئے خرم کو دیکھ کر باہر سے چلے گئے۔

"کیوں ہوا یہ حادثہ کہاں تھے تم سب کہ خرم کے کمرے میں کوئی آیا حلیہ بگاڑا اور فرار ہو گیا اور خرم.... اف میرے خدایا تیرا شکر ہے تو نے میرے بیٹے کی جان بخش دی ورنہ ان نمک حراموں نے کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔"

گھر آ کر زبیر صاحب نے گھر کے تمام ملازمین کو جمع کر لیا تھا بات معمولی نہیں تھی کہ وہ برداشت کر جاتے۔

"اللہ جانتا ہے صاحب میں ہر وقت چوکنا رہتا ہوں اور آج تو ہم چاروں آگ جلا کر باتیں کرتے رہے جاگتے چکر لگاتے رہے مگر کسی کو نہیں دیکھا؟"

سب نے قسمیں کھا کھا کر اپنے بیان دیے چونکہ ان کے لہجے میں سچائی بول رہی تھی اس لیے وہ الجھ کر چپ ہو گئے اور اس ساری کارروائی میں مومی مجرم بنی سب کچھ سنتی رہی اس کا دل بارہا چاہا کہ وہ چیخ چیخ کر کہہ دے کہ یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے میں مجرم ہوں مگر وہ تو ہر لحاظ سے بے بس تھی۔

"مومی ایسا کرو تم چائے رکھو اور آؤ بھائی کا کمرہ صاف کرتے ہیں۔"

لیلیٰ کے ساتھ خرم کا کمرہ درست کرتے اس کی ایک ایک چیز کو اٹھاتے اس کے عجیب سے احساسات ہو رہے تھے جسے وہ کوئی نام نہیں دے سکتی تھی۔

"اب وہ.... میرا مطلب ہے خرم صاحب کیسے ہیں لیلیٰ!" اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا تو لیلیٰ جس نے کبھی خود سے پانی نہیں پیا تھا بھائی کا کام بڑے پیار سے کر رہی تھی اس کی بات پر مڑی۔

"بس! مومی اللہ کا کرم ہو گیا ہے پتا ہے ڈاکٹر بتا رہے تھے کہ ان کو کوئی بہت بڑا شاک لگا ہے جس نے ان کے دل اور دماغ پر بہت اثر کیا ہے ڈاکٹر کہہ رہے تھے شکر کریں ان کی جان بچ گئی ورنہ جان بھی جا سکتی تھی۔"

"خدا نہ کریں...." مومی کے منہ سے بے ساختہ نکلا پھر گھبرا کر کھڑکی کی طرف بڑھ گئی۔

"ہاں مومی تم بھی ان کے لیے دعا کرنا میرے بھیا بہت اچھے ہیں ضرور دعا کرنا۔" اب وہ اس کی بہن کو کیا بتاتی کہ وہ اس ستم گر کے لیے مجسم دعا بن گئی تھی جس نے کبھی ظالم و جابر بن کر اسے رلایا عزت دی اور کبھی.... مہربان بن کر ذلت کی دلدل میں دھکیل دیا۔

لیلیٰ جھک کر کارپٹ پر برش لگانے لگی تو مومی نے جلدی سے اس کے ہاتھ سے برش چھین لیا۔ "نہیں مومی آج میں اپنے بھیا کا کمرہ خود صاف کروں گی۔ ارے یہ تمہارے چہرے پر کیا نشان ہے جیسے انگلیوں کے یا تھپڑ کے نشان ہوں۔"

وہ جھکی تو اس کی سفید رنگت پر خرم کے مردانہ ہاتھ کا واضح نشان لیلیٰ کو نظر آگیا۔

"ہاں۔ ہوں نہیں تو یہاں مجھے بھلا کوئی تھپڑ مارے گا یوں ہی ایک سائیڈ منہ رکھ کر سوئی تھی یا پھر شاید چارپائی کا نشان رہ گیا ہے' ہٹو میں خود صفائی کرتی ہوں۔" مومی اس طرح خوف زدہ ہوئی گویا رنگے ہاتھوں پکڑی گئی ہو۔ حلق میں آنسوؤں کا گولا پھنس گیا تھا کیا ستم تھا کہ وہ کسی سے کچھ کہہ بھی نہیں سکتی تھی کہتی تو یقین کس کو آتا ہر کوئی اس کے کردار کو آلودہ کرتا۔ اس نے سینے پر صبر کی سل رکھی ہونٹوں پر چپ کی مہر لگائی آنکھوں کے کناروں پر ضبط کے بند باندھے اور مصروف ہوگئی۔ اب وہ منتظر تھی کہ خرم کا کیا رویہ ہوتا ہے۔

☆ ☆ ☆

"آئی ایم سوری مما میں بھی کتنا برا اور خود غرض ہوں کہ محض اپنے جذبات کی تسکین کی خاطر آپ کو یوں پریشان کر دیا میری وجہ سے میری بیمار ماں یہاں بے آرام ہو رہی ہے لعنت ہے ایسی اولاد پر سوری مما!"

خرم کو ہوش آیا تو کچھ دیر کے لیے اسے کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کہاں ہے کچھ دیر بعد اس کے حواس بحال ہوئے تو ساری بات یاد آگئی۔ اک ٹیس بڑے زور کی اٹھی اور وہی احساس جاگا کہ مومی نے اسے کیا سمجھا تھا ایک بار پھر ہذیانی کیفیت طاری ہونے لگی مگر وہ خود پر قابو پا گیا۔

"مما! مما۔" اس نے آہستگی سے پکارا۔

"جی' جی میرے بچے جی۔!" فاطمہ تڑپ کر اٹھیں اسے ہوش میں دیکھ کر دیوانہ وار اسے پیار کرنے لگیں۔

"تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے پروردگار تو نے ہم گناہ گاروں پر اتنا کرم کیا!"

پھر تین دن خرم ہاسپٹل میں رہا سب آتے جاتے گھر کے تمام ملازمین آئے اسے دعا دے کر گئے مگر وہ صرف اس آہٹ کا منتظر تھا جس کے جلو میں وہ نا سمجھ ستم گر آتی اس کی آنکھیں اور سماعتیں مومی کی منتظر ہی رہیں مگر وہ نہیں آئی۔

"تم اتنی کٹھور بھی ہو سکتی ہو مومی میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا تم نے مجھ پر بہت بڑا ظلم کیا ہے مومی دل میں رہ کر دل کی بستی کو اجاڑا ہے آنکھوں میں بس کر انہیں برباد کیا ہے مومی ایک بار آکر اپنے ستم زدہ کو دیکھ تو لیتیں بہت تسکین ملتی تمہیں تمہاری نا سمجھی کو۔ آہ کاش میں ہمیں ظالم مالک ہی رہتا مہربان دوست بن کر نہ جاتا۔ آہ"

عجیب طرح کے دکھ کی اداس ویران سی شام اتر آئی تھی اس کے دل میں وہ گھر بھی آگیا تھا مگر وہ پھر بھی نظر نہیں آئی تھی اسے اندیشہ لاحق ہوا کہ کہیں وہ خود ہی کہیں چلی نہ گئی ہو یا کسی کے دباؤ میں آکر اس نے سچ نہ اگل دیا ہو دونوں صورتوں میں بدنامی اور شامت مومی کی آتی جو اسے گوارہ نہیں تھی۔ اس کے لیے اس نے خود ہی بات بنا دی تھی کہ وہ اپنے کسی دوست سے الجھ گیا تھا غصے میں آکر اس نے خود کو ہی سزا دے ڈالی۔

"مما! کچھ کھانے کو دل چاہ رہا ہے۔" اس نے سوچا اسی بہانے وہ آئے تو سہی۔

"کیا کھائے گا میرا بیٹا میں خود بنا کر لاتی ہوں۔" ماں نثار ہوگئی۔

"نہیں مما آپ میرے پاس بیٹھیں کہاں ہے وہ آپ کی لاڈلی مومی صاحبہ اس سے کہیں سوپ بنا لائیں۔" اس نے مما کو پکڑ لیا جو اٹھ رہی تھیں۔

"ارے بیٹا اس نکمی کو نجانے کیا ہو گیا ہے چپ سی لگی ہے کھوئی کھوئی سی رہتی ہے میرا خیال ہے اس

بھنوئی پھر آیا ہوگا خیر میں اسے بلاتی ہوں مومی۔۔۔ مومی۔"

"جی آئی" اس کی آواز کی کپکپاہٹ خرم کو قریب سے سنائی دی۔ کچھ دیر بعد وہ نظریں جھکائے ہاتھ باندھے کھڑی تھی خوف سے شرمندگی یا اپنی بے بسی کی سرد سل پر کھڑی وہ برف ہی لگ رہی تھی جیسے اب منجمد ہو جائے گی۔ خرم نے شاکی نظر سے دیکھا جس کو اس سے نظر ملانے کی تاب نہیں تھی۔ اس کا جی چاہا مما اس سے لمبی سی بات کریں اور وہ یہیں کھڑی رہے۔

"جی اچھا ابھی لائی!" وہ اسے دیکھتا ہوا جانے کہاں پہنچ گیا تھا کہ وہ آرڈر لے کر چلی گئی پھر حاضر ہوئی تو سوپ کے ساتھ۔

"آخ۔ یہ' یہ سوپ بنایا ہے تمیز نہیں تمہیں جاہل اجڈ سوپ بنانا نہیں آتا۔"

"میرا بچہ فکر نہ کرو میں خود بنا لاتی ہوں اس لیے تو کہا تھا خیر تم جاؤ مومی میں خود بناتی ہوں سوپ پہلے ذرا کپڑے دھولوں۔" مما واش روم میں اپنے کپڑوں کے چھینٹے دھونے گئیں تو مومی اس کی خونخوار نظروں کی زد میں ایسی ہرنی لگ رہی تھی جیسے شیر کھانے کو تیار ہو وہ کارپٹ کو کپڑے سے صاف کرنے کے لیے جھکی تو وہ لہجے میں نفرت اور حقارت بھر کر بولا۔

"تم! اپنے آپ کو سمجھتی کیا ہو تمہاری اوقات اور حیثیت کیا ہے تم تو میری نفرت کے بھی قابل نہیں ہو میں ۔۔۔"

وہ تو ابھی اور زہر اگلتا کہ اسی وقت فاطمہ آگئیں وہ خاموش ہوگیا۔ تو آنسوؤں کی دبیز تہ سے اس نے جھانکتے ہوئے خرم کو دیکھا۔

"کاش خرم تم ظلم کے اس سفر میں اس مہربانی کے موڑ پر نہ ٹھہرے ہوتے!"

وہ کمرے سے نکل گئی تو خرم کو لگا جیسے روح نکل گئی ہو وہ بے دم سا ہو کر لیٹ گیا۔

"نا سمجھ لڑکی تم کیا سمجھتی ہو تمہاری عزت تو مجھے بھی بہت عزیز ہے اسی لیے قصہ غم میں تیرا نام نہ آنے دیں گے!" اس نے آنکھیں بند کر کے مومی کے تصور کو محفوظ کر لیا۔

"اور خرم صاحب اب کیسی طبیعت ہے۔" لیلیٰ اور شہباز اسی وقت آگئے۔

"الحمد للہ بالکل ٹھیک ہوں بس یار تم سب نے تو بلاوجہ ہی ہنگامہ کر دیا۔"

وہ شرمندہ شرمندہ اٹھ کر بیٹھ گیا وہ واقعی بہت نادم تھا کہ اس نے اتنے پیاروں کو پریشان کر دیا۔

"جی! بلاوجہ ہم پر جو قیامت گزری ہے ناں وہ صرف ہم ہی جانتے ہیں خیر اب آپ جلدی سے ٹھیک ہو جائیے!" لیلیٰ نے بڑھ کر بھائی کو پیار کیا۔

"ہاں ابھی جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ ہمارا ہنی مون ڈیلے ہی ہوتا جا رہا ہے۔"

"او کم آن شہباز اللہ کے فضل سے اب میں بالکل ٹھیک ہوں تم لوگ جاؤ اپنا پروگرام خراب نہ کرو کب جا رہے ہو۔"

"جب آپ ہمیں ایئرپورٹ چھوڑنے جائیں گے۔"

"یہ بات ہے تو چلو میں ابھی چھوڑ آتا ہوں۔" خرم نے چھیڑا۔

"بس پرسوں روانگی ہے اور ہاں پپا آپ وجاہت کو فون کر دیں تاکہ وہ آجائیں ہم تو ان کو پہچان بھی نہیں سکیں گے۔"

"ارے نہیں بیٹا میں نے وجاہت میاں کو سب بتا دیا ہے پہچان لیں گے بھابھی جان کی طبیعت بہت خراب ہیں ہماری طرف سے بہت پوچھنا بہت اچھے تعلقات تھے ہمارے۔ بس معمولی رنجشوں کی وجہ سے اتنے عرصے

سے ہم نے ایک دوسرے کی خبر تک نہیں لی مگر اب ہم سب سے ملا کریں گے بھابھی جان سے کہنا میں اور فاطمہ بھی ان کو دیکھنے آئیں گے۔"

زبیر صاحب ماضی میں چلے گئے تھے پھر تیسرے روز لیلیٰ اور شہباز چلے گئے گھر بہت سونا ہو گیا تھا فاطمہ کو گھبراہٹ سی ہونے لگی۔

"مومی' مومی ارے بھئی کہاں ہو مومی" انہوں نے کسی کام کے لیے اسے پکارا تھا۔

"وہ بیگم صاحبہ مومی تو اپنے کوارٹر میں نہیں ہے!" جواب ان کی دوسری ملازمہ نے دیا۔

"کیا۔۔؟" خرم بے ساختہ بولا۔

☆ ☆ ☆

"ارے زبیر انکل کیسی باتیں کر رہے ہیں جو کچھ بھی تھا آپ بزرگوں میں تھا ہم بچوں کو آپ لوگوں کے معاملے میں بولنے کا کوئی حق نہیں لیلیٰ اور شہباز آ رہے ہیں بڑی اچھی بات ہے وہ یہیں میرے پاس رہیں گے اور آپ اور آنٹی بھی آجاتے تو اچھا تھا امی آپ لوگوں کو بہت یاد کرتی ہیں۔"

"ہم ضرور آتے وجاہت میاں کچھ کاروباری مصروفیات ہیں کچھ تمہاری آنٹی کی طبیعت اچھی نہیں لیکن ہم ضرور آئیں گے بھابھی جان کو سلام کہنا بہت پوچھنا اچھا بیٹا خدا حافظ۔"

"جی خدا حافظ!"

ریسیور رکھ کر زینت کی طرف پلٹا جو نجانے کن خیالوں میں گم تھی اب تو وہ خالی ذہن بھی یا کسی اور کے بارے میں بھی سوچ رہی ہوتی اس کی ہر سوچ پر ظفر کا الزام آجاتا۔

"مسز زینت وجاہت اگر آپ کو اپنے محبوب کے خیالوں سے فرصت مل جائے تو میری بات سن لیجئے۔" اس کے کٹیلے لہجے اور زہریلی باتوں کی وہ عادی ہو چکی تھی وہ ایک بار پھر روبوٹ بن گئی۔

"جی کہئے۔" وہ فرماں بردار بیوی کی طرح اس کے سامنے آن کھڑی ہوئی تو وجاہت نے اسے سر سے پیر تک دیکھا بغیر کسی میک اپ کے' زیورات سے لدی زینت اس حلیے میں بھی بہت خوب صورت لگ رہی تھی وہ کھڑا ہو گیا گہری نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

"سوگوار حسن پر لوگ اس لیے مرتے ہیں کہ سوگوار ہو کر حسن میں بہت جاذبیت آجاتی ہے' خیر میری بات سنو فوراً" یہ زیورات اتار دو۔۔؟"

"جی۔؟" اس کے اس اچانک حملے پر وہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"اوہو' مرو نہیں تمہیں یہ سب واپس مل جائے گا بلکہ تمہارے ہی پاس رہے گا بات یہ ہے کہ میری کزن لیلیٰ آ رہی ہے اپنے شوہر کے ساتھ میں ان لوگوں کے سامنے خود کو میرڈ ظاہر نہیں کرنا چاہتا اور نہ ہی تم کوئی ایسی بکواس کرو گی ان کے سامنے جتنے دن بھی وہ رہیں گے تم گھر کے تمام کاموں اور ملازمین کی نگراں ہو اور تمہارا اس گھر سے یا مجھ سے کوئی تعلق نہیں میری بات سمجھ میں آگئی ہے ناں' خیر آپ کی عقل سمجھ پر تو ظفری کا قبضہ ہے ہم کس کھیت کی مولی ہیں۔ بہرحال ان کے سامنے تم صرف ملازمہ ہو گھر کے امور کی انچارج۔"

وہ بار بار اپنی بات جتا رہا تھا ایسے میں وہ صرف اسے دیکھ کر رہ گئی یہ بھی نہ کہہ سکی تمہاری ذات سے وابستہ ہونا مجھے بھی گوارہ نہیں مگر وہ اپنی ایسی ـــ سوچوں کو چپ کی قبر میں اتار کر سر ہلا کر رہ جاتی اور پھر ایسا ہی ہوا لیلیٰ اور شہباز کے آتے ہی وہ بیگم صاحبہ سے پھر ملازمہ بن گئی۔

"آپ ـــ" لیلیٰ زینت کی پرسنلٹی سے بہت متاثر ہوئی تھی اور اب اس کے بارے میں پوچھ رہی تھی۔

"یہ۔۔ یہ بھی ہماری ملازمہ ہیں مگر ذرا اپر گریڈ کی ملازمہ۔" وجاہت نے انتہائی کمینگی سے اس کا تعارف کرایا تو وہ ٹیسوں کو دباتی نظریں جھکا کر رہ گئی مگر لیلیٰ اور شہباز کو قطعی یقین نہیں آیا۔

"مگر یہ ملازمہ لگتی تو نہیں؟"

"جی لگنے کی خوب کہی آپ نے۔۔ اب آپ بھی لگنے کو اسکول گرل ہیں میرڈ تو ہرگز نہیں لگ رہی ہیں وہ بھی شہباز جیسے شخص کے ساتھ۔" وہ شہباز کو لیلیٰ کے ساتھ دیکھ کر جل ہی تو گیا ہر حسین لڑکی پر وہ صرف اپنا ہی حق سمجھتا تھا۔

"جی نہیں شہباز میرے آئیڈیل ہیں اور ہماری لو میرج ہے۔"

لیلیٰ نے شہباز کا بازو تھام کر شہباز کو دیکھا جو دھیرے سے مسکراتا رہا اور وجاہت کو دیکھتا رہا جس کو وہ ایک نظر میں جان گیا تھا کہ یہ خوب صورت شخص اندر سے کتنا بدصورت ہے۔

"بڑی لکی ہیں بھئی آپ کہ" آپ کو آئیڈیل مل گیا ورنہ ہم تو آئیڈیل کی تلاش میں پھرتے رہے آئیڈیل نظر آیا تو پرایا ہو چکا تھا اپنی وے دیکھی جائے گی اور تم یہاں کیا ہماری باتیں سن رہی ہو جاؤ کام دیکھو۔"

لیلیٰ وجاہت کو بہت پسند آئی تھی اسی طرح شہباز اس کے پہلو میں کھڑا اسے زہر لگ رہا تھا اور اپنی ساری جلن اس نے زینت کو ڈانٹ کر نکالی وہ جی بہتر کہہ کر چلی گئی۔

لیلیٰ کیا آئی تھی وجاہت تو سب کچھ بھول گیا تھا۔ زیادہ تر ایسے موقع تلاش کرتا جب وہ تنہا ہوتی۔ اس وقت شہباز کے سر میں درد تھا وہ کمرے ہی میں تھا کہ لیلیٰ باہر آگئی اسی وقت وجاہت آگیا۔

"ارے آپ اکیلی بیٹھی ہیں موصوف کہاں ہیں۔"

"ان کی ذرا طبیعت خراب ہے۔" لیلیٰ نے میگزین اٹھایا جس میں اس کا انٹرویو تھا۔

"یہ آپ کے انٹرویو کا پرچہ میں نے سنبھال کر رکھا ہے آپ نے کہا ہے کہ آپ کو ایکٹنگ سے بہت لگاؤ ہے؟" وہ یہ گر جانتا تھا کہ اگر کسی کی توجہ حاصل کرنا ہو تو اس کے شوق اور اس کی پسند کی باتیں کرنی چاہئیں۔

"بہت لگاؤ ہے وجاہت بھائی۔"

"بھائی۔۔ اونہوں بھئی وجاہت صرف وجاہت آپ کے منہ پر زیادہ سوٹ کرتا ہے۔" اس نے بھائی کہا تو وجاہت نے برا سا منہ بنا دیا۔

"ہاں تو میں کہہ رہی تھی کہ ایکٹنگ میرا شوق میرا جنون ہے۔"

"دیکھا میں آپ کو دیکھتے ہی سمجھ گیا تھا میری اور آپ کی بہت انڈر اسٹینڈنگ ہو گی مجھے بھی ایکٹنگ کا جنون کی حد تک شوق ہے مجھے بھی بہت سی آفرز ہیں کئی ڈائریکٹر میرے دوست ہیں کہتے ہیں مگر وقت نہیں ملتا۔"

"اچھا آپ کو بھی شوق ہے مگر شہباز کو بالکل بھی شوق نہیں اور اس کی وجہ سے میں شاید زیادہ کام نہ کر سکوں۔" لیلیٰ نے اداس ہو کر کہا تو وہ اندر سے خوشی سے اچھل پڑا۔

"اچھا حیرت ہے اس لحاظ سے تو خاصے بدذوق واقع ہوئے ہیں یعنی اتنی حسین' اتنی ٹیلنٹڈ بیوی کے شوق کو اپنا شوق بنانے کی بجائے ناپسند کر رہا ہے بھئی سوری ٹو سے اس قسم کے دقیانوسی مرد مجھے قطعی پسند نہیں۔"

وہ کہتے کہتے رک گیا' وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ بدک جائے اور پھر وہ بات لمبی سے لمبی کرتا چلا گیا اور اس کے ہر شوق کو پسند کو اس نے اپنی پسند قرار دیا۔

"بھئی لیلیٰ پھر معذرت کے ساتھ کہوں گا کہ آپ کی لو میرج ہوئی ہے مگر ہوئی غلط بندے سے ارے آپ جیسی شوق اور ذوق رکھنے والی لڑکی کی شادی تو ہم جیسے بندے کے ساتھ ہونی چاہیے تھی۔ میاں بیوی کی پسند و ناپسند ایک ہو تو زندگی بہت اچھی گزرتی ہے اور۔۔!"

وہ بولتے بولتے رک گیا سامنے سے شہباز جو آرہا تھا وہ اس کی بات سن چکا تھا۔

☆ ☆ ☆

"ہرگز نہیں!" واصف کے سخت لہجے میں ڈھلے یہ الفاظ آمنہ کو توہین کی دلدل میں دھکیل رہے تھے آمنہ عجیب کوفت کا شکار تھی محبت کے میدان میں اس کو شکست ہو چکی تھی دوسروں سے ٹھکرائے جانے کا احساس مارے دے رہا تھا۔ ایک وہ تھا جس کی طرف وہ کشتیاں جلا کر بڑھی تھی وہ پیچھے ہٹ گیا دوسرا وہ جو اس کی طرف بچپن سے بڑھ رہا تھا اور بڑھتے بڑھتے اتنے قریب آ کر ایک لمحے میں ایک جھٹکے میں اتنی دور چلا گیا کہ وہ اس کی تلاش میں نکلتی تو خود کہیں کھو جاتی۔

"یا اللہ! یہ سب کیا ہو گیا لیکن قصور میرا ہی ہے جو لڑکیاں والدین کی پسند کو اپنا نہیں بنا لیتیں اپنے بنے ہوئے راستے پر چلتی ہیں تو منزل انہیں کبھی نصیب نہیں ہوتی کاش میں نے واصف کو حسن کے بارے میں کچھ نہ بتایا ہوتا نہ اس کے ساتھ یہ جھوٹا ڈرامہ رچایا ہوتا تو آج واصف کی نظروں میں یوں نہ گری ہوتی کاش۔۔۔"

سراسر اسی کا قصور تھا وہ کس کو الزام دیتی اس میں تو پرکھنے کا ہنر ہی نہیں تھا تب ہی تو چمکتی چیز کو سونا سمجھ لیا تھا اور جو حقیقتاً "سونا تھا اس نے بھی کیا اس کا مان رکھا تھا وہ یہ بات نہیں سمجھ رہی تھی وہ مرد ہے جو بچپن سے اسے چاہتا آ رہا ہے اس غلط آدمی کے لیے اس نے اسے ٹھکرا دیا تو اب وہ کس طرح ایک دم پھر اس کا سوالی بن جاتا۔ جو صرف اس سے مایوس ہو کر اس کی خوشی کی خاطر اس سے دست بردار ہو گیا تھا وہ کرب کے کسی جنگل سے گزرا تھا یہ وہ نہیں سمجھ رہی تھی دوسری طرف مارے دکھ اور غصے کے برا حال تھا تمام رات اس نے انگاروں پر گزاری تھی۔

"ہونہہ واہ آمنہ بیگم واہ میرا دل کھلونے سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا تمہارے نزدیک جب تمہارا دل چاہا کھیل لیا جب چاہا توڑ دیا تم اتنی خود غرض ہو سکتی ہو میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا جب تک وہ شخص رہا تم نے میرے ساتھ مل کر وہ ڈرامہ کیا اب اس نے چھوڑ دیا تو تم اس ڈرامے کو حقیقت کا روپ دینا چاہتی ہو۔۔۔ نو نو وے آمنہ بیگم ہرگز نہیں تم نے جب چاہا مجھے اپنے مقصد کے لیے استعمال کیا تم مجھے ریجیکٹ کر چکی ہو اپنی خوشی سے اور اب اپنانا چاہتی ہو اپنی مجبوری سے میں تمام عمر اس دوہرے احساس کے ساتھ تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتا جس کو تم نے مجبوراً "قبول کیا۔"

رہ رہ کر یہ احساس ہی مارے دے رہا تھا کہ آمنہ اسے پہلے ریجیکٹ کر چکی تھی اب اپنانا چاہتی ہے وہ اسے اپنی مرضی اور خوشی یا مجبوری سے استعمال کر رہی تھی اور یہ ہی بات اسے سلگا رہی تھی کہ اس کی اپنی کوئی اہمیت نہیں تھی وہ اس کی محبت یا چاہت نہیں تھا اس کی ضرورت تھا

مگر اب اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ عمر بھر کے لیے اس کی ضرورت نہیں بنے گا اس نے ڈرامے کا ڈراپ سین کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا اس نے آمنہ کے ساتھ شادی سے انکار کر دیا تھا اس کے خیال میں وہ اس احساس کمتری کے ساتھ اس کے ساتھ نہیں رہ سکتا تھا کہ اسے خیرات میں اس کا ساتھ نصیب ہوا ہے دوسری طرف آمنہ نے بھی سوچ لیا تھا کہ کتنی ہی بدنامی ہو وہ اب واصف سے شادی نہیں کرے گی۔

دونوں اپنی اپنی جگہ فیصلہ کر چکے تھے مگر انسان کچھ سوچتا ہے کچھ فیصلہ کرتا ہے مگر اللہ کو کچھ اور منظور ہوتا ہے اور وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے۔ ان ہی دنوں حسام الدین کو شدید قسم کا ہارٹ اٹیک ہوا تو گھر بھر میں جیسے قیامت آ گئی احتشام الدین نے اس صورت حال میں ان دونوں کے نکاح کا اعلان کر دیا یہ بات سن کر واصف کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔

☆ ((باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

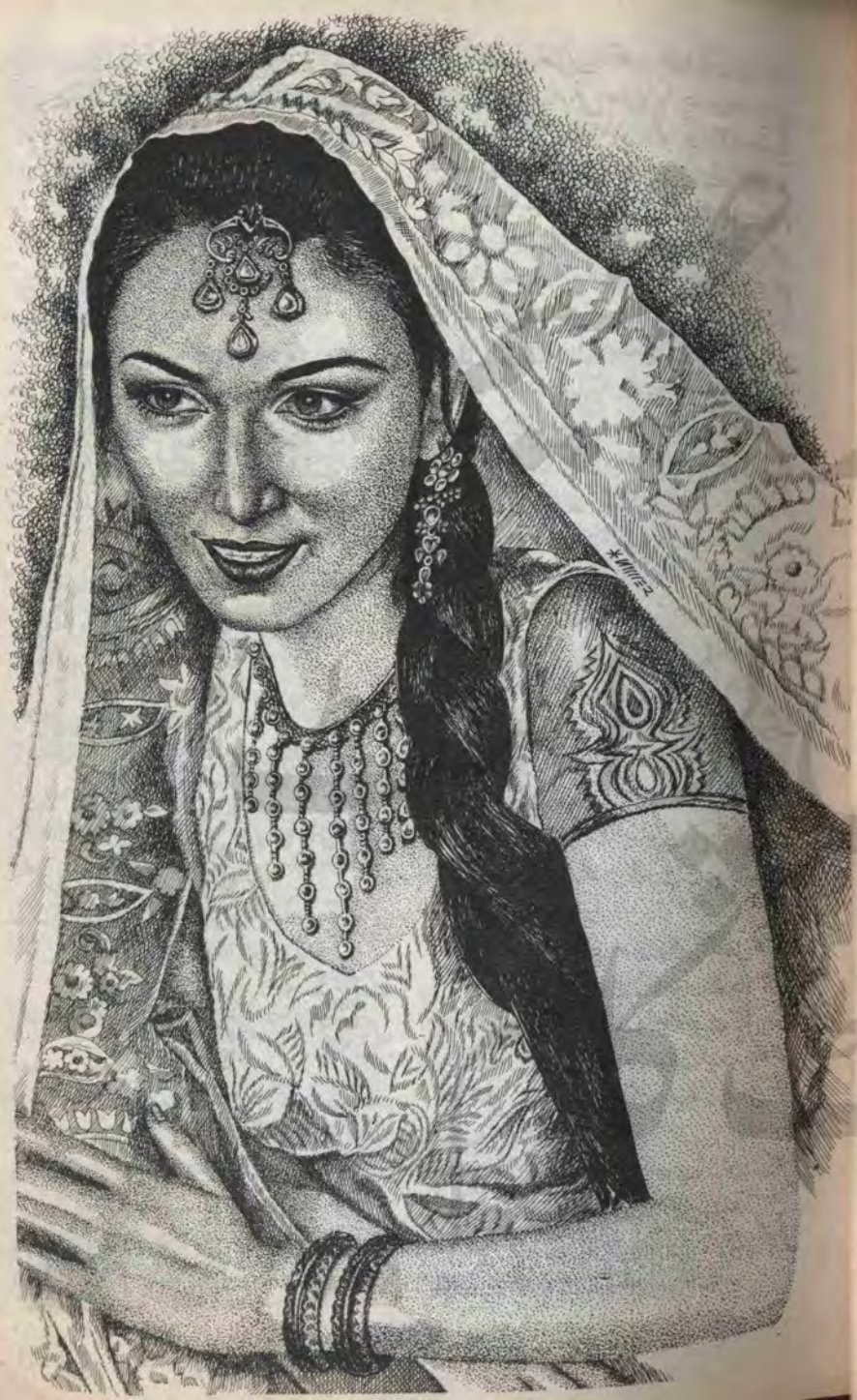

سالگرہ نمبر

صائمہ اکرم چوہدری

ہم خوشبو کے سوداگر ہیں

افسانہ

"خوب صورت، تعلیم یافتہ، برسر روزگار، کوٹھی کار کا دلدادہ، بزنس کا شوقین، سیاحت کا رسیا، ہر ایک سے پیار کرنے والا، طبیعت میں لچک، تمام صوبائی زبانیں جانتا ہے، بیواؤں اور مطلقاؤں سے بھی رابطہ جوڑا جا سکتا ہے اگر ان کا بزنس دیکھنے والا کوئی نہ ہو تو پہلی دوسری اور تیسری شادی کرنے والی خواتین بھی رجوع کر سکتی ہیں مگر تصویر اور جوابی لفافے کا آنا ضروری ہے..."

ماہا نے ضرورت رشتہ کا اشتہار جوش و خروش سے پڑھتے ہوئے "کاشان ولا" کے وسیع و عریض ٹی۔وی لاؤنج میں بیٹھی پانچ لڑکیوں پر نظر ڈالی جن کا انہماک قابل دید تھا اس نے پڑھنے کا سلسلہ عارضی طور پر موقوف کر کے ان کے تجسس کو مزید ہوا دی۔

"کیا تکلیف ہے... آگے پڑھو، مرو... سانس بعد میں لے لینا۔" عین کلائمکس پر ماہا کی بریک پورے گروپ کو سخت ناگوار گزری عروہ تو باقاعدہ صوفے سے اٹھ کر اس کے پاس نیچے آ بیٹھی تجسس کی فراوانی اس کے چہرے کو مزید مضحکہ خیز بنا رہی تھی۔

"بھئی شارٹ بریک... " ماہا نے پاس تپائی سے جگ اٹھا کر گلاس میں پانی ڈالنے کا تکلف کرنا مناسب نہ سمجھا اور ویسے ہی منہ لگا لیا۔

"بکواس مت کرو شارٹ بریک کی بچی... کہیں تیری زندگی میرے ہاتھوں شارٹ نہ ہو جائے۔" حمنی نے دھمکی دی۔

"اچھا اچھا زیادہ امریکہ مت بنو میں "ایمل کانسی" نہیں ہوں جسے تم دن دیہاڑے اٹھا کر لے جاؤ، ہاں تو آگے لکھا ہے..." ماہا نے جگ اطمینان سے تپائی پر رکھ کر حمنی کے دوپٹے سے منہ صاف کیا جس کا "فی الحال" اس نے کوئی نوٹس نہیں لیا اور پھر مزید گویا ہوئی۔

"ہاں اس اشتہار کے آگے لکھا ہے کہ نوٹ... لڑکا اپنی ساری تنخواہ اپنی اماں کو دینے کا عادی ہے۔"

"کیا..." سب کی اجتماعی چیخ ٹی وی لاؤنج میں گونجی ماہا نے بے ساختہ اپنے ہاتھ کانوں پر رکھ لیے۔

"ہائے ہائے کم بخت تو نے میرے خوابوں کا ورلڈ ٹریڈ سینٹر تباہ کر ڈالا۔ تیرا ککھ نہ رہے۔" عروہ نے مایوسی سے اپنا سر پاس بیٹھی حمنی کے کندھوں سے ٹکا کر بلند آواز میں کوسنے میں پہل کی۔

"مرے ہو کر مرو۔" حمنی نے اسے دھکیلا۔

"میں تو اس کم بخت کے ساتھ خوابوں اور خیالوں میں پیرس کے خوب صورت ایئرپورٹ پر اترنے والی تھی بڑا آیا سیاحت کار سا منحوس۔"

"ہائے لڑکیو! میرا نقصان زیادہ ہوا ہے میں تو اپنے خیالی پیکر آئیڈیل کو زمین پر پا کر خوشی سے بے حال تھی مکروہ گیدڑ اپنی ساری تنخواہ اپنی اماں کو تھما دے تو میں نے اس کنگلے آئیڈیل کو چاٹنا ہے کیا اف اب میرا کیا بنے گا۔" نایاب نے اپنے دوپٹے کا پلو مصنوعی آنسوؤں کی فراوانی سے نچوڑنا شروع کر دیا جبکہ ان سب کی مشترکہ آہ و زاری سے بے نیاز ماہا اب لیموں کا ٹکڑا زور زور سے اپنے ہاتھ پر رگڑتے ہوئے بیوٹی ٹپ میں مصروف ہو گئی تھی۔

"بھلا کس اخبار میں شائع ہوا ہے یہ؟" حمنی کو حقیقی صدمہ پہنچا تھا۔

"بھئی میں نے کب کہا کہ یہ اخبار میں شائع ہوا ہے؟" ماہا کا شرارتی انداز میں مکرنا ان سب کو چونکا گیا۔

"کیا مطلب۔۔۔؟" وہ سب کرنٹ کھا کر اٹھ بیٹھیں تھیں جبکہ ماہا کا اطمینان قابل دید تھا۔

"پاگل لڑکیو! یہ تو طنز و مزاح کی ایک کتاب کا اقتباس تھا۔" شان بے نیازی سے اطلاع دی گئی۔

"دیکھو بد تمیزی نہیں۔" وہ سرکتے ہوئے سختی سے کہہ رہی تھی لیکن کشنز میزائل بن کر اس پر برس رہے تھے۔

"السلام علیکم! آئی وی لاؤنج میں داخل ہوتے اسامہ اور فیضان نے دلچسپی سے کمرے کا منظر دیکھا جہاں ان کا پرتپاک انداز میں کیا گیا سلام صرف دیواروں نے سنا تھا چار عدد لڑکیاں آنکھوں میں بھرے غصیلے شرارے اور چڑھی ہوئی تیوریوں سے پانچویں پر تابڑ توڑ حملے کر رہی تھیں۔

"شاباش۔۔۔ شاباش اور مارو۔۔۔ عروہ باہر گیٹ سے خان بابا کا ڈنڈا لے آؤ' حمنی ذرا زور سے مارو۔" اسامہ نے انتہائی گرمجوشی اور بشاش انداز میں سب کو مخاطب کیا۔ چلتے ہاتھ رک گئے سب کے باجماعت سر گھومے۔ اگلے ہی لمحے وہ بوکھلا گئیں عروہ نے لپک کر اپنا دوپٹہ صوفے سے اٹھایا حمنی نے کھسیا کر کشن انتہائی عزت و احترام کے ساتھ صوفے پر رکھ دیا ساتھ ہی کڑے تیوروں سے اسامہ کو دیکھنے کا عمل جاری تھا جو کسی اجنبی کو سیدھا ٹی وی لاؤنج میں لے آیا تھا اور اوپر سے کمرے کا حلیہ انہیں شرمندہ کرنے کو کافی تھا ماہا کی مونگ پھلی کے چھلکے' نایاب کے چلغوزوں کا سیلاب' حمنی کی کتابیں اور عروہ کی کیسٹس پورے کمرے میں پھیلی ہوئی تھیں وہ بوکھلاہٹ میں چیزیں سمیٹنے کی بجائے مزید پھیلا رہی تھیں تنگ آکر پانچوں ہاتھ مسلتی ہوئی زبردستی کی مسکراہٹ کے ساتھ کھڑی ہو گئیں۔

اسامہ کے ساتھ پولیس کے فل یونیفارم میں ملبوس مردانہ وجاہت کا پیکر' خمار آلود مسکراہٹ کو لتی آنکھیں بڑی دلچسپی سے کمرے کا جائزہ لے رہی تھیں جبکہ اس کے ساتھ لائٹ براؤن شلوار قمیص میں ملبوس اسامہ ان سب کو دیکھ کر باقاعدہ چچ چچ کی آواز نکال کر مایوسی کا اظہار کر رہا تھا۔

"تم تو اپنی چچ چچ بند کرو۔" ماہا نے چڑ کر کہا۔

"بیٹھیے فیضان بھائی ہمارے کاشان پیلس میں مہمانوں کو بٹھانے کی روایت نہیں اس کا اندازہ تو آپ کو ہو گیا ہو گا۔" اسامہ جب ذلیل کرنے پر آتا تو بقول عروہ کے بڑے بڑوں کو شرمندہ کر دیتا تھا۔

"میں تو تھک گئی ہوں شرمندہ ہو ہو کر۔" حمنی کے سادگی سے کیے گئے اعتراف نے فیضان شاہ کی مسکراہٹ گہری کر دی۔ انہیں احساس ہو گیا کہ بے وقت مداخلت ہو گئی ہے۔

"لگتا ہے کہ ہم نے ڈسٹرب کر دیا ہے آپ کو۔" زرد کے دل کھینچ لینے والے شاندار لب و لہجے پر پانچوں کے سر بے اختیار نفی میں ہل گئے۔

"لگتا ہے کہ اشتہار والا آگیا۔" عروہ نے سرگوشی کی۔

"ذرا پوچھو یہ اپنی تنخواہ اماں کو دیتا ہے۔" نایاب نے فکر مندی کا اظہار کیا۔

"بیٹھیے فیضان بھائی۔" اسامہ گہری سانس چھوڑتے ہوئے تسلی سے پاؤں پھیلا کر بیٹھ گیا جبکہ وہ پانچوں دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کے رہ گئیں۔ وہ جانتی تھیں کہ اس وقت اسامہ فل بے عزتی کے موڈ میں ہے وہ اپنے اس فرسٹ کزن کی خاصی مزاج شناس تھیں اس کی ایک ایک جنبش کے مطالب معنی سے آشنا۔ جبکہ نووارد بڑے اسٹائلش انداز میں صوفے سے ٹیک لگائے ٹانگ پر ٹانگ جمائے ابھی تک دلفریب انداز میں مسکراہٹیں بکھیر رہا تھا۔

"یہ کیا ہمارے رشتے دار ہیں۔۔۔؟" عروہ نے آخر نہایت متجسسانہ لہجے میں پوچھ ہی لیا۔

"جی ہاں الحمد اللہ کیا کوئی اعتراض ہے۔" اسامہ نے طنزیہ لہجے میں انجان بن کر پوچھا۔

"شرم کرو جس گھر میں پوری پانچ عدد جوان جہان لڑکیاں ہوں وہاں مہمان کو چائے پانی کا نہ پوچھنا ان کی بداخلاقی اور پھوہڑپن کی واضح مثال ہے۔"

"بکواس مت کرو۔۔۔ گدھے۔۔۔ کچھ منہ سے پھوٹو بھی۔" غصے کی تیز ماہا نے مہمان کا لحاظ کرنے کا ارادہ موقوف کیا اور اپنے ماموں زاد پر کشن سے حملہ کر دیا۔

"فیضی بھائی پولیس کی زبان میں اس حرکت کی تعریف کیا ہو گی۔" اسامہ نے معصومیت سے پوچھا۔

"بھئی ہماری زبان میں تو اسے اقدام قتل کی کوشش بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔" آنے والے کا شوخی سے لبریز لہجہ اور شرارتی آنکھیں اسی بات کی گواہ تھیں کہ وہ بھی اسامہ سے ہرگز کم نہیں۔

"خیر خیر کینز و اور نوکرانیوں اندر جا کر اطلاع دو کہ کاشان پیلس کی اکلوتی دولہن بھابھی کے سب سے چھوٹے راج دلارے بھیا فیضان شاہ اپنا قدم رنجہ فرما چکے ہیں۔"

"کک۔۔۔ کیا آپ فیضان بھائی ہیں۔۔۔ ریئلی۔۔۔؟ آپ بھابھی کی شادی پر کیوں نہیں آئے۔" پانچوں نے یکے بعد دیگرے سوالوں کی بھرمار کر دی تو وہ حقیقتاً "بوکھلا گئے۔

"پہلی بات تو یہ کہ شادی کے دنوں میں ایک کورس کے سلسلہ میں یہ بنکاک میں تھے' دوسری بات یہ واقعی بھابھی کے سگے بھائی ہیں اور تیسری بات کہ میں انہیں لے کر فرار ہو رہا ہوں۔ خبردار ہمارا پیچھا نہ کیا جائے۔" اسامہ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر اندر کی طرف دوڑ لگائی جب کہ وہ سب ارے۔۔۔ ارے۔۔۔ کرتی رہ گئیں۔

"ویری ڈیشنگ۔۔۔ اسمارٹ بندہ ہے۔" ماہا نے کھلے دل سے سراہا۔

اسامہ انہیں سیدھا اپنے کمرے میں لے آیا تھا۔

"میں تو وہاں بھی آرام سے تھا۔" انہوں نے سادگی سے کہا۔

"ارے چھوڑیں فیضی بھیا ان چڑیلوں نے آپ کے کان بغیر روسٹ کیے کھا لینے تھے۔" اسامہ نے ڈرایا تو وہ بیڈ پر پڑے تکیے سے ٹیک لگا کر نیم دراز ہو گئے۔

"ویسے آپ نے اچھا کیا سرکاری رہائش گاہ میں رہنے کی بجائے یہاں آگئے یہاں آپ کو خاموشی تو نہیں ملے گی البتہ خلوص' اور محبت کی فراوانی ہو گی۔" پر خلوص انداز میں بولتا اسامہ' فیضان کو پہلی نظر میں ہی اچھا لگا تھا وہ زرمین آپی کے بہت اصرار پر یہاں شفٹ ہونے پر راضی ہوئے تھے اوپر سے آغا جان اور بی جان کی مخلص اور شفقت بھری دعوت کو رد کرنا بھی کہاں آسان تھا۔

"آپ کے ساتھ اس کمرے میں ولید ہو گا انتہائی بے ضرر سا' شرارتی اور مخلص سا بندہ ہے انٹرنیشنل ریلیشنز میں ماسٹرز کر کے آج کل سیاست کے بکھیڑوں میں الجھا ہوا ہے' ویسے زیادہ تر وہ احتشام چچا کے ساتھ گاؤں میں ہوتا ہے اس لیے آپ کو کوئی ڈسٹربنس نہیں ہو گی۔"

"کاشان پیلس میں کتنے لوگ مقیم ہیں اصل میں زرمین آپی کی شادی اتنی اچانک ہوئی کہ مجھے نہ تو پہلے

اور نہ ہی بعد میں آنے کا موقع ملا۔" انہوں نے شرمندگی سے اعتراف کیا۔

"نیور مائنڈ... یہاں ہمارے دادا جی، یعنی آغا جی اور بی اماں کے ماشاء اللہ پانچ بیٹے اور ایک بیٹی کی فیملی پوری آل اولاد کے ساتھ مقیم ہیں سب سے بڑے میرے والد محترم رحمان شاہ ہیں ہم دو بھائی کاشان لالہ اور میں یعنی اسامہ اور دو بہنیں حمنی اور یمنی ہیں کاشان لالہ کا تو پتا ہے ناں آپ کے بہنوئی ہیں اور میں آپ کی آپی کا دیور..." اسامہ نے شرارت کی تو وہ بے ساختہ جھینپ گئے۔

"خیر حمنی، یمنی وہاں ٹی۔وی لاؤنج میں تھیں آپ نے دیکھا ہو گا..." انہوں نے فوراً" سر ہلا دیا حالانکہ پانچوں کی شکلیں گڈمڈ ہو گئیں تھیں۔

دوسرے نمبر پر نعمان چچا ہیں ان کی دو بیٹیاں عروہ اور نایاب اور بیٹا طلال ہے جبکہ ارسلان چچا کے صرف دو بیٹے ولید اور جاذب ہیں عدنان چچا کے دو جڑواں بیٹے شاذل اور عدن ہیں اور سب سے چھوٹے احتشام چچا کی صرف ایک صاحبزادی ریطابہ ہیں اور پھپھو، انکل کی ڈیتھ کے بعد یہیں مقیم ہیں ان کی صرف ایک بیٹی ماہا ہے جسے وہ سب پکڑ کر مار رہی تھیں کشنز کے ساتھ۔" اسامہ نے انہیں یاد دلایا۔ نازک سے سراپے والی شرارتی سی لڑکی کا سراپا ان کی یادداشت میں محفوظ تھا۔

"باقی ہمارے کاشان پیلس میں چونکہ لالہ سب سے بڑے تھے اس لیے ان کی شادی آؤٹ آف فیملی کرنا پڑی جبکہ باقی چھوٹی عوام ابھی پڑھائی اور روزگار کے دھندوں میں الجھی ہوئی ہے۔ اب آپ اپنے بارے میں بتائیں۔" اسامہ نے پانچ خاندانوں کا تعارف پانچ منٹ میں کروا کے آرام سے ٹانگیں ٹیبل پر پھیلا لیں۔

"بھئی میرے بارے میں تو تم اچھا خاصا جانتے ہو گے پھر بھی ہم لوگ تین بھائی اور ایک بہن اور ایک ماں جی پر مشتمل مختصر سی فیملی ہیں سب سے بڑے شعیب بھائی اٹامک انرجی ڈی جی خان میں اٹھارویں گریڈ کے آفیسر ہیں بھابھی اور ان کے تین بچے وہیں ماں جی کے ساتھ ہیں پھر زرمین آپی جو پچھلے سال شادی کے بعد یہاں آپ کے گھر میں ہیں اور ان کے بعد ذوہیب بھائی آرمی میں ڈاکٹر ہیں اور آج کل ایبٹ آباد میں ہیں اس کے بعد میں نالائق جو سول سروس کے ذریعے پولیس کے محکمے میں ـــــ آج کل تمہارے ضلع کا ایس پی ہوں اور سرکاری رہائش گاہ اور پروٹوکول چھوڑ کر یہاں کاشان ولا میں مقیم ہوں..."

"ویسے سنا ہے کہ آپ کا سروس ریکارڈ خاصا شاندار ہے۔" اسامہ نے دلچسپی سے پوچھا تو وہ مسکرا کر رہ گئے۔

انہیں کاشان ولا آئے دو ماہ کا قلیل عرصہ گزرا تھا اور اب تو وہ گھر کا فرد بن چکے تھے لیکن ان دو ماہ میں مختلف پولیس اسٹیشن کے دورے، ریکارڈز کی چیکنگ نے انہیں خاصا مصروف کیے رکھا اس عرصے میں پھر بھی وہ کافی کچھ جان چکے تھے کہ ہر وقت دانتوں سے انگلیوں کے ناخن کترنے والی عروہ ٹیکسٹائل ڈیزائننگ میں ایم۔ بی۔ اے جبکہ ہر وقت مختلف شاعری کی کتابوں میں سر گھسانے والی حمنی ایم۔ اے اردو فائنل ایئر کی اسٹوڈنٹ ہے کچن میں مختلف تجربات کرنے والی ماہا بی۔ ایس۔ سی ہوم اکنامکس اور ہر وقت حساب کتاب کرنے والی نایاب ایم ایس سی میتھ کی اسٹوڈنٹ ہے جبکہ یمنی مقامی کالج میں تھرڈ ایئر میں تھی اور لڑکا پارٹی میں اسامہ ایم کام کر کے یو۔ ایل میں انٹرن شپ کر رہا تھا جبکہ طلال پی۔ ایچ۔ ڈی اور جاذب انجینئرنگ کے دوسرے سال میں تھا سب سے دلچسپ عدنان چچا کے جڑواں بیٹے شاذل اور عدن تھے جو موسیقی کی دنیا میں انقلاب لانے کے چکروں میں روزانہ بڑوں کی ڈانٹ کھاتے تھے اور اپنی بالکل ایک جیسی شکلوں کا اکثر ناجائز فائدہ اٹھانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔ جبکہ احتشام چچا کی اکلوتی منظور نظر سے ابھی تک سامنا نہیں ہوا تھا۔

اس دن خلاف معمول ڈائننگ روم میں چھایا ہوا سناٹا ان کے لیے حیرانگی کا باعث تھا ورنہ اس وقت

چونکہ سبھی کو اپنے ٹھکانوں پر پہنچنے کی جلدی ہوتی تھی اس لیے خوب ہنگامہ ہوتا لیکن جلد ہی ڈائننگ ٹیبل کے کونے پر آغا جی، بی جان کے ساتھ احتشام چچا کو دیکھ کر خاموشی کا راز کھل گیا۔ احتشام چچا سب سے چھوٹے ہونے کے باوجود اپنی شخصیت میں ایک خاص قسم کا رعب رکھتے تھے ان کے سامنے ڈارک میرون شال میں لپٹا ہوا وجود ان کے لیے بالکل اجنبی تھا جو بے دلی سے سلائس پر جیم لگانے میں مگن تھی۔

"تم میری بات سن رہی ہو ناں...؟" احتشام چچا کی خفگی سے بھرپور آواز کمرے میں گونجی چمچوں اور پلیٹوں کا شور ایک لمحے کو تھم گیا۔ جبکہ مدمقابل کے ماتھے کے بل آسانی سے گنے جا سکتے تھے۔

"آغا جی یہ بار بار مجھے پریشان کرتی ہے۔ اسے کہیں اپنا بچپنا چھوڑ دے۔" احتشام چچا نے آغا جی کو پکارا جبکہ انہوں نے حیرانگی سے ماحول کا جائزہ لیا جو اچھا خاصا ٹینس ہو گیا تھا۔

"تو آپ پریشان ہونا چھوڑ دیں غیر اہم لوگوں کے لیے۔" وہ کفن پھاڑ کر بولی تھی جبکہ اس کے چہرے کے تاثرات چیخ چیخ کر کہہ رہے تھے کہ مجھے کوئی پروا نہیں۔

"دیکھا دیکھا آغا جی... اس کا لہجہ..." چھوٹے چچا کی خفگی میں مزید اضافہ ہوا۔

"آپ میرے لہجے پر ریسرچ کرنے کی بجائے اگر اپنا لہجہ چیک کریں تو یہ زیادہ بہتر ہے۔" اس کے لہجے میں اب پہلے سے زیادہ تندی و تیزی تھی جبکہ چھوٹے چچا نے بے اختیار ہونٹ بھینچ لیے۔

"غفور چچا میرا ناشتا میرے روم میں پہنچا دیں... اس گھر میں کم از کم میرے لیے سکون کا کوئی گوشہ نہیں اور پپا پلیز میرے معاملات میں دخل اندازی مت کیا کریں میں نے کل بھی کہا تھا اور آج بھی کہہ رہی ہوں کہ مجھے اسپیشلائزیشن کے لیے باہر شاہر نہیں جانا۔" وہ جھٹکے سے کھڑی ہوئی اور پاؤں پٹختی ہوئی کمرہ عبور کر گئی اس کے توہین آمیز انداز پر چھوٹے چچا غضبناک ہو گئے۔

"دیکھا آغا جی... یہ اپنے باپ سے بات کرنے کا

خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے
بہنوں کے لیے نیا
خوبصورت ناول
میرے دل
میرے مسافر
نسیم سحر قریشی
شائع ہو گیا ہے
خوبصورت سرورق
مضبوط جلد، آفسٹ چھپائی
قیمت =/250 روپے
ڈاک خرچ =/30 روپے
منی آرڈر یا ڈرافٹ ارسال فرمائیں
ملنے کا پتا
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37 اردو بازار کراچی

طریقہ ہے۔" وہ بری طرح تلملا اٹھے۔

ڈائننگ ہال میں صرف ان کی آواز گونج رہی تھی جبکہ باقی سب خاموش تماشائی بنے صورت حال کا جائزہ لینے میں مگن تھے فیضان بھی اس معاملے کو سمجھنے سے قاصر تھے۔

"یہ کون تھی...؟" وہ دل ہی دل میں یہ معمہ سلجھانے میں مگن تھے کہ آغا جی کے ساتھ ساتھ احتشام چچا بھی ناشتے کی ٹیبل سے اٹھ گئے اور ساتھ ہی بے جان صورتوں پر کسی نے پھونک مار کر جان پیدا کر دی۔

"یہ محترمہ کون تھیں...؟" انہوں نے ساتھ بیٹھے ولید سے فوراً دریافت کیا جو اب لاپرواہی سے انڈا پراٹھا کھانے میں محو تھا۔

"احتشام چچا کی اکلوتی لخت جگر ریطابہ شاہ" ولید نے مختصراً جواب دیا۔

"یہ کیوں گرج رہی تھیں...؟" انہوں نے ہنوز لاپرواہی سے پوچھا۔

"یہ آپ کو کم لیکن ہمیشہ گرجتی اور برستی ہی نظر آئیں گی۔" ولید گول مول جواب دینے میں ماہر تھا۔

"کیا...؟" وہ بالکل غیر ارادی طور پر پوری جان سے متوجہ ہو گئے۔

"جان جائیں گے ایس پی صاحب اتنی جلدی بھی کیا ہے۔" ایک ٹھنڈی سانس لے کر ولید نے دونوں ہتھیلیوں کو آپس میں رگڑا اور جانے کے لیے کھڑا ہو گیا ان دونوں کی مختصر سے عرصے میں کافی دوستی ہو گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

دوپہر میں وہ ایک اہم فائل اور کاغذات لینے کاشان پیلس آئے تو ٹی۔وی لاؤنج میں اسے دیکھ کر ٹھٹھک گئے ماہا اور حمنی فلم دیکھنے میں مگن تھیں۔ جبکہ بلیو جینز پر وائٹ لونگ شرٹ پہنے لاپرواہی سے بلیو شال لپیٹے ہوئے وہ صوفے پر نیم دراز لاؤنج کے شیشوں سے جھانکتی کاسنی پھولوں کی بیل پر نگاہیں جمائے سوچوں میں گم تھی وہ اپنے اسٹائل، لباس اور بات چیت کے انداز میں کاشان پیلس کی تمام لڑکیوں سے مختلف تھی اس کے چہرے پر ہر وقت ایک طنزیہ مسکراہٹ سایہ کیے رکھتی جیسے وہ سب کا تمسخر اڑا رہی ہو سرخ و سپید رنگت پر کالی سیاہ آنکھیں، بہت نمایاں تھیں گھنے سلکی بال آج بھی بکھرے ہوئے تھے اس کے انداز میں عجیب قسم کی تمکنت اور بے نیازی تھی وہ غیر معمولی طور پر دلکش لڑکی اس قدر خوبصورت لگ رہی تھی کہ فیضان شاہ نے بے اختیار ایک گہرا سانس لیا بہت عرصے کے بعد اس طرح کا حسن دیکھا تھا۔

"ہیلو ایوری باڈی۔" انہوں نے اپنے تئیں کمرے میں دھماکہ ہی تو کیا تھا آگے بڑھ کر نیم تاریک کمرے کی لائیٹ آن کی تو دودھیا لائیٹ نے اندھیرے کو نگل لیا کونے کے صوفے پر نیم دراز ولید کانوں پر ہیڈ فون لگائے سر دھننے میں مصروف تھا جبکہ عروہ، ماہا، حمنی اپنی محویت پر شرمندہ تھیں۔

"فیضی بھیا آپ کب آئے...؟" ماہا نے ریموٹ کنٹرول سے ٹی وی بند کرتے ہوئے پوچھا۔

"جب میری بہنا نے مجھے دیکھا۔" انہوں نے گہری نظروں سے ریطابہ شاہ کو دیکھا جس نے ان کی آمد کا کوئی نوٹس نہیں لیا تھا کچھ ہی دنوں میں ماہا انہیں عزیز بھی تو بہت ہو گئی تھی اور وہ سگے بھائیوں کی طرح ان کا خیال رکھتی تھی۔

"آپ کے لیے کھانا لاؤں؟"

"نہیں چائے چلے گی۔"

"محترمہ ماہا جبیں صاحبہ اگر مزاج نازک پر گراں نہ گزرے تو ایک کپ میرے لیے بھی۔" ولید نے بھی لیٹے لیٹے ہانک لگائی تو اتنے معصوم انداز پر سب بے اختیار ہنس دیے۔

"مسٹر فراڈیے لاتی ہوں تمہارے ٹھونسنے کے لیے بھی..."

"میرا یار آ گیا..." ولید دھم سے ان کے پاس آ کر گرا تھا۔

"تمہیں کبھی عقل نہیں آئے گی۔" عروہ نے

تاسف بھری نگاہ ڈالی، جسے ولید نے صاف چٹکیوں میں اڑا دیا۔

"فیضی ان محترمہ کا کیا بنا جو اپنے عاشق کے ساتھ بھاگ کر کورٹ میرج کر بیٹھی تھیں اور ان کے والد صاحب آج کل اخبارات میں خوب کڑاکے دار بیانات دے رہے ہیں۔"

"اچھا وہ... ان محترمہ نے بھری عدالت میں اپنے والد کو جھٹلا دیا اور اسے تو عشق کا بخار چڑھا ہوا تھا اور اس کی ماں تو جھولی اٹھا اٹھا کر بد دعائیں دے رہی تھیں۔"

"ہر عاقلہ اور بالغ مسلمان لڑکی فیملی لاز آرڈیننس کی رو سے اپنے نکاح کے بارے میں والدین کی اجازت لینے کی پابند نہیں۔" ریطابہ نے سپاٹ لہجے میں کسی کو بھی مخاطب کیے بغیر کہا تو وہاں موجود تمام سامعین نے حیرانگی سے ریطابہ شاہ کا جائزہ لیا جو عموماً گھر میں کسی سے بات کرنا زیادہ پسند نہیں کرتی تھی۔

"بی بی شادی میں اگر گھر والوں کی پسند بھی شامل ہو جائے تو یہ وابستگی نئے شادی شدہ جوڑوں کے باہمی تعلقات میں استحکام اور تحفظ کا ذریعہ بنتی ہے اور یہ جو آئے دن لو میرج کیس کے مضر اثرات ہیں اس کا زیادہ حصہ لڑکی کے مقدر میں آتا ہے چونکہ ایسی شادیاں جذبات کے وقتی ریلے کا نتیجہ ہوتی ہیں اس لیے جب ریلہ گزر جاتا ہے تو عام مشاہدے کے مطابق یا تو طلاق پر ختم ہو جاتی ہیں یا سمجھوتے کی ڈور پکڑے ساری زندگی سماجی اور نفسیاتی مسائل کے ساتھ گزر جاتی ہے کیونکہ ایسی لڑکیاں اپنے ہاتھوں سے ساری کشتیاں جلا کر آتی ہیں۔" انہوں نے بات مکمل کر کے مگ ہونٹوں سے لگایا، صوفے پر نیم دراز ریطابہ اب سنبھل کر سیٹ سنبھال چکی تھی۔

"ضروری نہیں کہ ساری لو میرج ناکام ہی ہوں...؟"

"ہاں ضروری تو یہ بھی نہیں ہوتا کہ ساری ارینج میرج کامیاب ہوں فرق صرف اتنا ہے کہ والدین کی دعاؤں کے سائے میں بابل کی دہلیز عبور کرنے والی بیٹیوں کے لیے واپسی کے در کھلے رہتے ہیں"

فیضان کے اس پوائنٹ پر ولید، عروہ، ماہا اور حمنی نے بھرپور تائید کی۔

"جی ہاں فیضان واقعی اسے پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ اونچے درجے کی خواتین بھی اپنے خاندان کے بغیر کس قدر بے بس اور بے وقعت ہوتی ہیں۔" اسامہ جو کچھ دیر پہلے ہی لاؤنج میں آیا تھا اس نے بھی اپنی رائے کا اظہار کیا۔

"ہونہہ، لو میرج ناکام ہو جائے تو اولاد کا قصور اور ارینج میرج ناکام ہو جائے تو اسے تقدیر کے کھاتے میں ڈال کر روپیٹ کر صبر کر لیا جاتا ہے۔" وہ استہزائیہ لہجے میں بولی نہیں بلکہ پھنکاری تھی ریموٹ کنٹرول کارپٹ پر اچھال کر وہ دندناتی ہوئی باہر نکل گئی۔

"نہیں کیا ہوا...؟" فیضان تو اس کے انداز اور لب و لہجے پر حیران رہ گئے جبکہ باقی سب بھی نظریں چرانے لگے۔

"اس میں ریطابہ کا کوئی قصور نہیں ہے دراصل احتشام چچا کی عالیہ چچی سے لو میرج تھی جو زیادہ عرصہ نہ چل سکی اور پھر عالیہ چچی نے کورٹ سے ریطابہ کو حاصل کر لیا اور اس کے ننھے ذہن میں اتنا زہر بھر دیا کہ عالیہ چچی کی ڈھٹھ کے بعد وہ کاشان پیلس میں سیٹ ہی نہ ہو سکی۔" ماہا نے آہستگی سے اپنی کزن کی صفائی دی اپنی یہ حساس سی کزن سب کو عزیز بھی تو بہت تھی لیکن وہ سب سے بری طرح بدگمان تھی۔

"فیضی بیٹا کھانا بھی کھایا ہے کہ نہیں۔" اسامہ کی امی جو ابھی ابھی کمرے میں داخل ہوئی تھیں انہوں نے آتے ہی پوچھا۔

"جی ہاں آنٹی آفس میں کھا لیا تھا، ارے میں کہاں الجھ گیا میری تو ڈی آئی جی کے ساتھ میٹنگ تھی۔" اچانک یاد آنے پر وہ اٹھے اور اپنے کمرے کی طرف لپکے لاؤنج کا ماحول خاصا افسردہ ہو گیا تھا عروہ نے بیزاری سے ٹی وی آن کیا جہاں فلم آخری مراحل میں تھی

لیکن سب کی نظریں اسکرین پر اور دماغ کہیں اور تھا۔

☆ ☆ ☆

اس دن ان کی آنکھ صبح جلد ہی کھل گئی نماز پڑھ کر وہ لان کی جانب چلے آئے کاشان پیلس کا لان ہر آنے والے کو اپنی طرف ضرور متوجہ کرتا تھا گلاب کے مختلف پودے بڑی تعداد میں حال ہی میں لگائے گئے تھے سورج مکھی چائنا روز' اور سدا بہار بھی بڑی تعداد میں بہار دکھا رہے تھے لاؤنج کا دروازہ کھول کر باہر آئے تو خنک ہوا کا جھونکا چہرے سے ٹکرایا ہوا میں سبزے کی خوشبو نمایاں تھی کچھ سوچ کر انہوں نے چہل برآمدے میں اتاری اور سفید ماربل پر ننگے پاؤں چلنے لگے برآمدے کی سیڑھیاں اتر کر وہ لان میں نکلے شوخ رنگوں سے سجی پھولوں کی کیاریاں آنکھوں کو طمانیت کا احساس بخش رہی تھیں چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے وہ کاشان پیلس کے پچھلے حصے میں آئے تو سونمنگ پول کے پاس سنگ مرمر کے بینچ پر سبز کپڑوں میں ملبوس نسوانی وجود سبزے کا ہی حصہ لگ رہا تھا وہ بے نیازی سے دونوں ٹانگیں اوپر کیے اپنا سر گھٹنوں میں دبائے سوچوں میں گم تھی۔ وہ حیران نظروں سے اسے دیکھنے لگے جبکہ ساری حسیات بیدار ہوتی محسوس ہوئیں سیاہ گھنے سلکی بالوں نے آج بھی پشت کو ڈھانپ رکھا تھا ان کا دل اچانک ایک انوکھی لے پر دھڑکنے لگا انہوں نے سائیڈ سے پتھر اٹھا کر سونمنگ پول میں پھینکا جھپاکے کی آواز پر اس نے بے ساختہ سر اٹھایا آنکھوں سے تیزی سے بہتے ہوئے آنسوؤں کو چھپانے کے لیے اس نے فوراً ہاتھ کی پشت سے چہرہ صاف کیا۔

"آپ یہاں کیوں بیٹھی ہوئی ہیں؟"

"کیوں یہاں بیٹھنا ممنوع ہے؟" ریطابہ نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا اور پھر چبھتے ہوئے لہجے میں بولی۔

"اچھا... آپ کو میرا پوچھنا برا لگا۔" وہ ہلکے سے ہنسے اور پھر اسی بینچ پر ذرا فاصلے پر بیٹھ گئے۔

"بھئی آپ جہاں مرضی بیٹھیں' آپ کا تو اپنا گھر ہے جبکہ ہم تو مہمان ٹھہرے۔" انہوں نے بات آگے بڑھانے کی غرض سے کہا آج کافی دن کے بعد تو وہ نظر آئی تھی حالانکہ وہ لاشعوری طور پر ادھر ادھر کھوجتے رہتے تھے۔

"بے فکر رہیں... میرا بھی یہ اپنا گھر نہیں ہے..." اس نے اطلاع دی۔

"اچھا پھر آپ کا اپنا گھر کہاں ہے؟" دلچسپی سے دریافت کیا گیا۔

"پتا نہیں..."

"میں بتاؤں کہ کہاں ہے...؟"

وہ بری طرح چونکی... وائٹ کرتے' شلوار میں ان کا وجیہہ سراپا نظر انداز کرنے کے قابل تو نہ تھا۔ دراز قد' بولتی آنکھیں اور سیاہ گھنی مونچھوں کے نیچے مسکراتے لب' ماں جی تو باقاعدہ آتے جاتے ان کی نظر اتارتی تھیں اور اپنی اس وجاہت کے سحر سے وہ بخوبی واقف تھے لیکن اس کا ناجائز فائدہ اٹھانے کی کبھی کوشش ہی نہیں کی ان کے چہرے پر معنی خیز مسکراہٹ سے نظریں چرا کر اب وہ آسمان پر اڑتے بادلوں کو دیکھ رہی تھی سبز سوٹ میں الجھے ہوئے بالوں کے ساتھ وہ حد درجہ ڈسٹرب لگ رہی تھی۔

"کیا کوالیفکیشن ہے آپ کی...؟" سرسری لہجے میں پوچھا گیا جبکہ وہ پہلے سوال کا جواب نظر انداز کر گئے۔

"ایم۔ بی۔ بی۔ ایس۔" جواب ملا' اب چونکنے کی باری ان کی تھی۔

"کیا آپ ڈاکٹر ہیں...؟ حیرت ہے کسی نے بتایا ہی نہیں؟" وہ حقیقی معنوں میں ہکا بکا ہوئے۔

"میں کوئی اہم نہیں ہوں جو کاشان پیلس کے مکین آپ کو یہ اطلاع دیتے۔" خاصا تلخ انداز تھا۔

"پریکٹس کرتی ہیں...؟"

"نہیں..."

"کیوں...؟"

"محض بے وقوفی' اور کیا کہہ سکتی ہوں۔" اس نے

شانوں کو ہلکی سی جنبش دی۔ فیضان نے چند سیکنڈ پُرسوچ انداز میں اس کے چہرے کی طرف دیکھا بھیگی پلکیں اور سرخ ناک اس کی دلکشی میں اضافہ کر رہی تھیں۔

"ریطابہ شاہ۔"

"ہائیں یہ تو میرا نام بھی جانتے ہیں۔" اسے حیرت ہوئی۔

"ایک بات یاد رکھیے گا کہ توقعات کی فصلوں پر ہمیشہ مایوسی کا پھل لگتا ہے زندگی میں کسی سے توقع مت رکھیں دیکھیے گا آپ خوش رہیں گی۔"

"جی...!" ایک لمحے کو تو وہ گڑبڑا ہی گئی۔ فیضان شاہ کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

"جب ہم بدگمانی کی عینک لگا کر اپنے اردگرد دیکھتے ہیں تو سارے مناظر ایسے ہی نظر آتے ہیں جیسے ہم دیکھنا چاہیں آپ کا مسئلہ یہ ہے کہ آپ بے یقینی کا شکار ہیں آپ کو زندگی سے' اپنے سے وابستہ تمام لوگوں سے شکایتیں ہیں... ہیں ناں...؟" وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بول رہے تھے بہت دھیما انداز تھا ان کا۔

ریطابہ کا دل بھر آیا اس کا جی چاہا کہ چیخیں مار مار کر بوڑھی عورتوں کی طرح بین کرے۔

مگر ہائے یہ بھرم' یہ مجبوریاں...

اس کے ہاتھوں کی لرزش اندرونی کیفیت کی غمازی کر رہی تھی۔

"وہ لڑکیاں جو عمر سے پہلے میچور ڈ ہو جاتی ہیں ان کے دکھ اور اذیت کا اندازہ کون کر سکتا ہے۔" بے اختیار ہی آنسو چھلکے اور رندھی ہوئی آواز میں بولی اس کا لہجہ گہرے دکھ میں ڈوبا ہوا تھا۔

"اچھا چھوڑیں میں آپ کو نظم سناؤں۔" وہ اپنی خوب صورت شخصیت کے ساتھ پورے خلوص سے اجازت کا منتظر تھا ریطابہ نظریں جھکائے ہاتھوں کو مسلتے ہوئے مضطرب انداز میں بیٹھی تھی وہ آنچ دیتے ہوئے لہجے میں آہستگی سے گویا ہوئے۔

غموں کی جو فصیل ہے
وہ اس قدر طویل ہے
غضب تو ہے یہ اک نہیں
فصیل در فصیل ہے
تم اس کی ہر منڈیر پر
آرزوؤں کے تیل سے
چراغ دل جلاؤ ناں
ذرا سا مسکراؤ ناں
ذرا سا مسکراؤ ناں

"ارے بی بی اب تو مسکرا دیں اب اتنا بھی خوفناک نہیں ہوں میں...؟"

"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں..." اس کے چہرے پر مسکراہٹ آ ہی گئی۔

"کاش لوگوں کو پتا چل جائے کہ ان کے چہرے پر مسکراہٹ کتنی اچھی لگتی ہے تو شاید وہ اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے مسکرائیں۔" وہ فوراً ہنس پڑی۔

"مجھ سے دوستی کر لیں بغیر پیسوں کے آپ کی ساری باتیں سننے کو تیار ہوں۔" ان کے الفاظ سے زیادہ لہجہ معنی خیز تھا ریطابہ کئی دنوں تک ان الفاظ کے سحر میں کھوئی رہی اور خبر ہی نہیں ہوئی وہ سحر زدگی کے عالم میں چاہت کی شاہراہ پر چلنا شروع ہو گئی دل کسی نئے احساس سے دوچار ہو کر نجانے کس اچھوتے جذبے کا سواگت کرنے لگا۔ چھوٹے چھوٹے دکھ' صدمات' ذہنی ٹینشن وہ سب ایک ایک کر کے انہیں بتاتی چلی گئی کتنے سالوں سے اندر ابلتا لاوا آج بہہ نکلا تھا۔

"پتا ہے فیضان جب پپا نے ماما سے پورے خاندان سے ٹکر لے کر شادی کی اور وہ زیادہ دیر نہ چل سکی تو ہمارے اپنوں نے کیسے کیسے الفاظ میں کلیجہ چھلنی کیا میری آدھی زندگی تو کورٹ میں کبھی ماما کے پاس اور کبھی پپا کے حق میں بیانات دیتے ہوئے گزر گئی ماما نے شادی کر لی اور پھر ایکسیڈنٹ میں ان کی وفات سے یہ کھیل ختم ہو گیا اور پپا مجھے "کاشان پیلس" میں لا کر بھول گئے وہ ریطابہ ٹیکسٹائل مل' ریطابہ پلازہ اور ریطابہ شاپنگ سینٹر قائم کر کے سمجھتے ہیں کہ میں سمجھوں ان کو مجھ سے بہت محبت ہے... اونہہ میں کیسے سمجھوں... مجھے فیضان یہ اینٹوں کے بنے پلازے نہیں چاہئیں۔"

وہ غور سے اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ دیکھ رہے تھے۔

"ٹیک اٹ ایزی ریطابہ۔۔۔"

"فیضان یہ کیسی محبت ہے کہ مجھے باقاعدہ ڈھول بجا کر انہیں اپنی جانب متوجہ کرنا پڑتا ہے مجھے روپیہ، پیسہ یا ان کی پراپرٹی کے کاغذات نہیں چاہئیں مجھے لفظ چاہئیں، محبت کا احساس چاہیے ان کی توجہ چاہیے بس میں نے بھی فیصلہ کرلیا ہے کہ اب ان کی بات نہیں مانتی۔"

"بری بات ہے ریطابہ۔۔۔؟"

"کوئی بری بات نہیں میں ان کے پاس رہنا چاہتی ہوں وہ اب مجھے مزید تعلیم کے لیے باہر بھجوانا چاہتے ہیں۔"

"آپ کی بہتری کے لیے وہ کہہ رہے ہیں۔"

"میری بہتری جس چیز میں ہے وہ تو مجھے دے نہیں سکتے۔۔۔

"ایک نظم میں بھی آپ کو سناتی ہوں۔"

بکھرے خوابوں کی کرچیاں چننا
ویرانوں میں گھر بسانا
اور
کسی کے برباد دل کو آباد کرنا
کوئی آساں نہیں
تم کیسے شخص ہو
اتنی سی بات سمجھ نہیں پائے

وہ نظم مکمل کرکے رکی نہیں۔۔۔ جبکہ وہ اس کے الفاظ سے زیادہ اسٹائل پر ایک دفعہ پھر ہنس دیے۔

☆ ☆ ☆

کاشان پیلس میں بظاہر تو کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی لیکن ریطابہ شاہ کے مزاج کا بدلتا موسم ہر ایک کو حیران کیے دے رہا تھا اس نے نہ صرف ہاسپٹل جوائن کرلیا تھا بلکہ احتشام صاحب سے ہونے والی جھڑپوں کا سلسلہ بھی وقتی طور پر سہی آج کل معطل تھا۔۔۔ بی جان

تو باقاعدہ ناک پر انگلی رکھ کر حیرانگی کا اظہار کرتی نظر آتی تھیں شاذل اور عدن کو رات گئے تک اس کے پڑوس کے کمرے میں گٹار بجانے اور اودھم بازی پر کوئی ڈانٹ نہیں پڑتی تھی ماہا اور عروہ کے ساتھ لاؤنج میں مووی دیکھنا، زرمین بھابھی کے ساتھ کچن میں ہاتھ بٹانا، ہر کوئی ان مثبت سرگرمیوں کے پس منظر سے ناواقف تھا۔

وہ پچھلے کئی دنوں سے سرکاری مصروفیات میں بری طرح پھنسے ہوئے تھے ڈی آئی جی صاحب کے دورے ہاتھ پیر پھلائے ہوئے تھے پرانے ریکارڈز کی چیکنگ، تھانوں کے مسائل میں بھی وہ ریطابہ کی ڈیٹ آف برتھ نہیں بھولے تھے اس دن وہ اپنے پی اے کے ذمے ڈھیروں کام لگا کر "خان پلازہ" کی طرف بمشکل نکلے تھے ایک گھنٹے کی جدوجہد کے بعد ایک خوب صورت گفٹ ہاتھ میں پکڑے وہ اپنی سرکاری جیپ کی طرف آرہے تھے کہ سامنے کے منظر نے ان کے قدم روک لیے ذہن میں ایک دھماکہ سا ہوا تھا وہ بے یقینی سے سامنے سڑک پر ریطابہ کو بے تکلفی سے کسی لڑکے کا بازو پکڑے ہوئے سڑک عبور کرتے ہوئے دیکھنا انتہائی اذیت ناک تھا وہ بے یقین تھے ابھی تک۔۔۔

وہ ریطابہ ہی تھی پنک کاٹن کے سوٹ میں دوپٹہ لاپرواہی سے گلے میں ڈالے وہ مستقل ہنس رہی تھی وہ لڑکا جو بلیک جینز پر بلیک شرٹ ہی پہنے چہرے پر سن گلاسز لگائے نہ جانے ریطابہ کو کون سی کہانی سنا رہا تھا جو اس کا موڈ خوشگوار یت کی آخری سیڑھی کو چھو رہا تھا۔ وہ دونوں سڑک پار کرکے آئس کریم پارلر میں داخل ہو رہے تھے۔

دل میں بدگمانی کی آندھی سی چلی تھی جس میں چاہت کے سارے کاغذ پھڑپھڑا رہے تھے گفٹ پچھلی سیٹ پر پٹخا اور جیپ کو فل اسپیڈ پر چھوڑ دیا ایک عجیب سا خالی پن اندر اتر آیا تھا اداسی بھی چپکے سے کہیں ڈیرے لگا بیٹھی تھی زرمین آپی ان کی کیفیت پر خاصی پریشان تھیں اور انہیں ماں جی کی دوری سے اداسی پر محمول کرکے کچھ مطمئن ہوگئیں۔

ریطابہ کی سالگرہ والے دن وہ ناشتے کی ٹیبل پر خلاف معمول خاموش تھے۔

"بھئی مزاج یار کچھ برہم دکھائی دے رہے ہیں، بھائی کوئی قیدی ویدی دغا تو نہیں دے گیا۔" ولید نے شرارتاً ان کی جانب جھکتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔" وہ پھیکی سی مسکراہٹ سے بولے۔

اسامہ نے آنکھ کے اشارے سے ماہا سے پوچھا تو اس نے کندھے اچکا کر اپنی لاعلمی کا اعلان کیا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد وہ اٹھ کھڑے ہوئے ڈائننگ ٹیبل پر بھی وہ زرمین آپی اور ماہا کو مطمئن کرنے آئے تھے۔

"فیضی بیٹا ناشتا ڈھنگ سے نہیں کیا؟" رحمان انکل نے اخبار سے نظر اٹھا کر کھوجتی نظروں سے استفسار کیا۔

"بس انکل دل نہیں کر رہا۔" وہ زبردستی مسکرائے ۔۔۔ کیپ اٹھا کر جانے کے لیے قدم اٹھائے۔ طویل ڈرائینگ روم عبور کرکے وہ پورچ میں پہنچے تو ان کے پیچھے آندھی طوفان کی طرح وائٹ کوٹ ہاتھ میں پکڑے وہ ان کے پاس پہنچ گئی۔

"کدھر جا رہے ہیں۔۔۔؟"

"مطلب؟" ابرو یوں پر گھوم کر اس کی جانب دیکھا جبکہ ماتھے پر دو چار بلوں کا اضافہ ہوگیا۔ سرد لہجہ، خفگی سے بھرپور آنکھیں، سپاٹ چہرہ اور بے زار انداز ریطابہ کو حیران کرگیا۔

"مجھے ذرا ہاسپٹل تک ڈراپ کردیجیے گا اسامہ آج بینک لیٹ جائے گا۔" اس نے غور سے انہیں دیکھا جو ہنوز کوفت کا اظہار کر رہے تھے۔

"میرے پاس ٹائم نہیں ہے جاذب یا ولید کے ساتھ چلی جاؤ۔"

"جاذب چلا گیا ہے جبکہ ولید نے آج پپا کے ساتھ جانا ہے۔"

"ٹھیک ہے کسی کے بھی ساتھ چلی جاؤ۔۔۔ میرے پاس بالکل ٹائم نہیں ہے مجھے آئی جی کے آفس میں جانا ہے۔" اس کے جواب سے ریطابہ کے چہرے پر اک لمحے کو تاریک سایہ سا دوڑ گیا۔

"مگر کس کے ساتھ۔۔۔؟" بے اختیار لبوں سے پھسلا۔

"اسی کے ساتھ جس کے ساتھ کل خان پلازہ کے سامنے قہقہے لگائے جا رہے تھے۔" اندر کی تلخی باہر نکل ہی آئی وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتے جیپ تک پہنچے اور ایک جھٹکے سے اسٹارٹ کرکے نکل گئے۔

"اوہ۔۔۔" ریطابہ لمحے میں بات کی تہ تک پہنچ گئی ان کا یہ انداز بھی اس کے لیے گہری طمانیت کا باعث بنا تھا۔

وہ ابھی راستے میں ہی تھے کہ موبائل کی بیپ ہوئی، ریطابہ کے موبائل کا نمبر دیکھ کر وہ مزید کوفت کا شکار ہو گئے۔۔۔ خوامخواہ میں نے اپنے غصے کا اظہار کردیا وہ محترمہ تو اب دل کھول کر خوش ہو رہی ہوں گی وہ خود کو کوستے ہوئے موبائل آن کر بیٹھے۔

"یس فیضان شاہ اسپیکنگ۔۔۔"

"جی یہاں ایک خبطی سے ایس پی صاحب ہوں گے ان سے بات ہو سکتی ہے۔" ریطابہ کا شوخ انداز انہیں مزید تپا گیا۔

"کیوں فون کیا ہے؟" آواز دھیمی جبکہ لہجے میں خفگی کا عنصر شامل تھا۔

"دراصل ایس پی صاحب کچھ عرصہ پہلے آپ نے مجھے۔ "ذرا سا مسکراؤ ناں" نظم سنائی تھی ابھی ابھی اس کا دوسرا حصہ مجھے یاد آگیا وہ کچھ یوں ہے۔

وہ پھر سے یاد آگیا
جو روٹھ کر چلا گیا
اسے خیال بھی نہیں
کسی کا دل دکھا گیا
اب اس کی میٹھی یاد میں
شبوں کو جاگ جاگ کر
یہ رت جگے مناؤ ناں
ذرا سا مسکراؤ ناں
ذرا سا مسکراؤ ناں

"او کے شام میں ملاقات ہوگی... بائے بائے۔" وہ فون بند کر چکی تھی۔ لیکن ان کا غصہ ہنوز برقرار تھا۔

کاشان پیلس میں پہلی مرتبہ ریطابہ کا جنم دن سیلیبریٹ کیا گیا تھا ساری ینگ پارٹی لان میں اکٹھی تھی زرمین بھابھی کے ہاتھ کا بیک کیا ہوا ایک ریطابہ نے بڑے جوش و خروش سے کاٹا تھا ماما' عروہ' حمنی' یمنی نایاب کی محنتیں بھی ٹیبل پر سجی ہوئی تھیں اسامہ بار بار ہونٹوں پر زبان پھیر کر ساری لڑکیوں کو چڑا رہا تھا جبکہ وہ ان سب سے بے نیاز ولید کے ساتھ ایک سائیڈ پر پاکستان کے پولیٹیکل سسٹم کی خامیوں کو ڈسکس کرتے ہوئے ریطابہ کے صبر کا پیمانہ پچھلے دو گھنٹے سے لبریز کر رہے تھے شاذل اور عدن گٹار پر۔

"یہ شام پھر نہیں آئے گی۔"

گاکر زبردستی سب سے انعام وصول کر رہے تھے پی کیپ کو بطور کشکول استعمال کیا جا رہا تھا۔ زرمین بھابھی کے پانچ سو کے جواب میں باقاعدہ انہوں نے دلہن بھابھی زندہ باد کے نعرے بھی لگوائے۔ جبکہ ولید کے دس روپے کے انعام پر احتجاجاً "مردہ باد کے نعرے بھی لان میں گونجے۔

رات گئے جب یہ پارٹی اختتام کو پہنچی تو وہ پھولوں کی باڑھ کے پاس نیم اندھیرے میں کرسی پر براجمان فیضان کی طرف چلی آئی انہوں نے گہری نظروں سے اس کی تیاری کو دیکھا بلیک نیٹ کے سوٹ پر سلور نگوں میں وہ خود بھی دمک رہی تھی۔

"میرا گفٹ کدھر ہے؟"

"سوری میں بھول گیا تھا؟"

"نہ دینا اور بات ہے لیکن جھوٹ بولنا بہت بری بات ہے۔" نچلے لب کو دبا کر تیکھی نظروں سے دیکھتی وہ دل میں اتر جانے کی حد تک خوب صورت لگ رہی تھی۔

"ولید سے کیا باتیں ہو رہی تھیں؟" سرسری لہجے میں پوچھا گیا۔

"بس ذرا سیاست کو ڈسکس کر رہے تھے۔"

"بعد میں نہیں ہو سکتی تھیں۔"

"نہیں۔"

وہ شرارتاً گنگنائی۔

اب آئے ہو تو پھر وہی تکرار نہ کرو
پھر ذکر سیاست کا گناہ گار نہ کرو

انہوں نے بے نیاز نظر آنے کی بھرپور کوشش کی کوٹ کی جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکالتے ہوئے دیکھ کر پھر ارشاد ہوا۔

سگریٹ نہ نکالو کہ فضاؤں میں ہے خوشبو
برباد میرے پھولوں کی مہکار نہ کرو

شوخ انداز پر بمشکل مسکراہٹ انہوں نے دبائی اس کا شوخ انداز ان کے لیے باعث حیرت تھا۔

"کیا مسئلہ ہے ریطابہ؟" مصنوعی غصے سے دریافت کیا گیا۔

دیکھو' مجھے ڈر لگتا ہے غصے سے تمہارے
تم مجھ سے خفا بھی ہو تو اظہار نہ کرنا

ریطابہ کی ڈرنے کی ایکٹنگ لاجواب تھی۔ محترمہ کچھ زیادہ ہی تیز جا رہی ہیں انہوں نے دل میں سوچا غصے سے گھورا تو پھر عرض ہوا کہ۔

آؤ ذرا سڑکوں پہ ٹہل لیں میرے ساتھی
سردی تو ہے بے شک' مگر انکار نہ کرنا

"ریطابہ اٹ از ٹو مچ۔" وہ بے ساختہ ہنس کر بولی

خود ہی مجھے احساس ہے اپنی غلطی کا
تم اپنی شکایت سے شرمسار نہ کرنا

وہ کانوں کو دونوں ہاتھوں سے پکڑے بھرپور موڈ میں تھی ان کی نارانگی کے سیاق و سباق سے واقفیت نے اس کے مزاج پر خاصا خوشگوار اثر ڈالا تھا۔

"فیضان آپ نے ایک دفعہ مجھے کہا تھا کہ جب آنکھوں پر بدگمانی کی عینک لگی ہو تو ہر منظر دھندلا نظر آتا ہے۔ دانیال میرا اسٹیپ برادر ہے ماما کی ڈیتھ کے بعد وہ اپنے پاپا کے پاس چلا گیا تھا مجھ سے تین سال چھوٹا ہے واحد بندہ ہے جو اپنی آپی سے بے تحاشا محبت کرتا ہے اور آپ کو میں نے بتایا تھا ناں کہ ماما نے پاپا سے علیحدگی کے بعد دوسری شادی کر لی تھی دانیال کے پاپا نے مجھے کبھی قبول ہی نہیں کیا تھا لیکن اس کے باوجود وہ میرے بھائی کے دل سے میری محبت کا پودا نہ اکھاڑ سکے وہ آج بھی موقع ملتے ہی مجھ سے ملنے آجاتا ہے۔" وہ ریطابہ کے گلہ آمیز انداز پر بری طرح شرمندہ ہو گئے۔

"آئی ایم رئیلی سوری ریطابہ۔ ایکسٹریملی سوری۔"

"اٹس او کے... لیکن یاد رکھیے گا کہ ادھوری باتیں' ادھورے جملے اور ادھوری چیزیں جس طرح اچھی نہیں لگتیں اس طرح ادھورا اعتبار بھی اچھا نہیں لگتا بلکہ بہت برا لگتا ہے۔" سادہ سی مسکراہٹ اور لہجے سے وہ بہت خاص بات کہہ گئی تھی اور اس طرح کی شرمندگی کا سامنا تو فیضان شاہ کو ساری زندگی نہیں ہوا تھا لیکن جلد ہی وہ سنبھل گئے۔

"سنو ریطا۔" وہ تھوڑا سا اس کی جانب جھکے۔

"صرف ایک بات غور سے سننا" ان کے دھیمے لہجے میں دنیا جہاں کی چاہت سموئی ہوئی تھی آنکھوں میں ڈھیروں جذبے باہر نکلنے کو مچل رہے تھے وہ اس کی آنکھوں کی طرف دیکھ کر گویا ہوئے۔

میں اس کی شکل تک دل سے اتار دیتا ہوں
کبھی کبھی تو میں خود کو بھی مار دیتا ہوں
یہ حق ہے میرا کہ اس کو تھوڑا سا دکھ بھی دوں
میں اسے چاہتیں بھی تو بے شمار دیتا ہوں

ریطابہ جو ایک ٹک انہیں دیکھ رہی تھی اچانک اس کی دھڑکنوں نے اپنا انداز بدلا اور چہرے پر دھنک سی پھیل گئی فیضان جو ایک پل میں اس کے چہرے پر پھیلی دھنک کے تمام رنگ دیکھ چکے تھے وہ مسکراتے ہوئے قدرے شوخی سے بولے۔

"جب کسی کو دیکھ کر آنکھوں میں الوہی چمک اترتی ہے دل آہٹوں پر چونکتا اور بیٹھے بیٹھے کھو جاتا ہے اور بے قراری کسی ضدی بچے کی طرح دل کا دامن پکڑ لیتی ہے تو جانتی ہو ایسا بندہ محبت کے راستوں پر چل رہا ہوتا ہے شاید تمہیں علم نہ ہو کہ میں ان راستوں کا مسافر بن چکا ہوں اور اس سے میں مکمل یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ تم بھی انہی راستوں پر محو سفر ہو... ہے ناں...؟"

اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ کوشش کے باوجود ذرا بھی وہ حرکت نہ کر سکی اور وہ اپنی بات کہہ کر رکا نہیں تیز قدموں سے نکلتا چلا گیا تب گہری سانس لے کر اس نے کرسی کی پشت پر سر ٹکا لیا اور پلکیں موند لیں اور ایک خوب صورت مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر آکے ٹھہر گئی۔

☆ ☆ ☆

اس دن وہ واپس آئے تو اسے دیکھے ہوئے کئی دن گزر چکے تھے کاشان پیلس میں آج کل زندگی سے بھرپور ہلچل مچی رہتی تھی شاذل اور عدن کا ایک کنسرٹ خاصا کامیاب رہا تھا جبکہ ماما اور اسامہ کی انگیجمنٹ کا باقاعدہ اعلان نوجوان نسل کو خاصا پرجوش کر گیا تھا اس وقت بھی ٹی وی لاؤنج میں ہنگامہ اپنے عروج پر تھا حمنی ڈھولک رکھے جبکہ نایاب' یمنی اور زرمین بھابھی اپنی آواز کا جادو جگا رہی تھیں۔ ولید' جاذب' شاذل' عدن' طلال اور تو اور آج تو کاشان لالہ بھی ڈفلی پکڑے ان کا بھرپور ساتھ دے رہے تھے ماما شرمائی ہوئی ایک کونے میں اور اسامہ کی بے باک اور والہانہ نظروں کی زد میں تھی خواتین کی ٹولی ایک سائیڈ پر کپڑوں کا بنڈل کھولے دنیا جہاں کی فکروں میں گم تھی انہوں نے آتے ہی ایک نظر میں بھانپ لیا کہ وہ دشمن جاں اس منظر سے غائب ہے۔

"فیضی کدھر جا رہے ہو...؟" انہیں نظر بچا کر گزرتے ہوئے دیکھ کر زرمین بھابھی نے پکارا۔

"آپی بس چینج کر کے آرہا ہوں..." وہ کہہ کر رکے نہیں۔

ڈائننگ روم' ڈرائنگ روم ایک ایک کر کے وہ تمام کمرے دیکھ چکے تھے پھر کچھ سوچ کر وہ چھت پر چلے آئے رات کی سیاہی پھیل رہی تھی فضا میں کافی ٹھنڈک تھی ان کی نظر سامنے ہی منڈیر پر کہنیاں ٹکا کر آسمان پر جگمگاتے ستاروں کو دیکھتی ریطابہ پر پڑی اس

کے سارے وجود پر ایک اداسی سی ٹھہری ہوئی تھی۔ عقب سے آکر اس نے دھیرے سے پکارا۔

"ریطابہ۔" اس نے ذرا سی گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

"آپ کب آئے۔"

"جب تم میرے بارے میں سوچنے میں محو تھیں۔"

"خوش فہمی ہے جناب کی۔" وہ ہلکا سا مسکرائی۔

"تو خوش فہمی رہنے دیں آپ کا کیا جاتا ہے۔" وہ بھی ہنسے۔

"مرضی ہے آپ کی۔"

"ویسے ریط کیوں اتنا زیادہ سوچتی ہو؟"

"فیضی مجھے بعض اوقات یقین نہیں آتا کہ پاپا اور ممی کی لو میرج تھی ان کی زندگی میں میرے آنے سے تو کوئی بھی فرق نہیں پڑا مما کو شکوہ تھا کہ میں پاپا کو زیادہ چاہتی ہوں اور پپا ہمیشہ میرے بارے میں بے یقین رہے کہ میں ان سے زیادہ مما کی سائیڈ لیتی ہوں کسی کو بھی میں اپنی محبت کا یقین نہیں دلا سکی حالانکہ مجھے دونوں بے انتہا عزیز ہیں۔" وہ آزردگی میں گھری بہت دھیرے دھیرے بول رہی تھی۔ فیضان نے خاموشی سے اس کی ساری بات سنی اور اسے اداسی کے جنگل سے نکالنے کے لیے ہلکے پھلکے انداز میں بولے۔

"تو بھئی چھوڑو بابا کیا ضرورت ہے یقین دلانے کی تم مجھے کہو میں آنکھیں بند کر کے اعتبار کر لوں گا۔"

"منہ دھو کر رکھیں۔" وہ واقعی اس کا موڈ تبدیل کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

"خیر منہ دھونے کی کیا ضرورت ہے میرے آفس کا چوکیدار ایک دن کہہ رہا تھا کہ "تو اا لیس پی تے رج کے سوہنا اے۔ (تیا الیس پی بہت خوب صورت ہے۔)"

"اس کی نظر کمزور ہو گی۔"

"ہائیں تمہیں کیسے پتا چلا کہ وہ عینک لگاتا ہے؟" انہوں نے حیرانگی سے دریافت کیا۔

تو وہ دل کھول کر ہنسی وہ اس کی طبیعت پر چھایا ہوا جمود توڑ چکے تھے۔

"ارے میں تو تمہیں لینے آیا تھا نیچے اسامہ نے خوب محفل جمائی ہوئی ہے۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ سیڑھیاں اترنے لگے۔

☼ ☼ ☼

ایسا لگتا ہے کہ ہر امتحان کے لیے
زندگی کو ہمارا پتا یاد ہے

بعض اوقات زندگی اپنے ترکش کے تمام تیر آزمانے کو سامنے آن کھڑی ہوتی ہے اور انسان کا جگر چھلنی کر دیتی ہے اور بعض اوقات تو اذیت کی انتہا متعارف کروانے کو تمام تر ہتھیاروں کے ساتھ مد مقابل آ جاتی ہے۔

وہ دس دن ڈی جی خان میں لگا کر آفس پہنچے موبائل پر احتشام چچا کے ہارٹ اٹیک ___ کی اطلاع نے روتے ہوئے دی تو وہ تمام تر کاموں کو پس پشت ڈال کر ہاسپٹل پہنچ گئے ابھی دس دن پہلے تو وہ ٹھیک ٹھاک آغا جی اور ولید کے ساتھ الیکشن کے نتائج ڈسکس کر رہے تھے اور بہت فریش اور خوش باش تھے۔ آخری دن کا منظر ان کے ذہن کے پردے لہرایا۔

ہاسپٹل پہنچتے ہی استقبالیہ سے معلومات لے کر وہ کے کمرے تک پہنچے تو باہر کوریڈور کی دیوار سے ٹیک لگائے نڈھال سے آغا جی پر نظر پڑی رحمان انکل ارسلان نے انہیں بازوؤں سے تھاما ہوا تھا کچھ فاصلے پر بینچ پر بیٹھی بی اماں کی تسبیح کی تیزی سے گر والے ان کے اندرونی فشار کو بخوبی ظاہر کر رہے تھے کے قریب تائی اماں آنکھیں بند کیے ہوئے تھیں ان کے لب مسلسل ہل رہے تھے پاس کھڑے کاش لالہ اور ولید سے ہوتی ہوئی ان کی نظر بلیک ملگجے سوٹ میں ملبوس ریطابہ پر پڑی وہ بلیک شال اوڑ دیوار کے سہارے کھڑی حزن و ملال کی تصویر بنی سی یو کے دروازے پر نظریں جمائے سوچوں میں تھی۔ وہ فوراً آغا جی کے پاس پہنچے جن کے چہرے دکھ اور کرب کے سائے بہت واضح تھے۔

"فیضی میرا بیٹا۔" انہوں نے ادھورے فقر

میں اپنا دکھ بیان کیا۔ انہوں نے بڑھ کر ان کے کانپتے ہوئے ہاتھ کو دبا کر تسلی دی منہ سے کچھ بھی بولنے کا حوصلہ نہ ہوا وہ ریطابہ کے پاس پہنچے تو وہ اپنے حواسوں میں ہی کہاں تھی۔

"کیسے ہوا؟" انہوں نے ولید سے پوچھا۔

"پتا نہیں صبح تو بالکل ٹھیک تھے ہمارے ساتھ مل کر ناشتا کیا میں ان کے ساتھ ہی زمینوں کی فائلیں وغیرہ دیکھ رہا تھا کہ گیارہ بجے انہوں نے کہا ولید میرے بازو اور سینے میں درد ہو رہا ہے ہم لوگ فوراً ہاسپٹل کی طرف بھاگے راستے میں طبیعت زیادہ خراب ہو گئی۔" ولید نے افسردگی سے تفصیل بیان کی وہ تو ویسے بھی سب سے زیادہ ان کے قریب تھا۔

رات تقریباً گیارہ بجے ڈاکٹر باہر نکلے اور ان کو خطرے سے باہر نکلنے کی نوید سنائی تو سب کے چہروں پر پھیلا کرب کا دھواں کچھ کم ہوا۔

صبح صبح وہ پھر سب ہاسپٹل تھے ولید اور فیضان ناشتا لے کر پہنچے تو معلوم ہوا کہ سب احتشام چچا کے کمرے میں ہیں ڈاکٹرز نے ملنے کی اجازت دے دی ہے ریطابہ کی چونکہ اسی ہاسپٹل میں جاب تھی اس وجہ سے بھی ڈاکٹرز خاصا وی۔ آئی۔ پی پروٹوکول دے رہے تھے وہ لوگ ابھی ابھی پہنچے تھے۔

وہ کمرے میں داخل ہوئے تو سفید بے شکن بستر پر لیٹے احتشام صاحب کے چہرے کی سرخی، زردی میں تبدیل ہو چکی تھی کچھ ہی گھنٹوں میں ان کے چہرے کا سارا خون نچڑ گیا تھا وہ موت کی سرحدوں سے ہو کر لوٹ کر آئے تھے۔

"شاہی بیٹا ٹھیک ہو ناں۔" آغا جی کے لہجے میں بے چینی تھی۔

"آغا جی ریطہ کہاں ہے؟" ان کی بے چین نظروں نے اپنے وجود کے ٹکڑے کو ڈھونڈا۔

دروازے سے ٹیک لگائے سب سے آخر میں کھڑی ریطابہ کو ان کی آواز اور جملہ سماعتوں کا دھوکا محسوس ہوا وہ بے یقینی سے ان کی جانب لپکی آج پہلی دفعہ اتنے سارے لوگوں میں انہوں نے سب سے پہلے اسے پکارا تھا۔

احتشام صاحب نے اس کا ہاتھ پکڑا۔ لب کھلے لیکن آواز نے ساتھ نہ دیا بے بسی کے احساس سے آنکھوں سے آنسو پھیلنے لگے تو ریطابہ کے وجود پر لگے تمام تالے کھل گئے آج پپا نے آخر پیار کی چابی سے اسے کھول ہی دیا تھا ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے وہ ان کے چہرے پر ہاتھ رکھ کر بے آواز روتی رہی تو احتشام شاہ بھی اپنے اوپر قابو نہ رکھ سکے وہ تو ان کے جگر کا ٹکڑا تھی ان کے اور عالیہ کے کمزور رشتے کا انمٹ ثبوت۔ لیکن عالیہ کے لفظوں کے زہر نے اسے بدگمانی کے قلعے میں بند کر دیا تھا وہ جتنا اس کی جانب بڑھتے وہ اتنا ہی پیچھے ہٹ جاتی تنگ آکر انہوں نے اس کے حال پر چھوڑ دیا تھا۔

"آغا جی۔ رحمان بھائی۔ یہ ریطہ۔ یہ میری بیٹی یہ میری جان" بے ربط سے جملوں میں چھپی ان کی والہانہ محبت اور چاہت صاف جھلک رہی تھی۔

"بیٹا یہ تمہارے پاس ہے چاند پہلے ٹھیک ہو جاؤ پھر مزید باتیں کرنا۔" بی اماں نے اپنے عزیز جان بیٹے کو ماتھے پر پیار کی مہر ثبت کرتے ہوئے تسلی دی۔

"نہیں ماں جی۔ یہ نہیں جانتی کہ مجھے اس سے کتنی محبت ہے یہ اپنی ماں کے بتائے ہوئے لفظوں سے اپنے باپ کا چہرہ بناتی تھی اسے نہیں معلوم یہ میرے دل کا ٹکڑا ہے۔" اتنے بڑے احتشام شاہ اب پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے ریطابہ کو یوں لگا کہ جیسے اس کا دل کسی نے مضبوط شکنجے میں جکڑ دیا ہو۔

"نہیں پپا۔ آئی لو یو سو مچ۔" وہ بے تابی سے انہیں اپنی محبت کا یقین دلا رہی تھی۔ کمرے میں موجود تمام لوگوں کی نظریں اس منظر پر بھیگ گئیں۔

"رحمان بھائی آپ ولید اور ریطابہ کے رشتے کی بات کر رہے تھے مجھے اپنی زندگی کا اعتبار نہیں رہا آپ ابھی نکاح کا بندوبست کروائیں۔" انہوں نے آہستگی سے کمرے میں دھماکہ ہی تو کیا تھا۔

فیضان، ریطابہ اور ولید کو یوں لگا کہ جیسے کوئی پہاڑ سروں پر گرا ہو دماغ میں آندھیاں سی چلنے لگیں

کمرے میں گھٹن کا سا احساس پیدا ہو گیا تھا دل کی دکھن شدید تر ہوتی جا رہی تھی۔

"پپا۔۔۔" وہ پہلے تو نہیں سمجھ سکی پھر ایک دم سناٹے میں آ گئی اور رونے لگی اس نہج پر تو کبھی اس نے سوچا ہی نہیں تھا۔

"بیٹا۔۔۔ مجھے معلوم ہے کہ میں نے تم سے پوچھے بنا اتنا بڑا فیصلہ کیا ہے لیکن تم پر بہت مان ہے۔ بیٹا یقین کرو تمہارا باپ کبھی تمہارے لیے غلط نہیں سوچے گا۔"

وہ اور شدت سے رونے لگی وہ کچھ دیر تو اس کے ہلتے وجود کو دیکھتے رہے پھر دھیرے سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیر کر بولے۔

"بیٹا۔۔۔ پپا سے پیار کرتی ہو تو انکار مت کرنا۔"

انہوں نے اب تو کوئی گنجائش ہی نہیں چھوڑی تھی باہر کوریڈور کے ٹھنڈے فرش پر دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے فیضان شاہ کو یقین ہو گیا کہ ان کے دل کا قافلہ تو پہلے ہی موڑ پر لٹ گیا ہے وہ تو زیست کی بساط پر کوئی چال بھی نہ چل سکے اور ہار گئے کتنے کم وقت میں ان کی محبت کی بیل سوکھ کر مرجھا گئی آنکھوں میں نمی کا احساس شدید تر ہوتا گیا۔

اور پھر جس طرح سے احتشام شاہ نے چاہا سب کچھ ویسے ہی ہو گیا اسے ولید کی زندگی میں شامل ہوئے صرف آدھ گھنٹہ ہی گزرا تھا کہ ریطابہ اور ربی اماں کی اونچی آواز میں سسکیاں زرمین بھابھی اور نانی اماں کا رونا انہیں حقیقت کی دنیا میں لے آیا کوریڈور جو پہلے سناٹے میں ڈوبا ہوا تھا اب وہاں ڈاکٹرز کے بھاگنے دوڑنے کی آوازیں۔۔۔ ایمرجنسی کے جملے یہ بتانے کو کافی تھے کہ احتشام صاحب کے درمیان زندگی اور موت کا کھیل پھر شروع ہو گیا ہے۔۔۔ حالانکہ تھوڑی دیر پہلے وہ اچھے خاصے تھے۔

"ولید کیا ہوا؟" انہوں نے حواس باختہ ولید کو پکڑا۔

"وہ شامی چچا کو دوبارا اٹیک ہوا ہے۔" اس نے کھوئے کھوئے لہجے میں جواب دیا وہ ابھی آدھ گھنٹہ پہلے والے طوفان سے نہیں سنبھلا تھا جو نکاح کی صورت میں اس پر نازل ہوا تھا۔

پھر کچھ بھی باقی نہ بچا۔۔۔ شامی چچا کی ڈیڈ باڈی ایمبولینس کے ذریعے کیسے "کاشان پیلس" پہنچی تدفین کے مراحل کیسے طے ہوئے؟ کون کون آیا؟ وہ خود بھی اپنے حواسوں میں کہاں تھے۔ کاشان پیلس کو تو لگتا تھا کسی کی نظر لگ گئی تھی وہ جگہ جہاں ہر وقت ہنسی مذاق، قہقہے گونجتے تھے اب وہاں کی خاموشی میں سسکیوں اور دانے گرنے کی آوازیں آتیں آغا جی کے سب سے چھوٹے لاڈلے بیٹے اور ینگ جنریشن کے فیورٹ چچا کی موت کو ابھی تک کوئی بھی قبول نہ کر پایا تھا۔

چالیسویں کے بعد پہلی مرتبہ لان کی سیڑھیوں پر ریطابہ کو دیکھ کر وہ نہ جانے کیوں وہاں آ گئے وہ سر جھکائے جانے کن سوچوں میں گم تھی کچھ ہی دنوں میں اچھی خاصی کمزور ہو گئی تھی انہوں نے پہلی نظر میں ہی جائزہ لیا۔

"ریطابہ۔" انہوں نے آہستگی سے اس کا نام لیا۔

اس نے پلکیں اٹھائیں تو شدت گریہ سے سوجی آنکھیں، زرد رنگت، آنکھوں کے گرد حلقے، ان کے دل کو کچھ ہوا۔

"اپنے آپ کو سنبھالو شاید ہماری قسمت میں یہی لکھا تھا اور پھر ولید بہت اچھا ہے مجھ سے بھی زیادہ" افسردگی سے گویا ہوئے۔

"کون کس سے اچھا ہے فیضان اب تو اس بات کی گنجائش ہی نہیں رہی۔" نم آلود لہجہ ان کو تڑپا گیا۔

"ریطابہ ایک نظم تمہیں میں اکثر "ذرا سا مسکرا نا" سناتا تھا ناں اس کا ایک بند ہے کہ۔

یہ غم ہمیشہ آئیں گے
یہ دل یونہی جلائیں گے
مگر خوشی کے آتے ہی
یہ غم بھی بھول جائیں گے
ملول ہو کے غم سے تم
ذرا پلکوں پہ یونہی
ستارے جھلملاؤ ناں

یہ آنسو بھی جاؤ ناں
ذرا سا مسکراؤ ناں
ذرا سا مسکراؤ ناں

انہوں نے آگے بڑھ کر اس کی نم آلود آنکھوں کو صاف کیا جہاں آنسو ایک لڑی کی صورت بہہ رہے تھے۔

"فیضان کیسے مسکراؤں۔۔۔ بولو کیسے۔۔۔؟" وہ ایک بار پھر ضبط کا دامن ہاتھ سے چھوڑ بیٹھی۔

"دیکھو چپ کر جاؤ میں تو خود یہاں سے جا رہا ہوں میرے ٹرانسفر آرڈر آ گئے ہیں کل روانگی ہے۔"

وہ ایک دم سے ساکت رہ گئی۔

"کہاں جا رہے ہو۔۔۔؟"

"پتا نہیں کہاں۔۔۔ بس ابن انشاء کی نظم کا وہ مسافر بننا چاہتا ہوں جو نگری نگری پھرتا ہے اور گھر کا رستہ بھول جاتا ہے۔" ریطابہ کا دل کٹ سا گیا۔ وہ کچھ دیر چپ رہ کر بولی۔

"خدا کی قسم فیضان اگر پپا آخری وقت میں یہ نہ کہتے کہ ریطابہ مجھے تم سے محبت ہے تو میں ہمیشہ کی طرح ان کا یہ فیصلہ بھی ماننے سے انکار کر دیتی۔۔۔" مگر انہوں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"چھوڑو۔۔۔ ریطابہ تم نے جو کیا اچھا کیا شاید میں تمہاری جگہ ہوتا تو ایسا ہی کرتا۔"

پھر وہ کچھ بھی سنے بغیر چلے آئے۔۔۔ نہ صرف گھر سے بلکہ اس کا شہر تک چھوڑ دیا۔

☆ ☆ ☆

وہ کاشان پیلس کیا چھوڑ آئے اپنا سکھ، اطمینان بھی وہیں کہیں بھول آئے زندگی تو گویا درد کا عنوان بن گئی تھی ان کا ساری زندگی شادی نہ کرنے کا فیصلہ زرمین آپی اور ماں جی کی آنسوؤں میں بہہ گیا تاشا شاہ ان کی زندگی میں تو آ گئی لیکن دل میں کہیں بھی گنجائش نہ نکال سکی وہ بھی نارسائی کی آگ میں مزید جلنے کی بجائے "بہرام شاہ" کی صورت میں ایک تحفہ دے کر ہمیشہ کے لیے دنیا چھوڑ گئی ہوش تو تب آیا جب اس نے بھی باپ کے نقش قدم پر پولیس ڈیپارٹمنٹ جوائن کر لیا اور اپنے حیدر آباد پوسٹنگ کے آرڈر۔ انہیں لا دکھائے۔۔۔ وہ شہر جس نے ان کی محبت کا پودا جڑ سے اکھاڑ پھینکا تھا جہاں اپنا سب کچھ لٹا آئے تھے وہ شہر نامراد جہاں انہوں نے دوبارہ نہ جانے کا تہیہ کر لیا تھا لیکن زری آپی نے اپنے بھتیجے کے وہاں آرڈرز کا سنتے ہی کاشان پیلس آنے پر مجبور کر دیا۔

آج پچیس سال کے بعد بہرام کی ضد سے مجبور ہو کر وہ کاشان پیلس کے سرمئی بلند و بالا گیٹ کو عبور تو کر آئے تھے جہاں آتے ہی دل کے ٹانکے ادھڑ سے گئے۔۔۔ گیٹ سے ڈرائینگ روم کے درمیان حائل طویل راہداری پر اٹھاتے قدم۔۔۔ وہ لان کے آخری سرے کے درختوں کی جھنڈ تک پہنچے۔۔۔ تو کئی منظر دل کے البم سے جھانکنے لگے وہ بینچ۔۔۔ جہاں ریطابہ سے دوستی ہوئی۔۔۔ وہ سوئمنگ پول جہاں بیٹھ کر کنکریاں پھینکنے کا مقابلہ ہوتا تھا سب کچھ وہی تھا بس درمیان پچیس سال کی مسافت آ گئی تھی۔

اپنا بیگ انہوں نے نیچے زمین پر رکھا۔۔۔ کاشان پیلس کے ابھی تک کسی ملازم سے بھی سامنا نہیں ہوا تھا کل بہرام کا کوئی فنکشن تھا جس میں شریک ہونے کے لیے وہ اس کی ہزار دھمکیوں کے بعد راضی ہوئے تھے۔۔۔

اچانک سسکیوں کی آواز نے ان کے قدم روک لیے۔

پچیس سال پہلے کا منظر تاریخ شاید پھر دہرا رہی تھی۔۔۔ درختوں کی جھنڈ سے آنے والی آواز بہت واضح ہو گئی تھی۔

"بہرام مجھ سے آج تک کسی نے محبت نہیں کی ماما اور پپا تو میری خاطر بھی کوئی کمپرومائز نہیں کرتے ماما کی اپنی دنیا ہے اور پپا کی اپنی۔۔۔ میں کہاں جاؤں۔"

وہی آواز۔۔۔ وہی لہجہ۔۔۔ وہی الفاظ۔۔۔ بس چہرے تبدیل تھے۔

بہرام کے آگے کوئی لڑکی کھڑی رو رہی تھی پشت ہونے کی وجہ سے وہ اس کا چہرہ نہ دیکھ سکے ہلکا سا کھنکار

کرانہوں نے اپنی موجودگی کا احساس دلایا تو کچھ لمحوں کے لیے خاموشی چھا گئی۔

"ارے بابا آپ...؟" بہرام جھنڈ سے نکل کر سیدھا ان کے گلے آلگا تھا۔

"آئی ڈونٹ بلیو اٹ بابا... آپ نے تو کہا تھا کہ آنا بہت مشکل ہے۔" بہرام کا والہانہ انداز اور پرجوش لہجہ ان کے دل میں کئی پھول کھلا گیا وہ تھا بھی تو ان کا اکلوتا بیٹا۔

"بابا یہ فضہ شاہ ہے اپنے ولید انکل کی بیٹی۔" بہرام کو اچانک تعارف کروانے کا خیال آیا جبکہ وہ اس عرصے میں اپنی آنکھیں صاف کر کے فریش نظر آنے کی بھرپور کوشش کر رہی تھی۔

"جیتی رہو..." انہوں نے اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا وہ ہو بہو ریطابہ کا پرتو تھی۔

ان دونوں کے ساتھ وہ ڈرائنگ روم میں پہنچے تو وہاں کی سیٹنگ میں معمولی بھی تبدیلی کے آثار نظر نہیں آئے ٹی وی لاؤنج بھی ویسا ہی تھا وہ زرمین آپی کے گلے لگ کر جذباتی سے ہو گئے کئی آنسو پلکوں کی منڈیر کو پار کر گئے۔

"زری آپی سب کہاں ہیں آغا جی اماں بی اسامہ جازی؟ اتنی خاموشی کیوں ہے۔"

"پگلے ہو تم تو فیضی یوں پوچھ رہے ہو جیسے آفس سے لنچ کرنے آئے ہو اور پچیس سال کی مسافت صرف پچیس گھنٹوں پر مشتمل ہو سب کچھ بدل گیا ہے آغا جی تو شامی انکل کی ڈیتھ کے بعد ہی چلے گئے پیچھے ہی اماں بی بھی وفات پا گئیں اسامہ اور ماہا شادی کے بعد اسلام آباد اور عروہ انگلینڈ اپنے شوہر کے ساتھ جبکہ جاذب امریکہ چلا گیا نایاب کی شادی عدن کے ساتھ ہو گئی وہ یہیں ہے حمنی کی شادی فیملی سے باہر ہو گئی اور عینی کی شاذل کے ساتھ وہ بھی یہیں ہے جبکہ عدن کمپیوٹر انجینئر بن کر اسلام آباد ہوتا ہے رحمان انکل کی بھی ایک سال پہلے ڈیتھ ہو گئی ولید نے بھی احتشام چچا کی طرح سیاست کو اوڑھنا بچھونا بنا رکھا ہے اور زیادہ تر کراچی ہوتا ہے۔"

"اور ریطابہ کہاں ہے؟" انہوں نے دھڑکتے دل کے ساتھ پوچھا۔

"ریطابہ اور ولید کی انڈر اسٹینڈنگ نہ ہو سکی اس دوران ایک بیٹی بھی ہو گئی اب بھی وہ بظاہر ایک رشتے میں بندھے ہوئے ہیں لیکن حقیقتاً" ایک دوسرے سے علیحدہ ہیں ریطابہ اپنے ہاسپٹل میں بزی جبکہ ولید اپنی سیاست میں مگن جبکہ ان کی بیٹی فضہ ٹیکسٹائل ڈیزائننگ میں ایم۔بی۔اے کر رہی ہے..." زرمین آپی افسردگی سے انہیں تفصیل بتاتے ہوئے بار بار آنکھیں پونچھتی رہیں۔

"تم بھی تو ایسے گئے کہ واپس لوٹ کر ہی نہ آئے۔" انہوں نے گلہ آمیز لہجے میں کہا۔

"آپی کیا لینے آتا یہاں..."

"کیا تمہارا صرف ریطابہ کے ساتھ ہی رشتہ تھا۔" آہستگی سے ان کے کیے انکشاف نے انہیں ششدر کر دیا وہ تو سمجھ رہے تھے کہ اس معاملے کی کسی تیسرے بندے کو خبر تک نہیں۔

"اتنی حیرانگی سے کیوں دیکھ رہے ہو تمہاری بڑی بہن ہوں میں... ساری دنیا سے چھپ سکتے ہو مجھ سے نہیں مجھے تو بہت پہلے خبر ہو گئی تھی اور بے فکر رہو میرے علاوہ کوئی اور نہیں جانتا۔" انہوں نے ایک لمحے فیضان شاہ کی طرف تاسف سے دیکھا اور چائے کے کپ میں چینی ملاتے ہوئے انہیں تسلی دی۔

اگلے ہی گھنٹے وہ اس کے ہوسپٹل میں تھے وہ آپریشن تھیٹر میں مصروف تھی چنانچہ وہ خاموشی سے اس کے کلینک کی ایک کرسی پر بیٹھ کر اردگرد کا جائزہ لینے لگے ٹھیک آدھا گھنٹے کے بعد ایک شناسا آواز سماعت میں دخل اندازی کی... وہ شاید کسی سے باتیں کرتے ہوئے اندر داخل ہو رہی تھی۔

"پلیز ڈاکٹر حنا میں بہت زیادہ تھک چکی ہوں جا ہوئے غفور بابا سے گرما گرم چائے کا کہہ دیجیے گا۔" دھڑ سے دروازہ کھولتی اندر چلی آئی اور اگلے ہی ٹھٹھک کر رک گئی اس کے چہرے پر حیرت اور یقینی کے تاثرات بہت واضح تھے کافی لمحے خاموشی

نذر ہو گئے... اسے اتنے عرصے کے بعد اپنے سامنے دیکھ کر ان کے دل کی کیفیت بھی بہت عجیب سی ہو رہی تھی اس نے کئی ثانیوں تک نگاہیں اس پر مرکوز رکھیں گرے کلر کی شارٹ سلک کی ساڑھی میں اس کا سراپا بہت گریس فل لگ رہا تھا بال جوڑے کی شکل میں بندھے ہوئے تھے۔

"ریطابہ کیا میرا آنا اچھا نہیں لگا...؟" فیضان نے کھوجتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔

"نہیں در حقیقت میں خود بھی اب تک یقین و وہم کی درمیانی کیفیت میں ہوں۔" اس نے صاف گوئی سے اعتراف کیا۔

فیضان بے ساختہ ہنس پڑے پھر اپنے بالوں میں انگلیاں پھیر کر ایک گہری سانس لی۔

"میری موجودگی کوئی پیچیدہ قسم کا ریاضی کا سوال تو نہیں جسے حل کرنا جان جوکھوں کا کام ہو۔"

"نہیں میں تو حیران ہوں کہ آپ تو ابن انشاء کا وہ مسافر بننا چاہتے تھے جو نگری نگری پھر کر اپنے گھر کا رستہ بھولنا چاہتا ہے۔" اس نے تھکے ہوئے لہجے میں جتایا۔

"گھر کا رستہ بھولنا کہاں آسان ہوتا ہے بندہ صدیوں بعد بھی انہی راستوں پر دوبارا قدم رکھتا ہے تو آنکھیں بند کر کے پہنچ جاتا ہے تم بتاؤ کہ تم کیسی ہو...؟"

"فیضان شاہ..." اس نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی۔ "میں نہ تو ایک اچھی بیٹی بن سکی نہ اچھی بیوی نہ اچھی دوست اور نہ ہی اچھی ماں... میں نے تو اپنی محبتوں کا ثبوت دینے میں ساری زندگی داؤ پر لگا دی... پھر بھی ساری زندگی ایک فقرہ سننے کی آرزو میں اپنی زندگی کی واحد خوشی کھو دی آخر میں تم بھی میرا اعتبار نہ کر سکے اور جاتے جاتے کہہ گئے کہ ریطابہ تم مجھے بھول جاؤ جبکہ میں نے تو محبت کی ہے... فیضان اتنی بڑی بات تم نے چپ چاپ کر دی یہ بھی نہ سوچا کہ میں اس بات کا ثبوت دینے کے لیے اپنی باقی زندگی بھی داؤ پر لگا سکتی ہوں۔" وہ بری طرح بکھری تھی آنکھیں آنسوؤں سے تر اور چہرے پر دکھ اور کرب کے سائے پھیلے ہوئے تھے... "تم جانتے ہو فیضان میرے اس ہاسپٹل کا نام... "فیضان میموریل ہاسپٹل" ہے میرا بیٹا جسے خدا نے صرف دو ماہ کی زندگی دی تھی سب سمجھتے ہیں کہ اس کے نام پر ہوسپٹل ہے اور میری بیٹی فضہ... تم نے کہا تھا ناں کہ تمہیں یہ نام بہت پسند ہے۔ میں نے ولید کو سب کچھ دیا سوائے اپنی محبت کے... وہ کب تک برداشت کرتا... تنگ آ کر کراچی شفٹ ہو گیا... کاش کسی نے تو ریطابہ شاہ کو سمجھا ہوتا..."

وہ سامنے بیٹھی نڈھال سی ریطابہ کو ششدر سی کیفیت سے تکے جا رہے تھے دل پر اذیت کے نشتر ٹھیک ٹھیک نشانے پر لگ رہے تھے وہ گہرے اضطراب میں مبتلا ہو گئے... کرسی سے تھوڑا سا اٹھ کر سامنے پڑی ٹیبل پر اپنا سر رکھا تو دو گرم گرم آنسو اس کی سطح پر گر گئے... ذہن میں دھماکے سے ہونے لگے... وہ آج بری طرح ٹوٹے تھے جلد ہی خود کو سنبھال کر اپنی آنکھیں پونچھ کر وہ بولے۔

"تم اپنی بیٹی کو ایک اور ریطابہ بنانے کے لیے کاشان پیلس کیوں چھوڑ آئیں؟"

"کیا مطلب؟" وہ بری طرح چونکی تو جواب میں وہ اسے ساری بات سنا کر اپنے بیٹے کے لیے بھی ہاتھ پھیلا گئے۔

☆ ☆ ☆

کافی سالوں کے بعد کاشان پیلس کے ہنگامے جاگ اٹھے زرمین آپی کی کوششوں سے آج سب اکٹھے تھے ٹی وی لاؤنج میں داخل ہوئے تو سب سے پہلے ماہا کی ان پر نظر پڑی۔

"فیضی بھیا آپ؟" وہ بے اختیار لپکی۔

"ارے ماہا بیگم سنبھل کے، بندہ اپنی عمر کا ہی خیال کر لے خیر سے ساس بن گئی ہیں۔" اسامہ کی شوخیاں اس عمر میں بھی قائم تھیں بلکہ مزید عروج پر تھیں۔

وہ کافی دیر ان کے ساتھ لگی روتی رہی ویسے بھی ان

کی کاشان پیلس میں ماہا' اسامہ اور ولید کے ساتھ بنتی تھی اور ماہا تو سگی بہنوں کی طرح عزیز تھی بہرام اور ساری ینگ جنریشن اپنے بزرگوں کو پرانی یادیں دہراتے اور بار بار نم آنکھوں کو صاف کرتے دیکھ کر حیران ہو رہی تھی۔

لاؤنج کا دروازہ کھلا... کاشان بھائی کے بازوؤں کے گھیرے میں ولید شاہ وائٹ کاٹن کا سوٹ پہنے خاصے گریس فل لگ رہے تھے۔

"بھئی ان سے ملیں یہ ہیں مشہور و معروف M.P.A صاحب" ولید شاہ" انہوں نے باقاعدہ اعلان کیا۔ اگلے ہی لمحے وہ دونوں ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے تھے ان دونوں نے تو ایک کمرے میں اتنا عرصہ دوستوں کی طرح گزارا تھا۔

"یار جب تو نے مجھے فون کیا تو اک لمحے کو میں سخت نروس ہو گیا کہ اتنے معزز بندے کو گھامڑ کون کہہ رہا ہے اب علم ہوا کہ وہ گدھا تو تھا۔" ولید کے انداز میں بے تکلفی' اپنائیت اور محبت کا سمندر ویسے ہی ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔

"بس کریں ولید بھائی آپ..." حمنی نے عینک کا شیشہ صاف کرتے ہوئے کہا۔

"ویسے ولید تم تو اچھے خاصے گریس فل ہو گئے ہو... پر بات کرنے کی تمیز نہ پہلے تھی اور نہ اب ہے مجھے پتا چلا تھا کہ تو میرے بیٹے کی راہ میں ولن ٹائپ باپ کا کردار کرنے والا ہے تو میں فوراً چلا آیا۔"

"یار میری مجال ہے مجھے علم ہے کہ بہرام مجنوں کی اولاد ہے۔" ولید نے شرارتی انداز میں کہا۔

"کیا مطلب...؟" فیضان اور ریطابہ بری طرح چونکے لیکن لب خاموش تھے۔

"بھئی تم نے بھی تو نتاشا بھابی کی ڈیتھ کے بعد ان کے غم میں دوسری شادی نہیں کی۔" ولید نے سادہ سے لہجے میں وضاحت کی تو ان کا رکا ہوا سانس بحال ہو گیا۔

"کیا کر رہے ہو آج کل...؟" ولید نے ان کے شانوں پر اپنے بازو کا دباؤ ڈالتے ہوئے پوچھا۔

بس شاعری کی زبان میں کوئی شاعر کہہ گیا ہے کہ۔
ہم خوشبو کے سوداگر ہیں اور سودا سچا کرتے ہیں
جو گاہک پھولوں جیسا ہو ہم بن داموں بک جاتے ہیں
ہم راہ وفا کے لوگوں کا تم حال بھلا کیا جانو گے
ہم دل کی چوٹ چھپاتے ہیں اور آنسو تک پی جاتے ہیں

"بس آج کل ہم یہی کر رہے ہیں۔" فیضان شاہ کے لہجہ میں گہرا دکھ ہلکورے کھا رہا تھا۔

"بس تو خوشبو کے سوداگر یہاں کس سلسلے میں آئے...؟" ولید نے غیر سنجیدگی سے پوچھا۔

"سچا سودا کرنے..." معنی خیز لہجے میں انہوں نے جواب دیا تو سب ہنس پڑے۔

"بھئی فائٹ میری بہو کولاؤ میں تو آج رنگ پہنا کر ہی جاؤں گا۔" انہوں نے جھٹ ہی فیصلہ کیا۔

"دیکھو فیضی یار مجھے اپنی فضہ جانو سے بہت محبت ہے اگر بیٹی بنا کر لے جانا ہے تو ابھی لے جاؤ لیکن اسے بہو مت سمجھنا..." ولید کے لفظوں میں اکلوتی اولاد سے محبت کا احساس صاف جھلک رہا تھا۔

"مجھے اپنی طرح کا سمجھ رہا ہے۔" انہوں نے بات مذاق میں اڑائی۔

پردے کے پیچھے کھڑی فضہ کے چہرے پر محبت' حیا ہجت اور اعتماد کے سارے رنگ بکھر گئے۔ جبکہ ان سب سے بے نیاز لاؤنج کے کونے میں رکھے صوفے پر بیٹھی ریطابہ شاہ ان تمام ہنگامے سے بے نیاز ہو کر سوچ رہی تھیں۔

"ہاں فیضان شاہ تم واقعی خوشبو کے سوداگر ہو آج میری زندگی میں ولید شاہ کے ساتھ مصالحت کا جو سودا تم نے کیا ہے مجھے یقین ہے کہ یہ گھاٹے کا نہیں ہو گا کیونکہ خوشبو کے سوداگر واقعی سودا سچا کرتے ہیں۔" انہوں نے سب سے نظریں بچا کر بھیگی پلکوں کو صاف کیا اور صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر آہستگی سے کہا۔

"فیضان شاہ... مجھے تمہارا یہ سودا منظور ہے۔"

☆ ☆

"محبت ایک خودرو پودا ہے، جو آپوں آپ دل کی بنجر زمین پہ پھوٹ پڑتا ہے۔"

(لو بھلا محبت نہ ہوئی، فالتو کا جھاڑ جھنکار اور گھاس پھونس ہو گئی)

"محبت ایک ایسی شمع ہے جسے کسی کی پہلی نظر کی آنچ ایک دم بھڑکا دیتی ہے۔"

(عجیب جلالی نظریں ہیں، کس کی ہوں گی؟ ایسی نظریں تو صرف ڈیڈی کی ہیں، جو ایک دم بھڑک بھی اٹھتی ہیں۔ اور مجھے بھی بھڑکا دیتی ہیں لیکن اس بھڑ بھڑکی میں محبت کہاں گئی۔) فلسفہ کی کتابیں رکھ کے اب اس نے شعری مجموعے نکالے۔

"محبت کانچ کی گڑیا ہے۔"

(لو جی، ان شاعر صاحب نے تو محبت کو گڑیوں کا کھیل بنا دیا)

"محبت ذات ہوتی ہے۔" یہ انہی حضرت کا دوسرا بیان ہے۔

(مگر محبت میں تو ذات پات کا سسٹم ہی نہیں)

"محبت جنگلوں میں رقص کرتی مورنی کا تن" (اچھا تو رقص و موسیقی سے بھی شغف ہے)

"محبت برف پڑتی سردیوں میں دھوپ بنتی ہے۔ محبت چلچلاتے گرم صحراؤں میں ٹھنڈی چھاؤں کی مانند" (یعنی کہ ٹو ان ون، گرمیوں میں اے سی جب کہ سردیوں میں ہیٹر کا کام کرتی ہے، پھر تو واقعی بڑی کار آمد چیز ہے یہ محبت، یونہی لوگ کہتے ہیں کہ محبت میں آدمی کا حشر خراب ہو جاتا ہے، حشر تو گرمی سے خراب ہوتا ہے)

اور یہی شاعر اگلے صفحے پہ کچھ یوں کہہ رہے ہیں کہ

پیار ہی عجیب شے ہے
اضطرار میں مضمر
انتشار سے آگے
اختیار سے باہر

(اف، یہ تو اعلیٰ درجے کے ڈپریشن اور ہائی بلڈ پریشر کی علامات ہیں، بھئی ان صاحب کا محبت کے بارے میں نقطۂ نظر اپنی سمجھ سے تو باہر ہے)

سالگرہ نمبر

فائزہ افتخار

ساون لگ گئی بے اختیاری

مکمل ناول

"ہاں۔۔۔ اور یہ کون ہے جو محبت کی تشریح چار صفحات کی نظم میں کررہے ہیں، شاید ان کا فلسفہ عقل میں سما جائے۔ ہاں تو ارشاد۔"

"محبت اوس کی صورت"

پیاسی پنکھڑی کے ہونٹ کو سیراب کرتی ہے
گلوں کی آستینوں میں انوکھے رنگ بھرتی ہے
محبت ابر کی صورت
دلوں کی سرزمین پہ گھر کے آتی اور برستی ہے
محبت آگ کی صورت
محبت جھاگ کی صورت
چراغ آب کی صورت، خواب کی صورت
درر کی صورت، گرد کی صورت

(بس بس بس۔۔۔۔ میرا بھیجہ بلبلا اٹھا ہے، خدارا بس کیجئے، اتنا لمبا تعارف۔۔۔۔ اور شناسائی پھر بھی نہیں۔ ابھی میں اسے اوس کی صورت محسوس کرنے لگتا ہوں تو آپ آگ کی صورت قرار دے کر میرا تصور ہی تپا دیتے ہیں، ابھی میں ابر کی تشبیہہ سے محبت کی تصویر بنانے ہی لگا تھا کہ آپ نے ساری تصویر جھاگوں جھاگ کردی۔۔۔ بھلا کیا ضرورت تھی، محبت میں جھاگ لانے کی اور تو اور گرد بھی اڑادی۔۔۔)

ہے محبت حیات کی لذت
ورنہ کچھ لذت حیات نہیں
کیا اجازت ہے ایک بات کہوں
وہ۔۔۔ ہاں مگر خیر کوئی بات نہیں

(ہائیں۔۔۔ یہ کیا؟۔۔۔ یہ صاحب تو خود خاصے کنفیوز ہیں، میرا کنفیوژن کیا خاک دور کریں گے)

اوج رفیع نے فرحت عباس شاہ کا "اداسی ٹھہر جاتی ہے" امجد اسلام امجد کا "ذرا پھر سے کہنا" اور جون ایلیا کا "شاید" سب واپس الماری میں ٹھونسنے کی کوشش کی۔ اسٹڈی کو وہ اکثر رونق بخشا کرتا تھا لیکن ڈیڈی کی کتابوں کی آج ہی شامت آئی تھی۔

(یہ کل کے شاعر کیا جانیں، محبت کیا چیز ہے، یہ تو برسوں۔۔ کے میرا مطلب ہے ذرا پرانے پرانے شعرا جانتے ہوں گے) اب کلام غالب، دیوان آتش، ذوق نکالے گئے۔

یہ عشق نہیں آساں، اتنا سمجھ لیجے
اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے

(تو چچا جان، صاف صاف کہیے کہ عشق کرنا نہیں چاہیے یوں ڈرائیے تو مت، کیجیے ہم نہیں کرتے عشق۔۔۔ اب تو خوش۔۔۔)

موٹی موٹی کتابیں واپس الماری میں ٹھونسی گئیں، شیشے سے گرد صاف کرکے اچھی طرح دبا کے پٹ بند کیے۔

ویسے بھی اوج رفیع کو عشق تو کرنا بھی نہیں تھا، بس تو وہ صرف محبت کو سمجھنے کی کوشش میں ہی ہلکان ہو رہا تھا اور کیوں۔۔۔ اس کی ایک وجہ بھی موصوف کے پاس تھی۔۔۔ لیجیے ان ہی سے سنیے۔

"یار پتا ہونا چاہیے، محبت ہوتی کیا ہے، آخر جوان جہان لڑکا ہوں، ہوسکتا ہے کل کلاں کو کسی سے۔۔۔ آہم۔۔۔ تو یار یہ نہ ہو کہ مجھے پتا بھی نہ چلے کہ محبت کا حملہ ہے، میں فلو سمجھ کے جوشاندہ پیتا رہوں، بدہضمی جان کے اینو گھول گھول کر پیتا اور ہاجمولا چاٹتا رہ جاؤں۔ اب اگر میں پہلے سے ہی محبت کو اچھی طرح جان پرکھ لوں، ساری علامات، پرہیز وغیرہ ... لوں تو اس کا ایک فائدہ یہ ہوگا کہ جیسے ہی مجھے محبت ہوگی تو میں سمجھ جاؤں گا کہ اوہو۔۔۔ یہ تو محبت کی علامات ہیں، وقت ضائع نہیں ہوگا۔ جلدی سے ... محبت کرنا شروع کردوں گا۔"

(لاحول ولا، یہ محبت ہے یا کالی کھانسی)

"ہاں تو سب یہی کہتے ہیں کہ محبت اچانک ہوجاتی ہے۔۔۔ اب اچانک تو کوئی وائرس ہی لپیٹ میں لے ... ہے۔۔۔ میں کوئی اتنا بھی احمق نہیں، ٹھیک ہے ان ... حضرات کے فلسفہ محبت کو میرا ذہن قبول نہیں کر ... لیکن اتنا تو میں جان ہی گیا ہوں کہ محبت ہوتی ہے۔"

(اچھا۔۔۔ تو پھر بتلاؤ کہ بھلا کیسے؟)

"بھئی پہلے تو۔۔۔ یعنی کہ ایک ہوتا ہے لڑکا۔ ایک دن کا ذکر ہوتا ہے کہ وہ کہیں جارہا ہوتا ہے، تو راستے ...

میں اسے ٹھوکر لگتی ہے۔۔۔"

(اور جب وہ غور کرتا ہے تو اسے محبت ہوگئی ہوتی ہے، بھئی واہ)

"کمال ہے پوری بات سنے بغیر ہی۔۔۔ جاؤ میں نہیں بتاتا۔ خود سوچو میں کیوں بتاؤں محبت کیسے ہوتی ہے۔"

اوج رفیع نے سارے اوٹ پٹانگ خیالات ذہن سے جھٹکتے ہوئے نئے سال کی ڈائری کھول لی، جسے لکھنے کے لیے اس وقت وہ یہاں بیٹھا تھا۔

☼ ☼ ☼

میں اوج رفیع ہوں، رفیع صلاح الدین کا اکلوتا اکلوتا بیٹا۔ شفیع صلاح الدین کا اکلوتا اکلوتا بھتیجا اور صلاح الدین کا اکلوتا اکلوتا پوتا۔ میں احساس شفیع کا اکلوتا کزن بھی ہوسکتا تھا لیکن اس کے ننھیال میں۔۔۔ اف توبہ۔۔۔ کزن ہی کزن۔۔۔ میں اس کے ننھیال کو کزن منڈی کہہ کے پکارتا ہوں بڑی تپتی ہے۔۔۔ تپتی رہے۔۔۔ آئی بڑی کہیں سے، میرے اکلوتے پن کو ٹھیس پہنچانے والی۔

یہ تو جس دن پیدا ہوئی تھی، اسی دن مجھے بڑی زہر لگی تھی۔ وہ میرے شعور کا پہلا واقعہ ہے اور ستم دیکھیے کہ اس قدر تلخ۔۔۔

میری پانچویں سالگرہ کا دن تھا اس سے پہلے بھی میری چاروں سالگراہیں ضرور دھوم دھام سے منائی گئی ہوں گی لیکن اس بار میری ایکسائٹمنٹ اور ہی تھی۔ دراصل اب میں برتھ ڈے کو سمجھنے اور انجوائے کرنے کے قابل ہو چکا تھا اسی سال میری اسکولنگ بھی شروع ہوگئی تھی۔ اسمبلی میں دعا وغیرہ کے بعد اکثر کوئی نہ کوئی بچہ سارے بچوں کو سوئیٹس بانٹتا اور باقی بچے اسے ممنون نظروں سے دیکھتے ہوئے "ہیپی برتھ ڈے" کہتے میرا بڑا دل چاہتا۔۔۔ آخر میری برتھ ڈے کب ہوگی۔ کس دن میں یوں پکٹ میں ہاتھ ڈال ڈال کر مغرور سی مسکراہٹ اور اکڑی ہوئی گردن کے ساتھ کسی بادشاہ کی طرح رعایا میں کینڈیز بانٹوں گا اور وہ

اردو اور انگریزی ادب کا بہترین انتخاب

عمران ڈائجسٹ

تازہ شمارہ شائع ہوگیا ہے۔

جس میں

☆عمران ڈائجسٹ کا نیا اور حیرت انگیز سلسلہ "عقاب" ایم اے راحت کے قلم سے حالات کی گود میں پل کر جوان ہونے والے ایک آتش صفت کی سرگزشت

☆حیرت انگیز اور پراسرار صلاحیتوں کے حامل ایک شخص کی داستان، عمران ڈائجسٹ کا نیا اور حیرت انگیز سلسلہ "اوتار"، شکیل احمد نواب کے قلم سے

☆اس نے اپنی ساری زندگی برطانیہ میں گزاری تھی لیکن اس کا خمیر تو اسی زمین سے تھا۔ ایک انوکھی نوکیلی کہانی، "گواہ رہنا"، سید علی ارسلان کے قلم سے

☆ "تیسرا تمغہ" شائستہ وحید کے قلم سے بین الاقوامی تنظیم سے وابستہ ایک شخص کا قصہ، وہ مختلف کارہائے نمایاں انجام دے چکا تھا، ایک دن......؟

☆☆اس کے علاوہ☆☆

"وحشی" احمد صغیر صدیقی، "انعام یافتہ" نجمہ مودی، "باکفایت" منظر امام، "مشینی دور" صابر علی ہاشمی، "دیانت دار" انور شاہد، "غیب داں" اقبال کاظمی، "یقین محکم" رضوانہ ظفر، "پہلا شکار" یاسمین ہاشمی، "دل پھینک روح" اظہار اثر، "احتیاط" اقبال پاریکھ، ☆"برعکس" درشہوار، "واپسی" س م عاصم

☆☆اردو ادب سے انتخاب☆☆

"تنہائی کا پھول" کرشن چندر کے قلم سے
"پلاننگ" مرزا حیدر عباس کی تحریر

☆ایک طویل سچی کہانی "تلاش" ڈاکٹر فرید اللہ صدیقی کی تحریر..... ایک نوجوان کا قصہ حیرت، اسے اپنے والد کی ہدایت پر ایک طویل سفر پر روانہ ہونا تھا اور اپنے سلسلے کو تلاش کرنا تھا۔

سچی داستانیں کے سلسلے کی کہانیاں
اس کے علاوہ بہت سی کہانیاں

سارے بچے جو مجھے دن بھر چڑاتے رہتے ہیں کیسے خوشامدی سی مسکراہٹ کے ساتھ ہاتھ آگے کرکے کہیں گے۔ "یار اوج، مجھے دو سوئیٹس دینا" آخر میں تمہارا بیسٹ فرینڈ ہوں"

"ڈیڈی میرا برتھ ڈے کب ہے؟" میں ہر اس روز اسکول سے آنے کے بعد ڈیڈی سے یہ سوال کرتا، جس روز بھی اسمبلی میں یہ سین دہرایا جاتا۔

"تین نومبر کو۔" جواب شفیع انکل دیتے، ڈیڈی تو سوچتے ہی رہ جاتے۔

"اور یہ تین نومبر کب ہے؟" میں اگلا سوال کرتا۔

"تین نومبر... بھئی آج تو ہے اٹھارہ جون... تو یہ ہوئے چار مہینے اور چودہ دن... ہاں بھئی۔ ساڑھے چار مہینے بعد تین نومبر ہوگا۔" انکل پورا پورا حساب لگاتے لیکن میں مطمئن نہ ہوتا۔

"یہ ساڑھے کیا ہوتا ہے اور چار مہینے کیسے ہوتے ہیں؟"

"تمہارا سر ہوتا ہے۔" ڈیڈی نے اخبار تہ کرکے میرے سر پر ہلکے سے مارا۔ "اس قدر سوال کرتے ہو، زچ کردیا ہے، اخبار تک پڑھنا محال ہوگیا۔"

"تو آپ آرام سے اخبار پڑھیں ناں، آپ کب جواب دے رہے ہیں۔ جواب تو انکل دے رہے ہیں اور ان کے ہاتھ میں اخبار بھی نہیں۔" میں جھوٹ موٹ سر سہلا کے رونی آواز میں بولا۔ ڈیڈی کو اور غصہ آگیا جب کہ انکل دبی دبی ہنسی ہنسنے لگے۔

"بڑی تیز زبان ہوگئی ہے تمہاری، پہلے صرف سوال کرتے تھے اب پٹر پٹر جواب بھی دینے لگے ہو۔"

"اگر بولوں نا تو آپ کہتے ہیں کہ فوراً جواب دیا کرو، منہ میں گڑ ڈال کے بیٹھے رہتے ہو اور اگر جواب دوں تو..." میری شکایت پہ انکل کا قہقہہ چھوٹ گیا۔ ڈیڈی کے عتاب سے بچانے کے لیے انہوں نے ہنستے ہنستے اچانک مجھے اپنی طرف گھسیٹا اور گود میں گھسالیا۔ اب ڈیڈی انہیں ڈانٹنے لگے۔

"تم سراسر برباد کررہے ہو اس لڑکے کو، یہ کوئی لاڈ ہے بھلا۔ وہ اس قدر بدتمیزی کررہا ہے اور تم ہنس ہنس کے اسے اور شیر کررہے ہو۔"

"بھائی جان بچہ ہے۔" انہوں نے مجھے ساتھ لپٹالیا۔ ڈیڈی "ہونہہ" کہتے ہوئے پھر سے اخبار م مگن ہوگئے۔

"اچھا تو انکل، جب میری برتھ ڈے ہوگی ناں ت میں..."

"یہ آج برتھ ڈے کیوں سر پہ سوار ہے، اخبار پڑھنے دوگے یا نہیں۔"

"ڈیڈی آپ اخبار کب پڑھ رہے ہیں۔ ایسے ہی کھول کر آگے کیا ہوا ہے۔" میں ناراض سا ہوگیا۔

"دیکھیں انکل، ڈیڈی کے ہونٹ ذرا بھی نہیں ہل رہے۔" اب کے ڈیڈی بھی مسکرادیئے۔ انکل پھر پوچھنے لگے۔

"ہاں تو میرا بیٹا کیا کہہ رہا تھا، کیا چاہیے اسے برتھ ڈے پر۔"

"اس دن میں اسکول میں پورا بھرا ہوا پیکٹ مجل کینڈیز کا لے کر جاؤں گا۔ سارے بچوں کو دوں گا۔"

"ارے میری جان ایک پیکٹ کیوں؟ دو لے جا ایک کینڈیز کا اور ایک ببل گم کا۔ ایک ایک چاکلیٹ بھی دے دینا بلکہ میں ایسا کروں گا، ہر بچے کے ل ایک پیارا سا پیکٹ بنادوں گا، جس میں سب مزے مزے کی چیزیں ہوں گی۔ تم مجھے گن کے بتا دینا تمہارے اسکول میں کتنے بچے ہیں۔" میں خوش ہوگ اور ساڑھے چار مہینے گزرنے کا انتظار کرنے لگا اور ابھ صرف چار مہینے ہی گزرے تھے کہ میرے کلاس فی ریحان کی برتھ ڈے پارٹی میں مجھے انوائیٹ کیا گیا انکل کے ساتھ وہاں جا کے میں نے خوب انجوا کیا۔ شاید یہ میرے ہوش کا پہلا پہلا فنکشن تھا۔ چیز میرے لیے نئی تھی۔ میوزیکل چیئرز، سرپرائزنگ گفٹس، برتھ ڈے کیپ، رنگا رنگ کیک، اور سب سے بڑھ کے سب کے درمیان مہمان خصوصی بنا برتھ ڈے بوائے۔ میں گھر آتے ہی مچل گیا۔ کہ بر میرا برتھ ڈے بھی ویسے ہی ہونا چاہیے "ڈیڈی ہزار تسلی دلانے پہ بھی میں مطمئن نہ ہو رہا تھا، آ

انکل نے مجھے ایک بڑی سی البم کھول کے دکھائی۔

"یہ دیکھو، اوج کی فرسٹ برتھ ڈے۔" انہوں نے ایک چھوٹے سے بچے پہ انگلی رکھی جو ماما کی گود میں مچل مچل کے رو رہا تھا، ماما ایک ہاتھ سے اسے اٹھائے ہوئے اور دوسرے ہاتھ سے ساڑھی سنبھال رہی تھیں۔ ساتھ میں بلیک سوٹ میں ڈیڈی کتنے اچھے لگ رہے تھے، انہوں نے میری کمر پہ ہاتھ رکھ کر مجھے ماما کی گود سے گرنے سے روک رکھا تھا۔ ماما کے اس طرف انکل بڑے سے بھالو کی شیپ والے کیک پہ جھکے، موم بتیاں جلا رہے تھے۔

"یہ میں ہوں؟" میں نے غور سے اس موٹے تازے بچے کو دیکھا جسے سلور کلر کی شیروانی میں لپیٹا گیا تھا۔ سر پہ عجیب سی قائداعظم والی سلور ٹوپی تھی۔ اور جو حلق پھاڑ کے چلا رہا تھا۔

"میں اس برتھ ڈے پر یہ فضول ڈریس نہیں پہنوں گا۔" میں نے فوراً انکار کیا۔ "ورنہ مجھے پھر اسی زور سے رونا آئے گا۔"

"اور یہ اوج کی دوسری برتھ ڈے۔" انہوں نے البم پلٹی۔ "ایک گنجے سر والا بچہ دو بزرگ سے لوگوں کی گود میں بند ہوتی آنکھوں کے ساتھ ست سا بنا بیٹھا تھا۔

"یہ دادا جان اور دادی امی ہیں۔ تمہیں بہت پیار کرتے تھے، لیکن تمہاری تیسری برتھ ڈے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے پاس بلالیا۔"

"میں اس بار بھی انہیں اپنی برتھ ڈے پہ بلواؤں گا۔ اللہ تعالیٰ انہیں ایک دن کی چھٹی دے دیں گے نا" وہ کچھ نہ بولے بس مجھے باقی کی تصاویر بھی دکھا دکھا کے یہ یقین دلاتے رہے کہ میری پہلی برتھ ڈے پارٹیز بھی شاندار ہوتی رہی ہیں اور اب بھی ایسی ہی ہوگی۔ ریحان کی برتھ ڈے پارٹی سے بھی اچھی۔ میں جتنا ایکسائٹڈ تھا وہ مجھ سے بڑھ کے ایکسائٹڈ ہوگئے۔ ماما، ڈیڈی دونوں ہماری دیوانگی پہ ہنس رہے تھے۔ آنٹی یوں بھی کتنے ہی روز سے اپنی امی کے گھر رہنے گئی ہوئی تھیں، آفس سے انکل سیدھا وہیں جاتے لیکن ان سے مل کے آنے کے بعد کا سارا وقت میرے ساتھ مختلف قسم کی پلاننگز میں گزارتے۔ میں نے سارے اسکول میں چرچے پھیلا دیئے۔

"میری برتھ ڈے پہ بھالو والا اور بندر والا تماشے دکھانے آئے گا۔"

"میوزک چیئرز کے ساتھ ساتھ جھولے بھی لگیں گے لان میں۔"

"مکی ماؤس کی شیپ کا اتنا بڑا کیک بن رہا ہے۔"

"میں برتھ ڈے کی صبح صرف سوئیٹس نہیں لاؤں گا۔ میرے انکل نے پورے اسکول کے بچوں کے لیے گفٹ پیکس تیار کیے ہیں ہر پیک میں کوکیز، چاکلیٹ، بنٹی، ببل کینڈی، ٹافی، سونف ہے۔" بچے مرعوب ہوجاتے اور میں روز خوش باش سا اسکول سے لوٹتا۔ ایک دن پہلے انکل نے مجھے سارے گفٹ پیک بھی دے دیئے اور میرے سارے کلاس فیلوز کے لیے خوبصورت سے انوی ٹیشن کارڈز بھی۔ میں خواب میں بھی خود کو فرینڈز کے درمیان اتراتے ہوئے دیکھتا رہا۔ ایک دن پہلے ہی سے لان میں کئی قسم کے جھولے نصب ہوچکے تھے۔

اگلے روز میں سو کے اٹھا تو ماما کو غائب پایا، پاپا نے بتایا کہ وہ ہاسپٹل گئی ہیں، انکل شفیع کے گھر ایک ننھی سی پری جیسی بیٹی آئی ہے۔"

"تو وہ ہاسپٹل کیا کرنے گئی ہیں۔ انکل کے گھر جاتیں، لیکن انکل کا گھر تو یہ ہے، تو کیا وہ ننھی سی پری ہمارے گھر آئی ہے۔"

"ہاں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ تمہارے برتھ ڈے کا گفٹ ہے۔" اور ساتھ ہی مجھے یاد آگیا کہ آج تو میرا برتھ ڈے ہے۔ میں شاید پہلی بار اتنی خوشی سے بستر سے اتر کر یونی فارم پہننے گیا تھا لیکن ڈیڈی نے یہ کہہ کر مجھے پریشان کرڈالا کہ آج میں اسکول نہیں جاسکتا۔

"لیکن کیوں؟ یہ کارڈز... یہ گفٹس..." میں چلا چلا کے رونے لگا۔ ادھر ڈیڈی فون سنتے ہوئے اور بھی پریشان سے نظر آنے لگے۔ وہ جلدی سے کار کی چابیاں

اٹھا کے باہر نکلنے لگے تھے کہ میں ان کی ٹانگوں سے لپٹ گیا۔

"مجھے بھی ساتھ لے کر جائیں۔ میں اسکول جاؤں گا۔" انہوں نے مجھے پیار سے سمجھانے کی ہلکی سی کوشش کی۔ لیکن ایک تو میں اس قدر شور مچا رہا تھا اور دوسرے شاید وہ بھی زیادہ ہی جلدی میں تھے۔ ایک تھپڑ میرے منہ پہ جڑ کے باہر چلتے بنے۔ میں برتھ ڈے کا یہ عجیب و غریب تحفہ چہرے پہ سجا کے گھٹنوں سسکتا رہا۔ مجھے یہ احساس بھی اور رلا رہا تھا کہ میرے دوست کیا سوچتے ہوں گے، میں کس قدر جھوٹا اور کچی ہوں، فضول میں الٹی سیدھی ہانک رہا تھا اور برتھ ڈے پہ چھٹی کر کے بیٹھ گیا۔ اب کل اسکول جانے پر وہ میرا کتنا مذاق اڑائیں گے۔ کتنا ستائیں گے، میری کتنی انسلٹ ہو گئی۔

رو رو کے میں ادھ مواسا ہو گیا۔ پھر شاید مجھے شدید بخار ہو گیا۔ ماما ڈیڈی کب آئے۔ وہ کیوں رو رہے تھے، انکل بار بار لوگوں کے کندھے پہ سر رکھ کے کیوں سسکنے لگتے تھے۔ گھر میں اتنے لوگ کیوں جمع ہیں۔ اور اتنا شور کیوں مچا رہے ہیں، یہ سب میں تھوڑی تھوڑی دیر بعد آنکھ کھول کے محسوس کرتا لیکن سمجھ نہ پاتا۔ سر بھاری ہو جاتا اور آنکھیں پھر سے بند ہو جاتیں۔

چند دنوں بعد مجھے پتا چلا کہ وہ فرشتے جو انکل کو ننھی سی پری دینے آئے تھے، بدلے میں ان سے آنٹی لے گئے۔

"تو انکل آپ ان سے کہہ دیتے کہ ہمیں پری نہیں چاہیے، آنٹی ہی چاہئیں۔ یہ پری کس کام کی ہے بلکہ بالکل فضول ہے۔ اس کے تو پر بھی نہیں، یہ کیا اڑے گی۔ یہ تو بیٹھ بھی نہیں سکتی۔ ہر وقت فیڈر پیتی رہتی ہے۔ اور روتی رہتی ہے۔ کیا پریاں ایسی ہوتی ہیں۔ میرا خیال ہے وہ فرشتے آپ سے چیٹنگ کر گئے ہیں۔"

"بری بات ہے اوج، ایسے نہیں کہتے چلو اپنے کمرے میں جاؤ انکل کو پریشان مت کرو۔" ماما نے کہا۔

"میں کب پریشان کر رہا ہوں، وہ پہلے ہی سے پریشان ہیں اتنی اچھی آنٹی لے کر فرشتے یہ گندی سی چوہیا انہیں دے گئے۔ ہم اس کا کیا کریں گے۔ سارا وقت آپ کو اسے اٹھانا پڑتا ہے۔ آنٹی اتنی اچھی تھیں، آپ کے اتنے کام کرتی تھیں، کیک بناتی تھیں، کپڑے سیتی تھیں، اور وہ مجھے کتنی اچھی اسٹوریز بھی سنایا کرتی تھیں۔ چلیں انکل، آئیں ہم اس گندی سی پری کو واپس دے کر آنٹی لے آئیں۔"

میں زبردستی انہیں اٹھانے لگا، وہ پتا نہیں کیوں ٹیبل پہ سر رکھ کے سسکنے لگے۔ ماما نے غصے سے مجھے پیچھے کیا اور اسی بغیر پروں کی پری کو انکل کی گود میں رکھ کے چپ کرانے لگیں۔ وہ واقعی چپ کر گئے اور اس پری کے گنجے سر کو بار بار چومنے لگے۔ میں جل بھن گیا۔

"اچھا تو اس لیے رو رہے تھے کہ میں نے اس پری کو برا کہہ دیا۔ ہوں، تو اب انکل کو مجھ سے زیادہ اس سے پیار ہے جو نہ صرف آتے ہی آنٹی کو بھی لے گئی بلکہ میری ساری برتھ ڈے پارٹی بھی خراب کر دی۔ اور اب سارے کا سارا وقت ماما بھی بس اسی میں لگی رہتی ہیں۔"

یہ تھی وہ پہلی وجہ۔۔۔ وہ وجہ جو احساس شفیع سے میری بے زاری کا پس منظر تھی۔ دن بدن میں اس سے اکتاتا جا رہا تھا۔

پہلے تو وہ ماما کی جان چھوڑنے پہ تیار نہ تھی، ہر وقت ان کی گود میں چڑھی رہتی، ماما کبھی اس کے لیے فیڈر بنا رہی ہیں، کبھی فراک پسنا رہی ہیں۔ کبھی کھینچ کھینچ کے پونیاں بنائی جا رہی ہیں۔ کبھی گھٹنے پہ لٹا کے ہلا ہلا کر سلایا جا رہا ہے۔

پھر اسے چلنا کیا آ گیا سارے گھر میں آفت آ گئی، کبھی میرے کمرے میں گھس جاتی۔ سارے کھلونے ہاتھ سے نیچے گرا دیتی۔ میری کوئی بک اس کے ہاتھ لگ جاتی تو حشر کر ڈالتی۔ کبھی ماما کے ڈریسنگ ٹیبل سے سب چیزیں نیچے پھینک دیتی۔ میں شکایت لگاتا تو ماما کہتیں۔ "تم بھی ایسے ہی کرتے تھے۔" لیکن مجھے تو

یاد کرنے پر بھی اپنی کوئی بد تمیزی یاد نہ آتی۔

پھر وہ بولنے لگی۔ جس روز وہ کوئی نیا لفظ بولتی سب خوشی سے بے حال ہو جاتے اور میں جل بھن جاتا۔

"اور میں جو کچھ بولوں تو سب ڈانٹتے ہیں کہ اوج تم بولتے بہت ہو۔" اور تو اور ڈیڈی اس کی باتوں پہ خوش ہو کے اکثر اسے گود میں بٹھا لیتے۔ جب کہ مجھے یاد نہیں تھا کہ کبھی انہوں نے مجھے اس طرح پیار کیا ہو۔ بلکہ انکل بھی کرتے تو انہیں غصہ آتا کہ وہ میرے ساتھ غیر ضروری لاڈ کر رہے ہیں۔

"تو کیا یہ ضروری لاڈ نہیں ہے جو وہ اب کر رہے ہیں۔" ماما نے اسے "بھائی جان" کہنا سکھایا اور جب وہ زور لگا کر مجھے "بی آن" کہتی تو میرا بس نہ چلتا اسے زور سے دھکا دے کر نیچے گرا دوں، میرے پر زور احتجاج کے نتیجے میں انہوں نے اسے "بی آن" رٹانا چھوڑ دیا اب وہ مجھے اوج کہہ کے ہی پکارتی تھی جس پہ آنے والے دنوں میں مجھے مزید اعتراض ہوا کہ مجھ سے پانچ سال چھوٹی ہونے کے باوجود وہ میرا نام کیوں لیتی ہے لیکن اب اس کی زبان میں میرا نام چڑھ چکا تھا۔

دو تین سالوں بعد محترمہ کو کارٹون دیکھنے کا چسکہ بھی لگ گیا۔ مجھے پسند تھے ڈھشم ڈھشم والے **ننجا** ٹرٹلز اور لمبی لمبی چھلانگیں مارنا والا اسپائیڈر مین جب کہ اسے ٹام اینڈ جیری اور ڈونالڈ ڈک دیکھنا اچھا لگتا تھا۔ ماما اسے بہلانے کے لیے اس کی پسند کے کارٹونز لگا دیتیں۔ وہ ہنس ہنس کے تالیاں بجانے لگتی اور میں منہ بسورنے لگتا۔

"یہ میرا کمرہ، میرا ٹی وی ہے اس سے کہیں اپنے کمرے میں جا کر دیکھے یہ میرے ڈیڈی کا کمرہ ہے، وہ اس کے ڈیڈی کا ہے، وہاں جائے۔" ماما آنکھیں نکال کے دھمکاتیں۔

"شرم نہیں آتی ایسی باتیں کرتے ہوئے، وہ کیسے اکیلی وہاں بیٹھے، اس کے ڈیڈی ابھی آفس سے نہیں لوٹے، آئیں گے تو چلی جائے گی۔"

"میرے ڈیڈی بھی تو نہیں آئے۔" میں چمک کے کہتا اور ماما سر جھکا کے رہ جاتیں۔

"لیکن۔۔۔ تمہارے پاس میں تو ہوں۔" اور مزید کچھ کہنے کے لیے کھلتا میرا منہ بند ہو جاتا۔ اب میں نو برس کا ہو رہا تھا اور اچھی طرح جاننے لگا تھا کہ فرشتے آنٹی کو کہاں لے گئے تھے لیکن احساس ابھی اس احساس سے دور تھی۔ اس نے تو اپنی ماں کی شکل تک نہ دیکھی تھی تو کمی کیا محسوس کرتی لیکن ایسی کسی بات پہ وہ ٹھٹک کے غور ضرور کرنے لگتی۔۔۔ اس وقت بھی وہ کارٹون بھول بھال ہمیں سننے لگی۔ اس کی عمر میں میں سوال بہت کرتا تھا۔ خیر وہ تو اب بھی کرتا ہوں لیکن سب اس کی اس عادت سے خاصے مطمئن تھے کہ وہ سوال کر کر کے ناک میں دم نہیں کرتی خصوصاً" ڈیڈی اس کی اس عادت سے بڑا خوش ہوتے، ایسے ہی کسی موقعے پہ میرا دل چاہتا، ڈیڈی کو ڈھونڈ کے لاؤں اور اس کی بڑی بڑی سی آنکھیں دکھاؤں جو بڑے بڑے سوال کرتی تھیں۔

پھر وہ میرے ساتھ اسکول بھی جانے لگی۔ پہلے پہل تو مجھے بڑا مزا آیا۔ خود کو بڑا بڑا محسوس کر کے میں بریک ٹائم میں ہر وقت اس کو آنکھیں دکھایا کرتا۔

"اترو سلائیڈ سے، دیکھ نہیں رہیں کس قدر گرم ہے۔" یا پھر "سارا یونیفارم گندا کر لیا۔ یو کیئر لیس گرل۔"

"پھر سوئیٹس کھا رہی ہو۔ دانت خراب ہو رہے ہیں۔" اور وہ سہم کے سوئیٹس نیچے گرا دیتی۔ جھولے سے اتر کر سر جھکائی ایک طرف بیٹھ جاتی۔ میرے فرینڈز میں میری خاصی دھاک بیٹھ جاتی۔ کسی کے بھی چھوٹے بہن بھائی اس کے رعب میں نہ تھے۔ الٹا گلے پڑتے ایسے میں ظاہر ہے میرے رعب داب کی تو واہ واہ ہونی ہی تھی لیکن دو ڈھائی سال بعد بھی اس کی واہ واہ نے مجھے اس حد تک مجبور کر دیا کہ میں یہ اسکول چھوڑنے کے بارے میں سنجیدگی سے سوچنے لگا جس میں ہر سال رزلٹ آنے پہ مجھے سو سو باتیں سننا پڑتیں۔ میں پڑھائی میں کبھی کمزور نہیں رہا تھا۔ کچھ ڈیڈی بھی اس معاملے میں سخت تھے۔ ہر سال ستر یا پچھتر فیصد تک مارکس آ جاتے لیکن احساس۔۔۔ وہ تو

عجیب ہی لڑکی تھی۔ حالانکہ ڈیڈی نے اس پہ کیا سختی کرنی تھی۔ اس کے اپنے ڈیڈی یعنی انکل بھی اس کے معاملے میں حد سے زیادہ نرم تھے۔ پھر اس کے اپنے شوق بھی اس قدر تھے' اسٹوری بکس کا اسے خبط تھا تو ویڈیو گیمز کا جنون اس سے جو وقت بچتا وہ فرینڈز سے ٹیلی فونک گپ شپ میں گزرتا۔ درجنوں تو اس کی سہیلیاں تھیں لیکن ان سب کے باوجود نجانے کیسے وہ ہر سال ٹاپ کر جاتی۔ نوے فیصد سے بھی زیادہ اس کے مارکس آتے۔ غیر نصابی سرگرمیوں میں بھی وہ نمایاں ہوتی۔ فینسی ڈریس شو ہو تو بنجارن کے بہروپ میں سچے رنگ بھر دیتی کبھی مالن بن کے فرسٹ پرائز لے جاتی۔ اسٹوری رائٹنگ کمپنی ٹیشن میں بھی ہر سال فرسٹ پوزیشن اس کی ہوتی۔ ٹیبلو ڈرامہ' ڈیبیٹس پینٹنگ' ہر کام میں وہ آگے ہوتی اور ہر سال ہی سالانہ تقریب اسناد میں مجھے یہ ریمارکس کبھی ڈیڈی' کبھی ماما اور کبھی اپنے ٹیچرز اور فرینڈز تک سے سننا پڑتے۔

"دیکھو ذرا احساس کو' کتنی جینئس ہے۔ ایک تم ہو' کبھی تمہارے حوالے سے ہمیں یوں اسٹیج تک بلایا گیا؟ چلو' بھتیجی ہی سہی' ہے تو اپنی بچی' ہم اسی میں خوش ہو لیتے ہیں۔" ڈیڈی دانت کچکچاتے ہوئے وہیں بیٹھے دبی آواز میں سناتے۔

"سب عورتیں مجھے اس کی ماما سمجھتے ہوئے مبارکباد دے رہی ہیں۔"

ماما خوشی خوشی بتاتیں اور میں برا سا منہ بنا کے رخ پھیر لیتا۔

"تمہاری بہن ہر سال پوزیشن لیتی ہے۔ تم اتنے ڈل کیوں ہو۔" ٹیچر کے کہنے پہ میں صاف کہہ دیتا۔

"سوری میڈیم' وہ میری سسٹر نہیں ہے۔"

اور گھر آنے کے بعد تو خاصے بے رحم الفاظ میں میرا اور اس کا موازنہ کیا جاتا' اگر بات صرف اس کی تعریفوں تک رہتی تو ٹھیک تھی۔ (حالانکہ اس سے بھی میرے دل کو خاصی تکلیف ہوتی تھی۔) لیکن وہ تو میرے نیچے اوپر اترنے پر آتے میں تنگ آ کے کہتا۔

"میں میٹرک میں ہوں اور وہ ابھی ففتھ کلاس میں۔ آپ اس کا مقابلہ مجھ سے کیوں کرتے ہیں۔ جب وہ میٹرک میں ہو گی تب دیکھوں گا۔"

"تو تم نے ففتھ میں کون سا تیر مار لیے تھے۔ ہمیشہ سے ہی ایسے ہو۔ وہ شروع سے پوزیشن لیتی آئی ہے۔ بورڈ میں بھی لے گی جب کہ تم اسکول کے علاوہ اکیڈمی بھی جاتے ہو اس کے باوجود کھینچ تان کے اگر فرسٹ ڈویژن تک بھی آ جاؤ تو میں شکر کروں گا۔"

اور شکر تو میں نے کیا تھا جب میٹرک کرنے کے بعد اس اسکول سے نکلا جہاں اس کی ذہانت و قابلیت کے ڈنکے دھڑا دھڑ بجا کرتے۔ کالج جا کر شاید میں کچھ میچور ہو گیا تھا یا پھر شاید مجھے اپنے اور اس سسکتہ کلاس میں پڑھنے والی "بچی" کے درمیان فرق زیادہ ہی محسوس ہونے لگا تھا کہ میں نے بات بے بات اس کی وجہ سے چڑنا ختم کر دیا۔ میں اسے بالکل ننھی منیوں کی طرح ٹریٹ کرنے لگا۔ اس کا بڑا بننے کی کوشش کرنے لگا لیکن جلد ہی میرا یہ شوق بھی ختم ہو گیا۔ ایک تو اس نے اچانک ہی دن بدن انچوں میں لمبا ہونا شروع کر دیا دوسرے قد کے ساتھ ساتھ اس کے دماغ کا حجم بھی بڑھتا چلا جا رہا تھا اور سال میں دو دو چھلانگیں مارتی وہ اس وقت میٹرک میں پہنچ چکی تھی جب میں دوسری بار ایف ایس سی کے ایگزامز کی تیاری کر رہا تھا ایسا نہیں تھا کہ پہلی بار میں میں فیل ہو گیا تھا' میری فرسٹ ڈویژن آئی تھی مگر کسی میڈیکل کالج کی میرٹ لسٹ پہ میرا نام نہیں تھا۔ ڈیڈی کے کہنے پہ میں نے میرٹ پہ آنے کی غرض سے دوبارہ امتحان دینے کی ٹھان لی اور دوسری بار میں خاصا کامیاب بھی رہا۔ کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج میں میرا ایڈمیشن ہو گیا لیکن اس کامیابی کی خوشی کو میں ڈھنگ سے سیلیبریٹ تک نہ کر سکا وجہ ایک بار پھر احساس شفیع تھی جس نے میٹرک میں پورے لاہور میں سائنس بورڈ میں فرسٹ پوزیشن لی تھی۔ اور نجانے کیا وجہ تھی کہ اس نے آگے میڈیکل کی فیلڈ میں جانے کے بجائے کینٹر ڈ کالج میں انگلش لٹریچر' اکنامکس اور سوکس جیسے سبجیکٹس رکھ لیے۔ انکل ہمیشہ کی طرح اس سے ہلکی سی بازپرس تک نہ

کر سکے البتہ میرے ڈیڈی نے خوب زور دیا کہ وہ میڈیکل نہ سہی انجینئرنگ لائن تک میں ہی آ جائے۔ لیکن اس کے پاس ڈٹنے کے لیے اچھی خاصی معقول ضد تھی۔

"انکل جی آنٹی کی طبیعت اب ٹھیک نہیں رہتی۔ ان پہ گھر کی ذمہ داریوں کا بہت بوجھ ہے۔ ہر وقت کی ٹینشن سے ان کا بی پی بھی ہائی رہتا ہے۔ میں چاہتی تھی کہ اب گھریلو ذمہ داریوں میں میں ان کا ہاتھ بٹاؤں۔ اگر میں بھی پوری طرح اپنی اسٹڈیز میں جت گئی تو ان کی ہیلپ کون کرے گا۔"

اور میں نے سکون کا سانس لیا تھا اب کم از کم میں اپنی میڈیکل کی تعلیم بغیر کسی ذہنی دباؤ اور کمپنی ٹینشن کے کر سکتا تھا لیکن اس لڑکی نے کسی نہ کسی معاملے میں مجھے زچ کرنے کی قسم کھا رکھی تھی۔ اس نے ماما کی ہیلپ کرنے کی بات کی تھی لیکن رفتہ رفتہ اب وہ پورے گھر کا کنٹرول ہاتھ میں لے چکی تھی صفائی اپنی نگرانی میں کروانے کے لیے اس نے صفائی والی ماسی کو صبح ساڑھے چھ بجے آنے کا پابند کر دیا۔ اور میری صبح کی نیند غارت کر کے رکھ دی۔ پہلے میں ساڑھے سات بجے آٹھ اٹھ کے افراتفری میں تیار ہونے کے بعد کسی نہ کسی طرح وقت پہ کالج پہنچ ہی جایا کرتا تھا لیکن اب چھ بجے ہی جھاڑو پھرنے' وائپر گھسٹنے اور ہدایتیں دینے کا شور بدمزہ کر کے جگا دیتا۔ ناشتا تیار کرنے کی ڈیوٹی بھی اس نے اپنے سر لے لی۔ مجھے نخرے کر کر کے ماما سے روز نئے سے نیا ناشتا بنوانے کی عادت تھی جب کہ وہ جلدی جلدی ہاتھ چلاتی پوچھتی۔ "ہاں بولو' فرائی یا بوائل۔۔۔" ساتھ ہی ٹوسٹر بھی آن کر دیتی یہ پوچھے بغیر کہ میں سلائس لوں گا' نان یا پراٹھا۔ ابھی میں بوائل اور فرائی کو ریجیکٹ کر کے آملیٹ کی فرمائش کرنے ہی والا ہوتا کہ وہ خود ہی فرائی پین میں گھی الٹ دیتی۔

"فرائی ہی کر دیتی ہوں' بوائل کرنے کا وقت ہی کہاں ہے۔" انڈا توڑ کر گھی میں ڈالنے کے بعد وہ ہیئر برش اٹھا کے کچن سے نکل جاتی۔

"پلیز اوج' ذرا یہ دیکھنا میں چوٹی کر لوں۔ اوہو ایک تو صبح صبح اتنا کام۔۔۔" خون کے گھونٹ پیتا میں کسی نہ کسی طرح ادھ پکا انڈہ پلیٹ میں نکالتا کہ وہ کاندھے پہ بیگ لٹکائے پھر سے آ جاتی۔ دم کر کے رکھی چائے کپ میں الٹ ہی رہی ہوتی کہ اس کی وین کا ہارن بج اٹھتا۔

"او کے اوج' بائے۔۔۔ دودھ اور چینی پلیز خود ہی ڈال لو۔"

دوپہر کو میں گھر پہ لنچ کم ہی کیا کرتا۔ رات کے کھانے کی ڈیوٹی بھی اس کی تھی۔ ماما سے ٹریننگ لے کر چند ہی ہفتوں میں خاصی اچھی کک بن چکی تھی۔ لیکن ایسی ہٹ دھرم تھی کہ کبھی جو اس نے کسی کی فرمائش کے مطابق ڈنر تیار کیا ہو۔ کچن میں لٹکے چارٹ کے مطابق ہی مینو تیار ہوتا۔ اب لاکھ دل کر رہا ہو۔ دال چاول کھانے کو لیکن چپاتی کے ساتھ آلو کی بھجیا یا مٹر قیمہ کھانا پڑتا۔ بارش کی وجہ سے پکوڑے کھانے کو دل چاہے لیکن اگر چارٹ میں آج کے دن بینگن آلو پکانے لکھے ہیں تو وہی پکیں گے۔

میں جو خود کو مدبر سا اور میچور سا بنانے کی کوشش کر رہا تھا پھر سے اس سے الجھنے لگا اب ہماری چونچ اکثر و بیشتر لڑا کرتی۔ میں نے پھر سے اس پہ انپار عب و دبدبہ بٹھانے کی ناکام سی کوشش کی لیکن اب وہ بچپن کی ڈری ڈری سہمی سہمی احساس نہیں تھی۔ جو میرے ذرا آنکھیں نکالنے پہ دبک جایا کرتی۔ حد سے بڑھ کے ملی توجہ اور اہمیت نے اس کا دماغ خراب کر دیا تھا۔ اب وہ ترکی بہ ترکی جواب دیا کرتی۔ میری شکایت لگانے کی دھمکی دے کر مجھے ایک طرف بٹھا دیا کرتی۔ بس ایک معاملہ ایسا تھا جس میں میں اسے چڑانے میں خاطر خواہ کامیاب رہتا۔۔۔ بچپن کی دو عادتیں اس کی اب تک برقرار تھیں بلکہ پہلے سے بڑھ کر شدید ہو چکی تھیں۔ ایک تو ٹی وی بینی کا شوق۔۔۔ اب کارٹونز کے بجائے کیبل کے چینلز اور ان پہ چلنے والے طویل قسط وار ڈراموں کا چسکہ لگ چکا تھا اور دوسری عادت جو اس کی جڑوں میں بیٹھ چکی تھی وہ تھی نت نئی سہیلیاں بنانا۔ اپنی دوستوں کے لیے وہ حد درجہ حساس تھی اور

میں اس کے اسی ویک پوائنٹ کو نشانہ بنایا کرتا۔

پہلے کی طرح اب بھی اس کے کالج سے گھر آتے ہی اس کی فرینڈز کے ٹیلی فونز کا تانتا بندھ جاتا' شاید وہ بھی اس کے لیے ایسی ہی پاگل تھیں جیسی کہ وہ خود ان کے لیے تھی۔ میں نے اسے زچ کرنے کے لیے اس کے فون اٹینڈ کرنے پہ پابندی لگادی۔ میری غیر موجودگی میں پتا نہیں وہ اس پابندی پر عمل کرتی تھی یا نہیں مگر بہرحال جب تک میں گھر ہوتا' ہر بیل پہ ریسیور میں ہی اٹھاتا۔ اسے اٹھانے کی ہرگز اجازت نہیں تھی۔ وجہ میں نے یہ بیان کی کہ لڑکیوں کی آواز سن کر رانگ نمبرز پہ لفنگے تنگ کرنے لگتے ہیں اور ماما جن کا تکیہ کلام "زمانہ بڑا خراب ہے" تھا مجھ سے متفق ہو کے خود بھی اسے منع کرنے لگتیں۔

اب میری مرضی ہوتی کہ میں فون کے دوسری طرف موجود اس کی کسی فرینڈ کو کیا جواب دیتا ہوں۔ جب تک میں اسے بتا نہ دیتا کہ فون کس کا ہے وہ جلے پیر کی بلی کی طرح میرے آس پاس منڈلاتی رہتی۔ اسے ڈر ہوتا کہ میں الٹی سیدھی ہانک کے اس کی فرینڈز کو خفا نہ کردوں اور ظاہر ہے وہ تو مجھے کرنا ہی ہوتا تھا' جب اسے اپنی عادتیں نہیں چھوڑنیں تو میں اس کا دل جلانا کیوں چھوڑ دیتا۔

خجستہ کا فون ہوتا تو میں آواز لگاتا۔ "احساس' خستہ خستہ' کرارے کرارے۔"

بتول ہوتی تو کہتا "احساس' فضول کا فون ہے۔"

"انزلہ کا تعارف میں ایک زور دار چھینک سے کراتا۔ "اوہو بھئی نزلہ ہے۔"

"اریضہ اپنا نام بتاتی اور میں انجان سا بن کے کہتا۔ "کون۔۔۔ مریضہ؟"

"خولہ ہوتی تو خوشی سے نعرہ لگاتا۔ "آہا۔۔۔ خالہ جی۔۔۔"

اس کی ایک اور کلوز فرینڈ افراح صرف فون کالز پر اکتفا نہیں کرتی تھی وقت بے وقت گھر بھی آدھمکا کرتی۔ میں احساس کو اس کی آمد کی اطلاع با آواز بلند اس طرح دیا کرتا "یارو وہ افرا نفری آئی ہے۔"

اس کی فرینڈز تو خوب انجوائے کرتیں' جھوٹ موٹ برے سے منہ بنا کر لاڈلی سی ناراضگی بھی جتایا کرتیں لیکن اس کی تو حالت بری ہوتی۔ اس نے ایک آدھ بار مجھ سے بدلہ لینے کی کوشش کی مگر زیادہ کامیاب نہ ہو سکی۔ ایسا نہیں تھا کہ میرے کوئی دوست نہیں تھے لیکن جو تھے ان سے گھر تک رابطہ کم ہی ہوتا اگر ہوتا تو ظاہر ہے وہ تو فون اٹینڈ نہیں کرتی تھی ایک اسرار تھا جو بچپن کا دوست ہونے اور خاص طور پر پڑوسی ہونے کی وجہ سے کبھی کبھار گھر تک ملنے آجاتا اس نے خاصا جتا جتا کر ایک دن مجھ سے کہا۔

"اوج' تم سے ملنے پر اسرار آیا ہے۔" لیکن میں نے ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے اڑا دیا۔ میری بلا سے وہ اسے پراسرار کہے یا پر خطر۔

اب آپ لوگ ہی انصاف کیجئے۔ ایک ایسی لڑکی جو اپنی پیدائش کے دن سے ہی میرے لیے ہمیشہ کوفت و بے زاری کا سبب بنی ہو' جس کا وجود ہمیشہ مجھے بے اطمینانی نور بے چینی میں مبتلا کرتا ہو اور جس کی تلملاہٹ' طیش میرے دل میں ٹھنڈ ہی ٹھنڈا تار دیتا ہو اگر میرے سامنے اس کے عمر بھر کے ساتھ کی تجویز رکھی جائے تو مجھے کیسا لگے گا؟ ظاہر ہے کہ مارے غیض و غضب کے میرا آپے سے باہر ہو جانا یقینی ہے۔ لیکن میں اس غضبناک مزاج کا مظاہرہ کس کے سامنے کرتا۔؟ ڈیڈی کے سامنے؟ جی ہاں' یہ نامعقول قسم کی تجویز وہی پیش کر سکتے ہیں صد شکر کہ فی الحال انہوں نے تجویز پہ ہی اکتفا کیا ہے۔ فیصلہ صادر نہیں فرمایا لیکن میرا خیال ہے اس میں خوش ہونے والی کوئی بات نہیں' انہوں نے اپنے بیٹے کی مرضی کو اولیت دینے کی غرض سے حتمی فیصلہ دینے سے گریز نہیں کیا بلکہ ان کے خیال میں احساس کی مرضی جاننا زیادہ ضروری تھا۔ اس بات نے مجھے اور تپا دیا ہے۔

میں نے سنا ہے اندر کی تپ باہر نکالنے کا سب سے مہذب اور محفوظ ترین ذریعہ ڈائری ہے' سو یہی سوچتے ہوئے میں بھی کتھارسس کے ذریعے اپنے اندر کے ابال کو درجہ اعتدال تک لانے کی کوشش کر رہا ہوں۔

اب میں ڈیڈی کے متھے لگنے سے تو رہا۔۔۔ لیکن یوں چپ چاپ ورق کے ورق سیاہ کرنے سے بھی کیا حاصل کوئی عملی قدم تو اٹھانا چاہیے۔

☆ ☆ ☆

"اوج۔۔۔ اوج۔۔۔ بیٹا۔۔۔" ماما نے پکارتے ہوئے اس کے کمرے کے دروازے کے اندر جھانکا' وہ ہیڈ فون کانوں پہ چڑھائے' فلور کشن پہ نیم دراز' سر دھن رہا تھا آنکھیں بھی موندی ہوئی تھیں ناچار ماما کو اندر تک آکے اسے جھنجھوڑنا پڑا حالانکہ وہ اس وقت فون پہ اپنی کسی پرانی سہیلی سے عرصے بعد گپیں لڑا رہی تھیں۔ کمرے کے اندر سے شوہر نامدار کڑک دار آواز میں اوج کو پکارے چلے جا رہے تھے جب وہ شاید کانوں میں روئی ٹھونسے بیٹھا تھا انہوں نے ہولڈ کروا کے خود اٹھنا مناسب سمجھا تاکہ کہیں نقص امن کا اندیشہ نہ پیدا ہو جائے۔

"اوج۔۔۔ یہ کیا "کھوپے" کانوں پہ چڑھا کے سارے جہان سے کٹ جاتے ہو۔ تمہارے ڈیڈی کب سے آواز پہ آواز دیے جا رہے ہیں۔" انہوں نے ایک جھٹکے سے ہیڈ فون اتار کے اسے ہڑبڑانے پہ مجبور کر دیا۔

"او ڈیئر مام' کبھی کبھی آپ بالکل بے جی والے ورڈز یوز کرتی ہیں۔ یہ "کھوپے" کا کیا مطلب ہوا؟"

"اس کا مطلب میں تمہیں بعد میں بتاتی ہوں پہلے تم اپنے ڈیڈی سے اپنے نام کا مطلب دریافت کرو جس کا ورد وہ پچھلے آدھے گھنٹے سے کر رہے ہیں۔"

"مبالغہ آمیزی کی بھی حد ہوتی ہے ماما' یہ قطعی ناممکن ہے کہ وہ مسلسل آدھے گھنٹے تک کمال صبر برداشت کا مظاہرہ کرتے ہوئے۔ "صرف" آوازیں ہی دیے جائیں چار پانچ آوازوں کے بعد وہ خود بھی بہ نفس نفیس نہ پہنچ جاتے۔"

"حد سے زیادہ ڈھیٹ ہو تم' میں بھی کہاں سر کھپا رہی ہوں۔ فریحہ کب سے ہولڈ کر کے بیٹھی ہے۔" وہ سر پہ ہاتھ مارتے ہوئے پلٹیں کہ رفیع صلاح الدین سے ٹکرا گئیں۔ وہ تفتیشانہ انداز میں ان دونوں کو دیکھنے لگے۔

"ڈیڈی میں بس آہی رہا تھا کہ ماما آگئیں' باتوں میں ہی الجھا لیا۔ آپ تو جانتے ہیں ناں ماما کی عادت۔۔۔" وہ الرٹ ہو کے کھڑا ہو گیا اور ماما حیران نظروں سے اسے دیکھنے لگیں۔

"اس کی تو خیر صرف عادتیں جانتا ہوں' تمہاری تو رگ رگ سے واقف ہوں۔ نابنجار' ناخلف۔۔۔" "اوج برے برے منہ بنانے لگا۔

"ڈیڈی پلیز۔۔۔ یہ ڈپٹی نذیر احمد کے ناولوں والے خطاب تو مت دیں۔ جب سے آغا طالش نے فلموں میں محمد علی کے باپ کا رول کرنا چھوڑا' یہ لفظ تو تب ہی سے متروک قرار دیے جا چکے ہیں۔"

"تو پھر کیوں نہ میں تمہیں ان لفظوں سے نوازوں' جن سے "ماجھو داویر" میں ہمایوں قریشی اور شفقت چیمہ کو شان نے نوازا تھا"؟ انہوں نے تڑی لگائی۔

"ارے ڈیڈی آپ نے بھی "ماجھو داویر" دیکھی ہے۔۔۔ لیکن آپ مجھے تو منع کرتے ہیں انڈین اور پاکستانی موویز دیکھنے سے اور خود۔۔۔ اچھا ڈیڈی پھر تو آپ نے وہ نرگس کا بارش والا گانا بھی دیکھا ہو گا۔"

"کرتی اے گیلی گیلی۔۔۔ لاچہ وی گیلا گیلا"

"شٹ اپ اوج۔۔۔ دیکھ رہی ہو اس کی زبان۔۔۔" پلٹ کے شریک حیات کو اپنے طیش میں بھی شریک کرنا چاہا لیکن وہ غائب تھیں۔

"بات ہی بھلا دی' جو میں تم سے کرنے آیا تھا' عجیب گھن چکر ہو' کہیں سے لگتا ہے کہ تم میڈیکل کے فائنل ایئر میں ہو۔"

"آپ کبھی مجھے صبح صبح دیکھیں' سفید اوور آل پہن کے اسٹیتھسکوپ لٹکا کے تو میں صرف میڈیکل کا اسٹوڈنٹ ہی نہیں بلکہ ماہر سرجن لگتا ہوں۔"

"ہونہہ۔۔۔ ڈاکٹر۔۔۔ سرجن۔۔۔ جو شوق ہیں تمہارے اس سے تو لگتا ہے پلازا سینما کے باہر ٹکٹیں

بلیک کرنے کا کام کرتے ہو۔"

"کیوں؟ کیا ڈاکٹرز پنجابی فلمیں نہیں دیکھ سکتے۔ کیا نرگس کے ہوش ربا رقص پہ ان کا کوئی حق نہیں؟"

"بکواس بند کرو حق کے بچے۔ بحث کرنے اور سوال پہ سوال مارنے کی تمہاری عادت بجائے کم ہونے کے دن بدن پختہ ہوتی جارہی ہے۔ تمہارے سدھرنے کا اب کوئی امکان نہیں لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں لیکن کم از کم لاتوں سے تو مان ہی جاتے ہیں لیکن تم تو لات' ڈنڈا سب سے اونچی چیز ہو چکے ہو۔"

"تھینک یو ڈیڈی۔۔۔" اس نے مودبانہ انداز میں ہاتھ باندھ کے سر جھکا لیا۔

"آپ نے میری انفرادیت کو تسلیم تو کیا۔ بھوت ہی سہی لیکن ہوں تو اونچی قسم کا' کوئی ایرا غیرا نتھو خیرا قسم کا بھوت نہیں جو محض ایک لات کے رعب میں آجائے۔"

"یا خدا۔۔۔ یہ لڑکا ہے یا میری برداشت کا مسلسل اور کڑا امتحان اس سے تو اچھا تھا میری کوئی بیٹی ہوتی۔ سکھی رہتا۔"

"ثابت ہوا کہ انسان کسی حال میں خوش نہیں رہتا۔ جس کے ہاں بیٹا نہیں ہوتا وہ اچھی بھلی سگھڑ بی بی قسم کی بیٹیوں کے ہوتے ہوئے بھی آہیں بھرتے رہتے ہیں کہ کاش ان کا کوئی بیٹا ہوتا جو ان کے بڑھاپے کا سہارا بنتا۔ بیٹیاں تو پرائی ہوتی ہیں اور جن کو خدا بیٹا دے دیتا ہے۔ وہ اس نعمت کا شکر نہیں ادا کرتے کہ ان کی ذمہ داریاں بانٹنے والا۔ ان کا سہارا بننے والا کوئی ہے بس یہ غم ستاتا ہے کہ گھڑی گھڑی چائے بنا کے دینے والی' کپڑوں پہ جما کے استری پھیرنے والی کوئی ہوتی۔ یہ تو سراسر ناشکری ہے۔ گھریلو کاموں میں مدد تو تنخواہ دار ملازمہ بھی کر سکتی ہے لیکن کون سا ملازم ہے جو تنخواہ لے کر کسی کا وارث بنتا ہے۔ تو ثابت یہ ہوا کہ اولاد نرینہ سچ مچ ایک نعمت ہے بیٹیاں بھی رحمت ہوں گی۔ ضرور ہوتی ہوں گی لیکن یہ رحمت کبھی اس چھت پہ تو کبھی اس چھت پہ برستی ہیں۔ بیٹا پکا پکا اپنا ہوتا ہے۔"

"بند کرو فضول سا لیکچر' میں تم سے تمہاری اہمیت پہ مفصل و مدلل بیان سننے نہیں آیا تھا۔ میں تو پتا نہیں کیا کہنے آیا تھا۔"

"اور ایک اہم نکتے پر روشنی ڈالنا تو میں بھول ہی گیا۔" ڈیڈی کی ناگواری کو کسی خاطر میں نہ لاتے ہوئے وہ مسلسل بولتا رہا۔

"بونس میں ملا ایڈوانٹیج' یعنی ایک عدد بہو۔۔۔ جو صرف بیٹے کی بدولت ہی گھر میں آتی ہے۔ داماد تو نرا غاصب ہوتا ہے' وہ کیا خاک کسی کے کام آئے گا اکھٹا سب سمیٹ کے لے جاتا ہے۔ جب کہ بیٹا نہ صرف خود عمر بھر کا سہارا ہوتا ہے بلکہ والدین کو اور آرام دینے کے لیے اپنی بیوی بھی لے آتا ہے۔"

"اور اگر بیٹا تم جیسا ہو تو جو تھوڑی بہت کسر رہتی ہے ماں باپ کا کباڑا کرنے میں وہ اپنے ہی جیسی بیوی لا کر پوری کر دیتا ہے۔ اس لیے تو میں زندگی میں پہلی بار خود غرضی کا مظاہرہ کرتے ہوئے صرف اور صرف اپنے بڑھاپے کو خوار ہونے سے بچانے کے لیے یہ سوچ رہا ہوں کہ شفیع سے احساس کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مانگ لوں حالانکہ یہ اس بچی کے ساتھ سراسر ناانصافی ہوگی وہ اتنی اچھی بچی ہے کہ دنیا کا بہترین انسان ڈیزرو کرتی ہے جب کہ میں اس کے لیے تمہیں منتخب کر رہا ہوں لیکن اس میں میری اپنی غرض کے ساتھ ساتھ شفیع کے لیے بھی بھلائی ہے۔"

"انہیں جہیز نہیں دینا ہوگا نا؟" گفتگو کا ناپسندیدہ رخ بدلتے دیکھ کر اوج کا موڈ خراب ہو گیا۔

"بکواس مت کرو۔ جو کچھ شفیع کا ہے وہ احساس کا بھی ہے بلکہ جو کچھ میرا ہے اس میں بھی احساس کا تمہارے برابر حصہ ہے۔"

"یہ تو سخت ناانصافی ہے' اس طرح تو مجھے بھی انکل کی جائیداد میں ان کی بیٹی کے برابر حصہ ملنا چاہیے۔" اس نے جرح کی۔

"یہ دیکھو۔۔۔ یہ ہے میرا انتخاب جو میں اس ہیرا سی بچی کے لیے کر رہا ہوں۔ یہ گدھا جو باپ چچا کی زندگی میں اپنے حصے بخرے کر رہا ہے۔"

"حصے کی بات آپ نے شروع کی تھی مجھے تو پہلے کبھی خیال ہی نہیں آیا اور رہا سوال میرے گدھا ہونے اور اس کے ہیرا ہونے کا تو چلیں۔۔۔ میں مان لیتا ہوں کہ میں گدھا ہوں۔۔۔ اب تو آپ خوش ہیں اب آپ خود سوچیے گدھے بھلا کہاں اتنے خوش ذوق کہ ہیروں کی قدر کر سکیں۔ ان کے تو سینگ بھی نہیں ہوتے کہ کوئی ہیرا ان پہ ٹانک لیں۔ اس ہیرے کو آپ کسی بادشاہ بلکہ شہنشاہ کے تاج کی زینت بنائیے۔"

اس نے احساس سے چھٹکارے کے لیے خود کو گدھا تک بنا لینا منظور کر لیا۔

"یقیناً" میں ایسا ہی کرتا۔ لیکن میں نے کہا تو ہے کہ اس فیصلے میں میری اپنی غرض بھی ہے اور شفیع کا بھی خیال ہے۔ اس کی زندگی میں اپنی اکلوتی بیٹی کے سوا ہے ہی کیا۔۔۔ بیوی کے بعد سب نے کتنا کہا کہ دوسری شادی کر لو' وہ نہ مانا میں نے اور تمہاری ماما نے یہاں تک زور دیا کہ احساس ہمیں دے دو' اس کی فکر مت کرو اور اپنی زندگی نئے سرے سے شروع کر لو' آگے ساری عمر پڑی ہے' تمہاری بیٹی کو ہم جان سے بڑھ کے عزیز رکھیں گے لیکن وہ کسی صورت رضامند نہ ہوا۔ احساس کے لیے اس نے اپنی زندگی میں ویرانی ہی ویرانی بھر لی اب بیچارہ کیسے حوصلہ کرے گا اپنی بیٹی کسی غیر کو سونپنے کے لیے۔ بیٹی سے جدائی کا غم تو سہنا ہی پڑے گا ساتھ میں اس کے مستقبل کے حوالے سے اندیشے الگ ستائیں گے اسی لیے میں نے سوچا کہ چلو تمہیں ہی آزمالیں۔ شفیع تمہیں مجھ سے بڑھ کر چاہتا ہے' اور پھر بھائی کے گھر بیٹی ہوگی۔ یہ سکون بھی اسے ملے گا۔ گھر کی بچی گھر میں ہی رہے گی۔"

"ڈیڈی' آپ اس کے لیے کوئی گھر داماد ڈھونڈ لیں۔" اس کے مشورے پہ رفیع الدین بھڑک کے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"تم سے تو بات کرنا فضول ہے۔ میں ہی پاگل تھا جو تم سے اتنا سیریس مسئلہ ڈسکس کرنے بیٹھ گیا۔ ابھی بڑے دعوے کر رہے تھے' بیٹے باپ کا سہارا ہوتے ہیں' یہ ہوتے ہیں' وہ ہوتے ہیں خاک سہارا بنو گے تم۔ دل کا بوجھ تک تو میں تمہارے ساتھ ہلکا نہیں کر سکتا۔" وہ کمرے سے نکل گئے اور اوج رفیع نے پھر سے ہیڈ فون سر پہ چڑھاتے ہوئے سی ڈی پلیئر آن کرنا چاہا پھر ایک دم سے اتار کر ایک طرف رکھتے ہوئے سوچنے لگا۔

"ڈیڈی تو دن بدن اس مسئلے پہ سیریس ہی ہوتے جارہے ہیں۔ مجھے اسے اتنا لائٹ نہیں لینا چاہیے لیکن میں کر ہی کیا سکتا ہوں سوائے بک بک کرنے کے اور وہ تو میں ہمیشہ سے کرتا آیا ہوں' کچھ سال پہلے تک ڈیڈی میرے بک بک کرنے پہ ایک آدھ طمانچہ جڑ کے مجھے خاموش کرا دیا کرتے تھے۔ (وقتی طور پہ) لیکن اب اگر وہ ایسا کرنے سے احتراز کرنے لگے ہیں تو اس کی وجہ کوئی اور ہوگی۔ (ہو سکتا ہے میرا چہرہ اب بچپن کی بہ نسبت زیادہ حسین بلکہ کیوٹ ہو چکا ہو اور ان کا اس پہ تھپڑ مارنے کا دل نہ چاہتا ہو اور یہ بھی ممکن ہے عمر زیادہ ہو جانے کی وجہ سے وہ جسمانی مشقت سے گریز کرتے ہوں) لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اگر وہ میری زبانی کلامی مزاحمت اور بڑبڑ کو سن اور برداشت کر لیتے ہیں تو ضرور اس سے اتفاق بھی کر لیتے ہوں گے۔ ٹھیک ہے کہ وہ اب جارحیت کا کم سے کم مظاہرہ کرتے ہوئے میری گستاخ بحث کو صرف گھوریوں اور تڑیوں سے روکنے کی کوشش کرتے ہیں اور کبھی کبھی تو سن کر درگزر بھی کر جاتے ہیں لیکن کرتے تو اپنی ہی ہیں میں تو صرف بول سکتا ہوں۔ زیادہ سے زیادہ چلا سکتا ہوں۔۔۔ ڈیڈی کو اپنی منوانے پر مجبور تو نہیں کر سکتا' اور اب جو انہوں نے انکل شفیع والی بات کی ہے تو یہ خطرہ بھی پیدا ہو گیا ہے کہ کہیں وہ بھی اس خطرناک پلاننگ کا حصہ نہ بن جائیں۔ رہی بی بی احساس تو انہیں بزرگوں کی خوشنودی حاصل کرنے کا کچھ زیادہ ہی احساس ہے' وہ تو اپنے ڈیڈی اور میرے ڈیڈی دونوں کی نظر میں مزید اچھا بننے کے لیے فوراً" سر جھکا دے گی۔۔۔ ہونہہ۔۔۔ تابعداری کے خبط بلکہ کومپلیکس میں مبتلا بے حس قسم کی خاتون جو صرف نام کی احساس ہے۔

بی بی، تمہارا کچھ کرنا ہی پڑے گا۔ جو بھی مجھ سے بن پایا وہ میں کروں گا ضرور، ڈوبنے والا آخر ہاتھ پھیر تو مارتا ہی ہے۔ میں اتنی آسانی سے ڈیڈی کے ہتھے نہیں چڑھوں گا۔ آخر کیا کرنا چاہیے مجھے۔۔۔ کیا کرنا چاہیے۔۔۔ اتنی عمر ہوگئی یہ کم بخت محبت بھی تو نہیں ہوئی کسی سے کہ اس کا نام لے کر ڈٹ جاؤں کہ شادی کرنی ہے تو صرف اسی سے ورنہ خودکشی۔ نجانے وہ کیسے لوگ ہیں جو دن دھاڑے محبت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ پہلی نظر میں ہی گھائل ہو جاتے ہیں۔ کتنی بار کتنی ہی لڑکیاں مجھے بھی دیکھنے میں اچھی لگیں لیکن پہلی تو کیا چوتھی، پانچویں حتیٰ کہ دسویں نظر میں بھی ہلکی سی خراش تک نہ آئی، گھائل ہونا تو بہت دور کی بات ہے پرسنالٹی بھی اچھی خاصی ہے پھر پتہ نہیں کیوں ہر خوبصورت لڑکی کو میں بھیا بھیا سا لگتا ہوں اور اس سے بھی عجیب بات یہ ہے کہ ہر حسین لڑکی مجھے آپا آپا سی لگتی ہے۔ اس لیے کسی لو اسٹوری کو بنیاد بنا کے تو یہ رشتہ رد کرنے کا کوئی امکان نہیں۔"

اس نے امکان نمبر دو کو **ریجیکٹ** کیا۔ امکان نمبر ایک تو پہلے ہی دھندلا چکا تھا کہ شاید احساس خود ہی منع کر دے، اب اس نے باقی امکانات کے بارے میں غور کرنا شروع کیا۔

"ماما اور ڈیڈی کے سر سے یہ بھوت اس طرح بھی اتر سکتا ہے کہ وہ خود ہی احساس کو ناپسند کر لیں لیکن انہیں اپنی لاڈلی سے بدظن کرنا مشکل ہی نہیں، ناممکن بھی ہے۔ نمبر تین بھی خارج از امکانات۔"

"ہاں مجھ سے بدظن ہونے میں انہیں دیر نہیں لگتی۔ ابھی کوئی آ کے ڈیڈی سے کہہ دے کہ دس منٹ پہلے میں نے حبیب بنک کی گلبرگ والی برانچ میں ڈاکہ بھی ڈالا ہے اور باغبانپورہ کی سڑک پہ کار کے نیچے کسی راہ گیر کو بھی کچلا ہے تو وہ بالکل یہ بھول جائیں گے کہ دس منٹ پہلے میں ان کے ساتھ اس گھر میں۔۔۔ ماڈل ٹاؤن میں بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔ اور اگر یاد رہا بھی تب بھی پورے وثوق سے کہیں گے "اس لڑکے سے کچھ بعید نہیں، یہ ہر نامعقول حرکت کر سکتا ہے۔ بیک وقت شہر کے تین مختلف کونوں میں موجود رہ کے کھلبلی مچا سکتا ہے۔"

یہ آسان طریقہ ہے یعنی کہ وہ مجھ سے اس حد تک بیزار ہو جائیں کہ احساس کو میرے پلے سے باندھنے کے بجائے زہر دے دینا پسند کریں۔

لیکن سوال یہ ہے کہ میں ایسا کروں گا کیوں؟ میں کیوں اپنی راہ میں کانٹے بکھیروں ڈیڈی کے دل میں اپنے لیے شک ڈالنا آسان ہے، پھر ساری زندگی اس شک کو دور کرتے رہنا مشکل ترین، یہ اوکھا کام ہے اس میں عمر بھر کی رسوائی بھی ہے اور ہاتھ بھی کچھ نہیں آنے والا۔ یہ نہ ہو کہ رد عمل میری توقع سے بڑھ کے شدید اور خطرناک ہو۔ میں صرف احساس سے بچنا چاہ رہا ہوں اور نتیجے کے طور پہ گھر، فیملی اور پراپرٹی تک سے بے دخلی کے نوٹس اخباروں میں شائع ہو جائیں۔" اس نے سختی سے خود کو اس تجویز پر عمل کرنے سے روکا۔

"خود کو مزید برا بنا کے پیش کرنے سے، بہتر ہے، خود سے قدرے بہتر بلکہ ہر لحاظ سے بہترین شخص کو سامنے لایا جائے تاکہ ڈیڈی، ماما، انکل اور خود احساس تک اس سے رشتہ جوڑنے پہ تل جائیں۔" اس نقطے پہ اس کا ذہن و دل۔۔۔ دونوں متفق ہو گئے۔

"لیکن یہ بہترین شخص کہاں سے دریافت کیا جائے۔" یہ بھی ایک مسئلہ تھا۔۔۔ "تیرا کچھ" (نکا) نہ رہے احساس۔۔۔" بلبلا کے وہ اسے کوسنے پہ مجبور ہو گیا۔

"میری سیدھی سادی بے فکری، انجوائے منٹ سے بھرپور لائف میں تو نے دھڑا دھڑ مسئلے گھسیڑ دیئے ہیں۔ اب کہاں سے لاؤں وہ شخص۔۔۔ ہائے وہ پرا کہاں سے لاؤں۔۔۔ تیرا دولہا جسے بناؤں۔" گنگناتے گنگناتے وہ سوچنے لگا۔

"بھاڑ میں جائے پرا۔۔۔ اگر دریافت نہ ہوا تو ایجاد کر لوں گا۔ خود ساختہ پرا۔" اس نے طے کر لیا۔

☆ ☆ ☆

"آنٹی میرے یار کے سہرے کے پھول کب کھلیں

گے؟" اس نے اسرار کی ممی سے بڑے حسرت آمیز لہجے میں دریافت کیا تھا۔

"کیوں بھئی؟ کیا تمہیں شادی بیاہ کے کھانے پہ سے پابندی ہٹنے کی اطلاع مل گئی ہے؟" اسرار نے مذاق میں اڑایا۔

"اچھا تو تمہارا خیال ہے میں صرف تمہارے "ویاہ" کے دال چاول کھانے کے لیے مرا جارہا ہوں۔" اسرار کا تعلق کشمیری نسل کے خالص بٹ گھرانے سے تھا جن کی دال چاول سے دلی و جذباتی وابستگی ضرب المثل ہے، حتیٰ کہ شادی بیاہ پہ دوسرے پر تکلف مرغن پکوانوں کے ساتھ ساتھ یہ ڈش بھی لازمی جزو ہوتی ہے۔

"تمہیں تو میرے خلوص کا اندازہ تک نہیں، کتنی شدت سے میرے اندر تمہارا گھر بس جانے کے ارمان مچل رہے ہیں۔"

"الٰہی خیر۔۔۔ یہ اوج رفیع صاحب تو آج بالکل کسی بڑھتی عمر کی دوشیزہ کے متفکر اور جذباتی مشرقی باپ کے سے ڈائیلاگ بول رہے ہیں مگر محترم دھیان رہے، میں آپ کی دختر نیک اختر نہیں ہوں۔"

"خیر وہ تو میں جانتا ہوں تم ان تینوں میں سے کچھ بھی نہیں، نہ تم دختر ہو نہ اختر اور نہ ہی نیک۔۔۔ لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ ہاتھ پیلے کرنے کا حق صرف دختروں، اختروں اور نیکوں کو ہوتا ہے۔"

"تو تم میرے ہاتھ پیلے کرنا چاہتے ہو۔۔۔ بہت خوب۔۔۔ مگر کیسے؟"

"ہلدی مل کے۔۔۔" وہ چڑ کے بولا۔ "ظاہر ہے کہ تمہاری شادی کروا کے۔۔۔ لیکن تم سے بحث کرنا فضول ہے۔ میں تو آنٹی سے بات کررہا ہوں ہاں تو آنٹی بتایئے ناں کہ کیا آپ کا جی نہیں چاہتا، آپ کے اکلوتے بیٹے۔۔۔"

"ایک منٹ اوج، میں اکلوتا کب ہوں، کیا ہوگیا ہے تمہیں؟"

"ہاں ہاں اللہ رکھے میرے چار پتر ہیں۔" آنٹی نے بھی اسے ٹوکا۔

"لیکن کنوارے کی حیثیت سے تو یہ ہی اکلوتا ہے۔ باقی تو "شدہ" ہو چکے ہیں۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ کیا آپ کا دل نہیں چاہتا، آپ کے اکلوتے، میرا مطلب ہے اکلوتے کنوارے بیٹے کا بھی گھر بس جائے۔ اس کے سہرے کے پھول پٹاپٹ کھل جائیں۔ ایک خوبصورت سی بہو آپ کے آنگن میں اترے اور آپ کے چھوٹے چھوٹے پوتے آپ کو دادی دادی کہتے پھریں۔"

"ارے بیٹا، میں تو تین بہوئیں لا کے ہی بھر چکی، رہے پوتے، تو سات کے سات میرے ہی سر پہ تو سوار رہتے ہیں۔ ماؤں کو تو سیر سپاٹے اور پلنگ توڑنے سے ہی فرصت نہیں ملتی۔"

"اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ میرا یار بے چارہ کنوارہ رہے گا، ہو سکتا ہے کہ آپ کی آخری بہو آپ کے سارے دلدر دور کردے۔"

"اللہ تمہاری زبان مبارک کرے۔ بس اب تو رفیعہ سے ہی امید ہے کہ اس نے اپنی بچی کی اچھی تربیت کی ہو۔"

"یہ رفیعہ کون محترمہ ہیں۔؟" اس کے کان کھڑے ہوئے۔

"میری چھوٹی بہن ہے اسی کی بیٹی ثانیہ اپنے اسرار کی ٹھیکرے کی مانگ ہے۔ بس اس کا بی اے مکمل ہو جائے تو اس فرض سے بھی سبکدوش ہو جاؤں۔"

انہوں نے انکشاف کیا۔ اوج کھا جانے والی نظروں سے اسرار کو دیکھنے لگا جو کینو کی پھانک نمک لگا لگا کر کھا رہا تھا۔

"تم نے کبھی بتایا نہیں کہ تم ایک عدد ٹھیلے کی مانگ بھی رکھتے ہو۔"

"ٹھیلے نہیں احمق، ٹھیکرے کی مانگ۔"

"وہی۔۔۔ وہی۔۔۔ پہلے کیوں نہیں بتایا؟" اس نے پھنکارتے لہجے میں پوچھا۔

"ایسی کوئی خاص بتانے والی بات تو نہیں تھی۔"

"اسرار۔۔۔" وہ دانت پیسنے لگا۔ "تم سچ مچ "پر اسرار" نکلے۔"

☆ ☆ ☆

وہ اس وقت اندرون شہر کے ایک پر رونق بازار کی خستہ حال سی کئی منزلہ بلڈنگ کے سب سے اوپر والے پورشن میں موجود ایک کابک نما کمرے کی حبس زدہ فضا میں دبکا بیٹھا تھا اس کے علاوہ اس مختصر سے کمرے میں سات اور نفوس بھی موجود تھے لیکن وہ اپنی وضع قطع سے ان سب سے الگ نظر آرہا تھا۔ اسے اس کمرے میں آئے پندرہ منٹ ہی گزرے تھے اور اس کے آنے کے بعد دو مزید افراد کا اضافہ ہوا تھا جب کہ وہ سخت پوریت کے عالم میں پہلے سے آئے پانچ افراد کی باری ختم ہونے کے انتظار میں تھا۔ ان سات میں دو مرد تھے جب کہ پانچ عورتیں تھیں۔ سب ایک دوسرے سے مختلف۔

اس نے اگر بتیوں اور لوبان کی خوشبو سے بھرے کمرے میں کھینچ کے سانس لی تو کچھ اور ناگوار سی لہریں بھی حس شامہ سے جا ٹکرائیں جن میں پسینے کی کھٹی کھٹی باس کے علاوہ روپے کی دو ملنے والی بیٹری کی بدبو بھی شامل تھی۔ اس کا جی الٹنے لگا۔ اس نے دھیان بٹانے کے لیے کمرے کا جائزہ لینا شروع کردیا۔ ہر دیوار پہ الٹے سیدھے نشانات لگے تھے۔ چھت پہ کاغذی پھولوں کی بیلوں کی قطاریں لٹکی ہوئی تھیں کہیں کہیں کچھ متروک سی زبانوں کے ٹیڑھے میڑھے رسم الخط میں نا فہم سی تحریریں آویزاں تھیں، ایک دیوار پہ حنوط شدہ ہرن کا سر تو دوسری پہ سالم الو کا حنوط مجسمہ لال لال آنکھوں سے گھور رہا تھا۔ سامنے کی دیوار سے ایک کھوپڑی دو عدد لمبی سی ہڈیوں کے درمیان ہونق سے انداز میں منہ کھولے شاید اسے ہی تک رہی تھی۔ اوج نے گھبرا کے سر نیچے جھکا لیا، پھر چور نظروں سے دائیں جانب دیکھا جہاں ایک اٹھارہ انیس سالہ لڑکا آستین اوپر کیے اپنا بازو سہلا رہا تھا۔ اوج نے غور کیا اس کے بازو پہ وہ نشان جو پہلی نظر میں کسی گہرے زخم کا نشان لگ رہا تھا دراصل کسی تیز دھار آلے کی مدد سے لکھا گیا ایک نام تھا "سلمیٰ" اس نے کھوجتے والی نظروں سے اس کم عمر لڑکے کے چہرے کو دیکھا جہاں ایک معصوم سی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

"ہوں۔۔۔ تو کچی عمر کی پہلی پہلی محبت کا شاخسانہ ہے۔ ضرور سنگ دل محبوب کو قدموں میں لانے کی خواہش کھینچ لائی ہوگی۔"

چٹائی پہ بیٹھے بیٹھے اس نے ذرا رخ بدل کے دوسری جانب جائزہ لیا۔ ایک متوسط قسم کا دکاندار ٹائپ درمیانی عمر کا شخص ریکارڈ توڑ جمائیاں لے رہا تھا۔ اور ہر جمائی کے ساتھ اس کے گہرے پیلے رنگ کے بڑے بڑے دانت اوج کے حواسوں پہ چبھ جاتے۔ چاروں خواتین شادی شدہ اور نچلے طبقے کی بدحال سی عورتیں نظر آرہی تھیں جب کہ پانچویں ایک نو عمر لڑکی تھی جو یقیناً طالبہ تھی اور اپنے اسکول یا کالج ٹائم میں چھپ چھپا کے یہاں آئی تھی۔ یہ اس کے یونیفارم اور ہاتھ میں پکڑی کتابوں اور فائل سے ظاہر ہو رہا تھا آس پاس کے جائزے سے مطمئن یا غیر مطمئن ہو کے اس نے اب سامنے نگاہ کی۔ سامنے کی دیوار کے ساتھ، کھوپڑی کے عین نیچے ایک اسٹیج سا بنا ہوا تھا۔ فرش سے کوئی ایک فٹ اونچا، چار فٹ چوڑا اور چھ فٹ لمبا اس پہ ایک بد رنگ سا بوسیدہ قالین کا ٹکڑا بچھا تھا، دو زرق برق بنارسی غلاف والے گاؤ تکیے تھے جن سے ٹیک لگا کے آنکھیں موندے اپنے عقیدت مندوں کے مسائل سننے میں مصروف وہ عامل بابا تھے جن کا یہ آفس، اڈہ یا ڈیرہ تھا۔ ہٹے کٹے، تنومند سے بابا کہیں سے بھی "بابا" نہیں لگ رہے تھے، اگر بالوں کا جھاڑ جھنکار کم کردیا جاتا، کلین شیو کردی جاتی اور جینز پہنا دی جاتی تو یقیناً یہ حضرت پینتیس چالیس سے اوپر نظر نہ آتے لیکن اس وقت بابا بنے اچھی خاصی عمر رسیدہ خواتین سے قدم بوسی کروا رہے تھے۔ موٹی موٹی زلفیں میل اور تیل سے چپکی پڑی تھیں۔ رنگ اڑے بالوں کی یہ لمبی لمبی لٹیں چوڑے شانوں پہ گری ہوئی تھیں۔ گہرے سیاہ چم چم کرتے ریشمی چغے پہ سبز چادر اوڑھ رکھی تھی۔ گلے میں منکوں، سیپیوں، پھولوں اور نگینوں سے بنی کئی مالائیں جھول رہی

تھیں۔ موٹی موٹی انگلیوں میں موٹی موٹی انگوٹھیاں جی بھر کے پھنسائی گئی تھیں۔ لال لال آنکھیں کبھی کھلتی، کبھی بند ہوتیں، کبھی گول گول گھومتیں، اوج کو اس پہ نئے سرے سے غور کرنے کے بعد ہنسی آگئی۔

"بابا جی، کچ کرو، میرا بندہ بڑا ہی "ڈاڈا" (سخت) ہے۔ روز مار کٹائی روز گالم گلوچ، مار مار کے۔ میرا بھرتہ بنا دیتا ہے۔" ایک عورت نے فریاد کی۔ ساتھ ہی اپنے سوجے ہوئے رخساروں پہ پڑے نیل کے نشانات دکھائے۔

"ظالم کو خدا برباد کر دیتا ہے، ایسا تعویذ دوں گا، تجھے مارنے کے لیے اٹھا ہاتھ ٹوٹ کے نیچے آگرے گا۔ جو لات تیری پیٹھ پہ برستی ہے، لنگڑی ہو جائے گی، جس زبان سے تجھے گالی دے۔۔۔"

"ناں ناں بابا جی۔۔۔ اتنا جلال نہ کرو۔" وہ بے چاری دہل گئی۔ "میرے سر کا سائیں ہے، میرے چھ نمانوں (بچوں) کا ابا، لولا لنگڑا بندہ میرے کس کام کا، جھلے مارتا پیٹتا ہے۔ رات کو روٹی تو لا دیتا ہے، بازو، ٹانگ ٹوٹ گئی تو منجی پہ لیٹا لیٹا کیا مزدوری کرے گا؟"

"تو پھر جا۔۔۔" بابا جی دھاڑے۔ "جا، جا کے دن بھر مار کھا اور رات کو روٹی کھا، بابا کے پاس کیا لینے آئی ہے۔"

"بابا جی ذرا ہتھ ہولا رکھ کے تعویذ بناؤ، کچھ نرم سا ٹوٹا کرو جی۔۔۔ بس زیادہ نہ مارا کرے۔ چلو ہفتے میں ایک ادھ باری تو گزارا ہو جاتا ہے لیکن روز روز مار کھانے کے بعد پھر گھر کے کام کاج نہیں ہوتے۔ منہ پہ نشان بھی پکے ہو گئے ہیں۔" اوج نے ٹھنڈی سانس بھر کے اس "صابر و شاکر" عورت کو دیکھا اور زیر لب گنگنایا۔

"دل ہے چھوٹا سا، چھوٹی سی آشا۔"

واقعی یہ چھوٹی سی خواہش ہی تو ہے کہ یہ خاتون فقط اتنا چاہتی ہیں کہ مار کٹائی کا یہ پروگرام بلا ناغہ اور روزانہ ہونے کے بجائے ہفتہ وار ہو جائے تاکہ وہ گھریلو امور بغیر کسی رکاوٹ کے انجام دے پائیں، ہک ہا۔۔۔

"بابا جی میری زنانی بڑی بدزبان ہے۔" پیلے دانتوں والے دکاندار ٹائپ انسان نے اپنا دکھڑا رویا۔ "آپ کسی قسم کی رعایت نہ کریں، بے شک بازو توڑ دیں، ٹانگ توڑ دیں، اس ہتھنی نے کون سا مزدوری کرنی ہے وہ تو مجھے ایک وقت کی روٹی تک نہیں پکا کے کھلاتی۔ میری ساری کمائی پچھلوں کو کھلا آتی ہے ڈائن، پچھل پیری۔"

"بڑا سخت تعویذ دوں گا، ایسی شوگر کرا دوں گا، ایک دانہ چینی کا کھانے کو ترسے گی۔ فالج کا ایسا حملہ کراؤں گا منہ ٹیڑھا کر کے بھی ایک لفظ نہ بول سکے گی۔ روز دل کا ایک سے ایک سخت دورہ پڑے گا۔"

"ناں بابا جی، اتنی بیماریاں لگا دیں تو میرا تو اور خرچہ بڑھ جائے گا۔ آپ بس ایک ہی دفعہ خرچہ کروائیں اور کوئی سخت ترین تعویذ دے کے کام بھی مکا (ختم) دو، میں اس سے "نکوں نک" (سخت تنگ) ہو چکا ہوں۔"

"الو کے خون سے موت کا تعویذ لکھنا ہو گا۔ چھ ہزار لگیں گے۔" بابا جی نے ریٹ بڑھائے۔

"چار میں کام نہیں ہو سکتا۔" وہ دکاندار لگتا ہی نہیں تھا۔ واقعی تھا، اسی لیے بارگیننگ پہ اتر آیا۔

"جیتا جاگتا بندہ ہٹا دینا آسان کام نہیں کچھ ہزار سے پیسہ کم نہیں ہو گا۔"

"چلیں جی، نہ آپ کی بات نہ میری، پانچ ہزار میں سودا پکا۔" وہ بھی اپنی طرز کا ایک ہی تھا۔

"گستاخ، بابا سے حجت کرتا ہے، میری زبان سے ایک لفظ نکل گیا تو ایسی دو زنانیاں اور بھگتنی پڑیں گی۔"

"ناں جی ناں۔۔۔ معاف کرنا بابا جی۔ چھ ہزار ہی دے دوں گا۔ بس ایسی بددعا نہ دیں جی۔۔۔ بس یہ موٹا کانٹا نکل جائے تو پھر آپ کے پاس ہی آنا ہے، دوسری سوہنی سی ملوک دوشٹی بھی آپ کی دعا سے ہی ملنی ہے۔" وہ دانت نکوستا بابا کے گھٹنے کے نیچے ہزار ہزار کے چھ نوٹ رکھ کے چلا گیا۔

"کیا بات ہے باؤ، صرف دیدار کرانے آئے ہو۔ عرض بیان نہیں کرو گے؟" بابا کے ایک چیلے نے اسے ٹہوکا دیا۔

"ہاں۔۔۔ ہاں۔۔۔ جی۔۔۔" وہ چونک کے آگے کھسکا۔

"کہو، کیا ہے؟" شاہانہ انداز میں دریافت کیا گیا۔

"وہ بابا جی۔۔۔ ایک لڑکی ہے۔"

"تمہیں چاہیے؟"

"ہیں۔۔۔؟ کیا مطلب؟ لاحول ولا۔۔۔ میرا مطلب ہے ہرگز نہیں۔" وہ بوکھلا بوکھلا گیا۔ پہلے تو سمجھ ہی نہیں پایا بابا جی۔۔۔ "چاہیے" سے کیا مراد کر رہے ہیں۔ لڑکی نہ ہوئی، لالی پاپ ہو گئی۔

"تو پھر کیا ہے؟ اچھا اچھا۔۔۔ محبت کرتے ہو اس سے۔"

"محبت۔۔۔ شدید نفرت کرتا ہوں۔"

"ہوں۔۔۔ تو بے وفا نکلی وہ۔۔۔ سزا دلوانا چاہتے ہو۔ ایک تصویر لا کر دو اس کی۔ ایسا دم پھونکوں گا، گلیوں میں دیوانی ہو کے پھرے گی۔ جس حسن کے غرور میں تمہیں ٹھکرایا ہے وہ حسن بھسم کر دوں گا۔ چہرہ کالا ہو جائے گا۔"

"خدا کا واسطہ ہے بابا جی، یہ غضب نہ کیجئے گا۔ ورنہ تو پھر یہ کالے چہرے والی دیوانی بلا میرے ہی سر منڈھی جائے گی۔ جب کہ میں چاہتا تھا کہ وہ کسی شہزادے کو پسند آجائے۔"

"کیا اول فول بک رہے ہو، باؤ، بابا کا وقت بہت قیمتی ہے۔"

"میں صرف اتنا چاہتا ہوں کہ وہ لڑکی جو میری چچازاد ہے، اس کا رشتہ جلد از جلد کسی اچھی جگہ طے ہو جائے اور وہ اتنا اچھا رشتہ ہو کہ اس کے بڑے بلا کسی چوں چرا کے اس کی شادی فوراً ہی اس لڑکے سے کر دیں۔"

"بس۔۔۔؟" بابا نے بے یقینی سے پوچھا، پھر اثبات میں جواب ملنے پہ بے دلی سے سر ہلایا۔

"یہ کیا کام ہوا؟ چل بھاگ لڑکے، بابا نے کبھی کوئی ایسا "ھولا" (ہلکا) کام نہیں کیا جس میں نہ مزا نہ سواد۔ بابا مشکل مشکل کام کرتا ہے، جس میں اس کا کالا علم استعمال بھی ہوتا ہے۔ یہ اچھا رشتہ کروانا میرا کام نہیں۔ میں کیا تجھے "وچولن" (رشتہ کرانے والی) نظر آتا ہوں۔ بھاگ جا ادھر سے۔" عامل بابا کا تو موڈ ہی خراب ہو گیا۔

"آرام سے بابا آرام سے۔" اوج کا پارہ ہی چڑھ گیا۔

"سیدھی طرح کہو، ایسا کام نہیں کر سکتا جس میں کسی کا بھلا ہوتا ہو۔ ٹانگیں تڑانے، فالج کروانے میں تو بڑے شیر ہو، کسی کا گھر بساتے ہوئے شرم آتی ہے۔"

"اوئے بدتمیز، تیری موت آئی ہے کیا؟"

"استغفار، استغفار۔۔۔" ہر طرف سے اسے پھٹکار ملنی شروع ہو گئی۔

"بھسم ہو جائے گا۔ بابا کے ساتھ مسخری کرتا ہے، برباد ہو جائے گا۔ بابا چاہے تو تیری دنیا بدل دے۔" بابا نے دھمکی دی۔

"پہلے بابا اپنی جراب تو بدل دے۔" باہر نکلتے اوج نے رک کر عامل بابا کے پھٹے ہوئے موزے سے جھانکتے میلے انگوٹھے کی طرف اشارہ کیا۔

☆ ☆ ☆

رشتوں کے بھی رنگ بدلتے ہیں
نئے نئے سانچے میں ڈھلتے ہیں

اسٹار پلس پہ احساس کا فیورٹ ڈیلی سیریل شروع ہو چکا تھا اور وہ گلوکارہ کی آواز میں آوازیں ملا کے تھیم سانگ گنگنا رہی تھی۔ ساتھ ساتھ تکیے کے غلاف پہ کڑھائی کا شغف بھی جاری تھا۔ اوج کے کان کھڑے ہو گئے۔ اسے لگا جیسے وہ اس گیت کے بولوں سے اسے کچھ باور کرانا چاہتی ہو۔ "رشتوں کے بدلتے رنگ۔۔۔ نئے نئے سانچوں میں ڈھلنا۔۔۔ ہوں تو محترمہ کو بھی ڈیڈی کے ارادوں کی سن گن مل گئی ہے، لگتا تو ایسا ہی ہے۔"

"بھونے جانا ہے، سا سونے مانا ہے۔
کیونکہ ساس بھی کبھی بہو تھی۔۔۔"

اوج کے کانوں تک اس کے الفاظ کمال تخیل بازی سے کچھ اس طرح پہنچے "کیونکہ ساس بھی کبھی تائی تھی۔"

"ہرگز نہیں۔۔۔" وہ چلا اٹھا۔

"تمہارے کہنے سے کیا ہوتا ہے۔ ہوگا تو وہی جو تقدیر میں لکھا ہے اور تم شرط لگالو یہ شادی ہو کے رہے گی۔" ماما نے اس کے ہرگز نہیں کو کسی خاطر میں نہ لاتے ہوئے کہا۔

"کس کی شادی؟" وہ اس صاف اعلان پہ حیران پریشان رہ گیا۔

"گنگا اور ساحل کی۔"

"لاحول ولا۔۔۔ ان چیپ ڈراموں کے سوا آپ کو کچھ سوجھتا بھی ہے؟ ہماری عوام پاکستانی فلموں کی یکسانیت اور گھسے پٹے ہونے کا رونا تو ہر وقت روتی ہے لیکن ان انڈین ڈراموں کی شیدائی ہے۔ کیا ان کے ڈراموں کے گھسے پٹے اور ایک جیسے موضوعات کسی کو نظر نہیں آتے۔ ہر وقت شادی بیاہ۔۔۔ اس کی منگنی ٹوٹ گئی۔ اس کا پتی کسی اور کے چکر میں۔۔۔ فلاں کی پتنی کا گم گشتہ عاشق دوبارہ منظر عام پہ۔۔۔ وغیرہ وغیرہ' ان سے تو ہمارے ڈرامے ہزار درجے اچھے ہیں۔ ہزار طرح کے موضوعات ہوتے ہیں' ایک عام آدمی کے روزمرہ مسائل سے لے کر ـــــ سماجی اور معاشی موضوعات بھی' جب کہ انڈیا جس کی آبادی کا چالیس فیصد حصہ فٹ پاتھ پہ سوتا ہے اور پچانوے فیصد آبادی متوسط سے بھی نچلے درجے کی ہے' وہ اپنے ڈراموں میں ایسا ماحول دکھاتے ہیں جیسے وہاں ہر بندہ ہی پیدائشی نواب ہو۔ بڑے بڑے بنگلے' کولڈن' سلور چھچھورا سا فرنیچر' لمبی لمبی گاڑیاں' ماڈرن بے باک لڑکیاں۔۔۔ کروڑ دو کروڑ کی تو بات ہی نہیں کرتے ہمیشہ دو ہزار کروڑ کے ہیرے گم ہو جاتے ہیں' چھ سو ارب کی مالیت کی پراپرٹی کے تنازعے کھڑے ہوتے ہیں۔ لعنت ہے بھئی ان ڈراموں پہ' اور ان میں دکھائے جانے والے واہیات کلچر پہ۔"

"تو تم نہ دیکھو۔۔۔" ماما بگڑ کے بولیں' احساس البتہ خاموش بیٹھی سن رہی تھی۔

"آپ بھی مت دیکھا کیجئے۔ اور اگر دیکھنا بہت ضروری ہے تو خدا کے لیے انہیں اپنے حواسوں پہ سوار مت کیجئے۔ ہر وقت گھر میں گنگا کی شادی کا مسئلہ یوں ڈسکس ہوتا ہے جیسے وہ میری پھوپھی کی بیٹی ہو۔ آرادھنا کی مظلومیت کے رونے اٹھتے بیٹھتے یوں روئے جاتے ہیں جیسے اس کی ہائے خدانخواستہ ہمیں ہی تو لگنے والی ہے۔ پلوی کو بے نقط یوں سنائی جاتی ہیں جیسے وہ ہماری "میچ" (بھینس) کھول کے لے گئی ہو۔ اور استغفار۔۔۔ ان ڈراموں میں تقریباً" ہر قسط میں وہ جو بھجن گائے جاتے ہیں۔۔۔ کبھی ان کی آواز ہی بند کر دیا کریں۔ مسلمانوں کا گھر ہے اور آوازیں گونج رہی ہوتی ہیں کالی ماتا کی جے جے کار کی۔ دیکھ لیجئے آج آپ ٹائٹل سونگ گا رہی ہیں کل کسی دن بے دھیانی میں جے سنتوشی ماں الاپ رہی ہوں گی۔"

"ہائے ہائے اللہ نہ کرے۔۔۔ نعوذ باللہ۔۔۔ ویسے بیٹے' کہتے تو تم ٹھیک ہو لیکن یہ تو بتاؤ کیا تم تبلیغی جماعت میں شامل ہو گئے' کہیں رائے ونڈ تو نہیں جانے لگے۔؟" ماما نے رازداری سے پوچھا اور دیر سے لاؤنج کے دروازے پہ کھڑے یہ ساری ڈسکشن سنتے ڈیڈی نے بالآخر انٹری دی۔

"ہاں تو اگر جانے بھی لگا ہے تو اس میں اعتراض والی کیا بات ہے۔ آج زندگی میں پہلی بار میں نے اپنے سپوت کے منہ سے چند اچھی باتیں سنی ہیں۔ اگر یہ کسی تبلیغی جماعت میں شامل ہونے کا اثر ہے تو میں دعا کرتا ہوں یہ زندگی بھر اس سے منسلک رہے۔ رہی بات رائے ونڈ کے اجتماع میں شامل ہونے کی تو بیگم ہماری نئی نسل بہت باشعور ہو چکی ہے' وہ جو پچھلی نسلیں ملا ازم کے بارے میں منفی پروپیگنڈہ کر گئی تھیں' نئی نسل اس ڈھکوسلے اور سازش سے آزاد ہو چکی ہے۔ اس میں مذہب کے بارے میں جاننے کی لگن بڑھتی جا رہی ہے۔ بہت سے نوجوان مختلف تبلیغی جماعتوں سے منسلک ہو کے دینی اور دنیاوی زندگی میں توازن پیدا کر رہے ہیں۔ اب تو رائے ونڈ کے تبلیغی اجتماع میں بہت سے پاپ سنگرز اور اداکار تک شامل ہوتے ہیں۔ میں تو پہلے ہی یہ انڈین ڈراموں کے خلاف ہوں۔ پتا نہیں تم عورتوں کو کیا چسکہ ہے۔"

"اور کیا؟ میں بھی تو سمجھا رہا تھا انہیں۔" اوج نے ڈیڈی کی حمایت پا کر مزید شیر ہوتے ہوئے احساس کے نزدیک پڑا ریموٹ کنٹرول اٹھا لیا۔

"درجنوں چینلز ہیں' بندہ کچھ بھی دیکھ لے۔۔۔ HBO ہے' اسٹار موویز' موویز نیٹ' ایم ایم۔۔۔ فیشن ٹی وی۔۔۔" اس نے کئی انگلش چینلز کے نام گنواتے ہوئے چینل' پہ چینل بدلا اور سوئے اتفاق' ہر چینل پہ ایک سے بڑھ کے ایک تباہ کن سین نظر آیا۔ صد شکر کہ ماما اس بحث سے بور ہو کے کچن چلی گئی تھیں اور احساس نے مایوس ہو کے ساری توجہ کڑھائی کے ٹانکے پر مرکوز کر لی تھی۔ اوج کے سر پر ڈیڈی نے ایک زوردار چپت رسید کی۔

"ناہنجار۔۔۔ میں سمجھ رہا تھا میرا بچہ بڑا بیبا ہو گیا ہے' بے حیا کو یہ سب دیکھنا تھا' اسی لیے ماں سے الجھ رہا تھا۔ اس منافقت سے تو بہتر ہے کہ انسان کم بڑی برائی کو ہی تسلیم کر لے۔ اتنی اچھی اچھی باتیں کر کے ضرور میرے دل کو خوش فہمی میں مبتلا کرنا تھا کہ میرا بیٹا اب سدھر چلا ہے' وہ بھی عقل و شعور کی باتیں کر سکتا ہے۔ فریب دے رہا تھا ماں کو' اسے ہندوؤں کے ڈرامے دیکھنے پر باتیں سنا رہا ہے اور خود ان ننگ دھڑنگ انگریزوں کو دیکھنے کے لیے مچل رہا ہے۔"

"ڈیڈی۔۔۔ یہ تو بس اتفاق سے۔۔۔ اوہو۔۔۔ میری گردن تو چھوڑیں' پلیز ڈیڈی میں سچ کہہ رہا ہوں۔ یہ میرے خلاف سازش ہے' ان سب چینلز کی۔" اس نے فریاد کی اور واقعی یہ سچ بھی تھا' ایسا لگ رہا تھا جیسے سب نے مشترکہ طور پر ایک سازش کے ذریعے قابل اعتراض سین چن چن کر اس موقع کے لیے سنبھال کر رکھے تھے تاکہ اسے ڈیڈی کے سامنے شرمندہ کر سکیں ورنہ وہ جب اکیلا ہوتا تھا تو چینل بدل بدل کے تھک جاتا تھا' کسی ایسے ویسے سین کی آس میں۔۔۔ مگر سب میموں نے گویا قسم کھا رکھی ہوتی تھی' کس کے پورے کپڑے پہننے کی اور سارے حضرات بھی اپنی اپنی معشوقوں سے یوں گز بھر کے فاصلے پر کھڑے ہوتے تھے گویا کوئی چھوت کا مرض لاحق ہو گیا ہو انہیں' اور آج۔۔۔ آج بے واچ بھی لگا ہوا تھا' امریکن بیوٹی بھی چل رہی تھی اور سوئیٹ تھنگ بھی۔۔۔

"ہائے ہائے۔۔۔ آج ہی لاؤنج میں جمگھٹا لگنا تھا۔"

☆ ☆ ☆

"اوج بیٹا! کیا کر رہے ہو' فارغ ہو؟" انکل نے اسے لان میں دھوپ سینکتے دیکھ کے پوچھا۔ جواب اخبار پڑھنے میں مصروف ڈیڈی نے دیا۔

"کوئی ایسا ویسا فارغ' کمال درجے کا فارغ۔۔۔"

"جی انکل! کہیے۔" اس نے ڈیڈی کے اشتعال انگیز فقرے کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

"احساس کی کسی دوست کے گھر بسنت فنکشن ہے' میں تو بھیجنا نہیں چاہ رہا تھا' اس لیے اس کے اجازت مانگنے پر انکار کر دیا۔ انجان لوگ ہیں' اس لڑکی کی تو عادت ہے ہر کسی سے دوستانہ گانٹھنے کی۔۔۔ چلو شادی بیاہ کا فنکشن ہو تو اور بات ہے' اب اس بے ہودہ سے تہوار کے لیے کیسے کسی انجان گھر میں دن بھر کے لیے بھیج دوں' جہاں لونڈے لپاڑے بھی جمع ہوں گے۔"

"یہ تو تم نے ٹھیک کیا شفیع۔۔۔ خیر اب مسئلہ کیا ہے؟" ڈیڈی نے اخبار ایک طرف رکھتے ہوئے ان کی الجھن کی وجہ دریافت کی۔

"مسئلہ اب یہ ہے کہ اس کی دوست کے صبح سے فون پر فون آ رہے ہیں' بھابی سے بھی بات کر چکی ہے' مجھ سے بھی سفارش کر چکی ہے' اس کا کہنا ہے کہ میں نے احساس کو فیملی سمیت انوائٹ کیا ہے اور یہ ہمارا فیملی فنکشن ہے۔ میری ساری فرینڈز اپنی اپنی فیملی کے ساتھ آ رہی ہیں' اس لیے آپ سب بھی احساس کے ساتھ ضرور آئیے۔۔۔ اب ظاہر ہے میرا تمہارا اس نوجوانوں کے فنکشن میں کیا کام۔ بھابھی کا بی پی ہائی ہے۔۔۔ احساس کا اترا ہوا چہرہ دیکھا نہیں جا رہا۔ تمہیں پتا تو ہے وہ اپنی سہیلیوں پر مرتی ہے' گھر بیٹھی کلستی رہے گی' اس لیے اگر اوج ڈیڑھ دو گھنٹہ کے لیے وہاں

اس کے ساتھ چلا جائے تو مجھے تسلی رہے گی۔ بچی کا دل بھی برا نہیں ہوگا۔"

"اور جو میرا دل برا ہوگا' بو کاٹا' بو کاٹا سن کے۔" اوج نے ناک چڑھائی۔

"کون سا سارے دن کے لیے جا رہے ہو' چلے جاؤ... ایک دو گھنٹے کی تو بات ہے۔"

احساس کا کوئی مسئلہ ہو اور ان دونوں بھائیوں کا دل نہ پسیجے... یہ تو ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ اوج کو سخت تاؤ آیا۔

"ابھی کل تک تو یہ بسنت' یہ پتنگیں... یہ سب آپ کو بے ہودگی اور لچر پن لگتا تھا' آج کیسے خود مجھے بھیج رہے ہیں؟"

"میں وہاں تمہیں پیچ لڑانے کے لیے نہیں بھیج رہا' بس احساس کو لے جانے اور لانے کی ذمہ داری سونپ رہا ہوں اور وہ بھی کوئی پتنگ بازی کا شوق پورا کرنے نہیں جا رہی۔ کالج کی چھٹیاں ہیں' گھر بیٹھی بیٹھی اداس ہو گئی ہے۔ ذرا مل لے گی تو دل بہل جائے گا۔ لڑکوں کا کیا ہے' انہیں تو یاروں کے ساتھ ملے گلے سے فرصت ہی نہیں ملتی۔"

"کیا خاک ہلا گلا کرنا ہے' کسی بھی دوست کے گھر فنکشن ہو' آپ کی طرف سے کبھی اجازت ملی ہے؟" اس کے پچھلے سارے زخم تازہ ہو گئے تھے' احساس کو بسنت پارٹی جانے کی اجازت ملنے کا سن کر۔

"تم جیسوں کو اجازت نہیں ملا کرتی۔" وہ ہمیشہ کی طرح اس کے بے دھڑک جرح کرنے پر غصے میں آ گئے۔

"تمہارے جیسے "اتھرے" (بے قابو) لڑکوں کو لگامیں ڈال کے رکھنا مجھ جیسے مجبور باپ کی مجبوری ہے۔ اتنی سختی کے بعد تمہارا یہ حال ہے کہ ذرا ذرا سی بات پر باپ کے آگے تن کے کھڑے ہو جاتے ہو سوال جواب کرنے تو ذرا ڈھیل دینے کے بعد تم کتنی ترقی کرو گے۔"

"بس بھی کیجیے بھائی جان! جوان بیٹا ہے' آپ تو بچوں کی طرح ڈپٹنے لگتے ہیں۔" انکل نے سفارش کی۔

"بچوں کی طرح نہیں انکل! یہ مجھے جوان بچی کی طرح ٹریٹ کرتے ہیں۔ کہیں مجھے کسی کی میلی نظر نہ لگ جائے' کہیں مجھے خراب زمانے کی ہوا نہ لگ جائے... اس لیے سنبھال سنبھال کے رکھتے ہیں سات پردوں میں۔"

"خوش فہمی ہے تمہاری برخوردار! تمہیں سنبھال کے رکھنے کا میرا مقصد یہ نہیں کہ کہیں تمہیں زمانے کی ہوا نہ لگ جائے بلکہ مجھے ڈر ہوتا ہے کہیں زمانے کو تمہاری ہوا نہ لگ جائے۔ وہ اور ہوتے ہیں جن کے بگڑنے کا اندیشہ ہوتا ہے والدین کو... تم ماشاءاللہ ریڈی میڈ ہو... تم کہیں جاؤ تو مجھے بھی خطرہ ہوتا ہے کہ دس بارہ بندے خراب نہ کر آؤ۔"

"دیکھا انکل... یعنی حد ہوتی ہے بدگمانی اور بے اعتباری کی بھی۔" وہ منہ پھلا کے ایک طرف بیٹھ گیا۔

"اگر ایسی ہی بات ہے تو اب مجھے کیوں باہر نکال رہے ہیں' یونہی گوشہ نشین بلکہ نظربند رہنے دیں۔ کیوں معاشرے میں بگاڑ پیدا کرتا ہے۔"

"بھائی جان کی تو عادت ہے' تم کیوں دل پر لیتے ہو' پتا بھی ہے کہ وہ ایسے ہی تمہیں چڑانے کو چھیڑ چھاڑ کرتے رہتے ہیں۔"

"کمال ہے' میں کیا ان کی منگیتر ہوں جو یہ مجھ سے چھیڑ چھاڑ کرتے ہیں۔" وہ جلے ہوئے انداز میں بولا تو ڈیڈی اور انکل دونوں کے قہقہے چھوٹ گئے۔

☼ ☼ ☼

عجیب سا فنکشن تھا' پیلا پیلا... یرقان زدہ سا... لان میں کرسیاں بچھی ہوئی تھیں' ان پر بھی پیلا کپڑا چڑھا تھا' ان کے ایک طرف لمبی لمبی میزیں سجی تھیں جن پر باوردی ویٹر گرما گرم تکے' کباب لا کے رکھ جا رہے تھے۔ ذرا بڑی عمر کے خواتین و مرد حضرات کرسیوں پر بیٹھے دھوپ سینکتے ہوئے گپ شپ کر رہے تھے' بچے کھیلتے پھر رہے تھے۔ سب کی سب لڑکیاں کوٹھی کے اندرونی حصے میں کہیں غائب تھیں

اور تمام لڑکے چھت پر چڑھے ہاہاکار مچا رہے تھے۔ وہ بھی اپنی کرسی ایک طرف چھاؤں میں رکھے بیٹھا تھا اور کبھی چھت پر' کبھی نیچے نظر دوڑاتا ہوا ٹائم پاس کر رہا تھا۔ پتنگ بازی اسے آتی نہیں تھی اور نہ کسی سے واقفیت تھی کہ بات چیت کر کے ہی وقت گزار دیتا۔ یونہی بور ہوتے ہوئے تقریباً ایک گھنٹہ گزر گیا۔ اس نے گھڑی دیکھی اور طے کر لیا کہ بس دس پندرہ منٹ بعد وہ احساس کو واپس جانے کے لیے بلوا لے گا۔ مزید ایک گھنٹہ رکنے کا اس کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ کھانا وہ کھا چکا تھا بلکہ پہلی فرصت میں ہی نمٹا چکا تھا۔

"تم! آنٹی نصرت کے بیٹے ہو ناں؟" ایک خوش لباس سے نوجوان نے چکن تکے سے لبالب بھری پلیٹ ہاتھ میں لے کر اس کے برابر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں۔"

"اچھا تو پھر حسنات چچا کے داماد ہو؟ بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔ نائلہ میری چھوٹی بہن کی طرح ہے لیکن افسوس میں اس کی شادی پر آ نہ سکا' چھٹی ہی نہیں مل سکی۔ خیر... اب تو ملاقات ہو گئی بھائی جان۔" وہ نیازمندانہ اسٹائل میں اس کا ہاتھ تھامے ہوئے برخورداری جھاڑنے لگا۔ اوج کو داماد داماد سا محسوس کر کے اپنا آپ معتبر سا لگنے لگا۔ اس نے سامنے بیٹھے مہذب سے نوجوان کو دیکھا جو زبردستی اس کا سالا ہونے کا شرف حاصل کر رہا تھا۔

"نائلہ بی بی جو بھی ہیں' میری بھی بہن کی طرح ہی ہیں۔"

"ہیں؟... تو پھر آپ... معاف کیجیے گا میں آپ کو پہچانا نہیں۔" اس نے ہاتھ چھوڑنے میں ایک منٹ کی دیر نہیں لگائی۔

"اس میں معافی مانگنے والی کون سی بات ہے' آپ میں اور مجھ میں پرانا یارانہ ہوتا یا میں آپ کی "ماسی کا پتر" ہوتا اور پھر بھی آپ مجھے پہچاننے سے انکار کر دیتے تو شرمندگی والی بات تھی' آپ کا معافی مانگنا جائز بھی ہوتا' البتہ میں معاف کرتا یا نہیں' وہ الگ بحث ہے لیکن اب جب کہ ہم شرطیہ پہلی بار ایک دوسرے سے مل رہے ہیں تو میرے خیال میں آپ کا مجھے اور میرا آپ کو نہ پہچاننا کوئی ایسی قابل گرفت بات نہیں ہے۔"

"یار! تم ہو کون؟ بندے دلچسپ ہو؟" آپ جناب منٹ میں غائب ہو گیا۔

"میری کزن اپنی دوست کی طرف سے یہاں انوائٹ ہے اور میں... یوں سمجھ لو اس کا گارڈ پلس ڈرائیور ہوں۔ میرا خیال ہے کہ تم بھی ان میں سے نہیں ہو' اسی لیے الگ تھلگ نظر آ رہے ہو۔"

"یار بس... ہوں بھی اور نہیں بھی... پہلے اسٹڈیز کی وجہ سے ہاسٹل میں رہتا تھا' اس لیے فیملی سے زیادہ قریب نہیں رہا' اب پچھلے چار سال سے آسٹریلیا میں مقیم ہوں۔ کسی کو پہچانتا ہوں' کسی کو نہیں۔ ویسے یہ میرے پاپا کے فرسٹ کزن کا گھر ہے اور یہاں تمام تر بوریت کے باوجود میرے ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ میری بہن کا سسرال بھی ہے۔ آسمان پر رنگ برنگی پتنگیں دیکھنے میں اچھی لگتی ہیں مگر اڑانے کا تجربہ کبھی ہوا نہیں' اس لیے بس بیٹھ کے وقت گزار رہا ہوں۔ کزنز سے اچھی خاصی ہائے ہیلو ہے اور اگر نہ بھی ہو تو کرنے میں کون سا دیر لگتی ہے مگر تم دیکھ رہے ہو کہ سب کے سب کتنے مصروف ہیں۔ ایسے میں تم مجھے اپنی طرح لگے' بیزار بیزار سے... سوچا کچھ تمہاری بیزاری دور کی جائے' کچھ اپنی۔"

وہ باتونی سا سادہ مزاج شخص منٹوں میں اوج کا دوست بن گیا۔ باتوں میں وقت کے گزرنے کا پتا ہی نہیں چلا۔ وہ تو جب احساس نے کسی بچے کے ہاتھ پیغام بھجوایا کہ ڈیڈی کا دو بار فون آ چکا ہے' اب واپس چلنا ہے... تو اسے ہوش آیا۔ غازی کے ہمراہ نیچے اترتے ہوئے یہ خیال اس کے دماغ میں دور دور تک نہیں تھا مگر جب غازی نے احساس کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے سلام جھاڑا تو اس کے دماغ میں گھنٹی سی بجی اور پھر جب وہ اوج اور احساس کو باہر تک چھوڑنے کے لیے جاتے جاتے راستے میں رک کے اپنی فیملی سے ان کا تعارف کرانے لگا تو گھنٹی ایک بار پھر زور سے بجی۔

غازی کی والدہ اور ہمشیرہ دونوں کی آنکھوں میں احساس کے لیے پسندیدگی بھانپ کر یہ گھنٹی ٹن ٹناٹن ٹن بجتی ہی چلی گئی اور گھر پہنچتے پہنچتے راستے بھر میں اوج کے دماغ نے گھنٹی کے اس مدھر بیک گراؤنڈ میوزک کی تال پر تھرکتے تھرکتے ایک پورا پلان ترتیب دے لیا۔

☼ ☼ ☼

"اوج رفیع... میں... نے بتایا تھا ناں اس دن... اس دن جب پہلی بار یہ سوچ کر ڈائری لکھی تھی کہ اندر کی بھڑاس نکالنے کا بہترین ذریعہ یہی ہے اور واقعی آزمائش بھی شرط ہے، میں نے بھی آزمالیا کہ اس دن کے بعد مجھے اپنا آپ کتنا ہلکا پھلکا سا محسوس ہونے لگا، دل و دماغ سے بوجھ مٹا، سوچوں سے غبار مٹا تو راہ بھی نظر آنے لگی اور اس راہ پر چلنے کے لیے چالیں بھی سوجھنے لگیں۔ مجھے اپنے اندر کا یہ فیصلہ پسند آیا کہ صرف بک بک کرتے رہنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ بھونکنے والے کاٹتے نہیں... یہ حقیقت سب پر عیاں ہے، اسی لیے بھونکنے والوں کو درخور اعتنا نہیں سمجھا جاتا۔ میرے بڑبولے پن سے مجھے کوئی فائدہ نہیں ہونے والا تھا، مجھے کاٹ کر ہی سب کو... میرا مطلب ہے کہ عملی قدم اٹھانے سے ہی کچھ حاصل ہو سکتا تھا، اس لیے میں نے ایک کے بعد دوسرے کئی قدم اٹھالیے... بلکہ سرپٹ بھاگنا شروع کر دیا۔

پہلا دھیان تو میرا اسرار کی طرف ہی گیا، ظاہر ہے وہ میرا پرکھا جانچا ہوا تھا لیکن میں اپنے جانچنے پرکھنے پر چار حرف بھیج کے رہ گیا۔ جب مجھے اطلاع ملی کہ وہ موصوف تو کسی کے ٹھیکرے کی مانگ ہیں، میری شکل پر ٹھیکرے ہی تو برسنے لگ گئے۔ احساس اسے بالکل صحیح کہتی تھی... "پراسرار..." بلکہ میسنا، گھنا، چپ چھپتا... اگر پہلے کبھی بتا دیتا تو میں نے کون سا اس کا ٹھیکرا اٹھا کے بھاگ جانا تھا۔ خیر اس سے مایوس ہو کے میں نے ادھر ادھر دیکھا... کوئی اور معقول شخص احساس کے لیے ڈھونڈنا چاہا لیکن میرے جاننے والے تو بے شمار تھے، دوست بے حد کم... اب سرسری سی

جان پہچان والوں کو ایک دم اپنی کسی کزن کے [illegible] رضامند کرنا تو خاصا دشوار کام تھا اور پھر میرے [illegible] احباب میں زیادہ تر میرے کلاس فیلوز تھے، میری [illegible] طرح ہاؤس جاب کرنے والے۔ ان میں ایسی کیا خا[illegible] بات ہوتی کہ ڈیڈی فوراً" احساس کے لیے ان میں [illegible] کسی ایک کو چوز کر لیتے۔

تنگ آ کے میں نے عامل بابا کے آستانے کا [illegible] کیا۔ سوچا تھا کہ کچھ تعویذ گنڈے یا دم درود سے ہی [illegible] بنانے کی کوشش کی جائے۔ تعویذ دھاگے... اور [illegible] بھی کالے علم کے ذریعے... ہے تو منحوس سا کام، [illegible] کا ناپسندیدہ... مگر میں کون سا کسی غلط مقصد کے [illegible] استعمال کر رہا تھا، میری نیت تو ٹھیک تھی، اس [illegible] اخبار میں ان بابا کا اشتہار دیکھ کے وہاں چلا گیا۔ اشتہ[illegible] بھی تو خاصا پرکشش تھا۔

"کالے علم کی کاٹ کے ماہر، بنگالی عامل بابا، جنہو[illegible] نے برما کے جنگلات میں تیس سال، افریقہ کے غار[illegible] میں پچیس سال اور کوہ قاف کے ویرانوں میں چالیس [illegible] سال تک دھونی رما کے گیان حاصل کیا۔ آپ کی [illegible] مراد پوری کرنے کے لیے ہر وقت تیار، مشکل [illegible] مشکل کام چوبیس گھنٹوں میں کرانے کی فل گار[illegible] سنگ دل محبوب قدموں میں لوٹ پوٹ کرانا ہو، کڑ[illegible] مزاج باس کے گھٹنے ٹیکانے ہو، بدنیت ہمسائے کے [illegible] میں آگ لگانی ہو، فتنی سسرال کے ہوش ٹھکانے [illegible] ہوں، کٹنی ساس کی کمر تڑوانی ہو، لالچی داماد کو دم ہلا[illegible] پر مجبور کرانا ہو، کمینی بہو کو تیر کی طرح سیدھا کر[illegible] لڑاکا نند کو بھیگی بلی بنانا ہو، دکان کا گھٹیا [illegible] اچھی سے اچھی قیمت پر دھڑا دھڑ بکوانا ہو، گالیاں د[illegible] کے عادی شوہر کو زن مرید بنانا ہو، پھوہڑ اور بدصور[illegible] بیوی کو راہ سے ہٹانا ہو... ہر کام چٹکی بجاتے [illegible] ممکن۔"

اگرچہ مجھے ان سب میں سے کچھ بھی نہیں کرا[illegible] لیکن اگر جو شخص یہ سارے کام چٹکی بجاتے کر [illegible] ہے، اسی کے لیے میری معصوم سی خواہش پوری [illegible] کیا مشکل تھا لیکن وہاں جا کے مجھے سخت افسوس [illegible]

بھلا کالے علم کے ذریعے کوئی سفید یعنی بے داغ کام بھی ہو سکتا ہے؟ یہ علم تو کالے بلکہ کالے سیاہ مقاصد کے لیے ہی استعمال ہو سکتا ہے۔ میں توبہ توبہ کر کے وہاں سے نکلا۔

تیسری کوئی راہ اب تک مجھے سوجھی نہیں تھی کہ اچانک غازی سے ملاقات ہوئی اور یہ ملاقات بھی احساس کی وجہ سے ہی ہوئی۔ میں تو بس اسے اس کی دوست کے گھر چھوڑنے گیا تھا اور خدا نے غازی کو وسیلہ بنا کر بھیج دیا۔ وہ کئی لحاظ سے مجھ سے بہتر ہے۔ اسٹیبلش بزنس اور وہ بھی فارن میں۔ آسٹریلیا کی نیشنلٹی، ہینڈسم پرسنالیٹی، ہائی کوالی فائڈ اور ایجوکیٹڈ، فیملی بیک گراؤنڈ بھی اسٹرونگ تھا۔ اب سوال یہ تھا کہ اتنی خصوصیات کے ہوتے ہوئے وہ احساس جیسی عام سی لڑکی کو کیسے پسند کرے گا اور بالفرض وہ پسند بھی کر لے تو اس کی فیملی کیسے رضامند ہو گی۔ ہو سکتا ہے وہ لوگ کاسٹ سے باہر شادی کرتے ہی نہ ہوں۔

ہو سکتا ہے اس کے باپ نے (میرے ڈیڈی کی طرح) اپنی کوئی بھانجی بھتیجی پسند کر رکھی ہو، ہو سکتا ہے اس کی ماں نے کسی کروڑ پتی باپ کی یا کسی مل اونر کی صاحب جائیداد بیٹی کے خواب دیکھ رکھے ہوں، ہو سکتا ہے اس کی بہنوں کے ارمان کوئی چندے ماہتاب چندے آفتاب قسم کی حور پری بھابی لانے کے ہوں۔ ظاہر ہے یہ سب میں اس کی فیملی سے ملے اور جانے بغیر کیسے حتمی طور پر سوچ سکتا تھا۔ میں نے اس سے راہ و رسم بڑھانے میں ذرا دیر نہ لگائی۔ اس کی فیملی کا ماحول خاصا کھلا ڈلا تھا۔ میں چند ہی ملاقاتوں میں گھل مل گیا اور میرا ایک "ہو سکتا ہے" ہو گیا، یعنی اس کی والدہ صاحبہ میرے اندازے کے عین مطابق کسی امیر کبیر بہو کے خواب دیکھ رہی تھیں، حالانکہ وہ کوئی گری پڑی فیملی نہیں تھی اور غازی بھی اچھا خاصا بزنس چلا رہا تھا لیکن میں نے محسوس کیا تھا کہ وہ لوگ خصوصاً اس کی امی نو دولتیے قسم کے لوگوں والا مزاج رکھتی تھیں، ان کے اندر مزید سے مزید تر کی حرص ہڑکتی رہی تھی۔ ان کی خواہش تھی کہ ان کے بیٹے کی دلہن عام سا جہیز لانے کی بجائے بنگلے، گاڑیاں، فیکٹری اور مہنگے مہنگے پلاٹ اپنے نام لکھوا کے لائے۔ میں نے ان کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا اور احساس کے نام ایسی ایسی پراپرٹی لگوا کے ان کے سامنے پیش کی کہ خود احساس اور اس کے والد محترم تک نہ جانتے ہوں گے۔

"آنٹی! غازی میرا بہت اچھا دوست ہے، اگرچہ اس سے ملے ہوئے مجھے زیادہ عرصہ نہیں ہوا لیکن میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ ایک بہترین انسان ہے۔ آپ سب لوگوں کے خلوص اور شرافت کا بھی میں دل سے قائل ہو چکا ہوں، اس لیے خود یہ بات کرنے کی ہمت کر رہا ہوں، ورنہ اچھا تو نہیں لگتا کہ میں اپنے منہ سے اپنی ہی کزن کی بات آپ سے کروں لیکن بات یہ ہے کہ احساس کے معاملے میں میرے ڈیڈی بہت حساس ہیں، وہ نہیں چاہتے کہ ان کی بھتیجی جسے وہ اپنی بیٹی جانتے ہیں، لالچی یا بدنیت قسم کے لوگوں کے فریب کا شکار ہو جائے اور ظاہر ہے کہ اس کے خاصے چانسز ہیں۔ دراصل میرے انکل نے اپنی بیوی کی وفات کے بعد دوسری شادی نہیں کی اور تمام تر توجہ کا مرکز اپنی بیٹی کو بنا لیا۔ ساری زندگی جو کچھ کمایا، بنایا سب احساس کے نام ہے۔ فیکٹری، بنگلہ، اسلام آباد میں ڈھائی کنال کا پلاٹ، کراچی میں لگژری فلیٹ، لاہور میں شاپنگ پلازہ اور اچھا خاصا بینک بیلنس، اپنی والدہ کا چھوڑا ہوا سیروں سونا بھی اس کا ہے، اس کے ساتھ ساتھ نہ صرف وہ اپنے تایا یعنی میرے ڈیڈی کی پراپرٹی میں بھی حصہ دار ہے بلکہ اس کے نانا مرتے ہوئے کئی مربع زمینیں اس کے نام کر گئے۔ میرے ڈیڈی نہیں چاہتے کہ اس کا جو رشتہ آئے وہ لوگ صرف جائیداد اور فیکٹریوں، زمینوں کی لالچ میں اسے اپنی بہو بنانا چاہتے ہوں، اس لیے ان کے مشورے سے انکل نے یہ بات چھپا کے رکھی ہے کہ وہ اتنی بڑی پراپرٹی کی اکیلی وارث ہے۔"

"ہاں یہ تو... یہ تو اچھا کیا تمہارے ڈیڈی نے..."

آنٹی سوکھے لبوں پر زبان پھیرنے لگیں، شاید ان کا حلق خشک ہو رہا تھا۔

"وہ بچی تو دیکھنے میں ہی اتنی بھلی طبیعت کی لگتی ہے' اسے واقعی لالچی لوگوں کے ہاتھ نہیں جانا چاہیے۔"

"اور کیا آنٹی! آج کل کی لڑکیوں والی طراری تو اسے چھو کے نہیں گزری۔ بے حد سیدھی سادی ہے۔" میں نے دل پر جبر کرتے ہوئے اس کا قصیدہ پڑھا' حالانکہ میں اس کی "ہجو" کرنے میں ماہر تھا۔

"میری ماما نے اس کی تربیت ایسی کی ہے کہ اسے اپنی دولت جائیداد کا ذرا غرور نہیں' گھر کے ہر کام میں ماہر ہے۔"

"اور کسی کو کیا چاہیے' خوبصورت بھی ہے' تعلیم یافتہ اور ذہین بھی۔۔۔ سگھڑ باتمیز' باادب اور ذمہ دار بھی' صورت اور سیرت دونوں میں لاجواب۔ اس لڑکی کو بھلا کون ناشکرا قبولے گا۔ دولت کا کیا ہے' آنی جانی چیز ہے اور پھر جہیز کا لالچ وہ کریں جن کے اپنے گھر میں کتے لوٹ رہے ہوں۔ ہمیں تو بھئی ایسی ہی باحیا اور خوش اخلاق اچھے گھرانے کی سلجھی ہوئی بچی چاہیے تھی' ورنہ ہمارے پاس کس چیز کی کمی ہے جو ہم لالچ کریں۔"

"یعنی حیا' اخلاق کی کمی تھی۔" میں نے دل ہی دل میں سوچا لیکن یہ موقع پیر پر کلہاڑی مارنے کا نہیں تھا۔ انہیں ہموار کرنے کے بعد میں نے غازی کو ٹٹولا۔ وہ دل کا اچھا' بے ضرر سا انسان تھا لیکن ماں کے ہاتھوں میں پوری طرح کھلونا بن چکا تھا۔ اسے احساس پسند آئی تھی (حیرت ہے) اسے بظاہر اس کے ساتھ آنے والے لمبے چوڑے جہیز سے کوئی سروکار بھی نہ تھا لیکن وہ خوش تھا کہ اس کی ماں لالچ میں کسی غلط لڑکی کا انتخاب نہیں کر رہی' بلکہ اس نے تو میرا شکریہ تک ادا کیا (مزید حیرت۔۔۔ بھلا احساس میں ایسا بھی کیا ہے۔۔۔ خیر۔۔۔ سانوں کی۔۔۔) (ہمیں کیا)

اب دوسرا اور قدرے مشکل مرحلہ گھر میں اس ذکر کو چھیڑنا تھا' میں نہیں چاہتا تھا کہ گھر میں کسی کو احساس ہو کہ اس سارے قصے کے پس منظر میں میری کتنی تگ و دو شامل ہے۔ اگر اس کی ہوا بھی ڈیڈی کو لگ جاتی تو بس پھر۔۔۔ خیر۔۔۔ تہانوں کی۔۔۔ (آپ کو کیا)۔ سب سے پہلے میں نے غازی کو گھر میں اپنے نئے دوست کی حیثیت سے متعارف کرایا۔ انکل تو انکل۔ ڈیڈی بھی اس سے خاصے متاثر ہوئے۔ اس کی بزنس سینس ان کی رائے کے مطابق غضب کی تھی' ماما نے میری توقع کے عین مطابق اپنی ملنساری اور مہمان نوازی کے ٹریلر دکھانے کے لیے اسے فیملی سمیت ڈنر پر انوائٹ کیا اور اسی ڈنر نے غازی کی امی کی راہ کھول دی اس کے اگلے ہی ہفتے وہ اپنا مدعا لے کر انکل اور ڈیڈی کے روبرو تھیں۔ ڈیڈی صاف صاف انکار کرنا چاہتے تھے۔۔۔ انکل نے تو مکمل اختیار انہی کو سونپ رکھا تھا لیکن ماما نے روک دیا۔

"اتنی جلد بازی سے کام مت لیں' ایسے رشتے روز روز نہیں ملتے۔"

"کیوں نہیں ملتے۔۔۔ اور میں پوچھتا ہوں ہمیں ضرورت ہی کیا ہے رشتے ڈھونڈنے کی' نہیں ملتے تو نہ ملیں۔۔۔ ہمارے گھر میں رشتہ موجود ہے۔"

"کون؟ اوج۔۔۔؟ لیکن آپ جانتے ہیں وہ اس کے لیے تیار نہیں۔"

"ایسی کی تیسی کر کے رکھ دوں گا' اتنے جوتے ماروں گا کہ انکار کرنے کی ہمت نہیں ہوگی۔ احساس مجھے اس سے بڑھ کے عزیز ہے' اسے میں اس گھر سے دور نہیں جانے دوں گا۔"

"کیا خاک عزیز ہے' اتنی محبت ہوتی اس بچی سے تو اس کا بھلا سوچتے' نہ کہ اس کی زندگی برباد کرنے کی پلاننگ کرتے نہ میں پوچھتی ہوں جو لڑکا اپنی ایسی کی تیسی کروانے کے بعد اور سوجوتے کھانے کے بعد اس سے شادی پر تیار ہوگا' وہ اسے کیا محبت دے گا۔ پہلی ہی وہ اس رشتہ پر راضی نہیں' آپ کی زبردستی سے اور بھی چڑے گا۔ آپ کو اچھا لگے گا کہ احساس جیسی لڑکی ان چاہے رشتے میں بندھے۔ اس سے تو بہتر ہے کہ آپ ان لوگوں کے بارے میں سوچیں جو اسے اور ارمان سے بیاہنے آرہے ہیں۔ قدر کریں گے اس کی' پھر وہ لڑکا بھی۔۔۔ میرا مطلب ہے کیا برائی

اس میں جبکہ اپنے اوج کو ابھی پیروں پر کھڑا ہونے میں کئی برس لگیں گے۔ ہاں اگر وہ رضامند ہوتا تو اور بات تھی لیکن اگر دونوں کے مزاج نہیں ملتے تو پھر زبردستی کا کیا فائدہ۔"

ماما نے انہیں کچھ اس طرح کنوینس کیا کہ ڈیڈی کو ماننے ہی بنی۔

دوسری طرف غازی کی ماں کو میں نے دلاسے دے رکھے تھے کہ فی الحال کسی مصلحت کے تحت احساس کی پراپرٹی کو خفیہ رکھا جا رہا ہے' نکاح نامے پر سائن ہوتے ہی سارے کاغذات اس کے حوالے کر دیے جائیں گے۔ انہوں نے اپنی بے نیازی دکھانے کی ناکام سی اداکاری کرنے کی کوشش کی۔

"ہائے ہائے بیٹا! کیسی باتیں کرتے ہو جس نے بیٹی دی' اس نے سب کچھ دے دیا۔"

"ہاں جی وہی تو میں کہہ رہا ہوں کہ انہوں نے سب کچھ دے دیا ہے۔"

"ہمیں تو کسی جہیز کی ضرورت نہیں ہے' اللہ کا دیا سب ہمارے پاس ہے۔ جو وہ دیں گے اپنی بیٹی کو دیں گے' اپنی عزت بڑھانے کو دیں گے۔"

"آپ کا کہنا درست لیکن ان کے اپنے اندیشے ہیں' اب ہر کسی میں وہ بات تو نہیں جو مجھ میں ہے۔ میں تو جی ذرا سی عمر میں کمال کا مردم شناس ہو چکا تھا' ایک نظر میں بندے کو پہچان لیتا ہوں کہ وہ کتنی پیچڑ میں ہے۔"

"پانی ہوتا ہے غالباً" غازی نے چونک کر کہا۔

"وہی۔۔۔ وہی۔۔۔ ہاں تو میں نے بھانپ لیا ہے کہ آنٹی آپ سب سے پرخلوص اور بے ریا شاید ہی اس دنیا میں کوئی دوسرا ہو۔ (توبہ استغفار۔۔۔ استغفار) لیکن ڈیڈی اور انکل دودھ کے جلے ہیں' اس لیے چائے بھی پھونک پھونک کے پیتے ہیں۔"

"یار! تم محاورے کچھ گڑبڑ نہیں کر دیتے ہو؟" غازی نے پھر ٹوکا۔

"کوئی نہیں' صحیح کہہ رہا ہوں' تم زیادہ زبان دان بننے کی کوشش مت کرو' میرے انکل اور ڈیڈی چائے کے رسیا ہیں' چھاچھ کو وہ پھونک پھونک کے تو کیا چھان کر پینا بھی پسند نہیں کرتے اور اب خبردار جو بیچ میں بولے' دولہا بولا نہیں کرتے۔ آنٹی میں کیا کہہ رہا تھا۔" میں پھر سے ان کی طرف متوجہ ہوا جو چلغوزے ٹونگنے میں مگن ہو گئی تھیں۔

"پتا نہیں کچھ چائے کی بات کر رہے تھے۔۔۔ یا شاید چھاچھ کی۔۔۔ خیر چھاچھ کا کون سا موسم ہے' چائے بنوا تی ہوں۔" وہ شاید ملازمہ کو چائے کے لیے آواز دینے لگی تھیں کہ مجھے یاد آگیا۔

"ہاں' میں اصل میں یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ میرے ڈیڈی اور انکل اپنی طرف سے صرف احتیاط پسندی سے کام لے رہے ہیں' آپ کچھ غلط گمان نہ کیجیے گا۔۔۔ کہ کہیں ناراض ہو کے بیٹھ جائیں کہ یہ تو ہمیں لالچی سمجھ رہے ہیں' اس لیے بیٹی کی جائیداد پر پردے ڈالے جا رہے ہیں۔"

"پھر وہی مرغے کی ایک ٹانگ۔" آنٹی نے اکتا کے کہا تو غازی بلبلا اٹھا۔

"اوہ۔۔۔ امی آپ بھی؟ آپ کی بھی ایک ٹانگ۔۔۔"

"کیا اول فول بک رہے ہو؟"

"میرا مطلب ہے کہ آپ بھی محاورے ٹھاہ ٹھاہ مارنے لگیں۔"

ڈیڈی بھی مان گئے' اگرچہ دل میں اب بھی وہ احساس کو بہو بنانے کے ارمان دبائے ہوئے تھے۔ ادھر آنٹی بھی جوش و خروش سے شادی کی تیاریوں میں مگن ہو گئیں۔ اچھا ایک بات کی وضاحت کر دوں' صاف صاف سب کچھ لکھ دینے کا مطلب یہ نہیں کہ آپ مجھے سازشی' فریبی اور ہرجائی۔۔۔ نہیں ہرجائی تو کسی اور معنی میں آتا ہے۔۔۔ خیر اول الذکر دونوں میں سے کوئی ایک سمجھ لیں (ماشاء اللہ ڈائری لکھتے رہنے سے میری اردو کتنی رواں ہو گئی ہے)۔ اتنا احساس تو مجھے بھی تھا کہ میری غلط بیانی میری کزن کی زندگی میں زہر گھول سکتی ہے (حالانکہ اس نے اپنی پیدائش کے پہلے دن سے ہی میری زندگی کو نیلے تھوتھے سے لبالب بھر دیا تھا) لیکن یہ میری اعلیٰ ظرفی' بلند کرداری' وسیع

النظری۔۔۔ وغیرہ وغیرہ ہے کہ میں نے پھر بھی اس کا بھلا سوچا۔ میں چاہتا تو اس سے شادی کر کے اسے آٹھ اٹھے چونسٹھ آنسو رلا سکتا تھا، گن گن کے بدلے لے سکتا تھا، مشرقی قسم کا بھرپور نمونہ بن کے شوہرانہ ادائیں دکھاتے ہوئے اسے بیوی ہونے کا مزا چکھا سکتا تھا لیکن میری شرافت نے یہ سب گوارا نہ کیا۔ کیا فائدہ تھا اس کے ساتھ ساتھ اپنی زندگی بھی جہنم بنانے کا، اس لیے غازی کی زندگی کو چنا۔ (آپ کچھ اور نہ سمجھ لیں، میرا مطلب جہنم بنانے سے نہیں)۔ اب رہا سوال یہ کہ آنٹی سے میں نے اس کی پراپرٹی کے بارے میں جو بلند و بانگ دعوے کیے تھے، ان کی حقیقت کھل جانے کے بعد اس بے چاری کا کیا ہوگا۔ تو میں نے یہ سب بھی سوچ رکھا تھا۔

میں نے جھوٹ ضرور بولا تھا مگر بے بنیاد نہیں، رائی کا پہاڑ ضرور بنایا ہے لیکن یار آخر رائی تو ہے ناں۔ یہ بات تو یقینی تھی کہ انکل کی پراپرٹی کی وہ اکلوتی اولاد ہونے کی وجہ سے اکیلی وارث تھی۔ فیکٹری والا معاملہ اس لیے گڑبڑ تھا کہ وہ انکل اور ڈیڈی دونوں کی مشترکہ پراپرٹی تھی لیکن بے شک وہ فیکٹری کی مالک نہ سہی مگر حصہ داران میں سے ایک تو ہے۔ انکل تو ہمیشہ سے ہمارے ساتھ رہتے آئے ہیں، اس لیے کیا بنگلہ بناتے اور کیا اسے بیٹی کے نام کرتے۔ مگر آنٹی کی زندگی میں انہوں نے ڈیفنس میں ایک کینال کا ایک کارنر پلاٹ ضرور خریدا تھا، ارادہ تو بنانے کا تھا مگر ان کی وفات کے بعد تنہائی کے خوف سے ہمت نہیں کی۔ آج وہ پلاٹ احساس کے نام ہے اور اس کی قیمت پچھلے کئی سالوں سے دگنی سے دگنی ہوتی جا رہی ہے۔ آنٹی کا زیور بھی ظاہر ہے اس کا ہے (نہ سہی سیروں میں۔۔۔ مگر ہے تو۔۔۔ اب ایسی بات بھی نہیں کہ چھٹانک بھر ہوگا۔۔۔ شاید سونا چھٹانکوں یا پاؤ میں نہیں بلکہ تولہ میں ہوتا ہے، وہ کہتے ہیں ناکہ پل میں تولہ پل میں ماشہ۔۔۔ تو بس تولہ اور ماشہ تو ہوگا۔۔۔) ہاں کراچی کے لگژری فلیٹ، اسلام آباد کے پلاٹ اور لاہور کے شاپنگ پلازہ کے ساتھ ساتھ نانا مرحوم کی زمین والے دعوے ضرور ہوائی ہیں لیکن اب کچھ تو رنگ آمیزی کرنا تھی۔۔۔ اور پھر وہ کون سا ساس کا غیض و غضب سہنے کے لیے بیٹھی رہے گی۔ شادی کے مہینے بعد تو اسے آسٹریلیا چلا جانا ہے۔ غازی اچھا انسان ہے، وہ خود ہی معاملہ سنبھال لے گا۔

احساس بھی مطمئن نظر آرہی ہے، ورنہ شاید مجھے کوئی خلش رہ جاتی کہ کہیں اس کے ساتھ زبردستی تو نہیں ہو رہی۔ بھئی میں نے بتایا تو ہے کہ میں کس قدر بھلا مانس، نرم دل اور حساس فطرت انسان ہوں۔ کسی کے ساتھ زیادتی ہوتے دیکھ ہی نہیں سکتا۔ دیکھیں کیا میں نے اپنے ساتھ زیادتی ہونے دی؟ کیسے ڈٹ کے مقابلہ کیا اور کیسی چالیں چل کر اپنے خلاف جاتے حالات کو نیا رخ دے دیا۔ کوئی کر کے تو دیکھے زیادتی۔ (میرے ساتھ)۔

پتا ہے آپ کو، ایک دن کا ذکر ہے۔۔۔ اور یہ اس دن کا ذکر ہے جب غازی کا ذکر میرے گھر میں صرف میرے دوست کی حیثیت سے ہوا تھا، ابھی میں نے اس کی فیملی کو انوائٹ کرنے کا ذکر نہیں کیا تھا، یہی وجہ ہے کہ ان کی طرف سے رشتے کا کوئی ذکر بھی نہیں چھڑا تھا۔۔۔ تو اس دن جب میں ذکر سن۔۔۔ اوہو۔۔۔ میرا مطلب ہے میوزک سن رہا تھا تو احساس نے اس کے آنے کی اطلاع کچھ یوں دی۔

"اوج! وہ تمہارے دوست آئے ہیں۔" اسرار اور غازی دونوں کو ہی میں نے چائے پر بلایا تھا۔

"کون سے دوست؟" میں انہیں بلا کے بھول چکا تھا۔

"وہی۔۔۔ یہ غازی یہ تیرے پراسرار بندے۔۔۔"

ظاہر سی بات تھی جب میں اس کی دوستوں کو نہیں بخشتا تھا تو وہ کیوں موقع ہاتھ سے جانے دیتی۔

اور یہ تب کا ذکر ہے جب نہ صرف رشتے کا ذکر ہو چکا تھا بلکہ ذاکرات (ذکر کی جمع یہی ہوتی ہے نا۔۔۔ نہیں نہیں یاد آگیا مذاکرات) ہاں تو مذاکرات کے ذریعے شادی کی تاریخ تک طے ہو چکی تھی کہ غازی کا فون آیا۔ وہ مجھ سے سفارش کر رہا تھا کہ ایک بار صرف ایک بار میں اپنے ڈیڈی اور ماما سے کہہ کر اسے

فون پر چند منٹ احساس سے بات کرنے کی اجازت دلوا دوں۔ میں نے ریسیور پر ہاتھ رکھ کر ماما سے پوچھا۔ بارہ دن بعد شادی ہو رہی تھی، اب کسی کو کیا اعتراض ہوتا۔ انہوں نے خود احساس کو آواز دی اور فون کی طرف اشارہ کیا۔ وہ شاید سر میں تیل لگا رہی تھی (آج کل حسن نکھارنے پر بہت زور دیا جا رہا ہے) اسی طرح بکھرے چپچپاتے بالوں کے ساتھ میلے سے دوپٹے کے ساتھ ہاتھ پونچھتی آگے بڑھی۔

ریسیور ہاتھ میں لیتے ہوئے اس نے اشارے سے مجھ سے دریافت کیا کہ کس کا فون ہے، میں نے جواب دیا۔

"غازی کا جو پراسرار تو شاید نہیں، البتہ بندہ ضرور ہے اور وہ بھی تمہارا ہونے والا۔"

اس کا وجود ہلکا سا کانپا اور اس لمحے اس کی سماعتوں سے شاید غازی کی آواز ٹکرائی۔ اس کے چہرے پر یک بیک اتنے رنگ پھیلے کہ میں حیران رہ گیا۔ گھبراہٹ سے اس کے لب سل گئے تھے، وہ اسی وقت ریسیور رکھ دینا چاہتی تھی لیکن ماما نے گھور کے اسے باز کیا۔ بمشکل دو تین بار ہوں، ہاں اور جی کہنے کے بعد اس نے اپنی جان چھڑائی اور مجھ سے نظریں چراتی اپنے کمرے کی طرف بھاگ گئی۔ میں تو اس کے عین سر پر سوار اس کے تاثرات ہی حیرانی سے نوٹ کرتا رہا۔ کتنی عجیب سی لگ رہی تھی۔۔۔ پلکیں جھکی ہوئی، آنکھیں جیسے کوئی جاگی سی کیفیت میں، رخسار گلگوں، ہونٹ کپکپاتے ہوئے، آواز لرزتی ہوئی مگر شہد میں ڈوبی ہوئی۔۔۔ واہ غازی۔۔۔ تیری قسمت۔۔۔ کہ احساس جیسی بے رنگ لڑکی میں بھی کوئی نرم و لطیف سا جذبہ جاگا۔ ویسے آپس کی بات ہے، اس وقت وہ مجھے ذرا اچھی نہیں لگی، بلکہ زہر لگ رہی تھی۔ میں نے خود ماما سے کہہ کر اسے فون پر بلوایا تھا لیکن جیسے ہی اس نے ریسیور ہاتھ میں لیا۔ میرا دل چاہا اس سے چھین کر کریڈل پر پٹخ دوں اور زور سے ڈپٹ کے واپس بھیج دوں۔ بڑی آئی کہیں سے، شرمانے لجانے والی۔۔۔ غازی کا تو گلا گھونٹنے کو جی چاہ رہا تھا، وہ ہوتا کون ہے کہ۔۔۔ کمال ہے میں اتنا تنگ ذہن اور کنزرویٹو تو نہیں ہوں۔۔۔ پھر بھی۔۔۔"

☼ ☼ ☼

"ہمارا تو گھر خالی خالی سا ہو جائے گا احساس کے جانے کے بعد۔" ماما آج مارکیٹ سے اس کے لیے شادی کے دن پہننے والا لہنگا خرید کے لائی تھیں۔ اندر داخل ہوتے ہی انہوں نے لہنگے کی تعریف میں زمین آسمان ملانے شروع کر دیے۔ بڑے ہی جوش و خروش سے انہوں نے بڑے سے ڈبے میں پیک میرون اور گولڈن بھاری کام والے لہنگے کو نکالا اور بیڈ پر پھیلا دیا اور ساتھ ہی نجانے کیا ہوا کہ پھوٹ پھوٹ کے رو دیں۔ اشتیاق سے لہنگا دیکھتے انکل بھی نم پلکوں کو جھپکتے باہر نکل گئے۔ ڈیڈی نے پہلے پیار سے پھر ہمدردی اور غصے سے ڈپٹتے ہوئے انہیں بمشکل چپ کرایا۔ آنسو پونچھتے ہوئے وہ کہنے لگیں۔

"کیا کروں، آنسوؤں پر زور تو نہیں، یہ تو خود بخود امنڈے آتے ہیں۔"

"تو کیا ضرورت تھی اتنا مہنگا ڈریس خریدنے کی کہ بعد میں کلس کلس کے رونا پڑے، فضول میں۔۔۔ ہزاروں اس بے کار سے جوڑے پر لگا دیے۔ اب رونے کا کیا فائدہ۔ زبان سے نکلی بات، تیر سے نکلا کمان اور پرس سے نکلے نوٹ کیا کبھی واپس آتے ہیں؟" اس کی بات پر انہوں نے رونا دھونا بھول کے زور کی گھوری ڈالی۔

"تم جب ہی منہ کھولنا واہی تباہی بکنا، کبھی ڈھنگ کی بات بھی کر لیا کرو۔ میں تو اس لیے رو پڑی کہ اب دن ہی کتنے رہ گئے ہیں شادی میں۔ ہائے ہائے بیٹیاں بھی کیسی چیز ہیں، ان کو وداع کرنے کی بھی جلدی اور جدائی کا بھی غم۔ اتنے ارمانوں سے اسے رخصت کرنے کی تیاری بھی کر رہی ہوں اور ہر تیاری پر دل بھی بیٹھا چلا جاتا ہے۔"

"ظاہر ہے اب سارے کام کاج آپ ہی کو دیکھنے پڑیں گے، اس کے حصے کا آٹا آپ کو گوندھنا ہوگا، دوپہر

کے ساتھ رات کے کھانے کی تیاری بھی آپ کے ہی ذمے ہوگی' ڈیڈی کی گھڑی گھڑی بعد چلنے والی چائے کافی کی بیگار الگ اور وہ جو ماسی کے ساتھ روز کی چخ چخ اور سر کھپائی..... وہ بھی آپ کے گلے..... دل تو بیٹھنا ہی ہے۔" اس نے سرہلا کر تائید کی۔

"دیکھا آپ نے' کوئی بات سلیقے سے نہیں کر سکتا۔ بس منہ کھولتا ہے اور جو اوٹ پٹانگ خیال ذہن میں آئے' جھٹ سے اگلے کے منہ دے مارتا ہے۔"

ماما نے فوراً" شکایت ڈیڈی سے لگائی۔

"تم نکلو میرے کمرے سے' کوئی بات نہیں کرنے دیتے' پہلے ہی میرا دل برا ہو رہا ہے آنے والے وقت کی تنہائی کو سوچ سوچ کر۔ ہمارا گھر تو خالی ہو جائے گا احساس کے جانے کے بعد۔"

"کمال ہے ماما! وہ ایک ہی تو ہے کوئی درجنوں تو نہیں جن سے گھر بھرا پڑا تھا۔ ہاں بس اس کا کمرہ خالی ہو جائے گا۔ میں اسے اپنا سٹنگ روم بنالوں گا۔ آپ فکر مت کریں۔"

"اوج! میں کیا کروں تمہارا۔" وہ سر ہاتھوں پر گرا کے رہ گئیں۔

"نہ تم چپ کرتے ہو نہ میری جان چھوڑتے ہو اور آپ....." اب وہ شوہر کی طرف مڑیں۔

"اپنا دل کرے تو گھنٹوں اسے دبوچے بیٹھے رہتے ہیں' اب وہ مجھے پریشان کر رہا ہے تو منع تک نہیں کرتے۔ ٹھیک ہے میں ہی چلی جاتی ہوں۔" وہ اٹھنے لگیں تو اوج اب ان کی بات میں مداخلت نہ کرنے کا وعدہ کرتے ہوئے پکڑ کے بٹھانے لگا۔

"بیگم! میں تمہارے مسئلے کا حل سوچ رہا تھا۔" ڈیڈی بولے۔

"یا اللہ خیر....." اوج تڑپ اٹھا لیکن زبان بندی کا وعدہ کر چکا تھا' اس لیے مجبوراً" خاموش رہا ورنہ ڈر یہی تھا کہ کہیں ڈیڈی پھر سے اپنا فیصلہ بدل نہ ڈالیں اور ماما کے سر احسان الگ کہ تمہاری تنہائی کا احساس کر کے یہ قدم اٹھایا ہے۔

"میرا خیال ہے اب تم اپنے لیے بہو بھی تلاش کرنا شروع کر دو۔ بس اس شادی سے فارغ ہو جاؤ تو جلد از جلد اس گدھے کے لیے بندوبست کرو تاکہ گھر میں رونق لگے۔"

"ہاں یہ تو ہے' واقعی گھر کی اصلی اور سچی رونق تو بہو کے دم سے ہوتی ہے' بیٹیاں تو پرائی امانت..... دور دیس کی مسافر....." وہ فوراً" متفق ہوئیں۔

"ہے کوئی تمہاری نظر میں۔" ڈیڈی نے پوچھا ماما سے لیکن اوج یوں سنبھل کے بیٹھ گیا جیسے اس سے سوال کیا گیا ہو' وہ ابھی اجازت طلب نظروں سے ماما کو تک ہی رہا تھا کہ وہ اپنی خواہش بیان کرنے لگیں۔

"میرا ایک ہی بیٹا ہے' میں کوئی رسک لے کر اپنا بڑھاپا نہیں رولنا چاہتی۔ توبہ توبہ آج کل کی لڑکیاں..... مجھے اپنا بیٹا نہیں گنوانا غیر' انجان لڑکی لا کے۔ ٹھیک ہے مانتی ہوں سب لڑکیاں ایک سی نہیں ہوتیں مگر میں تجربے کیوں کروں' میرے کون سے آٹھ دس لڑکے ہیں کہ باقی کے بیوی کو پیارے ہو بھی جائیں تو خیر' ایک آدھ میرے پاس رہ جائے' اس لیے میرا ارادہ تو خاندان سے لڑکی لانے کا ہے۔" اوج پہلو بدل کے رہ گیا۔

"ہاں واقعی' بڑی اچھی اچھی بچیاں ہیں فیملی میں۔ میرے رشتے کے کئی بہن بھائی ہیں جن کی شادی کے لائق بچیاں ہیں۔ ایک ہی خاندان برادری کی بچیاں' گھر کا ماحول' رسم و رواج اچھی طرح جانتی ہیں' جلد گھل مل جاتی ہیں۔ گھر میں رچنے بسنے میں انہیں دیر نہیں لگتی۔"

"یا اللہ' یہ آج دونوں ہر بات میں ہاں میں ہاں کیوں ملا رہے ہیں۔" اس نے التجائیہ نظروں سے آسمان کی طرف منہ کر کے فریاد کی اور مزید چپ رہنا تب مشکل ترین ہو گیا جب ماما نام تک گنوانے لگیں۔

"آپا خالدہ کی دو ہیں' ناظمہ اور واصفہ..... آپ کے امریکہ والے کزن جو پچھلے سال ہی اسلام آباد شفٹ ہوئے ہیں ان کی بھی ایک بیٹی ہے۔ ادھر میرے میکے میں میری بہن کی تین بھائی کی ایک....."

"پلیز ماما....." وہ وعدہ توڑ بیٹھا۔ "مجھے فیملی میں شادی نہیں کرنا۔ اگر فیملی کی ہی لڑکی سے شادی کرنا ہوتی تو پھر....." وہ کہتے کہتے رک گیا کہ احساس میں کیا برائی تھی۔

"کیوں' خاندان کی لڑکیوں کی کیا ناک بہتی ہے؟" ماما بگڑ کے پوچھنے لگیں۔

"اب نہیں بہتی ہوگی مگر میں نے بہتی ہوئی دیکھی تو ہے۔ اوہو' کیسے سمجھاؤں۔ بس مجھے کسی ایسی لڑکی سے شادی نہیں کرنی جسے میں کئی سالوں سے دیکھتا چلا آ رہا ہوں۔ ہزار بار کی دیکھی' بھی پٹی شکل....."

"بے وقوف انسان' جس سے تمہاری شادی ہوگی کیا اسے مہینے بعد دیکھا کرو گے؟ نئی نکور شکل ڈھونڈ بھی لی تو کب تک نئی رہے گی۔" ڈیڈی نے تاؤ کھا کے کہا۔

"دلہن کے طور پر تو مجھے نئی شکل ہی چاہیے' بعد کی بعد میں دیکھیں گے۔ ویسے بھی نہ آپ کی فیملی میں' نہ ماما کے میکے میں کوئی ڈاکٹر ہے میرے لیے۔"

"تمہیں ڈاکٹر کیوں چاہیے۔ تم خود ڈاکٹر ہو' اپنا علاج خود کر لیا کرنا۔" ڈیڑی نے ہنسی میں اڑانا چاہا۔

"پلیز' اس بات کو ٹالیں مت۔ میں شادی کروں گا تو کسی لیڈی ڈاکٹر سے۔ آخر میں ڈاکٹر ہوں۔" اس نے زور دے کر کہا۔

"تو یہ کہاں لکھا ہے کہ ڈاکٹر کی شادی ڈاکٹر سے ہوگی۔ اب میں کنسٹرکشن کے بزنس میں ہوں' یعنی عرف عام میں ٹھیکیدار..... تو کیا میرے ماں باپ میرے لیے کوئی ٹھیکیدارنی ڈھونڈتے۔ تمہارے اصول و قواعد معاشرے پر لاگو ہو جائیں تو ڈاکٹر' ٹیچر' بزنس مین' انجینئرز' بینکر' وکیل وغیرہ تو کسی نہ کسی طرح کھپ جائیں لیکن یہ بیچارے ویلڈنگ والے' پلمبر' الیکٹریشن' گورکن اور رکشہ تانگہ چلانے والے..... یہ سب تو کنوارے رہ جائیں گے ان کے جوڑ کا بر کہاں سے ملے گا۔ ابھی ہمارے معاشرے پر یہ وقت نہیں آیا کہ عورتیں ہتھوڑے' پیچ کس اٹھا کے گھر گھر دروازے کھٹکھٹاتی پھریں۔ "جی نلکا تو نہیں خراب کٹر تو نہیں ابل رہا' تاریں تو نہیں شارٹ ہو گئیں۔" اسی طرح بیچاری گھریلو سی لڑکیاں بھی بیٹھی کی بیٹھی رہ جائیں گی کہ ان کے ٹکر کے گھریلو امور میں ماہر لڑکے کہاں سے ڈھونڈے جائیں۔" ڈیڈی نے اچھی خاصی کلاس لے لی۔

"یہ میرا مسئلہ نہیں' لیڈی ڈاکٹرز کی تو اچھی خاصی تعداد ہے' ایک نہ ایک تو مجھے بھی مل جائے گی۔" اس نے بحث ختم کی۔

"میاں ایک سے تم کہاں صبر کرنے والے ہو' تمہیں تو روز نئی شکل چاہیے۔ اب ڈاکٹرز کی اتنی ورائٹی کہاں سے لائیں۔"

"اوہو ڈیڈی! آپ تو بات ہی پکڑ لیتے ہیں۔"

☆ ☆ ☆

آج اس گھر میں مایوں کی تقریب تھی۔

احساس شفیع اور غازی مراد علی کی مایوں کی تقریب۔ ابھی شام کے چھ بجے تھے' لڑکے والوں نے رسم کے لیے نو بجے آنا تھا لیکن اس وقت بھی کم گہما گہمی نہیں تھی۔ شادی کی تقریبات کا باقاعدہ آغاز آج ہی کی رسم سے ہونا تھا اس لیے دور پرے کے شہروں میں رہنے والے رشتے داروں کی آمد کا سلسلہ صبح سے جاری تھا۔ احساس کی دوستوں میں سے کئی قریبی اور بے تکلف سہیلیاں مقررہ وقت سے کئی گھنٹے پہلے موجود تھیں تاکہ مایوں کی رسم میں ہونے والے انتظامات میں ماما کا ہاتھ بٹا سکیں۔ اس لیے گھر کے اندر اور باہر لان میں افراتفری کا سامان تھا۔ اندر لڑکیوں کی تیاری کا شور اور غلغلہ تھا تو باہر مہمانوں کی نشست و عشائیہ کے لیے انتظامات کو حتمی شکل دی جا رہی تھی۔

اوج کا جوش دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا صبح سے وہ نائٹ سوٹ میں ملبوس مختلف کام نبٹاتا نظر آ رہا تھا۔ ابھی کیٹرنگ والوں کے ہاں تو ابھی ٹینٹ سروس سے جھگڑنے میں کہ انہوں نے مایوں کی مناسبت سے زرد اور سبز شامیانے کیوں نہیں لگوائے اور جب وہ حسب

روایت زرد اور سبز شامیانے تان گئے تو پھر سے جھگڑنے پہنچ گیا کہ یہ کیا پینڈوؤں والے رنگ لگا دیئے ہیں۔ بڑی مشکل سے یہ موتیا رنگ کے شامیانے منتخب ہوئے جن کے اندر زرد روشنیوں کے انتظام سے ایسا ماحول پیدا کیا گیا کہ رات کے اندھیرے میں دیکھتے' یوں محسوس ہو جیسے ہر طرف سے پیلی شعاعیں پھوٹ رہی ہوں۔ اندر گھاس پہ دبیز سرخ قالین بچھے تھے جن پہ قطار در قطار زرد کپڑا چڑھی کرسیاں دھری تھیں۔ وسط میں وہ جگہ جہاں ڈھولک اور مایوں کی رسم ادائیگی ہونا تھی' زرد دریاں بچھی تھیں۔ زرد اور سبز گاؤں تکیے پڑے تھے۔ سرخ قالین پہ سبز اور زرد دری پہ سرخ گلاب کی پتیاں بکھیر دی گئی تھیں۔ ذرا ذرا سے فاصلے پر آرائشی گملے رکھے گئے تھے۔ اوپر لٹکی شامیانے کی چھت سے گیس کے خوبصورت آرائشی ہنڈولے نما لیمپ جھول رہے تھے۔ زرد اور سبز رنگ ہی کے امتزاج سے تیار کیا گیا اسٹیج بے حد خوبصورت لگ رہا تھا۔ رو پہلے تلے کے کام والا بڑا سا پیڑھا تھا جو گیندے کے پھولوں سے بھرا پڑا تھا۔

اوج اچھی طرح وہاں کے انتظام سے مطمئن ہونے کے بعد باہر نکلا' اب اس کا ارادہ استقبالیہ راہ گاہ کی آرائش کروانے کا تھا۔ پہلے تو اس نے گھر آئے مہمانوں کے ادھر سے ادھر بھاگتے بچوں کو کنٹرول کرنے کی کوشش کی بڑی مشکل سے انہیں چھت پہ چڑھایا کیونکہ لان میں ان کا مزید کھیلتے رہنا اب صورتحال کے لیے نقصان دہ تھا۔ ایک طرف مہمانوں کے بٹھانے اور تقریب کے انتظامات تھے تو دوسری طرف کیٹرنگ والے انگیٹھیاں دہکائے بیٹھے تھے۔ باربی کیو کی تیاریاں جاری تھیں۔ اب گیٹ کے اندر سے آنے والے راستے کی آرائش کرنا تھی' اس نے ڈیکوریٹرز کو گیندے کے پھولوں سے زمین پہ خیر مقدمی نقش و نگار بنانے کی ہدایت کی۔

ابھی یہاں سے فارغ ہوا تھا کہ لائٹ مین آگیا۔ آرائشی قمقموں کی آرائش وہ اپنی ہدایت میں کروانے ہی والا تھا کہ اسرار آگیا۔ اسے قابل قدر قسم کی گالیوں سے نوازنے کے بعد اس نے باقی کام اس کے سپرد کیے اور خود نہانے چلا گیا۔

نہا دھو کے اس نے چائے طلب کی۔ وہی "افراتفری" یعنی احساس کی کلوز دوست افراح جس نے پچھلے دو چار روز سے یہیں ڈیرے ڈال رکھے تھے چائے کے ساتھ پکوڑے اور حلوہ لے کر آئی۔

"لیجئے جناب آپ نے تو صرف چائے مانگی تھی۔ میں چائے شائے لے آئی ہوں۔"

"زرہ نوازی ہے آپ کی۔" اس نے تولیے سے سر رگڑتے ہوئے بشاشت سے کہا۔ نہانے کے بعد بھی اسے تھکن سی محسوس ہو رہی تھی۔ دل چاہ رہا تھا کچھ دیر اکیلے کمرے میں سکون سے آنکھیں موند کے لیٹا رہے لیکن اس کے کمرے پہ ڈیڈی کے امریکہ والے کزن کی فیملی کا قبضہ تھا۔ وہ ادھر ادھر نظریں دوڑاتا لاؤنج میں بیٹھنے کی جگہ تلاش کرنے لگا۔ ایک صوفے پہ پھولوں سے بھرے لفافے رکھے تھے۔ دوسرے پہ ابٹن گھول کے مختلف پیالیوں میں رکھا تھا۔ تیسرے پہ مٹھائیوں کے ٹوکرے رکھے تھے بمشکل جگہ بنا کے وہ بیٹھا کہ چائے کے گرما گرم کپ' پالک کے خستہ پکوڑوں اور گاجر کے خوشبودار حلوے نے طبیعت پہ چھائی کسلمندی اور تکان کو منٹ میں زائل کر دیا۔

"آٹھ بج چکے ہیں مہمان آنے ہی والے ہوں گے اور گھر والوں کی تیاری کا کوئی حال ہی نہیں' سر منہ جھاڑ اور سر پھاڑ..... نہیں یار وہ منہ پہاڑ اور سر جھاڑتے پھر رہے ہیں۔"

"دس بجے سے پہلے کس نے آنا ہے؟" وہ بے فکری سے بولی۔

"اور اگر جو کوئی آگیا تو یہ فٹے منہ شکلیں استقبال کریں گی؟"

"ہائے اللہ' ہماری کیوں ہونے لگیں۔" وہ تنک کر بولی۔ "ایسے پرنور چہرے تمہارے جیسے بدذوق کو ہی فٹے منہ لگ سکتے ہیں۔"

"پرنور..... یعنی کہ..... پر..... پر پر..... " اس کی ہنسی نکل گئی۔ "پر قلعی کہنا چاہیے' کسی دن میک اپ نہ کرو۔

پھر دیکھنا ہوں کیسے حوصلہ پڑتا ہے کسی فنکشن میں جانے کا یہ جو عموماً" مایوں اور مہندی والے دن دلہن نے یہ لمبا سا گھونگٹ نکال کر منہ چھپا رکھا ہوتا ہے ناں تو اس کی وجہ شرم و حیا نہیں بلکہ میک اپ کی غیر موجودگی ہی ہوتی ہے۔ مووی بنوانے کا حوصلہ نہیں ہوتا۔ اب بھی دیکھ لو' احساس تین دن سے روپوش ہے۔ وہ پیلی پیلی سی لئی اس پر مل مل کے تم لوگوں نے اس کا حشر کر رکھا ہے۔ جہاں سامنا ہوتا ہے وہ منہ لپیٹ کے ایک طرف ہو جاتی ہے۔"

"وہ تو اسے آنٹی نے منع کیا ہے کہ اپنا چہرہ زیادہ سے زیادہ چھپا کے رکھو' روپ چڑھے گا۔"

"روپ چڑھے نہ چڑھے' جن ضرور چڑھے گا۔ اگر میں غازی کو اس کے اس روپ کا دیدار کرا دوں تو بیچارہ کھڑا کھڑا غازی سے شہید ہو جائے۔"

"اف اوج' تم بولتے بہت ہو اور وہ بھی فضول' تم سے کون بحث کرے۔" وہ تنگ آ کے اٹھ کھڑی ہوئی۔

خلاف توقع لڑکے والے مقررہ وقت پہ ہی آگئے۔ اوج اپنے دوستوں میں بیٹھا بے سرے مقابلے سے لطف اندوز ہو رہا تھا جب تیسری بار اسے ماما کی طلبی کے آرڈر ملے۔ ناچار اسے اٹھ کے جانا ہی پڑا اور ورنہ لڑکی والوں کو دلہا کے خاندان کے بھانڈے پھوڑتے اور لڑکے والوں کو دلہن کی شان میں گستاخانہ قصیدہ گوئی کرتے سن کر اس قدر مزا آ رہا تھا۔

"جی ماما؟"

"کہاں غائب ہو' اتنی بار بلاوا بھیجا۔"

"اب آ تو گیا ہوں' کہیے۔"

"احساس کو رسم کے لیے باہر لیجا رہے ہیں۔ میں نے سوچا یہ نہ ہو بعد میں تمہیں آوازیں دیتی رہوں اور تم ہاتھ ہی نہ لگو۔ اب ذرا میرے ساتھ ساتھ رہو۔ تمہیں ہی بھائی کے رشتے سے رسم پوری کرنی ہے۔"

"مثلاً"..... مثلاً" کیا کرنا ہوگا؟"

"فکر مت کرو' سر کے بل کھڑا نہیں ہونا پڑے گا نہ ہی منہ سے آگ کے شعلے نکالنے ہوں گے۔ بس مہندی اور تیل لگانا ہوتا ہے۔"

"ہیں؟ یہ میں کروں گا..... ؟ تیل کا کیا ہے خود ہی لگا سکتی ہے اور مہندی کسی سہیلی سے لگوا لے۔ میں کیا کسی بیوٹی پارلر سے مہندی کا کورس کر کے آیا ہوں۔" وہ واپس جانے کے لیے مڑا تو ماما نے بازو کھینچ کے روکا۔

"بیٹھو ادھر..... خبردار جو یہاں سے ہلے۔"

پھر کچھ منٹ بعد سہیلیوں کے نرغے میں پیلے کرتے شلوار اور پیلے ہی بڑے سے دوپٹے کا ڈیڑھ فٹ لمبا گھونگھٹ نکالے احساس نمودار ہوئی۔

"خیر تو ہے یہ دس دس لوگوں نے کیوں اسے دبوچ رکھا ہے۔ یہ کیا کہیں بھاگ رہی ہے۔" اس نے پھر شوشا چھوڑا جوابی کارروائی کے طور پر ماما نے ایک زبردست جھانپڑ لگانے میں ذرا دیر نہ لگائی۔

"کبھی تو منہ کھولنے سے پہلے سوچ لیا کرو کہ کیا بولنے جا رہے ہو۔" خیر کسی نہ کسی طرح آدھا گھنٹہ لگا کے سب کی سب اسے کسی بھاری ٹرالی کی طرح گھسیٹتی دھکیلتی لان کے اسٹیج تک لائیں۔ غازی کے گھر کی خواتین نے پہلے رسم شروع کی۔ ایک ایک خاتون آتی' ہتھیلی پہ دھرے پتے پہ مہندی رکھ کے اور بجی سجائی پیالی میں رکھے تیل میں اپنی ایک آدھ انگلی نفاست سے ذرا سی ڈبوتے ہوئے گھونگھٹ کے اندر کہیں چھپے احساس کے سر پہ لگا کے واپس چلی جاتیں۔ پھر باری آئی لڑکی والوں کی..... جہاں خواتین کا اچھا خاصا کال تھا' گنتی کی چند آنٹیوں نے رسم ادا کی۔ احساس کی درجنوں سہیلیاں مچل مچل کے اسٹیج پہ چڑھنے کی ضد کر رہی تھیں لیکن ایک زبردست قسم کی آنٹی نے انہیں بزور گھوریاں قابو میں کر رکھا تھا کہ لڑکیوں بالیوں کی باری سب سے آخر میں۔

"چلو اوج اب تم آگے آؤ۔" ماما نے اسے آگے دھکا دیا۔ وہ برے برے منہ بناتا اوپر چڑھا۔ وہ پنجوں کے بل بیٹھتے ہوئے اس کی پھیلی ہوئی ہتھیلی پہ غور کرنے لگا جہاں گندھی ہوئی ہری ہری مہندی کا پہاڑ سا کھڑا تھا۔ تھال سے چٹکی بھر مہندی اٹھا کے اس نے اس تودے پہ جمائی اور اٹھنے لگا۔ ایک موٹا سا ابٹن کا گولہ اس کے کان کے پاس آ کے لگا اس نے نشانہ باز کو کھوجنا چاہا مگر

مووی کیمرے اور فلیش کیمرے کی چکا چوند نے آنکھیں چندھیا دیں۔

"تیل۔۔۔ تیل۔۔۔" دو تین آوازیں پڑیں وہ مزید اٹینی حملے سے بچنے کے لیے طوعاً کرہاً پھر سے بیٹھ گیا۔ تیل میں پورا پنجہ ڈبو کر اس نے ٹپکتی ہوئی انگلیاں ایک ہتھیار کی طرح اٹھائیں، ارادہ شاید اسے پورے کا پورا بھگو دینے کا تھا۔

"بڑے ارمان ہیں بی بی احساس کو تیل لگوانے کے۔ ایسا تیل لگاؤں گا، دھاریں پیر تک بہیں گی۔" انتقامی انداز میں سوچتے اس نے ذرا سا اور آگے کھسک کے گھونگھٹ کے اندر جھانکا۔

"فاؤل۔۔۔ بے ایمانی۔۔۔ دلہن کا چہرہ دیکھنے کی اجازت نہیں۔" اس کی فرینڈز چلا اٹھیں۔ وہ ابھی تک گھونگھٹ کے اندر چہرہ گھسائے ہوئے تھا۔ اوپر اٹھا تیل سے چپڑا ہاتھ ویسا ہی بلند تھا جیسے کسی نے فریز کر دیا ہو۔

"ارے اوج کیا سو گئے۔ بیٹھے بیٹھے۔" آنٹی نے آواز لگائی۔

وہ ایک جھٹکے سے اٹھا تیل سے بھرا ہاتھ کلف لگے کرتے کے گریبان سے بے تابی سے مسلتا ہوا۔ اس کی بے یقین سی آنکھیں سخت متوحش تھیں اور بدستور رکوع کی حالت میں بیٹھی پیلے دوپٹے میں چھپی احساس پہ مرکوز تھیں۔

"ارے جلدی کرو، ہمیں بھی رسم ادا کرنی ہے۔ وہیں جم کے رہ گئے۔" افراح نے ٹوکا۔ "جلدی سے تیل لگاؤ۔"

"اور منہ بھی میٹھا کرانا۔" ماما نے مزید ہدایت کی وہ طیش کے عالم میں مڑا، پانی سے بھری آنکھیں زور زور سے جھپکتا، ایک ہاتھ سے چہرہ چھپاتا ہوا۔

"واٹ ربش، یہ مووی میکر تو آنکھوں میں گھسا چلا آرہا ہے۔ مجھ سے یہاں کھڑا نہیں ہوا جارہا۔ اس قدر لائٹس، خود ہی کریں سب کچھ۔۔۔ میں تو۔۔۔" کپکپاتے لہجے پہ قابو پاتا وہ دو چھلانگیں مارتا اسٹیج سے اترا اور اردگرد کے جمگھٹے کو ہاتھوں سے چیرتا پل میں وہاں سے نکل گیا۔

"اسے کیا ہوا؟" کسی نے پوچھا تھا۔

"یہ ایسا ہی ہے، ذرا سی بات پہ موڈ آف، اب بھلا شادی بیاہ پہ، یہ سب تو ہوتا ہی ہے۔ شور شرابا، ہنگامہ، افراتفری اور روشنیاں یہ تو ہر وقت بس توپ کے دہانے پہ بیٹھا رہتا ہے۔" ماما نے دہائی دی۔

"خیر یوں تو مت کہو۔ صبح سے دیکھ رہی ہوں، کسی نہ کسی کام میں لگا ہے۔ آخر انسان ہے تھکاوٹ سر پہ سوار ہو گئی ہوگی۔ چلو چھوڑو۔۔۔" کسی نے بات کو ٹالا وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا، سارے ہنگامے سے دور گھر کے اندرونی حصے میں بڑھتا چلا جارہا تھا، جہاں روشنی تھی مگر ہنگامے نہ تھے، رونق تھی مگر چہل پہل نہ تھی۔ اس نے اپنے کمرے میں داخل ہو کے دروازہ دھماکے سے بند کیا۔

☼ ☼ ☼

"میں اوج رفیع، یاد ہے اس دن آپ کو بتا رہا تھا کہ محبت کیسے ہوتی ہے۔ یعنی ایک دفعہ کا ذکر ہے، ایک ہوتا ہے لڑکا، وہ کہیں جارہا ہوتا ہے کہ اچانک اسے ٹھوکر لگتی ہے۔۔۔ تب مجھے واقعی نہیں پتا تھا کہ محبت کب ہوتی ہے کب اور کیسے ہوتی ہے لیکن آج میں جان گیا ہوں، سب جان گیا ہوں۔ لیکن جانتے ہیں کہ آج بھی میرے پاس بتانے کے لیے اس سے زیادہ اور کچھ نہیں۔

"ایک دفعہ کا ذکر ہے ایک ۔ ہوتا ہے لڑکا" کہیں جارہا ہوتا ہے کہ اچانک اسے ٹھوکر لگتی ہے۔"

"ہاں محبت بھی ایک ٹھوکر ہی تو ہے، راہ چلتے کب لگ جائے کسے پتا، اپنے ہی دھیان میں چلتا بندہ اچانک منہ کے بل گر جاتا ہے۔ میں بھی منہ کے بل گرا ہوں، میرے منہ میں، آنکھوں میں ہر طرف ریت ہی ریت بھر گئی ہے اور میں یہ کرکرا سا ذائقہ اپنی خشک زبان پہ پھیرتا ہوا سوچ رہا ہوں کہ میں اب کیوں گرا؟ اب۔۔۔؟ گرنا ہی تھا تو "اب" کیوں۔۔۔ یہ ٹھوکر پہلے لگ جاتی۔ کچھ قدم پہلے۔۔۔ جب قدموں کے نیچے

ریت نہیں تھی، سبزہ تھا۔

کاش میں سبزے پہ گرتا۔۔۔ میں کیوں نہ گرا۔۔۔ آخر میں تب سرپٹ ہی تو بھاگ رہا تھا، ہر قدم پہ ایک ایک منزل پھلانگتا۔۔۔ جو جو میں سوچتا گیا جو، جو میں چاہتا گیا، وہ وہ ہی ہوتا رہا۔ ہوتا گیا، ہوتا چلا گیا۔۔۔ مجھے احساس سے شادی نہیں کرنا تھی۔ اور ڈیڈی بضد تھے، اسے راستے سے ہٹانے کا ایک ہی طریقہ تھا کہ وہ کسی اور کی ہو جائے۔ غازی سے میں نے بڑی پلاننگ کے ساتھ راہ و رسم بڑھائی۔ یہ ضروری نہیں تھا کہ بات شادی تک پہنچتی۔ مگر بات بڑھی۔ اتنا آگے بڑھی کہ جھٹ منگنی پٹ بیاہ تک نوبت جا پہنچی۔ میں کتنا خوش خوش اسے رخصت کرنے کی تیاریوں میں مصروف تھا کہ اچانک میں۔۔۔ میں منہ کے بل گر گیا۔ راہ چلتے مجھے زور کی ٹھوکر لگی تھی۔ کیسی عجیب سی ٹھوکر تھی۔ زمین آسمان گھوم کر رہ گئے، آس پاس کے سارے منظر دھندلا گئے۔ نظر میں رہا تو صرف زرد شعاعوں کے ہالے میں لپٹا۔ وہ دہکتا، سلگتا چہرہ۔۔۔ وہ آنکھیں جو صرف پل بھر کو اٹھیں اور۔۔۔ اف کیا ہوا تھا مجھے، کیا وہ چہرہ پہلی بار دیکھا تھا میں نے؟ کیا وہ آنکھیں پہلی بار مجھ پہ اٹھی تھیں؟"

میں ایک سادہ، کورا دل لیے اس کے سامنے بیٹھا تھا۔ میں نے اسی کورے دل کے ساتھ اس کی ہتھیلی پہ مہندی لگائی تھی۔ اور شاید یہ دل ایسا ہی کورا، اتنا ہی انجان رہتا اگر میں باقی سب کی طرح گھونگھٹ میں ہاتھ ڈال کر تیل ہی لگا لیتا مگر مجھے نجانے کیا سوجھی کہ میں نے گھونگھٹ میں چھپے اس کے چہرے کو دیکھنے کی کوشش کی۔۔۔ اب بھلا مجھے کیا پتا تھا کہ پیلے گھونگھٹ کی پناہ میں اس کا چہرہ اتنے عکس سمیٹے ہوئے ہوگا۔

لمبا سا گھونگھٹ۔۔۔

اس کے اندر سر جھکائے بیٹھی احساس شفیع۔۔۔

اسی گھونگھٹ کے اندر جھانکتا میں۔۔۔

ابٹن کی زردیوں سے پھوٹ پھوٹ کے نکلتی دہکتی آتشیں لپٹیں نجانے اس کے رخساروں سے کہاں چھپا رکھی تھیں میرا اندر پل میں بھڑک اٹھا۔

لال ڈوروں سے بجی متورم تھکی تھکی آنکھوں نے ایک ہی نظر میں اپنی ساری تھکن میری رگوں میں انڈیل دی۔

کپکپاتے نم لبوں کی ساری لرزش میری پوروں میں اتر آئی۔

میں ہارا ہوا اٹھا۔ اب میرے کورے دل پہ ایک گہرا نقش تھا۔ احساس شفیع کا۔۔۔ اس احساس شفیع کا جو چند گھنٹوں بعد احساس غازی ہونے جارہی تھی۔ اس کا نقش اب میرے یعنی اوج رفیع کے دل پہ نقش ہو چکا ہے۔

میں سرپٹ بھاگتے گرا ہوں، اتنی گہری چوٹ آئی ہے مگر کسے دکھاؤں؟ کون سہلائے گا؟ کون مرہم لگائے؟ کیا میں خود۔۔۔؟"

☼ ☼ ☼

اور آج مہندی کا فنکشن ہے۔ احساس شفیع اور غازی مراد علی کی مہندی کی تقریب۔

"دکھاؤ ذرا کہیں زیادہ تیز بخار تو نہیں۔" ماما نے بستر پہ آنکھیں موند کے لیٹے اوج کے ماتھے پہ فکرمندی سے ہاتھ رکھا۔

"کچھ نہیں ماما۔۔۔" وہ اکتایا ہوا سا بولا۔

"لگتا ہے تھکن ہو گئی۔۔۔" انکل نے رائے دی۔

"شفیع۔۔۔ میرے بھائی یہ تو اٹھنے والا نہیں۔ تم ہی جا کر ڈاکٹر لے آؤ۔"

"پلیز ماما، ڈاکٹر کی ضرورت نہیں۔ مجھے کچھ نہیں ہوا۔ بس آپ لوگ مجھے تنہا چھوڑ دیں۔" اس نے بازو موڑ کے چہرے پہ رکھ لیا۔

"بھابی یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔ اسے کچھ دیر آرام کرنے دیں کئی دنوں سے مسلسل مصروفیت نے اسے تھکا ڈالا ہے۔" وہ انہیں لیے کمرے سے نکل گئے۔

کمرہ پھر سے خالی ہونے کے بعد اوج رفیع نے آہستہ سے بازو ہٹایا۔ صبح سے کمرے میں بار بار کسی نہ کسی کی آمد جاری تھی اور ہر آمد پہ وہ جزبز ہوتا اپنا چہرہ چھپا لیتا یا رخ بدل لیتا۔

اس نے نیم تاریک کمرے میں اپنی وحشت زدہ آنکھیں پھیلا پھیلا کر کچھ ڈھونڈنے کی کوشش کی اور چند ہی لمحوں کے بعد وہ کامیاب ہو گیا۔ کمرے کی فضا میں ہر طرف ایک ہی چہرہ ٹمٹمانے لگا۔ اس نے بڑے دھیان سے اس چہرے پہ نظر جمالی اور کان باہر لان سے آتی ڈھولک کی تھاپ پہ لگا لیے۔

☆ ☆ ☆

اور اس وقت نکاح کی تیاریاں ہیں۔ احساس شفیع اور غازی مراد علی کے نکاح کی۔ بارات کا وقت رات نو بجے ہے اور اس کے استقبال کے لیے رفیع صلاح الدین نے ایک مہنگے بینکوئٹ ہال میں شاندار انتظامات کرا رکھے ہیں۔ لیکن نکاح کے لیے صبح کا وقت مقرر کیا گیا تاکہ شام کو اگر بارات تاخیر سے بھی آئے تو رخصتی میں دیر نہ ہو۔

غازی کے ساتھ اس کے والدین کے علاوہ 'تایا' چچا نانا اور بہنوئی بھی تھے۔ مہمانوں کے لیے پر تکلف ناشتے کا بھی اہتمام تھا۔

مہندی کا فنکشن رات دیر تک چلتا رہا تھا اس لیے گھر پہ موجود مہمانوں کی اکثریت ابھی تک سو رہی تھی۔ صرف چیدہ چیدہ بزرگ نکاح کے لیے موجود تھے۔ نئی نسل میں سے احساس کے علاوہ صرف اوج رفیع ہی جاگ رہا تھا بلکہ وہ تو اس سے بھی پہلے جاگ چکا تھا۔ شاید سب سے پہلے۔۔۔ یا شاید وہ تو سویا ہی نہیں تھا۔

گھر میں اتنا اہم واقعہ ہونے جا رہا تھا لیکن خاصا خاموشی اور سکون کا سا ماحول تھا۔ اکثر کمرے بند تھے۔ لان میں رات ہونے والے ہنگامے کے اثرات باقی تھے۔ مہندی کے۔۔۔ بکھرے تھال پھولوں کی پتیاں' موتیے کے گجرے۔ لان کے دوسری طرف کھانے کی باقیات۔۔۔ ایک طرف قطار در قطار اوپر تلے رکھی کرسیاں۔۔۔

احساس رت جگے سے متورم آنکھیں زبردستی کھولے دھڑ دھڑ کرتے دل کے ساتھ اپنے کمرے میں تنہا تھی۔

ہال کمرے میں غازی اور اس کے گھر والوں کے علاوہ ڈیڈی' انکل اور ماما موجود تھے۔ احساس کی بڑی ممانی' خالہ اور خالو بھی موجود تھے۔ اوج نکاح خواں کو بلانے کے لیے جا چکا تھا۔ ماما کے اشارے پہ ملازمہ نے ناشتے کے لوازمات ٹیبل پہ چن دیے۔ حلوہ پوری' پراٹھے' نہاری' کلیجے' آملیٹ' ابلے انڈے' کشمیری چائے اور باقر خانیاں بھاپ اڑا رہے تھے۔

"لیجیے بھائی صاحب' آپ تو تکلف کر رہے ہیں۔" انکل نے غازی کے والد کو کہا جو کن انکھیوں سے اپنی بیگم کو ٹٹولتی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

"بات یہ ہے کہ ہم نکاح سے پہلے کچھ معاملات کلیئر کر لینا چاہتے ہیں۔" آخر کار انہوں نے کھنکارتے ہوئے بات کا آغاز کیا۔ اگرچہ الفاظ عام سے تھے لیکن انداز حد سے زیادہ غیر معمولی۔ جس نے سب ہی کو چونکا کے رکھ دیا۔ غازی کے ساتھ آئے اس کے تایا اور ماموں وغیرہ البتہ سارے معاملے سے بے نیاز ناشتا اڑا رہے تھے۔

"جی کہیے' ایسا کون سا معاملہ ہے جسے اس وقت کلیئر کرنے کی ضرورت آن پڑی۔" آخر کار ڈیڈی نے خشک لہجے میں پوچھنے میں پہل کی۔ انکل تو گم صم بیٹھے رہ گئے۔ انہوں نے غازی کی والدہ کے چہرے پہ نجانے ایسا کیا پڑھ لیا تھا کہ خوف زدہ ہو گئے۔

☆ ☆ ☆

اور یہ شادی کی تقریب تھی۔ احساس شفیع اور اوج رفیع کی شادی کی تقریب۔ ایک ہی گھر سے بارات اور اسی گھر سے بنی سنوری دلہن نکلی' ایک خوبصورت

سے میرج ہال میں یہ خوبصورت جوڑا ان خوبصورت ساعتوں کو یادگار بنا رہا ہے اور اب کچھ دیر بعد یہی دلہن اسی دولہا کے ساتھ اسی گھر میں رخصت ہو کر چلی جائے گی جہاں سے یہ آئے تھے۔ دونوں کا نکاح آج صبح اسی گھر میں ہو چکا تھا۔

عنابی شرارے پہ ڈل گولڈن کام کے ساتھ' بھاری گلوبند' جھمکوں اور جھومر ٹیکے کے ساتھ احساس بلا کی خوبصورت لگ رہی ہے اور اس کے برابر شہزادوں کی سی سج دھج والا اوج آف وہائٹ شیروانی' کلاہ اور کرتا شلوار کے ساتھ خوشی اور فتح کی سرشاری سے تمتماتا چہرہ لیے چمک رہا ہے۔

ماما اور ڈیڈی کی خوشی چھپائے نہیں چھپ رہی۔ انکل کے چہرے سے وہ گھبراہٹ مفقود تھی جس نے پچھلے کئی دن سے ان کا احاطہ کیا ہوا تھا۔ اب وہاں سکون ہی سکون تھا۔ اطمینان ہی اطمینان تھا۔

بے خبر مہمان آتے ہی ایک زبردست سے جھٹکے سے دوچار ہوتے اور باخبر مہمان۔۔۔ جو نکاح کے وقت موجود تھے۔ ہنس ہنس کے اس خوشگوار تبدیلی کی وجہ بتاتے۔۔۔ اس تبدیلی کی جس کے نتیجے میں آج اوج رفیع' غازی مراد علی کی جگہ فاتح بنا کھڑا تھا۔

☆ ☆ ☆

"میں اوج رفیع' میرا خیال ہے اب تعارف کی مزید ضرورت نہیں ہے۔ اب تک تو آپ مجھے جان ہی چکے ہوں گے۔ بلکہ جو کچھ میں بتانے جا رہا ہوں اس کے بعد تو کبھی بھول ہی نہیں سکتے۔

اچانک لگی چوٹ نے کچھ دیر کے لیے میرے حواس ضرور مختل کر دیئے تھے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں بالکل ہی آؤٹ ہو گیا تھا۔ مجھے کچھ نہ کچھ تو کرنا تھا کوئی حل۔۔۔ کوئی علاج۔۔۔ کوئی مداوا۔۔۔ کوئی مرہم۔۔۔ اور آپ جانتے ہیں اس زخم کا مرہم کیا ہوتا ہے۔ وہ ملن سے بڑھ کے اور کیا ہو سکتا ہے اور اس مرہم کا انتظام مجھے خود کرنا تھا۔ کس سے مانگتا' کس کو زخم دکھاتا۔ انہیں جو پہلے ہی۔۔۔ اب کیا وجہ بتاتا

خواتین ڈائجسٹ پبلی کیشنز

کی ایک خوبصورت پیشکش

نامور مصنفہ رضیہ جمیل

کا "ساگر دریا بادل بوند"

کے بعد مشہور و معروف ناول

لاک گھروندہ برف کا

اب کتابی شکل میں شائع ہو گیا ہے

☆ خوبصورت سرورق

☆ مضبوط جلد

☆ آفسٹ پیپر

قیمت صرف =/300 روپے

کتاب منگوانے کے لیے

آج ہی =/330 روپے

کا منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ

ارسال فرمائیں۔

ملنے کا پتا

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37 اردو بازار کراچی

انہیں اپنے فیصلے کی تبدیلی کی... کیا یہ بتاتا کہ ایک دفعہ کا ذکر ہے ایک لڑکا تھا' وہ کہیں جارہا تھا کہ اچانک اسے ٹھوکر لگتی ہے۔

میرا دماغ اتنا بھی خراب نہیں تھا کہ میں یہ مقدمہ ڈیڈی یا ماما کے سامنے پیش کرتا۔ یہ جنگ مجھے خود لڑنا تھی اور میں نے لڑی' کیا خوب لڑی۔ ذرا سا دماغ ہی تو لڑانا تھا کون سا توپیں چلانا تھیں یا میزائل گرانا تھے اور آنٹی یعنی غازی کی امی کے لیے تو ایک ہی میزائل کافی تھا۔

جیسے ہی یہ بات میرے دماغ میں آئی میں بخار و خمار سب بھول کے اٹھ کھڑا ہوا اور بائیک اڑاتا سیدھا وہاں پہنچا۔

جب میں احساس کی کچھ موجود اور کچھ ناموجود جائیداد کی جھلک دکھا کے انہیں دیوانہ کرسکتا تھا تو اسی جائیداد کو مکمل غیر موجود قرار دے کر انہیں مکمل پاگل بلکہ پاگل کا پتہ بھی بنا سکتا تھا۔ یہ بہت آسان کام تھا اور میں نے بہت آسانی سے کیا۔ مجھے کرنا ہی کیا تھا صرف یہ کہ آنٹی صاحبہ کو مطلع کرتا کہ احساس کے پاپا یعنی میرے انکل دوسری شادی کے چکر میں ہیں اور اسی چکر میں انہوں نے بیٹی کو خالی ہاتھ رخصت کرنے کا پروگرام بنایا ہے تاکہ ساری پراپرٹی نئی نویلی بیوی کے نام لگائی جائے۔ خبردار کرنے کے بعد میں نے احتیاطاً انہیں ہدایت کی۔

"اور آنٹی پلیز' اس بات کی ہوا بھی انہیں نہیں لگنا چاہیے کہ آپ میری وجہ سے سب جان چکی ہیں اور احساس کی پراپرٹی کی آپ کو سب خبر ہے۔ بس آپ انجان بن کے ان سے مطالبہ کریں کہ وہ اپنی فیکٹری' بنگلہ اور کچھ زمین وغیرہ سب احساس کے نام کردیں۔ میں جانتا ہوں آپ کو کوئی لالچ نہیں لیکن احساس۔ اس بے چاری کا کیا ہوگا اس کا حق غضب ہورہا ہے۔ آپ ہی اس کی مدد کریں۔ یہ ٹھیک ہے یہ مطالبہ کرتے ہوئے آپ کو برا ضرور لگے گا لیکن اس میں آپ کی ہونے والی بہو کا فائدہ ہے۔"

اور آنٹی کی بلا سے احساس کا فائدہ ہو یا کباڑا۔

انہیں تو گھر آتی دولت واپس پلٹتی نظر آرہی تھی۔ فوراً" بوکھلا کے وہاں دو ڑیں اور چھوٹتے ہی نکاح سے پہلے جائیداد کی منتقلی کے کاغذات تیار کروانے کی شرط عائد کردی۔ انکل تو ہکا بکا رہ گئے۔ تقریباً" سب ہی لوگ لعن طعن کرنے لگے اور اس سے پہلے کہ آنٹی شرمندہ ہوکے فی الوقت اس مطالبے سے دستبرداری کا فیصلہ کرتیں۔ میرے ڈیڈی کا جلال کروٹ لے کر بیدار ہوگیا اور پہلی بار ڈیڈی کا غصہ مجھے پیارا لگا۔ وہ گرج رہے تھے میں چمک رہا تھا۔ وہ مہمانوں کی بے عزتی کرکے انہیں فوراً" گھر سے نکل جانے کا حکم دے رہے تھے اور میں لڈیاں ڈال رہا تھا۔

لڈی ہے جمالو پاؤ لڈی ہے جمالو۔

میری لڈی کو بریک لگ گئے جب اچانک ڈیڈی نے مجھے پنچ کے صوفے پہ پھینکا۔

"مولانا صاحب آپ نکاح پڑھائیے۔ اور ہاں آپ لوگ چھوہارے کھا کے جائیے گا۔" انہوں نے غازی کے والدین کے پیچھے آواز لگائی مگر شاید انہیں چھوہاروں سے خاص رغبت نہ تھی اس لیے تن فن کرتے باہر نکل گئے۔ میں نے البتہ اس دن خوب چھوہارے اور مخانے کھائے۔

اس دن... یعنی کل صبح... جی ہاں رات کے دو بج چکے ہیں' اگلا دن شروع ہوچکا ہے۔ اب میری نکاح کی تاریخ کل کا قصہ ہے۔ اب مجھے اجازت دیں مجھے اندر جانا ہے۔ بھئی اندر یعنی اپنے کمرے میں... سارا گھر مجھے ڈھونڈ رہا ہوگا کہ یہ دلہے میاں کہاں فرار ہوگئے۔ اگرچہ مجھے بھی کم جلدی نہیں تھی احساس سے ملنے کی مگر کیا کروں پیٹ کا بوجھ بھی تو ہلکا کرنا تھا اسی لیے اسٹڈی میں چھپ کر ڈائری لکھنے لگا بس اب اندر کی بات اگل دی' اب میں چلا... ابھی اسے بھی تو وہ کہانی سنانا ہے۔

"ایک دفعہ کا ذکر ہے' ایک تھا لڑکا... ایک دن وہ جارہا ہوتا ہے کہ اچانک اسے ٹھوکر لگتی ہے..."

☆ ☆

سائرہ عارف

پس آئینہ

افسانہ

"میرا پیلا دوپٹہ تم نے دیکھا ہے۔" اپنے لمبے سیاہ سلکی بالوں میں پیلا شیشوں والا پراندہ جس میں سبز اور سرخ دھاگے کے ریشمی پھندنے بھی لٹکے ہوئے تھے' ڈال کر اس نے خود کو آئینے میں دیکھتے ہوئے مصروف سے انداز میں اس سے دریافت کیا تھا جو لاپروائی سے منہ بنائے اس کی پھرتی تیاری دیکھ رہی تھی۔ اس کی طرف سے جواب نہ پاکر فارنیہ نے مڑ کر غصے سے اسے گھورا۔

"تمہارا موڈ کیوں آف ہے' کیا ہوا ہے' منہ کیوں سُوجائے بیٹھی ہو۔ دس دفعہ محترمہ سے دوپٹے کا پوچھ چکی ہوں' جواب دینے کی زحمت ہی نہیں کر سکتی ہیں۔"

"مجھے دیا تھا تم نے جو مجھ سے بار بار پوچھ رہی ہو' خود ڈھونڈ لو۔ جہاں رکھا ہوگا' وہاں دیکھو۔" نہایت بدتمیزی سے کہہ کر فائزہ نے دوبارہ رسالہ پڑھنا شروع کر دیا تھا۔ اس نے غصے سے دانت پیس کر اپنی چھوٹی بہن کو دیکھا۔ وقت کم تھا ورنہ ابھی اسے بتاتی' تمیز تہذیب کیا ہوتی ہے۔

"کہاں چلا گیا اب' یہاں ہی تو رکھا تھا کچھ دیر پہلے میں نے۔ اس گھر میں کوئی چیز بھی ٹھکانے پر نہیں ملتی ہے کون لے گیا۔" عجلت اور پریشانی میں اسے بھلا پہلے کبھی کوئی چیز ملی تھی جو اب دوپٹہ ملتا۔ البتہ کمرے کو ضرور الٹ پلٹ کر رکھ دیا تھا۔ چھوٹے سے کمرے میں مانو گھمسان کا رن پڑا تھا' بے دردی سے بستر کو فرش پر پھینک کر اب وہ بے بسی سے سوال کر رہی تھی' فائزہ بظاہر ڈائجسٹ کھولے بیٹھی تھی مگر صفحات کے پیچھے سے کن انکھیوں سے اس کی بے بسی اور غصے سے حظ اٹھا رہی تھی اور کوئی وقت ہوتا تو "بڑی بہن" کا دوپٹہ شاید ہمدردی میں ڈھونڈ ہی دیتی مگر اس وقت تو دور دور تک دل میں نرمی' ہمدردی کا نشان تک نہ تھا' بلکہ اسے جلتے کڑھتے' بکتے جھکتے دیکھ کر خاصی خوشی ہو رہی تھی۔

"ذرا سی دیر کیا ہو گئی ہے' محترمہ کے نخرے دیکھو' اللہ کرے اس کا دوپٹہ ملے ہی نہیں۔ بڑی خوش ہو رہی تھی' شوخیاں مار رہی تھی' کلاس میں سے

علیزے نے صرف مجھے بلایا ہے پارٹی میں' اونہہ..... کیوں بلایا ہے' یہ بھی سب کو معلوم ہے۔" اس نے جل کر بددعا دی تھی مگر یہ وقت شاید قبولیت کا نہیں تھا' اسی وقت امی اندر داخل ہوئی تھیں۔

"ہائیں ہائیں' ارے یہ کیا طوفان مچا دیا تم نے' کیا کھو گیا ہے اب.....!" سارے ہی گھر والے اس کی عادت سے واقف تھے' کھوئی ہوئی چیز اسے کبھی نہیں ملتی تھی' البتہ تلاش کی ناکام کوشش میں گھر ضرور الٹ پلٹ ہو جاتا تھا۔

"امی! میرا دوپٹہ پتا نہیں کدھر گیا' اتنی دیر سے تلاش کر رہی ہوں' مل ہی نہیں رہا۔ مجھے بہت دیر ہو رہی ہے' سب سے لیٹ میں ہی جاؤں گی۔ دو بجے کا ٹائم تھا علیزے کے گھر پہنچنے کا اور اب.....!" گلوگیر لہجے میں بولتے بولتے اس کی آنکھیں اب چھلک پڑنے کو تھیں اور امی بھلا اپنی لاڈلی کی آنکھوں میں پانی کہاں دیکھ سکتی تھیں۔

"ارے بھئی تو اس میں رونے والی کون سی بات ہے' ذرا ذرا سی باتوں پر چھوٹے بچوں کی طرح رونے لگتی ہو' حوصلہ ہے ہی نہیں تم میں۔ جاؤ تمہارا دوپٹہ میرے کمرے میں ٹرنک پر دھرا ہے' لے لو۔ خود ہی تو وہاں پھیلایا تھا کہ تیار ہو کر لے لوں گی' استری خراب نہ ہو جائے اور اب اتنی جلدی بھول بھی گئی تھیں۔ اللہ جانے میڈیکل کی پڑھائی تم کیسے کر لیتی ہو۔ سارا دماغ صرف پڑھنے میں ہی لگا دیتی ہو۔" امی بڑبڑاتے ہوئے کمرے کی چیزیں سمیٹ رہی تھیں اور وہ تو اپنے دوپٹے کا سراغ ملتے ہی باہر بھاگ گئی تھی۔

عبداللہ کے ساتھ جب وہ بیس منٹ کا سفر طے کر کے علیزے کی حویلی کے سامنے رکشے سے اتری تو کئی ثانیے تک اندر داخل نہیں ہو سکی تھی' بہت سی کلاس فیلوز سے علیزے کی شاندار' خوبصورت وسیع و عریض حویلی کی تعریف سن چکی تھی مگر آج بذات خود پہلی بار اس پر شکوہ پرانے طرز کی بنی حویلی کو دیکھ رہی تھی تو حیرت سے انگشت بدنداں رہ گئی تھی۔

"کیا ہوا' باجی! آپ باہر کیوں رک گئی ہیں' اندر

نہیں جانا۔" عبداللہ کے پکارنے پر وہ چونک کر سحر سے باہر آئی تھی۔ بڑے سے لکڑی کے گیٹ کو پار کر کے وہ اندر داخل ہوئے تھے اور اندر کی دنیا تو اور بھی الف لیلوی تھی۔ وسیع و عریض خوبصورت لان میں پارٹی کا اہتمام کیا گیا تھا اور اسی حوالے سے لان کی آرائش و زیبائش کی گئی تھی۔ پیلا اور نارنجی رنگ ماحول میں نمایاں تھا۔ پیلے گیندے کے پھولوں کی آرائشی لڑیاں آنے والے راستے کے دونوں طرف اس خوبصورتی سے لٹکائی گئی تھیں کہ دیکھنے میں نہ صرف بھلی معلوم ہوتی تھیں بلکہ ہونے والے فنکشن کے بارے میں بھی اندر داخل ہوتے ہی آگاہی ہو رہی تھی۔ حتیٰ کہ کرسیوں کے کور بھی پیلے اور نارنجی رنگ کے ہی تھے۔ ملبوسات تو تمام لڑکیوں نے پہلے سے ہی طے کر لیا تھا کہ بسنتی رنگ کے ہوں گے' علیزے اپنی مدر کے ہمراہ آنے والوں کو ویلکم کر رہی تھی۔ اسے دیکھ کر مسکراتے ہوئے اس کی طرف بڑھی اور ہاتھ ملانے کے بعد اسے سر سے پاؤں تک بغور جانچا۔

"واؤ فارنیہ ڈیئر..... بہت آفت لگ رہی ہو' نیا ڈریس سلوایا ہے۔"

"ہاں نہیں' نیا تو نہیں۔" اس نے مسکراتے ہوئے مبہم سا جواب دیا تھا۔ اب کیا بتاتی کہ یہ سوٹ تو آج سے پانچ سال پہلے اس نے بینا آپی کی شادی پر سلوایا تھا مہندی کے لیے اور جب علیزے نے اسے پارٹی کی دعوت دی تھی اور ساتھ ہی یہ بھی تاکید کی تھی کہ وہ پیلے سوٹ کے ساتھ نارنجی دوپٹہ اوڑھ کر آئے گی تو وہ شدید پریشانی میں مبتلا ہو گئی تھی۔ نیا سوٹ خریدنے کی استطاعت تھی نہ اجازت ہی مل سکتی تھی کہ وہ جس فیملی سے تعلق رکھتی تھی وہاں ایسی فضول رسومات' تہواروں کو اول تو پسند ہی نہیں کیا جاتا تھا' منانا تو دور کی بات ہے اور دوسرے نیا سوٹ صرف عید تہوار پر ہی سل سکتا تھا۔ اب وہ علیزے کی پارٹی میں کیا پہنے گی' اسی فکر نے اس کی راتوں کی نیند اڑا دی تھی۔ علیزے کلاس کی سب سے امیر اور خوبصورت لڑکی تھی۔ ہر لڑکی اس سے دوستی کی شدید خواہش رکھتی تھی مگر وہ ایسی نخریلی شہزادی تھی کہ کسی کو خاطر ہی میں نہیں لاتی تھی۔ فارنیہ تو اس سے دوستی کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ عام سی صورت اور مڈل کلاس بیک گراؤنڈ۔ نہ شکل' نہ حیثیت' کچھ بھی تو ہم پلہ نہیں تھا پھر دوستی کا خیال کیسے آتا۔ ہاں ایک منفرد اور بہت بڑی خوبی اس میں ضرور تھی کہ وہ بے حد ذہین اور پڑھاکو لڑکی تھی۔ کلاس میں اول پوزیشن لیتی تھی۔ اساتذہ کی منظور نظر' میڈیکل کی اچھی خاصی تیاری اور اس کا اول آنا..... شاید یہ ایک خوبی کلاس کی باقی خوبصورت امیر اور ماڈرن لڑکیوں کی تمام جملہ خصوصیات پر بھاری ہو گئی تھی کہ علیزے نے دوستی کا ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا تھا۔

کوئی بھی انسان اللہ نے مکمل نہیں بنایا۔ کوئی نہ کوئی کمی اس میں ضرور رکھی تھی تاکہ یہ کمی یہ خامی اسے دوسروں کی ضرورت کا احساس دلائے کہ کوئی فرد اگر جامع اور مکمل انسان ہوتا تو شاید معاشرہ میں کسی دوسرے فرد کی ضرورت محسوس ہی نہ کرتا اور یوں یہ معاشرہ کبھی مل جل کر' تعاون سے اور مدد سے آگے نہ بڑھ پاتا۔ وہ فارنیہ سے نوٹس لیتی تھی جو وہ بے حد محنت سے تیار کرتی تھی اور علیزے کو مفت میں چیٹنگ کے لیے مل جاتے تھے۔ وہ کلاس روم میں اس کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھتی تھی۔ اس سے مشکل مشکل فارمولے سمجھتی' ٹیسٹ میں کوئی سوال نہ آتا تو اس کی چیٹنگ کرلیتی تھی۔ اسے پتا تھا فارنیہ نے کون سا اس کی شکایت کرنی ہے بلکہ وہ تو رعب حسن سے مرعوب اور اس کی دوستی پر فخر کرتے ہوئے تن من لٹانے پر بھی تیار ہو جائے گی۔ مڈل کلاس کی یہ ذہین لڑکی دولت سے اور دولت کے کھلے عام مظاہرے سے مرعوب ہوتی ہے۔ یہ کمزوری اس نے بھانپ لی تھی۔ کبھی کبھار عید تہوار کے موقع پر مہنگا سا تحفہ دوستی کے ریپر میں لپیٹ کر دینے سے بھی کافی فوائد حاصل ہو جاتے تھے۔ وہ بگڑی' لاپروا' محض شوقیہ کالج آنے والی امیر زادی کلاس روم میں غور سے لیکچر سننے' نوٹس بنانے' کاپیاں تیار کرنے کے جھنجھٹ سے آزاد تھی۔

سب تو اسے کیا کرایا فارنیہ سے مل جاتا تھا۔ اسے تو محض اپنے نام کے ساتھ بڑھی لکھی ــــ کا' ٹیگ لگانے کا شوق تھا ورنہ میڈیکل جیسی ٹف اور سیریس پڑھائی کے لیے وہ موزوں بھی نہیں تھی۔ بابا کی خواہش اور سفارش پر داخلہ تو لے لیا تھا' اب ڈاکٹر بننے کی گارنٹی تو نہیں دی تھی۔

آج وہ ملک صلاح الدین ــــــ کی حویلی میں بسنت پارٹی میں شامل تھی تو اسی دوستی کی وجہ سے' اس کی کلاس فیلوز کتنا جیلس ہوتی تھیں۔

"اونہہ' بڑی دوست بنتی ہے علیزے کی' جانتی ہوں میں کون سی غرض ہے اس کی فارنیہ سے....." ایک جل کر کہتی۔

"تو اور کیا یار' اب فارنیہ جیسی لڑکی سے دوستی تو کیا وہ سلام بھی نہ لے۔ وہ تو پکا پکایا کھانے کو مل جاتا ہے نا' لالچی کہیں کی۔" یہ وہ لڑکیاں تھیں جو خود تو علیزے کی دوستی کے لیے مری جاتی تھیں مگر وہ انہیں لفٹ نہیں کرواتی تھی۔ فائزہ بھی اسی کالج میں پڑھتی تھی۔

..... اور علیزے کی دوستی پر فخر کرنے والی اپنی بڑی بہن فارنیہ سے جیلس بھی۔ آج بھی جب وہ تیار ہو رہی تھی تو بغیر اس کے بولے اس کے تاثرات سے ہی خفگی کو محسوس کر سکتی تھی۔ وہ خود بھی پارٹی میں جانا چاہتی تھی مگر فارنیہ نہیں لائی۔ اسے اکیلی کو تو علیزے نے انوائٹ کیا تھا' اب خاندان کو لے کر چل پڑتی اور اسی بات سے وہ خفا تھی۔

"ہوں' ایک میرے جانے سے کیا تمہاری عزت گھٹ جائے گی' ہم کون سا روز روز ایسے فنکشنز میں جاتے ہیں۔ ہمارے یہاں تو کبھی پارٹیاں ہوتی ہی نہیں ہیں۔ ہاہ' خوش قسمت ہو تم جو تمہیں ایسی شاندار پارٹی میں شامل ہونے کا موقع مل رہا ہے۔ ایک ہم ہیں.....!" اور اس کے بعد سے اس کا جو موڈ بگڑا تھا' ٹھیک ہی نہیں ہو رہا تھا۔

"آؤ فاری..... ان سے ملو' یہ میری کزنز ہیں اور کزنز یہ ہے میری دوست فارنیہ شاہد۔ کلاس کی سب سے ذہین لڑکی' فرسٹ پوزیشن لیتی ہے یہ ہر سال....."

علیزے نے اتنے فخر سے اس کا تعارف کروایا تھا کہ فارنیہ کا سر بھی فخر سے بلند ہو گیا تھا۔ ابھی جو وہ اس کی اتنی امارت اور شوشا سے متاثر ہو کر خود ترسی کا شکار ہو گئی تھی اور اپنے حالات پر شکوہ کناں' یکدم ہی اس نے خود کو بے حد مضبوط محسوس کیا تھا۔ یہ اتنی خوبصورت' ماڈرن لڑکیاں کیسے حسرت سے اشتیاق سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ اس وقت اس کی ذہانت ان سب کی ظاہری خوبیوں پر بھاری ہو گئی تھی۔ علیزے نے بتایا تھا کہ ان کے خاندان میں خوبصورتی اور دولت کی کوئی کمی نہیں ہے' البتہ پڑھنے میں وہ سارے ہی کمزور تھے۔ کوئی بھی لڑکی بی اے سے آگے نہیں جا سکی تھی اور لڑکوں کا تو اور بھی برا حال تھا۔ میٹرک سے آگے خاندان میں کوئی لڑکا جانے کی ہمت ہی نہیں کرتا تھا' کاروباری لوگ تھے۔ لڑکوں کو بھی پتا تھا کہ اگر نہیں بھی پڑھا تب بھی حرج نہیں۔ کاروبار ہی سنبھالنا تھا' پہلے کیا بعد میں کیا۔ علیزے نے اسے ایک ٹیبل کے پاس جہاں دو چار اور بھی اس کی کزنز بیٹھی تھیں' بٹھایا تھا اور وہ ان لڑکیوں سے کیا بات کرتی' خاموشی سے ان کی باتیں سن رہی تھی۔ لبرٹی' ماڈل ٹاؤن' گلبرگ مال کے گرد گھومتی ان کی باتیں' جدید تراش کے مہنگے' قیمتی ملبوسات' فیشن کے لوازمات سے لیس ان کی باتیں اسے افسانوی ہی لگ رہی تھیں۔ "کیا واقعی اس کا سوٹ اچھا لگ رہا تھا یا علیزے نے محض دل رکھا تھا۔" اس نے سادہ کاٹن کے سوٹ پر ہاتھ پھیر کر سوچا پانچ سال پرانے اس سوٹ کا خیال امی کو اس وقت آیا تھا جب اس نے رو رو کر ضد باندھ لی تھی کہ وہ علیزے کے گھر پیلے سوٹ کے علاوہ اور کوئی سوٹ نہیں پہنے گی۔

"تو مت جاؤ نا' کون سا ایسا ضروری فنکشن ہے' جو تمہارے بغیر نہیں ہو سکتا۔" فائزہ نے اس کے واویلے پر جل کر کہا تھا۔

"تم چپ کرو' جل ککڑی' تم نہیں جا سکتی ہو تو مجھے بھی روکنا چاہتی ہو۔" وہ غصے سے اس پر برس پڑی۔

"جلتی ہے میری جوتی' تمہاری نیندیں اڑی ہوئی

ہیں، تمہیں علیزے نے انوائٹ کیا کرلیا، کریزی بن گئی ہو۔"

"دیکھا امی! دیکھا، تم اپنی چونچ بند رکھو ورنہ مجھ سے پٹ جاؤ گی۔" پتا نہیں اس کی آنکھیں مری کے بادلوں کی طرح پانی سے کیوں بھری رہتی تھیں کہ ذرا ذرا سی بات پر برسنے پر تیار۔ اوپر سے امی کی لاڈلی بھی تھی۔ ایف ایس سی کیا کررہی تھی، موجیں کر رہی تھی۔ گاجر کا حلوہ، دیسی گھی میں بنی چنے کی دال کا حلوہ۔ سارا دن بچی کے دماغ کو تقویت اور طاقت دینے کے لیے وہ کچھ نہ کچھ بناتی رہتی تھیں۔ ڈاکٹر تو بننے میں اسے بہت سال لگیں گے، البتہ بھینس وہ ضرور یہ حلوے مانڈے کھا کھا کر بن جائے گی۔ عبداللہ، ابوبکر اور خود فائزہ کا خیال یہ ہی تھا۔

"تم نے بینا کی مہندی پر جو پیلا جوڑا پہنا تھا، وہ پہن لونا۔ گوٹا اتار دو اس کا۔" امی کو یکدم یاد آیا تھا۔

"لو، وہ پانچ سال پرانا سوٹ، پرانے فیشن کا لمبا کرتہ، کھلے پائنچے، مذاق اڑائیں گے سب میرا۔"

"کیوں اڑائیں گی، عقل اور ہنر ہو تو سب سنوارا جاسکتا ہے۔ لمبا کرتہ اونچا ہوسکتا ہے اور کھلے پائنچے تنگ۔ تم ذرا مجھے پیٹی میں سے سوٹ نکال دو۔" امی سلائی میں تو ماہر تھیں، پرانے سوٹ کو کاٹ چھانٹ کر ایسا بنا دیا جیسے نیا ہو۔

"واہ امی! وا..... یہ تو بڑا زبردست بن گیا ہے۔ میرے بہت سے سوٹ ایسے ہی پرانے پڑے ہیں جو استعمال بھی زیادہ نہیں ہوئے۔ انہیں سیٹ کرلوں گی۔" فارنیہ بہت خوش تھی، گھر سے ہی ایک کاٹن کا سفید دوپٹہ نکل آیا تھا، عبداللہ کی منت سماجت کرکے اسے ڈائی کروالیا تھا اور یوں یہ عالمی مسئلہ حل ہوسکا تھا۔

"امی کو دیکھو ذرا، کیسے محترمہ کے نخرے اٹھا رہی ہیں۔ اسے تو روکتی نہیں ہیں، سب کچھ جو وہ کہتی ہے، بن رہا ہے اور عبداللہ! تم نے گڈی کے لیے پیسے مانگے تھے تو دیکھا امی نے کتنا لمبا لیکچر دیا تھا۔

"بسنت ہمارا تہوار نہیں ہے، یہ ہندوؤں کا تہوار ہے، یہ غیر اسلامی ہے، ہم کیوں فضول کاموں پر اپنا قیمتی سرمایہ ختم کریں۔ (ہونہہ سرمایہ) پانچ روپے کی گڈی کے لیے پانچ منٹ کی نصیحتیں سننا پڑی تھیں تمہیں اور اب نہ اسلامی تہوار یاد آرہا تھا نہ روپے کا زیاں۔" فائزہ نے عبداللہ کو ہمنوا بنا کر جلے دل کے پھپھولے پھوڑے۔ وہ اور فارنیہ اوپر تلے کی تھیں، صرف سال کا فرق اور اوپر تلے کے بچوں میں جھگڑا اور ضد بازی دیگر بچوں کی نسبت زیادہ ہوتا ہے۔ امی یہی سوچ کر اس کی باتیں نظر انداز کردیتی تھیں، کبھی کبھار سمجھا بھی دیتی تھیں، ڈانٹ ڈپٹ کی نوبت بھی آجاتی تھی اور ایسے میں خود فارنیہ ہی اس کی سائیڈ لیتی تھی۔ وہ اس پارٹی میں آکر بے حد امپریس ہوئی تھی، حالانکہ علیزے کا تعلق ہائی اپر کلاس سے تھا، جہاں پارٹیوں اور فنکشنز کے لیے بہانے ڈھونڈے جاتے ہیں اور بسنت کا تہوار تو اب جیسے قومی تہوار بنتا جارہا تھا۔ سرکاری سرپرستی میں تقریبات منعقد ہورہی تھیں، پرائیویٹ پارٹیوں کا تو شمار ہی نہ تھا اور لاہور کی بسنت جہاں ہر گھر کی چھت سے ایک دو گڈیاں اڑتی نظر آتی تھیں، ایک دن تو کیا ایک ہفتہ سے زیادہ ہوگیا تھا، یہ فنکشنز ختم ہونے میں نہیں آرہے تھے۔

"ارے یہ..... یہ..... یہ تو ٹی وی اداکار ہیں۔" سامنے سے آتی شخصیت کو دیکھ کر وہ بری طرح چونک کر باآواز بولی تھی۔ دونوں لڑکیوں نے استہزائیہ مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا تھا۔

"تو اس میں حیرت کی کون سی بات ہے، یہاں تو بہت سے ایکٹر اور سنگر انوائیٹڈ ہیں۔" ایک نے کہا۔

"بھئی یہ لوگ بھی ہماری طرح کے عام انسان ہی ہوتے ہیں، کوئی خلائی مخلوق نہیں کہ انہیں دیکھ کر اتنا حیران پریشان ہوا جائے۔" دوسری نے مزید مذاق اڑانے والے انداز میں معلومات دی تھیں۔ وہ شرمندہ ہوکر جلدی سے سیدھی ہو بیٹھی۔ حالانکہ دل تو چاہ رہا تھا انہیں مڑ کر اچھی طرح دیکھے۔ خلائی مخلوق تو نہیں ہے، البتہ عام انسان بھی تو نہ تھے اور ٹی وی کے بغیر اصل زندگی میں ان لوگوں کو دیکھنا خاصا ایکسائیٹڈ تجربہ تھا۔

"جب فائزہ اور عبداللہ کو بتاؤں گی تو بہت جلیں گے، خوب حیران ہوں گے، آپی اور ابا جی اور کیا..... کریں گے۔" اس نے دل ہی دل میں پروگرام بنایا۔

"آؤ فارنیہ! کھانا لگ گیا ہے۔" علیزے اتنی دیر میں پہلی بار اس کے پاس آئی تھی، دل میں وہ اس سے کچھ خفا بھی تھی۔

"کمال ہے۔ مجھے بلا کر یہاں بٹھا کر خود غائب ہوگئی ہے۔ اچھی میزبان ہے، پلٹ کر پوچھا بھی نہیں۔ ہمارے گھر کوئی آجائے تو امی سر پر بٹھا لینے کو تیار ہوجاتی ہیں۔"

"تم بور تو نہیں ہورہی تھیں۔ سوری یار! اتنے مہمان ڈیڈی نے بلائے ہوئے ہیں، سب ہی کو اٹینڈ کرنا پڑ رہا ہے، تم انجوائے کررہی ہونا۔" خود ہی سوال، خود ہی جواب، اسے شکایت کرنے کا تو موقع ہی نہیں دیا اس نے۔

"چلو کھانا شروع کرو، ایسے انتظار کرتی رہوگی تو کچھ بھی نہیں ملے گا۔ شرم ورم چھوڑو، جیسے یہ سب کھا رہے ہیں، تم بھی شروع ہوجائے اور دیکھو، کسی کی پروا مت کرنا۔ یہاں سب ہی ایسے ہیں۔ ادھر دیکھو، یہ آنٹی..... توبہ پلیٹ دیکھو۔" اس نے برابر میں بنی ٹھنی موٹی سی عورت کی طرف اشارہ کیا۔ پلیٹ تو اس کی کے ٹو چوٹی کا منظر پیش کررہی تھی۔ کھانے کی رفتار بھی تو کسی ہائیکنگ سے زیادہ ہی تھی۔

"ارے تم ابھی تک کھڑی ہو، بے وقوف بھوکی رہ جاؤ گی۔ اچھا ادھر دو مجھے پلیٹ۔" اس نے مڑ کر گم صم نظارہ کرتی فارنیہ کو دیکھ کر ڈانٹا اور اس کے ہاتھ سے پلیٹ چھین کر اس میں روسٹ اور کباب رکھ کر تھما دیا۔ "کھاؤ اب، مزید جو لینا چاہو بے تکلفی اور بہادری سے لے لینا۔ میں ذرا دوسرے مہمانوں کو بھی پوچھ لوں، اوکے۔" اس نے سر تو ہلا دیا تھا مگر بمشکل وہ پلیٹ میں موجود ایک روسٹ کا پیس اور کباب ہی کھا سکی تھی۔ بھوک تو بہت لگ رہی تھی مگر ایسی پارٹی میں پہلی بار آئی تھی اور مزید لوگوں کا کھانا دیکھ کر حیرت زدہ تھی۔

"یا اللہ..... یہ کوئی شادی کا کھانا تو نہیں جو ختم ہوجائے گا۔ اتنی بے صبری، اتنی تیزی سے کیوں کھا رہے ہیں سب۔ اتنے ماڈ اور امیر ہوکر بھوکوں کی طرح ٹوٹے پڑ رہے ہیں کھانے پر۔ ہماری عادات کبھی سدھر نہیں سکتی ہیں۔" اس نے سوچتے ہوئے علیزے کی تلاش میں نظر دوڑائی۔ نہ جانے کہاں تھی، نظر ہی نہیں آرہی تھی۔ کھانا بھی کھایا تھا یا نہیں۔ عبداللہ آنے والا تھا اور وہ علیزے کا گھر دیکھنا چاہتی تھی۔ روز روز کہاں وہ آسکتی تھی، اتنی بڑی حویلی تو صرف ڈراموں، فلموں میں ہی دیکھی تھی۔ اسے تو بڑے بڑے حویلی نما گھر بہت متاثر کرتے تھے۔ سو گھر سے ہی سوچ کر آئی تھی کہ ضرور علیزے کی حویلی دیکھے گی مگر اب وہ کہاں تھی، لان سے نکل کر وہ اندرونی دروازے کی طرف آگئی مگر اندر جانے کی ہمت نہیں کرسکی۔ کسی کے گھر بغیر اجازت کیا داخل ہونا، حالانکہ بہت سے لوگ آجارہے تھے مگر اسے مناسب نہیں لگا۔ علیزے ابھی بھی نظر نہیں آئی تھی۔

"سنیں، علیزے کہاں ہیں۔" ایک ویٹر سے اس نے پوچھا جو جوس لے کر لان کی طرف جارہا تھا۔

"علیزے بی بی کا تو پتا نہیں مجھے، ویسے وہ پیچھے کی طرف جارہی تھیں کچھ دیر پہلے۔" لاپروائی سے جواب دے کر وہ چلتا بنا تھا۔ اس نے مایوسی سے سر ہلایا۔

"پیچھے کی طرف..... ! ادھر بھی کوئی دروازہ ہے۔" عقبی گلی کی طرف سناٹا پھیلا ہوا تھا۔

"کمال ہے اتنا بڑا گھر اور گھر کے افراد صرف چار۔" علیزے کے ممی ڈیڈی، خود وہ ایک اور بھائی جو امریکہ میں پڑھتا تھا اور وہ لوگ پانچ تھے، گھر اس سے بڑا۔ یہ گھر کی بیک تھی، کمروں کے پیچھے والا برآمدہ ادھر بھی تھا، چھوٹا سا لان اور چار دیواری۔ وہ یہاں کی ویرانی سے گھبرا کر پلٹی۔

"بے وقوف ویٹر، یہاں بھلا علیزے کیوں آنے لگی۔" وہ اردگرد دیکھتے ہوئے واپس اسی بڑے سے گول ستونوں والے برآمدے میں آگئی تھی۔ "سنو، سنو....." ایک بوڑھی کپکپاتی سی آواز نہ جانے کہاں سے آئی تھی۔ وہ تو خوف سے چلا کر فوت ہونے کے قریب ہوگئی تھی۔ ویرانی، سنسان جگہ، آدم نہ آدم زاد..... ایسی آواز..... یقیناً کوئی جن، بھوت، ٹانگیں کانپ رہی تھیں اور دل..... دل بے چارہ تو بس بند

ہونے ہی والا تھا جو وہ بوڑھی عورت سامنے نہ آجاتی۔ کتنی ہی دیر پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے یوں دیکھتی رہی جیسے وہ کسی اور دنیا کی مخلوق ہو' جبکہ وہ سفید بالوں اور سفید دوپٹے میں لپٹی عورت بھی شاید اس کے خوف کو سمجھ گئی تھی۔ تب ہی تو بے حد پیار سے ہاتھ اٹھا کر اسے مخاطب کیا تھا۔

"بیٹا! ڈرو مت' میں..... میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گی۔ میں کوئی جن بھوت چڑیل نہیں ہوں۔ مجھے ایک گلاس پانی چاہیے' سب لوگ ہی پارٹی میں مصروف ہیں' ملازمہ بھی ادھر ہی ہوگی۔ مجھے بہت پیاس لگی ہے۔" اس نے بغور اس بزرگ عورت کو دیکھا۔ سادہ' صاف ستھرا لباس اور خود بھی وہ صاف ستھری سی اچھی لگ رہی تھیں۔

"آپ! آپ..... کون ہیں۔" اس وقت جب تمام گھرانہ پارٹی میں مصروف تھا' یہ اکیلی یہاں کیا کر رہی تھیں' اس کی حیرت بجا تھی۔

"میں..... علیزے کی دادی ہوں' تم اس کی شاید دوست ہو!"

"جی میں اس کی دوست ہوں..... مگر آپ علیزے کی دادی اماں ہیں تو یہاں اکیلی کیوں بیٹھی ہیں۔"

"تو کہاں بیٹھوں....." عجیب سا یاس بھرا لہجہ تھا ان کا' وہ چونکی۔

"مم..... میرا مطلب ہے آپ کو بھی فنکشن میں ہونا چاہیے تھا نا' وہاں سب لوگ جمع ہیں' رونق لگی ہوئی ہے اور اتنے ڈھیر سارے کھانے لوگ کھا رہے ہیں۔ آپ یہاں بھوکی بیٹھی ہیں۔"

"ہونا تو بہت کچھ نہیں چاہیے تھا مگر ہو رہا ہے۔ مجھے اس فنکشن میں جانے کی اجازت نہیں ہے۔ میرا کھانا تو یہاں ہی آنا تھا مگر ملازمہ بھی ہلہ گلہ دیکھ رہی ہے' بھول گئی ہوگی۔ جب گھر والوں نے ہی بھلا دیا تو ملازموں سے' تنخواہ لینے والوں سے کیا گلہ۔"

"آپ..... میں آپ کے لیے کھانا لاتی ہوں۔" اسے بے حد دکھ ہوا تھا' ان کی باتیں سن کر' کمال ہے اتنے امیر لوگ' اتنے تہذیب و تمدن والے' ادب و آداب' رکھ رکھاؤ کے لیے مشہور اور بوڑھی دادی کو یہاں چھوڑ کر بھول گئے ہیں۔ اب یہ بیمار عورت تو مزید نڈھال ہو جائے گی۔

"نہیں' نہیں بیٹا! تم رہنے دو' علیزے ناراض ہوگی مجھ سے۔ بس مجھے ایک گلاس پانی لا دو یا کوئی ضروری فنکشن' اس کو کھانا وقت پر ملنا چاہیے' کسی کو ملے یا نہ ملے۔" اس کا لہجہ جتنا تضحیک آمیز تھا' انداز اس سے بھی برا۔ ان کا نوالے والا ہاتھ ہوا میں ساکت رہ گیا تھا اور فارنیہ کے لیے اس کا لہجہ قطعی نیا تھا۔

"علیزے میں نے صبح سے کچھ نہیں کھایا تھا' اب چار بج رہے ہیں' میری دوائی کا ٹائم بھی نکل گیا۔ خالی پیٹ کھانے سے ڈاکٹر نے منع کیا ہے۔" کیا بے بس اور مجبور انداز' دھیما لہجہ تھا۔ فارنیہ کا دل کانپ اٹھا' سب کچھ منٹوں میں واضح ہو گیا۔

"ارے فارنیہ تم..... تم یہاں کیا کر رہی ہو۔ تم کب آئیں یہاں.....!" اب اس کی نظر اس پر پڑی تھی' حیرت اور بوکھلاہٹ سے گھبرا کر پوچھا۔ جی تو چاہا کہہ دے میں تو بہت دیر سے یہاں موجود تمہارا اصلی روپ دیکھ رہی ہوں مگر یوں اسے شرمندہ کرنا خود اسے غیر اخلاقی لگا تھا۔ سو لہجے کو نارمل بنا کر بولی۔

"ہاں' ابھی ابھی آئی ہوں۔ تمہیں ہی ڈھونڈ رہی تھی عبداللہ آگیا ہوگا' میں جا رہی ہوں۔"

"ارے ابھی کہاں جانا' ابھی تو میوزیکل شو ہوگا۔ مشہور گلوکاروں کو بلوایا ہے ہم نے۔ ابھی تو بہت مزا آئے گا۔" اس نے ایک نظر سفید بالوں والے جھکے سر کو دیکھا اور جھریوں بھرے چہرے پر پھیلے حزن و ملال کو محسوس کیا۔

"بس بھئی' مجھے اتنی ہی دیر کی اجازت تھی' مزید نہیں رک سکتی ہوں میں۔"

"او کے' جیسی تمہاری مرضی۔ آؤ میں تمہیں سی آف کر آتی ہوں۔" اس نے مڑ کر دادی اماں کو دیکھا۔

"اچھا دادی اماں! خدا حافظ۔" اس نے ان کے قریب جا کر پیار سے کہا۔

"خدا حافظ' جیتی رہو' سکھی رہو' کامیاب رہو۔" کتنا خوش ہو کر انہوں نے اسے دعاؤں سے مالا مال کیا تھا۔ اک انوکھی سی چمک آنکھوں میں آگئی تھی۔ ہو سکتا ہے علیزے وہاں نہ آتی تو وہ ایک ہمدرد لڑکی کو دیکھ کر مزید اپنا دکھ کہہ سن لیتیں مگر فارنیہ کے لیے تو کچھ سننے کی ضرورت ہی نہیں رہی تھی کہ جو کچھ آنکھوں سے دیکھا تھا' سمجھنے کو کافی تھا۔ باوجود خواہش کے اور علیزے کے روکنے کے وہ رکی نہیں تھی' اس کا دل یکدم ہی ہر شے سے' خوبصورتی سے اچاٹ ہو گیا تھا۔ ساری خوبصورتی کہیں غائب ہو گئی تھی' وہ جو اس قدر متاثر تھی علیزے سے' اس کی فیملی سے' اس کی حویلی سے تو یکدم ہی یہ حقیقت جان کر سب پس منظر میں چلا گیا تھا۔ واپسی پر اس کے قدم بے حد مضبوطی سے اٹھ رہے تھے۔ دل میں اپنی غریبی' کم مائیگی' کم تری کا احساس ختم ہو چکا تھا۔

امیر وہ نہیں ہوتا جس کے پاس ڈھیروں دولت' عالیشان گھر' گاڑی ہوتی ہے۔ دولت والا تو وہ ہے جس کا دل وسیع ہے جو غیروں میں اپنی شان بڑھانے کے لیے' انہیں متاثر کرنے کے لیے لاکھوں خرچ کرنے کی بجائے اپنوں کی ضرورتوں کا خیال رکھتا ہو' جسے بزرگ زحمت نہیں' رحمت لگتے ہوں جو ان کی اچھی باتوں کو' نصیحتوں کو غور سے سنے اور عمل کرے۔ بڑائی اور اچھائی کا معیار کیا ہوتا ہے اس کا تجربہ آج اسے ہو گیا تھا اسے تو علیزے کی دوستی پر جو فخر ہوتا تھا' آج وہ شرمندگی میں بدل گیا تھا۔ اس نے ظاہری خوبیوں سے متاثر ہو کر دوستی کی تھی' حالانکہ دوستی جیسا عظیم جذبہ خوبیوں و خامیوں سے مبرا ہوتا ہے اور اسے تو بچپن سے بزرگوں کی عزت کی' محبت کی اور احترام کی تربیت دی گئی تھی۔ بھلا وہ ایسی لڑکی سے کیسے دوستی رکھ سکتی تھی جس کے اپنے گھر میں بزرگوں کی عزت تھی نہ احترام' بوجھ سمجھے جانے والے' جنہیں گھر کے کونے میں فالتو شے کی طرح پھینک دیا جاتا ہے۔

ایسے لوگوں کے لیے اس کے دل میں نہ عزت تھی نہ احترام' دوستی جیسے پاکیزہ جذبے کو وہ آلودہ کیسے کر سکتی تھی' اس نے ایک مثبت فیصلہ کیا اور مطمئن ہو گئی۔

☆ ☆

نور بانو محبوب

مسافتیں کیسی

۲
دوسری قسط

ناولٹ

انہی دنوں بشری کی ماموں زاد بہن تہمینہ آئی ہوئی تھیں وہ لکھنؤ میں بیاہی تھیں جب سے بشری کا تاج و تخت اجڑا اور وہ اپنی مرحومہ ماں کے کچے بوسیدہ گھر میں آ کر رہی تھیں تہمینہ کو ان کی کوئی خبر نہ ہوئی تھی دونوں بہنوں میں بڑی دوستی اور بہناپا تھا۔ برسوں بعد دونوں ملیں دیر تک لپٹی روتی رہیں جب دل ذرا ہلکا ہوا تو آنسو پونچھے بوا نے انہیں پانی پلایا۔ تسلی دی تب دونوں نے ایک دوسرے کا احوال پوچھا۔ تہمینہ کو بشری کو اس طرح ویران اور دکھی دیکھ کر بے حد غم تھا۔

"غضب خدا کا بشری تم نے تو جوگ لے لیا۔ کوئی اس طرح دنیا چھوڑتا ہے۔ مجھے بھی اپنے غم میں شریک نہ کیا۔ اتنا بڑا سانحہ گزر گیا اور مجھے خبر بھی نہ ہوئی۔ آواز دے کر تو دیکھتیں۔ یا کبھی اس غم کدے سے نکل کر آجاتیں۔ مجھے اپنا تو سمجھا ہوتا۔" بشری کے لبوں پر اداس سی مسکراہٹ آگئی۔

"کسے آواز دیتی۔ کسے پکارتی بہنا، غم روزگار اتنی مہلت تو دیتا۔"

"خیر باشد۔ تم تو بڑی ہمت والی۔ بڑی بہادر ہوا کرتی تھیں۔" تہمینہ بشری کا ہاتھ پکڑ کر مسکرائیں۔

"تم ٹھیک کہتی ہو تہمینہ سچ پوچھو تو اسی ہمت اور جذبے نے مجھے سنبھالے رکھا ورنہ اتنے غم اتنی ٹھوکریں اگر چٹان پر بھی پڑتیں تو وہ چٹخ جاتی۔ وقت بہتا دریا ہے اپنے ساتھ سب کچھ بہا کر لے جاتا ہے۔ آزمائش کی وہ کٹھن منزل بھی گزر گئی۔ اب تو صرف بچوں کے مستقبل کی فکر ہے اور کچھ نہیں۔"

"اچھا خیر۔ آمدن بر سر مطلب۔ میں ایک خاص مشن پر گھر سے نکلی ہوں۔ تمہیں دنیا کی کوئی خبر نہیں مگر میں تمہیں اور بچوں کو ساتھ لے جانے کے لیے آئی ہوں۔ شاہینہ کی شادی کی تاریخ ٹھہر گئی ہے۔ میرے گھر کی پہلی شادی ہے۔ تم سب کی شرکت بہت ضروری ہے، بلکہ میں اقصیٰ کو ساتھ لے جاؤں گی تم لوگ ابا جان کے ساتھ آجانا۔" اقصیٰ نے گھبرا کر ماں کی طرف دیکھا اور بشری ہنس پڑیں۔

"بھئی تہمینہ بچوں نے ابھی اپنا نیا نیا کام شروع کیا

ہے ان کا جانا مشکل ہے اور اگر میں چلی گئی تو وہ تنہا رہ جائیں گے۔ ہاں اقصیٰ اگر جانے کے لیے تیار ہو تو میری طرف سے اجازت ہے۔" ماں کی اس بات پر اقصیٰ پریشان ہو کر پہلو بدلنے لگی۔

بشریٰ کے اصولوں میں ایک اصول یہ بھی تھا کہ انہوں نے اب تک بیٹی کو تنہا کہیں نہیں بھیجا تھا' نہ اقصیٰ نے کہیں جانے کی ضد کی تھی۔ اس نے اپنی تمام دلچسپیوں اور خوشیوں کا مرکز صرف اپنی ماں کی ذات یا اپنے گھر کو سمجھا تھا بیٹی کے چہرے کو دیکھ کر وہ سمجھ تو گئی تھیں کہ وہ جانے پر تیار نہیں ہے پھر بھی انہوں نے پوچھ لیا۔

"بیٹی کیا شاہینہ باجی سے ملنے کو تمہارا دل نہیں چاہتا؟"

"جی امی۔ اگر آپ بھی ساتھ چلیں تو مجھے باجی سے مل کر بہت خوشی ہوگی۔" بشریٰ اور تہمینہ ہنس پڑیں۔

"بشریٰ تمہاری بیٹی بڑی سمجھدار ہے وہ تمہیں بھی ساتھ لے جانا چاہتی ہے۔"

"ہاں تہمینہ اصل میں باپ کے بعد اس نے صرف میرے وجود اور میری آغوش ہی کو دیکھا ہے اس لیے وہ خود کہیں میرے بغیر نہیں رہ سکتی۔"

"خیر اب تو ماشاء اللہ جوان ہے' کوئی دودھ پیتی بچی نہیں جو تمہارے بغیر نہ رہ سکے۔ کیوں اقصیٰ بی بی؟" تہمینہ نے مسکرا کر شرمائی شرمائی سی خاموش بیٹھی اقصیٰ کی طرف دیکھا۔

"بس اب تیاری کرلو بیٹی۔ بشریٰ تم بھی ذرا بیٹی کو باہر نکلنے کی تلقین کرو تاکہ اس میں دنیا کی رنگینیوں سے آنکھ ملانے کی ہمت پیدا ہو اور اسے معلوم ہو کہ ماں کی آغوش کے علاوہ بھی ایک جہاں اور ہے۔ آخر کو اسے پرائے گھر جانا ہے۔"

"تم ٹھیک کہتی ہو تہمینہ میں بھی یہی چاہتی ہوں۔ مگر یہ خود کہیں نہیں جاتی۔ بس کتابوں میں کھوئی رہتی ہے۔"

"ساری جھجک دور ہو جائے گی۔ جب لڑکیوں میں اٹھے بیٹھے گی۔ اب اسے دو تین مہینے مت بلانا میرے پاس سے۔" وہ مسکرائیں۔

"ہائے اللہ دو تین مہینے۔" وہ سوچ کر سہم گئی۔ "اتنے دن میں امی کے بغیر کیسے رہوں گی مجھے تو نیند بھی نہیں آئے گی امی کے بغیر۔" وہ کسی طرح جانے کے لیے تیار نہیں تھی۔ مگر ماں نے اسے سمجھایا۔

"کچھ دن کے لیے چلی جاؤ بیٹی۔ تمہاری خالہ اور ساری کزن بھی خوش ہو جائیں گی اور تم شادی میں بھی شرکت کرلینا میں تمہارے ساتھ شبنم بوا کو بھیج دوں گی۔"

"امی میرا دل نہیں چاہتا۔" وہ ماں سے لگ کر بولی۔

"نہیں چندا دیکھو نا ہمیں جب اسی دنیا میں رہنا ہے تو ہم اس سے تعلق کس طرح توڑ سکتے ہیں' کچھ دور تو چلنا ہے نا اس کے ساتھ۔"

☆ ☆ ☆

اقصیٰ زندگی میں پہلی بار کہیں جانے کے لیے تیار ہو رہی تھی۔ بشریٰ بیگم اس کی چیزیں اور کپڑے وغیرہ رکھتے ہوئے اسے نصیحت بھی کرتی جا رہی تھیں کہ منہ باندھ کر نہ بیٹھ جانا۔ سب سے ملنا جلنا باتیں کرنا اور کہیں جانا تو بوا کو ساتھ لے لینا۔ وہ دنیا تمہاری اس سپاٹ اور تنہا دنیا سے بہت مختلف اور رنگین ہوگی۔ ان لوگوں میں مکس اپ ہو کر بہت سے رنگ اپنانا مگر اپنا رنگ مت چھوڑنا۔" اقصیٰ ہنس پڑی۔

"امی اب اتنی بیوقوف بھی نہیں ہوں میں۔"

"اتنی تو نہیں مگر تھوڑی تھوڑی بیوقوف ہونا؟" بشریٰ نے ہنس کر اسے لپٹا لیا۔

دوسرے دن پروگرام کے مطابق یہ لوگ اسٹیشن روانہ ہوگئے۔ ساتھ میں یعقوب ماموں بھی تھے اقصیٰ کو دیکھ کر بہت خوش ہو رہے تھے۔

"ہاں بیٹی باہر نکلا کرو صحت اچھی رہے گی اور ذہن کی کثافت بھی دور ہو جائے گی۔"

آج باہر کی دنیا پوری کی پوری بے نقاب ہو کر اس کے سامنے تھی' اس نے زندگی میں پہلی بار اسٹیشن اور پہلی بار ٹرینیں آتی جاتی دیکھی تھیں اور اس میں بیٹھنے

کا اتفاق بھی پہلی بار ہوا تھا' یعقوب ماموں ان لوگوں کو اسٹیشن چھوڑ کر واپس چلے گئے تھے' گاڑی اپنی پوری رفتار سے چلی جا رہی تھی۔ بھاگتے ہوئے درخت' کھیت' کھلیان دریا۔ بجلی کے کھمبے اور گھاس چرتی ہوئی گائے بھینسیں بہت اچھی لگ رہی تھیں' یہ سب اس کے لیے نیا نیا اور خوب صورت تھا۔ ٹرین کی چھک چھک۔ پھک پھک اسٹیشنوں پر رکنا۔ بھانت بھانت کی بولیاں اور چیزیں لے لے کر کھانا۔ یہ منظر اسے بڑا دلچسپ لگا۔ جی چاہا کہ تمام عمر یہ سفر ختم نہ ہو زندگی کی یہ ریل گاڑی اسی طرح پٹریاں بدل بدل کر چلتی رہی' مگر چار باغ پر یہ گاڑی رک گئی۔ اور مسافروں میں ہلچل مچی تو سمجھ گئی کہ منزل آگئی ہے۔

تہمینہ کا بڑا لڑکا اشفاق اور چھوٹی بیٹی زرینہ ماں کو لینے اسٹیشن آئی تھی' امین آباد میں تیسرے مالے پر ان کا گھر تھا۔ وہ بوا شبنم کے ساتھ گھر میں داخل ہوئی سب لڑکے لڑکیاں بڑے پرجوش ہو کر اس سے ملے بہت خوش ہوئے۔ وہ کم آمیز' خاموش دبلی پتلی۔ گوری رنگت بڑی بڑی آنکھوں والی بھولی بھالی لڑکی انہیں بہت اچھی لگی لگتا تھا وہ اس دنیا کی نہیں کسی دوسرے آفاق سے آئی ہو۔

دو تین دن بعد شاہینہ کو مایوں بٹھایا گیا' سسرال سے زرد جوڑا' پینڈیاں' رنگین پایوں والی چوکی' مٹھائی چوڑیاں' ابٹن' مہندی ہار پھول آئے تھے بڑے چاؤ سے رسمیں ادا ہوئیں۔ اقصیٰ بڑی حیرت اور خوش دلی سے سب کچھ دیکھا' کیونکہ اس کے لیے یہ تقریب نئی تھی۔ کوئی ایسا موقعہ ہی نہیں آیا جو کسی کی شادی میں جاتی' بڑی رونق لگی ہوئی تھی۔ گھر مہمانوں سے بھرا ہوا تھا لڑکیاں' ڈھولکی پر لہک لہک کر گا رہی تھیں۔

میرے نیہر سے آیا پیلا جوڑا یہ پیلا جوڑا
یہ ہری ہری چوڑیاں

اقصیٰ شاہینہ کے پاس بیٹھی دھیرے دھیرے مسکرا رہی تھی' کبھی کبھی شاہینہ کے ابٹن لگے گورے چہرے کی طرف دیکھ لیتی تھی۔ زرد جوڑے میں اس کا معصوم روپ دیکھ کر اس کا دل مسرتوں سے بھر جاتا' کتنی پیاری لگ رہی تھی وہ سب نے لاکھ چاہا کہ اقصیٰ بھی ان کے ساتھ مل کر گائے۔ ان کا ساتھ دے۔ مگر اس نے نہایت نرمی اور محبت سے معذرت کرلی۔ بوا نے کہا۔ "میں نے تو بی بی کو کبھی گاتے نہیں دیکھا۔"

"واہ بوا کوئی ضروری ہے کہ اقصیٰ بی بی ہر کام تمہیں دکھا کر کریں۔" زرینہ کی بات پر سب لڑکیاں ہنس پڑیں اور بوا منہ کھول کر رہ گئیں۔ "اچھا چلو بوا تم ہی کوئی بنڑا بنڑی سنا دو۔"

بوا کو جوش آگیا۔ انہوں نے لڑکیوں کے ہاتھ سے ڈھولک چھین لی اور خود بجانے لگیں۔ کیا خوب صورت انداز تھا ڈھولک بجانے کا۔ ایک سماں بندھ گیا۔ پھر انہوں نے قوالی کے چند بول گائے۔

کس چیز کی کمی ہے آقا تیری گلی میں
اللہ تیری گلی میں' مولا تیری گلی میں
جنت تیری گلی میں دوزخ تیری گلی میں
کس چیز کی کمی ہے آقا تیری گلی میں

کیا پاٹ دار آواز تھی کہ سب نے سانس روک لی اوپر سے ڈھولک پر طبلے کی طرح تھاپ پڑ رہی تھی۔ لڑکیاں جھوم رہی تھیں۔ اقصیٰ شاہینہ کے پاس سے اٹھ کر بوا کے پاس جا کر بیٹھ گئی اور ان کا حیرت سے منہ دیکھنے لگی۔ جب ان کی قوالی ختم ہوئی تو کچھ دیر تک سکوت چھایا رہا۔

"واہ بوا تم نے تو کمال کردیا۔" تہمینہ نے ہنس کر بوا کو داد دی۔

اقصیٰ نے کہا۔ "اچھی بوا تم ڈھولک کتنی اچھی بجا لیتی ہو اور گانا بھی گا لیتی ہو۔"

"اے میں صدقے واری بی بی اب اس عمر میں کیا اچھا گاؤں گی۔ ہاں کبھی گاتی تھی ڈھول کی تھاپ پر لوگ دل تھام لیتے تھے' چلتے چلتے قدم روک لیتے تھے۔" لڑکیاں ہنسنے لگیں ایک شور سا مچ گیا۔

"سچ کہتی ہو بوا۔ لوگ تو یقیناً" بے ہوش ہو کر گر پڑتے ہوں گے۔ اچھی بوا کچھ اور سنا دو دل نہیں بھرا۔" اب ہر طرف خوشامد ہونے لگی۔ بوا نے کہا۔

"لی بی ایک تو مجھے تمہارے فیشن والے گانے نہیں آتے پرانے گانے کے کچھ بول یاد ہوں گے کیونکہ ایک عرصہ ہو گیا چھوڑے ہوئے سب بھول بھال گئی۔"

"چلو بوا کتنے بھی پرانے گیت ہوں تمہارے منہ سے تو وہ بھی اچھے لگیں گے۔" پھر بوا نے ایک غزل کے چند بول سنائے جتنی شوخ غزل کے بول تھے اتنی شوخ اور دھڑاکے کی ڈھول تھی۔ پہلے تو اچھی طرح ڈھولک پر تھاپ پڑی اور ساتھ ساتھ تالیوں کی ردھم تھی۔ پھر بول اٹھائے۔

ہو جاؤ گے بدنام زمانہ نہیں اچھا
زمانہ نہیں اچھا زمانہ نہیں اچھا
دل شوخ حسینوں سے لگانا نہیں اچھا
لگانا نہیں اچھا لگانا نہیں اچھا

پہلے سے زیادہ سب کو لطف آیا' خوب سماں بندھا تہمینہ اور ان کی بہو بیٹیوں نے بوا کو خوب نیل دی پھر تو ہر طرف سے نوٹوں اور پیسوں کی بارش ہونے لگی۔ خوب لوٹ مار مچی' آخر زرینہ نے تمام پیسے اور نوٹ سمیٹ کر بوا کے آنچل میں باندھ دیے۔

اس کے بعد ابٹن کھیلنے کی باری آئی۔ لڑکیاں لڑکے ایک دوسرے پر ابٹن اچھال رہے تھے۔ پکڑ دھکڑ ہو رہی تھی چیخ و پکار ہنسی قہقہے۔ مذاق لڑکیوں نے بوا کو بھی نہ چھوڑا وہ بے چاری ہنستی ہوئی اپنا چہرہ صاف کرنے لگیں۔ اقصیٰ کو یہ کھیل بالکل اچھا نہ لگا۔ جہاں لڑکے لڑکیوں نے اپنا حجاب بھی ختم کر دیا تھا' ایک دوسرے کو پچھاڑ رہے تھے۔ نوچ رہے تھے' وہ گھبرا کر اسٹور میں گھس گئی اور ایک بوری کے پیچھے چھپ گئی۔

ہائے وہ تو شرم سے مر جائے گی اگر کسی نے اسے ابٹن لگانے کے بہانے سینے میں بھرا۔ اللہ توبہ کتنی بے شرمی کی بات تھی' سب لوگ اسے ڈھونڈ رہے تھے' اور وہ آٹے کی بوریوں کے پیچھے دبکی اپنے دھڑدھڑ کرتے دل کو سنبھال رہی تھی' جب کہیں سے برآمد نہ ہوئی تو بوا گھبرا کر اسے آوازیں دینے لگیں۔

جب اقصیٰ کو اطمینان ہو گیا کہ ہنگامے سرد پڑ گئے۔ طوفان تھم گیا اب کوئی خطرہ نہیں تو ڈرتے ڈرتے بوریوں کے پیچھے سے نکلی تہمینہ نے گھبرائی ہوئی پسینے میں شرابور اقصیٰ کو دیکھا تو لپک کر اسے سینے سے لگا لیا۔

"کہاں چلی گئی تھی بیٹی۔ سب ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک گئے تھے۔" تہمینہ نے پوچھا تو وہ بولی۔

"خالہ جان سب لوگ زبردستی مجھے ابٹن لگانے آ رہے تھے میں شرم کے مارے چھپ گئی۔"

"اف کتنی سیدھی ہے میری بچی۔" وہ اسے زرینہ کے پاس لے گئیں۔

"ہائے امی یہ کہاں تھی؟" وہ منہ پھلا کر بولی۔ "سچ بڑی خراب ہو تم اقصیٰ۔" زرینہ روٹھی روٹھی اسے دیکھ رہی تھی۔

"بھئی اسے زیادہ پریشان نہ کرو یہ تمہاری مہمان ہے۔ اس کی مرضی کے بغیر کچھ نہ کرنا۔" تہمینہ چلی گئیں تو زرینہ اس کے پاس آئی۔ اقصیٰ شرمندہ تھی۔

"زری پلیز ناراض مت ہونا۔ اصل میں مجھے یہ سب پکڑ دھکڑا اچھی نہیں لگ رہی تھی۔"

"نہیں اقصیٰ اس میں ڈرنے یا گھبرانے کی کیا بات تھی' خوشیوں کے یہ دن بھی کبھی آتے ہیں۔ تھوڑا سا ابٹن لگا لیتیں تو میری خوشی رہ جاتی۔"

"ارے بس تھوڑا سا ابٹن؟" وہ مسکرائی۔ "میں تو ڈر گئی تھی کہ کہیں اکھاڑے میں نہ اترنا پڑ جائے۔ اچھا لاؤ لگا دو اپنے ہاتھ سے۔" زرینہ خوش ہو گئی اور ہنستی اچھلتی جا کر ابٹن کی کٹوری اٹھا لائی اور ہاتھ میں لے کر بہت سا ابٹن اس کے چہرے پر لگا دیا اور کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"بس نکل گئی حسرت اب جاؤں؟" اس نے معصومیت سے پوچھا۔

"یہی روپ دیکھنا چاہتی تھیں نا تم میرا۔" زرینہ ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو گئی "اللہ کتنی پیاری لگ رہی ہو۔" اقصیٰ بھی ہنس پڑی۔ اتنے میں کچھ لڑکے لڑکیوں کی آوازیں آنے لگیں تو اقصیٰ جھپاک سے باتھ روم

گھس گئی۔ ہاتھ منہ دھو کر نکلی تو شبنم میں دھلی ہوئی کلی کی مانند تر و تازہ اور خوب صورت لگ رہی تھی۔ بوا نے بلائیں لے لیں۔

سچ تھا کہ اس نے کسی شادی بارات میں شرکت نہیں کی تھی۔ جو اسے تجربہ ہوتا۔ لیکن اس نے قصے کہانیوں میں شادیوں اور اس کی رسموں کے متعلق پڑھا تھا۔ بشریٰ بیگم نے اسے مراۃ العروس۔ بنات النعش توبۃ النصوح اور کئی معاشرتی۔ اصلاحی کتابیں لا کر دی تھیں اور اقصیٰ نے بڑی دلچسپی اور شوق سے وہ کتابیں ایک بار نہیں کئی بار پڑھی تھیں۔ اس میں شادی کی تمام رسمیں۔ منگنی' مایوں' مہندی' نکاح اور رخصتی کے وقت کی تمام رسمیں پڑھی تھیں ان رسموں میں سب سے اچھی رسم اس کو آرسی مصحف کی لگی تھی جہاں دولہا آئینہ سامنے رکھے بڑی خاموشی اور چوری چوری دلہن کو دیکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اب وہ مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی اور جو باقی ہونے والا تھا اس کے لیے وہ ابھی سے خود کو تیار کر رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

بارات ڈالی گنج سے آنے والی تھی' مکان سے کچھ فرلانگ پر ایک بڑا سا پارک تھا' عموماً" نزدیک کی باراتیں وہیں آ کر ٹھہرائی جاتی تھیں۔ تہمینہ نے وہیں بارات کا انتظام کیا تھا۔ قناتیں لگ گئی تھیں۔ دریاں بچھ گئی تھیں اسی ایک قنات میں دولہا کے لیے اسٹیج سجایا گیا تھا اور قرینے سے کرسیاں لگا دی گئی تھیں' ہر طرف لال پیلی۔ ہری نیلی جھنڈیاں لہرا رہی تھیں گھر میں مہمان بھرے ہوئے تھے۔ لڑکیوں' عورتوں نے ایک سے ایک بیگماتی لباس پہنا ہوا تھا۔ زربفت گلبدن زری کمخواب' اطلس اور پوت کے فرشی غرارے۔ تنگ چوڑی کے پاجامے اور پشوازیں اوپر سے جھلملاتے کام کے بڑے بڑے دوپٹے اور بھاری بیگماتی زیورات پہنے اپنے ہی حسن کی روشنی میں نہائی ہوئی ماحول کو جگمگا رہی تھیں' رنگ و نور کا سیلاب آیا

خواتین ڈائجسٹ
کا مقبول ترین سلسلے وار ناول
جو بہنوں نے بہت پسند کیا
دل پھولوں کی بستی
مصنفہ: نگہت عبداللہ
- خوبصورت سرورق،
- بہترین چھپائی،
- آفسٹ پیپر مضبوط جلد کے ساتھ
شائع ہو گیا ہے
قیمت صرف 400/ روپے
ڈاک خرچ 50/ روپے
کتاب بذریعہ ڈاک منگوانے کے لیے مبلغ 450/ روپے کا پیشگی ڈرافٹ یا منی آرڈر ارسال فرمائیں،
کتاب منگوانے کا پتا
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37، اردو بازار، کراچی 74200
فون نمبر 2216361

ہوا تھا۔

مگر اقصیٰ نے اپنا وہی سادہ سا جوڑا نکال کر پہنا جو بشریٰ نے اسے عید پر بنوا کر دیا تھا۔ سلک کا آسمانی سوٹ، آسمانی جنگل باڈی کا چنا ہوا دوپٹہ ——— آسمانی رنگ کی ریشمی چوڑیاں کانوں میں آسمانی نگینوں اور موتیوں کے آویزے۔ جو بشریٰ نے اپنے ہاتھوں سے بنائے تھے بے حد خوب صورت لگ رہے تھے۔ زرینہ اور تہمینہ اقصیٰ کو مسکراتا دیکھ کر بہت خوش تھیں۔

مہندی والے دن بھی اس نے کاٹن کا مہندی رنگ کا سوٹ پہنا تھا مہندی رنگ کی چوڑیاں سب کو تہمینہ نے گھر پہ منہاروں کو بلا کر پہنائی تھیں اور اقصیٰ کے سادے پتے ہوئے دوپٹے پر زبردستی گوٹے کی دھنک لگا دی تھی جس سے وہ چمک اٹھی تھی، آج شادی والے دن بھی وہ اقصیٰ کی مرضی کے بغیر کچھ کرنا نہیں چاہتی تھیں، وہ اس کی خوشی میں خوش تھیں انہیں ڈر تھا کہ کہیں وہ بیزار نہ ہو جائے مگر اسے لڑکیوں کے جھرمٹ میں مسکراتا دیکھ کر مطمئن ہو گئی تھیں اور مہمانوں کی آؤ بھگت میں مصروف ہو گئی تھیں۔

نکاح کے وقت۔ ایجاب قبول اور کھانا کھلانے تک چھوٹی بڑی رسموں میں وہ شریک رہی۔ اقصیٰ کے لیے یہ انوکھا اور خوب صورت تجربہ تھا، پھر رخصتی کا مرحلہ آیا۔ آرسی مصحف کے لیے دولہا کو اندر بلایا گیا۔ اس کے ساتھ اس کے دوست اور بھائی بھی تھے۔ دالان میں بچھے ہوئے تخت پر کارچوبی کے تخت پوش پر کار چوبی کے گول تکیے رکھے ہوئے تھے انہی کے سہارے آمنے سامنے دولہا دلہن کو بٹھا دیا گیا، دلہن کے دائیں بائیں دلہن کی بہنیں بھاوجیں اور سہیلیاں تھیں۔ دولہا کے پیچھے اس کے بھائی اور دوست کھڑے تھے۔ آگے بہنیں اپنے آنچل دولہا کے سر پہ ڈالے ہوئے تھیں۔ دلہن کے جھرمٹ میں زرینہ کے پاس اقصیٰ بھی کھڑی اس دلچسپ رسم کو دیکھ رہی تھی، اس کے خوب صورت چہرے پر مسکراہٹ لرز رہی تھی۔ دولہا دلہن کے درمیان آئینہ رکھ دیا گیا تھا اور دولہا کے ہاتھ میں قرآن مجید دے کر بہن نے بھائی کے کان میں سرگوشی کی تھی کہ سورۃ اخلاص پڑھ کر دلہن پر پھونک دو۔ دولہا نے ایسا ہی کیا۔ دلہن کی بھاوج نے دولہا سے کہا۔

"کہو بی بی آنکھیں کھولو میں تمہارا غلام۔"

"نہیں غلام نہیں گلاب کہو۔ گلاب۔" بہن نے سرگوشی کی۔

جب دولہا کی بہن گھونگھٹ کی طرف ہاتھ بڑھاتی تو دلہن کی بھاوج گھونگھٹ لمبا کر دیتی۔

"نہیں پہلے کہو بی بی آنکھیں کھولو میں تمہارا غلام۔" کچھ دیر تک یہی تکرار ہوتی رہی۔ قہقہے بکھرتے رہے پھر کسی نے زور سے کہا۔

"ارے بھئی میاں جب تمام عمر غلامی ہی کرنی ہے تو کہہ کیوں نہیں دیتے شرما کیوں رہے ہو یار۔"

اس آواز پر سب کی نظریں اوپر اٹھ گئیں۔ وہ دولہا کا دوست تھا کھلتی ہوئی سانولی رنگت۔ بڑی بڑی غلافی آنکھیں جن میں کوٹ کوٹ کر شرارت بھری ہوئی تھی۔ کٹاؤ دار دبیز ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ کھڑی ناک بھرا ہوا بدن اونچا قد اقصیٰ کا دل یکبارگی دھڑک اٹھا۔

وہ اپنی گہری شریر اور چمکدار آنکھوں سے مسلسل اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کی نگاہوں کی تپش سیدھی اقصیٰ کے دل پر پہنچ رہی تھی، جیسے اگر کچھ آگے اور دیکھا تو وہ بھسم ہو جائے گی۔ وہ گھبرا کر نیچے بیٹھ گئی۔

"اللہ جانے کون ہے وہ کس بیباکی سے دیکھ رہا تھا جیسے نظروں ہی نظروں میں اسے پی جائے گا۔"

رخصتی کے وقت بھی وہ اس کی نگاہوں کی زد میں تھی۔ اقصیٰ کے پسینے چھوٹ گئے۔ پھر شور اٹھا دولہا رہا ہے رخصتی کی اجازت لینے، تہمینہ اور زرینہ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ بھاوج اور شاہینہ کی سہیلیاں بھی رو رہی تھیں، ڈھول پر الوداعی گیت بج رہا تھا۔

"کاہے کو بیاہی بدیس لکھیا بابل مورے۔" عجیب

سوز و ساز کا منظر تھا۔

اقصیٰ کا دل بھی گداز ہونے لگا۔ آنکھوں میں آنسو چلے آ رہے تھے۔ دولہا نے قدم رکھا تو اس کے ساتھ اس کا وہی چمکیلی آنکھوں اور شوخ مسکراہٹوں والا دوست تھا۔ اس وقت اس کا قد۔ اس کی شخصیت سب میں نمایاں نظر آ رہی تھی۔ اقصیٰ خود کو چھپانے کے باوجود کامیاب نہ ہو سکی۔ جدھر جاتی شریر نگاہوں کا تعاقب ساتھ ساتھ چلا آتا۔ وہ معنی خیز مسکراہٹیں اس کے اٹھتے ہر قدم سے زنجیر بن کر لپٹ جاتیں اور وہ جھنجلا جاتی۔ چڑ جاتی۔

وہ آخر وہ اس کی طرف کیوں دیکھتا ہے۔ کیا ساری لڑکیاں مر گئی ہیں۔ مجھ میں ایسی کیا بات ہے" وہ بیزار ہو کر پیچھے چلی گئی اور وہ ادھر ادھر کھوجتا رہ گیا۔ پھر جب باقی دروازے پر لگی اور دولہا گھوڑے پر بیٹھ گیا، آگے پیچھے موٹریں چلنے کو تیار ہوئیں۔ تو وہ بھی سب کی اوٹ سے باہر کا منظر دیکھنے لگی۔

"اپنا نام تو بتا دیں۔" کسی نے اس کے بہت قریب آ کر سرگوشی کی۔

"جی امی۔" مارے وحشت کے وہ اچھل پڑی دل کی حالت خراب ہو گئی اس نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ لیا اور آنکھیں پھاڑے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ دولہا کا وہی چنچل دوست اس کے قریب سے خوشبو کی مانند گزر گیا تھا۔ اس وقت بینڈ پر رخصتی گیت گایا جانے لگا۔

"کاہے کو بیاہی بدیس سن لکھیا بابل مورے۔"

کہاروں نے پالکی اٹھائی تو وہ عورتوں کے ریلے میں آگے تک چلی گئی۔ اس نے دیکھا وہی لمبا چوڑا خوب صورت لڑکا اس کی طرف دیکھ کر مسکراتا ہوا ہاتھ ہلاتا چلا جا رہا تھا۔ "یا اللہ۔" وہ بوکھلا کر اندر بھاگ گئی۔

☆ ☆ ☆

رات وہ بڑی دیر تک سوچتی رہی کہ کل وہ شاہینہ باجی کی سسرال جائے یا نہیں۔ وہاں پر وہی لڑکا ہو گا اور خوامخواہ مجھے ڈسٹرب کرے گا۔ اگر کسی نے دیکھ لیا تو جانے کیا ہو صبح اس نے خالہ سے معذرت کر کے کہا۔

"میرے سر میں شدید درد ہے میں نہیں جاؤں گی۔ گھر میں آرام کروں گی" مگر وہ کہاں ماننے والی تھیں انہوں نے فوراً ڈاکٹر سے سر درد کی گولیاں منگوا لیں۔ چائے کے ساتھ اسے وہ کڑوی کسیلی گولیاں نگلنا پڑیں۔ وہ نہ نہ کرتی رہی لیکن بوا نے زبردستی اس کے سر میں روغن بادام کی مالش شروع کر دی، سر ہولے ہولے دباتی رہیں، وہ سخت شرمندہ تھی کہ بلاوجہ سب کو پریشان کر دیا پھر بھی اس کا کوئی عذر قبول نہ ہوا۔ آخر اسے مجبوراً "اچھا ہونا پڑا۔

ڈالی گنج دریائے گومتی کے کنارے آباد تھا، بہت خوب صورت اور پر فضا جگہ تھی، ہرے بھرے خودرو پھولوں سے بھرے ہوئے کنارے آبادی کے بیچ چم چم گزرتا ہوا دریا۔ بڑا رومانٹک منظر تھا۔ اقصیٰ کے ذہن پر چھایا ہوا غبار ایک دم چھٹ گیا۔ اس وقت وہ گلابی بوٹی دار ریشمی شلوار سوٹ پہنے ہوئے تھی گلابی چنا ہوا دوپٹہ جس پر افشاں چھڑکی ہوئی تھی۔ کناروں پر افشاں کی پتلی بیل لگی ہوئی تھی، گلابی موتیوں کے جھمکے گلابی میناکاری کی چوڑیاں۔ بغیر مانگ پٹی کے دو سادہ چوٹیاں آگے ڈالے بے حد دلکش لگ رہی تھی، گلبدن، اطلس، کمخواب کے بھاری ملبوسات اور قیمتی جڑاؤ زیورات میں سجی بنی ہوئی لڑکیوں سے کہیں زیادہ معصوم اور دل پسند تھی وہ۔ جہاں تصنع اور نمائش کے قدم لڑکھڑا جاتے ہیں۔ خود نمائی خود حیران ہو جاتی ہے۔ سادگی میں اتنا حسن؟

شاید یہی انفرادیت اسے لازوال بنا گئی تھی۔ جس جگہ ریشم اور اطلس کی سرسراہٹ ہو، سونے چاندی۔ ہیرے موتی کی چکاچوند ہو، دولت کی گرم بازاری ہو۔

وہاں بھلا سادہ شلوار سوٹ بغیر مسی غازے اور سیدھی سیدھی دو چوٹیوں کی کیا وقعت ہے۔ لیکن جوہر شناس نظروں نے ہیرے پتھر کا فرق محسوس کر لیا تھا، تب ہی اقصیٰ کی ذات اس رنگ و نور کی جھلملاتی ہوئی محفل میں سب سے الگ۔ نمایاں اور اوپر اوپر نظر آ رہی تھی، ہر چند کہ اس نے خود کو سادگی اور پر کاری

کے پردے میں چھپالیا تھا مگر وہ اس بزم رنگیں میں آکر کچھ نروس ہو رہی تھی' اپنے اوپر اٹھنے والی تنقیدی نظروں نے اسے بوکھلا دیا تھا' اسے اپنا وجود حقیر اور بے قیمت معلوم ہونے لگا اسی لیے وہ سب سے الگ تھلگ ایک کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔ زرینہ بھی جانے کہاں تھی اور بوا بھی نظر نہیں آرہی تھیں۔

اجنبی جگہ' اجنبی لوگ' اس وقت وہ سب سے زیادہ بور ہو رہی تھی۔ اچھا تھا کہ وہ نہ آتی کم سے کم اس بوریت سے تو بچ جاتی۔ پھر اس کا دھیان اپنی راجدھانی کی طرف چلا گیا' جہاں اس کے نام کا سکہ چلتا تھا' جہاں وہ ننھی سی جان ہر ایک کے دل میں پھڑکتی تھی' آنکھوں میں نور بن کر جگمگاتی تھی' یہ بات وہ کس سے کہتی' کون یقین کرتا کہ — تمہارا یہ سونا چاندی' تمہارا یہ روپ سنگھار ہمارے لیے نیا نہیں ہے تمہارے ان شاہانہ لباس اور ہیرے موتے سے ہمارے ٹرنک اور لاکر بھی بھرے ہوئے تھے مگر میں اتنی چھوٹی تھی کہ ان کا مصرف نہیں جانتی تھی اور جب اللہ نے مجھے اس لائق کیا تو وہ بادشاہت نہ رہی وہ خزانہ وہ مکس۔ وہ تجوریاں زمانے کی سرد مہری لے اڑی' اقصیٰ نے ٹھنڈی سانس بھری اور اپنی بے سروپا سوچوں پر خود ہی ہنس پڑی۔

حالات سے سمجھوتہ کرنا اور بات ہوتی ہے اور دنیا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر زندہ رہنا اور بات ہے۔ اس نے کسی کتاب میں پڑھا تھا۔ تم اس دنیا اور اس کی رنگینیوں سے آنکھیں بند کر لو یہ دنیا خود ہی تمہارے آگے جھک جائے گی تم ان کی تنقیدی نظروں کی پرواہ کیوں کرتی ہو' اس کے سامنے سے دھواں سا چھٹ گیا' اور ہر چیز واضح ہو گئی۔ شاید یہی زندگی کا فلسفہ ہے۔

"ارے آپ یہاں اکیلی بیٹھی ہیں۔ میرا مطلب ہے آپ کی دوست سہیلیاں وغیرہ۔۔۔؟"

اقصیٰ گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔ وہ دونوں ہاتھوں میں بریانی کی پلیٹیں لیے کھڑا مسکرا رہا تھا' وہ سلگ ہی تو گئی۔ اس نے بڑی سخت اور فہمائشی نظروں سے دیکھا اور وہ جلدی سے سر جھکا کر مسکراتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ سارے شرم کے اقصیٰ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

آخر وہ یوں ہر جگہ میرے راستے میں چلا آتا ہے۔ اس کا دل بھرنے لگا۔ جی چاہا خوب روئے مگر پرائی محفل' اجنبی شہر' اجنبی لوگ' وہ تلملا کر رہ گئی۔ اب اس کا بیٹھنا یہاں فضول تھا۔ وہ پھر آجائے گا بڑی ڈھیٹ مٹی سے بنا ہوا لگتا ہے کوئی۔ اتنے میں زرینہ اسے ڈھونڈتی ہوئی آگئی۔

"یا اللہ اقصیٰ تم نے تو لبوں پر مہر لگالی ہے۔ کہاں تمہیں اس طرح گم صم مجسمے کی مانند کھڑا دیکھے تو کہیں اپنا کوٹ نہ اتار کر ڈال دے تم پر۔" پھر خود ہی کھلکھلا کر ہنس پڑی اور اقصیٰ کا موڈ خراب دیکھ کر چپ ہو گئی۔

"کیا بات ہے رانی کسی نے کچھ کہہ دیا؟"

"نہیں زرینہ تم سب لوگ جانے کہاں چلی گئی تھیں میں سخت گھبرا رہی تھی۔" اصل بات وہ پھر بھی نہ بتا سکی۔ تہمینہ نے آکر اسے گلے سے لگالیا۔ بوا نے پوچھا۔ "بی بی کیا سر میں درد ہو رہا ہے؟"

"نہیں بس یونہی۔" زرینہ اس کا ہاتھ پکڑ کر دوسری طرف لے گئی۔ جہاں خیر آباد کی خاص ڈومنیاں قوالیاں گا رہی تھیں۔ وہی ہارمونیم ڈھولک بج رہی تھیں۔ کیا شان تھی۔ کمخواب کے آڑے پاجامے۔ پشوازیں پہنے پورا زیور جھومر ٹیکہ سجائے۔ بڑے سے زردار دوپٹے میں بنی سنوری جوان عورتیں خوب صورت لڑکیاں فنکارانہ انداز سے قوالی پیش کر رہی تھیں ایک سماں بندھا ہوا تھا۔ کیا حسین چہرے کیا خوب صورت آوازیں تھیں' ان کی قوالی سننے سے زیادہ عورتیں انہیں دیکھنے آرہی تھیں اور دل کھول کر نذرانے پیش کر رہی تھیں۔

اقصیٰ ہمیشہ سے تصوف کی دیوانی تھی' قوالیاں' نعتیں اس کی کمزوری تھی' وہ بچھی ہوئی شفاف چاندنی پر اطمینان اور شوق سے سننے لگی۔ کیونکہ وہاں کسی مرد کے آنے کا امکان نہیں تھا۔ پھر زرینہ کی سہیلیاں آگئیں اس نے اقصیٰ کا تعارف کرایا اس نے بڑی خوش دلی سے ان سے ہاتھ ملایا۔ بات کی

کھانے کے بعد وہ لوگ واپس آگئیں۔ اس نے خدا کا شکر ادا کیا۔ پھر وہ صورت نظر نہ آئی۔ گھر جا کر زرینہ اسے بڑی دیر تک سمجھاتی رہی۔

"ہمت کرو تقریبات میں جایا کرو۔ ایک دوسرے سے ملا کرو۔ ملنے ملانے سے معلومات بڑھتی ہیں۔ دل بہلتا ہے صرف کتابوں کی دنیا سے متعارف ہونے سے کام نہیں چلے گا۔ باہر نکلو مشاہدہ کرو۔ اس طرح نہ صرف دوسروں کو سمجھنے کا موقع ملتا ہے بلکہ اپنی عیادت میں بھی مدد ملتی ہے بندہ اپنے آپ کو بھی جاننے لگتا ہے کہ وہ کیا ہے کیا چاہتا ہے۔ اس کی جھجک دور ہوتی ہے۔ حوصلہ بڑھتا ہے۔ یوں نہیں کہ بہت سے لوگوں کو دیکھا اور گھبرا گئیں پناہیں ڈھونڈھنے لگیں۔ کونے میں جا کر دبک گئیں اس طرح دنیا تمہیں کب جینے دے گی۔"

"تمہیں تو کوئی فلسفی ہونا چاہیے تھا۔" اقصیٰ ہنس پڑی۔

"ہر انسان میں ایک فلسفی ایک دانشور چھپا ہوتا ہے اقصیٰ۔ اسے کھوجنے کی ضرورت ہوتی ہے اسی لیے تو کہتی ہوں کہ باہر نکلو۔ راستے تلاش کرو۔ اپنے میں اعتماد پیدا کرو۔" زرینہ اس کی ہم عمر تھی وہ اسے بڑے بوڑھوں کی طرح سمجھاتی رہی اور اقصیٰ مسکراتی رہی۔ اسے زرینہ کی باتیں اچھی لگ رہی تھیں وہ اس سے بے حد مخلص تھی۔ پھر اس کی واپسی کے دن آگئے۔ اسے لکھنؤ آئے بیس دن گزر گئے تھے اور پتہ ہی نہ چلا۔ بشریٰ کا خط آیا تھا بس چند سطریں لکھی تھیں تہمینہ کو۔

"اقصیٰ کو بوا کے ساتھ روانہ کر دو اس کے بغیر گھر اچھا نہیں لگتا۔" بشریٰ

خط پڑھ کر تہمینہ اور زرینہ خوب ہنس رہی تھیں۔ انہوں نے اقصیٰ کی مرضی جاننا چاہی تو وہ جھٹ تیار ہو گئی۔ جانے سے پہلے تہمینہ نے اسے لکھنؤ گھمایا۔ خاص خاص چیزوں کی سیر کرائی بیلی گارد' چڑیا گھر' میوزیم' سراج الدولہ کا امام باڑہ اور بہت سے تاریخی مقامات دکھائے۔ اقصیٰ کے لیے انہوں نے دو قیمتی خوب صورت سوٹ بنوائے تھے اور بہت سی چیزیں اسے خرید کر دیں۔ اسے چوڑیوں کا شوق تھا۔ مہارانیوں کی طرح اسے موتیوں اور نگینوں کے زیورات پسند تھے۔ تہمینہ نے اسے موتیوں کا ست لڑی کا ہار اور اس کی میچنگ کے کرن پھول جھمکے اور چوڑیوں کے کئی سیٹ لے کر دیے۔ بوا کو بھی ایک جوڑا دیا۔ کچھ چیزیں بشریٰ کے لیے بھیجیں۔ پھر ٹکٹ لے کر انہیں ٹرین پر بٹھا دیا۔

☆ ☆ ☆

وہ بشریٰ کے سینے سے دیر تک لگی رہی بڑا قرار آگیا تھا اسے۔ اتنے دنوں میں اقصیٰ کافی نکھر گئی تھی بہت خوش تھی۔

"کیسا وقت گزرا وہاں؟" بشریٰ نے مسکرا کر پوچھا۔

"امی وقت کا پتہ ہی نہ چلا اتنا اچھا گزرا خالہ جان کے وہاں سب میرا بہت خیال رکھتے تھے خصوصاً" زرینہ میرے آگے پیچھے پھرتی تھی۔ اتنی محبت کے لوگ ہیں وہ۔ امی اس سے پہلے کیوں نہ آپ نے ہمیں ان سے ملایا؟"

"بیٹی' ہمارے حالات اس قابل نہیں تھے اور میں کسی کو اپنے غم میں شریک کر کے اسے دکھی کرنا نہیں چاہتی تھی۔ نہ میں یہ چاہتی کہ کوئی مجھ پر ترس کھائے۔ بس اسی لیے میں اپنے اندر سمٹی رہی۔"

"امی' خالہ جان نے پھر آنے کو کہا ہے۔" اس نے بتایا اور تہمینہ کے تمام تحائف ان کے سامنے رکھ دیے۔ وہ ساری چیزیں دیکھتی رہیں اس کے سوٹ اٹھا کر کہا۔

"ماشاء اللہ کتنے اچھے سوٹ ہیں۔ کتنا قیمتی کپڑا ہے۔ تہمینہ کو تمہاری پسند کا کتنا خیال تھا۔ ہر چیز اپنی جگہ بہت خوب صورت ہے۔ اس کی محبتوں کا تو مجھے بہت پہلے سے اندازہ تھا بیٹی۔ مگر وہی عزت نفس کا مسئلہ تھا۔ اگر اسے پتہ چل جاتا تو وہ کبھی یہاں نہ رہنے دیتی اپنے ساتھ لے جاتی اور مجھے یہ گوارا نہیں تھا اور بوا تم بتاؤ کیسی شادی لگی اور کیسے وہ لوگ لگے؟"

"اے بٹی مجھے تو یہاں وہاں میں کوئی فرق نہیں لگا۔ بڑا خیال رکھا انہوں نے ہمارا تمہاری بہن بہت اچھی ہے۔"

"اور امی آپ کو پتہ ہے بوا کتنی اچھی ڈھولکی بجاتی ہیں اور شادی بیاہ کے گیت کتنے اچھے گاتی ہیں انہوں نے تو وہاں سماں باندھ دیا تھا۔"

"اچھا۔" بشریٰ بیگم ہنس پڑیں"۔ میں جانتی ہوں بٹی۔ مجھے معلوم ہے بوا میں بڑے جوہر ہیں۔"

اور اقصیٰ ماں کو دیکھتی رہ گئی۔ بشریٰ بیگم کو بوا شبنم کا وہ زمانہ یاد آگیا' اس وقت وہ ایک درمیانی عمر کی خوش اخلاق' محنتی اور خوش شکل خاتون تھیں۔ وہ اپنی ایک واقف کار کے ساتھ گاؤں سے آتی تھیں حویلی میں بشریٰ بیگم کو ایک نوکرانی کی ضرورت تھی۔ انہیں شادی بیاہ کے گانوں کا بہت شوق تھا۔ ڈھولک بہت اچھی بجاتی تھیں اور اکثر شادی بیاہ کی تقریبات میں بلائی جاتی تھیں۔ ان کے شوہر نے انہیں شک کی بنا پر طلاق دے دی تھی۔ ان کی کوئی اولاد بھی نہیں تھی۔ نہ ماں باپ تھے اس لیے وہ جب سے حویلی میں آئی تھیں انہوں نے اپنی پوری زندگی بشریٰ بیگم کے نام کر دی پھر انہوں نے اپنے جیتے جی انہیں نہ چھوڑا۔

☆ ☆ ☆

کئی راتوں سے اقصیٰ مسلسل جاگ رہی تھی۔ لگتا تھا وہ اپنی نیندیں وہیں پر چھوڑ آئی ہے... جب آنکھیں بند کرتی ایک انجانی ہستی آکر اسے ڈسٹرب کرنے لگتی ۔ ہزار ٹالنے اور بے رخی برتنے کے بعد بھی وہ اس کے سامنے ڈٹا کھڑا رہتا اور آنکھوں میں آنکھیں ڈالے پوچھتا رہتا...

"اپنا نام بتادو...؟"

"تم کون ہو کچھ تو کہو...؟"

"اس محفل رنگیں میں فرشتوں کا یہ روپ دے کر تمہیں کس نے بھیجا...؟"

"تم اس دنیا کی مخلوق تو نہیں لگتیں؟"

"اپنی دنیا کا کچھ اتا پتہ تو بتاؤ...؟"

"دیار محبوب سے ہو کر کون سا راستہ جاتا ہے؟"

"بتاؤ۔"

"بولو۔"

اقصیٰ کے کان مسلسل اس کی سرگوشیوں سے گونجتے رہتے۔ اپنی شوخ شوخ بولتی ہنستی آنکھوں سے وہ اسے بے چین کرتا رہتا' بڑے دنوں تک شادی اور وہاں کے ہنگامے۔ ایک الگ الگ سی ہستی۔ بار بار اس کا سامنے آجانا۔ اس کی مسکراہٹیں اسے یاد آ کر مضطرب کر دیتیں۔ آخر تھک ہار کر اس نے پھر خود کو کتابوں کے حصار میں قید کر لیا۔ گھر کے کاموں میں مصروف ہو گئی۔ اپنی بے معنی سوچوں کو جھٹک دیتی کہ وہ دنیا وہ لوگ اس کا آئیڈیل نہیں تھے۔

یعقوب ماموں کی اور بہو بیٹیاں آجاتیں اقصیٰ سے سلام دعا کے بعد کوئی بات نہیں ہوتی۔ ان کی تواضع کے فرائض بشریٰ بیگم ہی انجام دیا کرتی تھیں' اقصیٰ بھی کیا کرتی' چھوٹی سی تھی تب ہی سے اس پر آزمائشوں کے دروازے کھٹا کھٹ کھلتے چلے گئے۔ ہر لمحہ شکست ہر قدم ناکامی اس لیے وہ تقریباً گوشہ نشین ہو گئی اور خاندان سے اس کو آدم بیزار کا خطاب مل گیا۔ اگر محفل میں اسے ماں کے ساتھ کہیں شرکت کرنا پڑتی تو وہ ایک طرف خاموشی سے بیٹھ جاتی اور محفل کا جائزہ لیتی رہتی' لڑکیاں بڑی نازو ادا سے اس کے آگے پیچھے پھرتی رہتیں اس کی طرف دیکھ کر مسکراتیں کہ شاید وہ بھی کچھ بولے۔ بات کرنے میں پہل کرے' مگر وہ صرف مسکرا دیتی اگر وہ کچھ پوچھتیں تو مختصر جواب دے دیتی۔ "آپ بہت کم بولتی ہیں؟"

"جی یہ میری عادت ہے۔" وہ مسکرا دیتی۔

"بڑی اچھی عادت ہے۔ آپ پڑھتی ہیں؟"

"جی۔" پھر وہ اٹھ کر چلی جاتیں۔ اکثر لڑکیاں اقصیٰ کی طرف تحقیر آمیز نگاہ سے دیکھتیں تو اقصیٰ کو اپنا دل ڈوبتا محسوس ہونے لگتا یہی وجہ تھی کہ وہ تقریبات میں جانے سے کتراتی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ وہ ہماری دنیا کے لوگ نہیں ہیں۔ اس کے باوجود ہم ان سے الگ نہیں رہ سکتے۔ وہ اکثر اپنے رب سے شکوہ کر بیٹھتی کہ

"یا اللہ جب ہم ان سے کچھ نہیں کہتے۔ کچھ نہیں مانگتے تو یہ ہم سے نفرت کیوں کرتے ہیں؟"

"ہمیں مغرور اور آدم بیزار کیوں کہتے ہیں۔"

"غرور کرنے کے لیے ہمارے پاس کیا ہے کچھ بھی نہیں؟"

کتنے پاگل ہیں یہ لوگ۔ ہمارے اندر جھانک کر محرومیوں کے سلگتے الاؤ کو کیوں نہیں دیکھتے کیوں نہیں سمجھتے وقت نے اتنی ضربیں لگائی ہیں کہ سینے میں شگاف پڑ گئے ہیں۔ احساسات کا دکھ چھپائے نہیں چھپتا۔ سر پر کوئی ہاتھ رکھنے والا نہیں۔ کوئی نہیں پوچھتا کہ اقصیٰ بی بی تم نے اپنی شخصیت پر خاموشی اور سنجیدگی کا جو خول چڑھایا ہے تو کیوں؟

دنیا سے اتنی خوفزدہ کیوں رہتی ہو؟

یہ دنیا تو بڑی حسین اور پر کشش جگہ ہے... ہاں ان کے لئے جن کے پیٹ بھرے ہوتے ہیں۔ دل آسودہ اور آنکھوں میں کچھ پالینے کا نشہ ہوتا ہے اور میرے پاس کیا ہے؟ کچھ بھی تو نہیں۔

پھر مجھے یہ دنیا کیسے اچھی لگتی۔ اس کے شب و روز میں میرے لیے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ بچپن سے لڑکپن۔ پھر جوانی۔ چھم چھم کرتی رنگ بکھیرتی خوشبو لٹاتی عزت کے آنگن میں اتری ضرور تھی مگر دل کے کنول کھل نہ سکے۔ اس کی نرم آہٹ پر غنچوں نے سر اٹھایا تو تھا لیکن چٹکے نہیں تھے۔ کوئی آواز نہیں آئی۔ مسکرائے تو تھے مگر ان میں شوخیوں کی کھنک نہیں تھی۔ گنگناہٹوں کا لمحہ بیری ہوا نے چرایا تھا۔ انبساط زندگی نے گدگدایا بھی تھا۔

دلولوں نے آواز دی تھی۔ آنکھوں میں نشہ سرور بن کر اترا تو تھا مگر کوئی فتنہ اٹھنے سے پہلے ہی اس نے سب کو خاموش کر دیا۔ جذبوں کو تھپک کر سلا دیا کہ ابھی تمہارا موسم نہیں آیا۔

بہاروں کے قافلے ابھی بہت دور ہیں۔

اور اس نے شبستان آرزو کے اونچے اونچے محلوں کے آہنی دروازوں میں خاموشی اور صبر کے قفل ڈال دیئے۔ دل کے دریچے سختی سے بند کر دیے۔ پھر بھی سکون نہ ملا۔ کان بند کرو تو آوازیں سماعتوں کی دیواروں سے ٹکرانے لگتی تھیں۔ آنکھیں بند کرو تو پلکوں کا سائباں ٹوٹنے لگتا تھا۔ کوئی چپکے چپکے سرگوشیاں کر رہا تھا۔

"دیکھو۔"

"آخر کیا دیکھوں...؟" وہ جھنجلا اٹھی۔

"دیکھو میں آگیا...!"

بڑی دیر سے کوئی اس کے دل کے دروازوں پر دستک دے رہا تھا' اور اب تو یہ شور بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ یہ اس کا تصور نہیں حقیقت تھی کہ اقصیٰ کی ساکت و صامت زندگی کی جھیل میں بڑی گہرائی سے کسی نے پتھر پھینکا تھا اور وہ اس کی مدوجزر کو دیکھ کر حیران رہ گئی تھی۔ کوئی دور پار کا کزن اس کا طلبگار بن کر بشریٰ کی سونی سونی دہلیز پر آکر کھڑا ہو گیا تھا۔ بشریٰ بیگم حیران تھیں کہ اقصیٰ کا وہ کزن ان کا عزیز اور رشتے دار تھا جنہوں نے بشریٰ بیگم پر ذلتوں اور مصیبتوں کے دروازے کھول دیے تھے۔ یتیم بچوں کو بے وارث کر دیا تھا' جنہوں نے لڑکی کو اٹھا لینے کی دھمکی دی تھی۔ شاید ایک تنہا عورت ان کی اس دھمکی سے خائف ہو کر مقدمے سے دستبردار ہو جاتی مگر یعقوب ماموں نے ایسا نہیں ہونے دیا۔

وہ بھڑک اٹھے اور کہا عزت و ذلت خدا کے ہاتھ ہے ہم دیوانی تک لڑیں گے اس کی پرواہ کیے بغیر کہ ہمیں کچھ ملتا ہے یا نہیں مگر ہم یتیم کی دولت پر انہیں عیش نہیں کرنے دیں گے۔ عزت کا تقاضہ یہی تھا کہ ان کی ہٹ دھرمیوں کا منہ توڑ جواب دیا جائے۔ یہ بات اتنی معمولی اور چھوٹی نہیں تھی' معظم علی خاں کی عزت نیلام پر چڑھ گئی تھی' بولی لگانے والے بھی وہی لوگ تھے جنہوں نے یہ بازار سجایا تھا۔

وہی دکاندار تھے۔ وہی خریدار سودا ہو تا تو کیسے؟

بڑا دل جلا کر بڑے تھپیڑے کھا کر بشریٰ بیگم نے آگ کا وہ دریا پار کیا تھا اور اس تپتے ہوئے سفر کی ابھی تکان بھی دور نہیں ہوئی تھی کہ ایک نئی حیران کن صورت حال پیدا ہو گئی تھی' ایک سائل ان کے در پہ

جھولی پھیلائے کھڑا تھا' وہ اسے کچھ دیں یا واپس کردیں ؟

وہ کون ہو سکتا ہے؟ وہ دو قدم آگے بڑھیں۔ ان کے دل کی طرح ان کے گھر کے دروازے بھی کھلے رہتے تھے دوست و دشمن سب کے لیے مگر آج یہ تذبذب کیوں وہ چلتے چلتے مڑ کر کیا سوچنے لگتی تھیں۔

ماں کو پریشان دیکھ کر اقصیٰ خود آگے بڑھی' آنے والے کے قدموں کی دھمک اسے اپنے دل میں محسوس ہو رہی تھی دل کے کواڑ ہلنے لگے۔ وہ اذن کا منتظر تھا۔ بشریٰ نے مسکرا کر اسے اندر آنے کا اشارہ کیا وہ اندر آیا تو اقصیٰ کے دل و دماغ دونوں زلزلوں کی زد میں تھے۔ اسے اپنی آنکھوں پر اعتبار نہ آیا۔ آنکھیں ساکت تھیں پھٹنے کی حد تک۔ دل نے سرگوشی کی۔

"یہ تو وہی ہے۔"

بشریٰ بیگم اپنے نئے مہمان کو لیے اندر آگئیں اور وہ ستون کی اوٹ میں سمٹ گئی۔ ہر طرف خوشبو بکھر گئی تھی نہ جانے کیوں اسے نووارد کا آنا بہت اچھا لگا۔ اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ جھانکا کن انکھیوں سے اس کو دیکھا اس کی نظروں میں صدیوں کی شناسائی تھی۔ تلاش کا دعویٰ تھا۔ اس کی آنکھیں بول رہی تھیں۔

"دیکھو ڈھونڈنے والے اس طرح زمین کا سینہ چیر کر خزانے کا پتہ لگا لیتے ہیں۔ ہم سے کہاں تک چھپتی پھوگی؟"

"ڈھونڈنے والے تو خدا کو بھی ڈھونڈ لیتے ہیں تم تو اسی دنیا کی ایک باسی ہو جس میں ہم جیسے دیوانے رہتے ہیں اب اس طرح کیا دیکھ رہی ہو۔ داد نہیں دوگی ۔اچھا چلو مسکرا ہی دو۔"

اور وہ جلدی سے مڑ کر اندر چلی گئی۔ وہ خوش بھی تھی اور اسے تعجب بھی تھا کہ کبھی جذبے اس طرح بھی مجسم ہوتے ہیں۔

اس کا نام تابش تھا۔

اور وہ اس گھر کی دہلیز پار کر کے پہلی بار بشریٰ کے سامنے آیا تھا' لطف یہ کہ بشریٰ اسے جانتی تھیں مگر وہ ان سے واقف نہیں تھا۔ آخر بن بلائے مہمان نے بڑی بے باکی سے بغیر تمہید کے اپنے آنے کا مقصد بیان کردیا۔ انہوں نے مسکرا کر اس کے جھکے ہوئے سر کی طرف دیکھا بڑی دیر تک وہ اس نوجوان کی جسارت پر حیران ہوتی رہیں۔ اس نے ڈرتے ڈرتے اپنی عرضداشت کا ردعمل ان کے چہرے پر دیکھنا چاہا تو وہ اس کی طرف دیکھ رہی تھیں انہیں اس خوبرو نوجوان کے چہرے پر کہیں بھی جھوٹ اور فریب کی چھاپ نظر نہ آئی' اس کا باطن ظاہر کی طرح شفاف تھا۔

"تم معظم علی خان کو جانتے ہو؟" اچانک بشریٰ نے اس سے پوچھا۔

"معظم علی خاں...؟" تابش نے کچھ سوچا یاد کیا پھر بولا۔

"وہ نسیمہ پھپھو کے سسر تو نہیں۔ لمبے سے گورے دبلے پتلے ہنس مکھ شفیق سے...؟" بشریٰ بیگم نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔

"ایک بار وہ نسیمہ پھپھو کے ساتھ گھر پہ آئے تھے۔ مگر ان کا تو انتقال ہو گیا ہے' شاید آپ... آپ انھیں کیسے جانتی ہیں؟"

"وہ... وہ میرے شوہر تھے۔ اقصیٰ کے والد محترم جنت مکانی۔" بشریٰ نے بڑے ضبط سے کہا۔

"آپ ان کی بیوی ہیں؟" وہ گڑبڑا کر کھڑا ہو گیا۔ بشریٰ بیگم نے مسکرا کر کہا۔

"بیٹھو کھڑے کیوں ہو گئے۔ میں نسیمہ کے تمام رشتے داروں کو جانتی ہوں اور تمہیں بھی۔" وہ اس کی طرف دیکھنے لگیں۔ "مگر بیٹے تمہیں کسی نے یہ نہیں بتایا کہ ایسی باتیں گھر کے بزرگ یا مائیں کرتی ہیں؟"

"میری امی نہیں ہیں اور مجھے ان رشتوں کا بھی علم نہیں تھا ورنہ نسیمہ پھپھو کو ساتھ میں ضرور لاتا۔"

"نہیں نہیں نسیمہ کو ساتھ لانے کی ضرورت نہیں۔" انہوں نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"ہمارے اور ان کے درمیان رشتے منقطع ہو چکے ہیں۔"

"مگر کیوں؟"

"میں اس کا جواب دینا مناسب نہیں سمجھتی

ضرور کہوں گی کہ جو چیز تم نے مجھ سے مانگی ہے سروست میں اپنے کو اس کے لیے مجبور پا رہی ہوں بیٹا۔" انہوں نے اس کے جھکے ہوئے سر کی طرف دیکھا۔ "میں نے اپنی دنیا الگ رہ کر بنائی ہے میں نہیں چاہتی کوئی میری تنہائی اور سکون کو درہم برہم کردے۔ مجھے ان لوگوں کی طرف سے بڑے دکھ ملے ہیں جو ہماری دوستی کا دم بھرتے تھے۔" تابش نے بشریٰ بیگم کے دونوں ہاتھ عقیدت سے تھام لیے اور امید بھرے لہجے میں بولا۔

"امی جان مجھے آپ کی باتوں سے اپنی والدہ مرحومہ کی خوشبو آتی ہے۔ میں نے اپنے دل کی آواز آپ تک پہنچا دی ہے اور فیصلہ بھی آپ پر چھوڑ دیا ہے۔ اب جبکہ آپ میرے خاندان سے واقف ہیں تو پھر اس مسئلے پر آسانی سے سوچ سکتی ہیں' میں انتظار کرلوں گا۔" وہ کھڑا ہو گیا اور اللہ حافظ کہتا ہوا چلا گیا۔ بشریٰ بیگم گم صم سی ہو کر اسے جاتا دیکھتی رہیں۔

وہ بڑی آسانی سے اپنا مطمع نظر سمجھا کر چلا گیا تھا مگر وہ سخت مشکل میں پڑ گئی تھیں ان کی سوچوں کو بہنے کی راہ مل گئی تھی۔ اقصیٰ کے لیے بھی یہ عجیب انکشاف تھا وہ بھی حالات کی نئی کروٹ کی منتظر تھی۔ کئی دن گزر گئے تھے تابش نہیں آیا۔ یہ دن یہ لمحے ان پر صدیوں کی مانند گزر رہے تھے۔ اقصیٰ بے چین تھی اور بشریٰ منتظر۔ وہ خود کو آنے والے لمحوں کے لیے تیار کر رہی تھیں۔ آخر ایک ہفتے کے بعد دروازے پر مخصوص دستک ہوئی اور بشریٰ کھل اٹھیں۔ انہوں نے دروازہ کھولا تو تابش کھڑا مسکرا رہا تھا۔ اس نے سلام کیا تو انہوں نے بھی مسکرا کر جواب دیا اور اسے لیے اندر آ گئیں۔

"بیٹھو کیسے ہو؟" یہ کہتے ہوئے ان کا دل دکھ سا گیا۔

"ٹھیک ہوں اور آپ کی محبتوں کا طلبگار۔" وہ مسکرایا۔

کچھ دیر ادھر ادھر کی باتوں چائے پانی کے بعد اس نے پھر اپنی خواہشوں کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"امی جان یقیناً" آپ نے سوچ لیا ہو گا۔ مجھے مایوس نہ کیجئے گا۔ اپنی شفقتوں میں مجھے بھی شریک کر لیجئے۔" تابش نے بڑی آس بھری نظروں سے بشریٰ کی طرف دیکھا۔ اس کا لہجہ بے حد نرم و شفاف اور خلوص سے بھرا ہوا تھا۔ وہ دیر تک سر جھکائے ان کے جواب کا منتظر رہا اور بند کمرے کے پٹ سے لگی ہوئی اقصیٰ اپنے دھڑکتے دل کو سنبھالے ان کی باتوں پر گوش بر آواز تھی' بشریٰ بیگم کچھ لمحے سر اٹھائے اس کو دیکھتی رہیں پھر بولیں۔

"بیٹا تم نے مجھے سخت امتحان میں ڈال دیا ہے' میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا کہ میں کیا کروں۔ کیا کہوں تم سے؟" تابش اپنی جگہ سے اٹھا اور بشریٰ کے قدموں میں بیٹھ کر ان کے دونوں گھٹنوں پر ہاتھ رکھ دیے اور بڑی چاہ سے بولا۔

"امی میں اس در سے خالی نہیں جاؤں گا۔ دیر سویر آپ کو میری بات ماننا پڑے گی۔" اس کے لہجے میں بڑی قطعیت تھی۔ بشریٰ پریشان ہو گئیں اور جو کہنا نہیں چاہ رہی تھیں آج انہوں نے تابش کو اپنے حالات اور اقصیٰ کی مظلومیت کی پوری داستان سنا دی تھی اور اسے برابر میں بٹھاتے ہوئے کہا تھا۔

"جن لوگوں نے میرے اور میرے بچوں کے منہ سے لقمہ اور سر سے چھت کا سایہ چھینا۔ جنہوں نے اس بھری دنیا میں مجھے تنہا چھوڑ دیا۔ انہی لوگوں میں تم میری بچی کو لے جا کر رکھنا چاہتے ہو۔ تمہارے پاس اس کی کیا ضمانت ہے کہ وہ لوگ اسے عزت سے ساتھ جینے کا حق دیں گے؟"

"امی جان آپ کا بہت شکریہ کہ آپ نے مجھے پورے واقعات بتا دیے۔ اب مجھ میں مقابلے کی ہمت پیدا ہو گئی ہے۔ کوئی قدم اٹھانے سے پہلے میں ان باتوں کا خیال رکھوں گا۔"

"تابش میاں زیادہ بہتر یہ ہے کہ جس راستے سے تم یہاں تک آئے ہو اسی راستے سے واپس چلے جاؤ میرے حالات بڑے نازک ہیں۔ تمہاری پھپھو سے پہلے ہی بگاڑ پیدا ہو چکا ہے۔ دلوں کے دروازے بند ہو جائیں تو رحم و مروت کی گنجائش نہیں رہتی' وہ میری

بیٹی کو رسوا کر دیں گی۔ میں ان ہٹ دھرم لوگوں کے خاندان سے اپنی بیٹی کی خوشیاں وابستہ کرنا نہیں چاہتی آخر تم بھی تو اس خاندان کے چشم و چراغ ہو۔" یہ بات کہہ کر بشریٰ کا دل لہولہان ہو گیا اور تابش شکست خوردہ ہو کر تڑپ اٹھا۔ اس نے گلہ آمیز نظروں سے بشریٰ بیگم کو دیکھا۔

"امی جان اس دنیا میں اپنا کوئی ایسا دوست، ہمدرد اور عزیز نظر نہیں آتا۔ جسے میں اپنی شرافت اور سچائی کا گواہ بنا کر آپ کے سامنے پیش کروں، آپ میرے اوپر اعتماد کریں۔ کبھی کبھی کذب و جھوٹ بد دیانتی اور فریب کی آغوش سے بھی ایمان اور نیکی کی روشنی پھوٹ پڑتی ہے۔ دنیا میں سب ہی تو برے نہیں ہوتے۔ کیا آپ کو میری باتوں سے جھوٹ اور مکاری کی بو آتی ہے؟" وہ پریشان ہو کر کھڑا ہو گیا۔

"نہیں بیٹے بالکل نہیں۔" انہیں افسوس ہوا کہ میں نے ایسی بات کیوں کہہ دی۔ مگر وہ مجبور تھیں آخر اسے کس طرح معلوم ہوتا کہ اس کے اپنوں نے ہم پر کیسے ستم ڈھائے ہیں۔ یہ ضروری تھا۔ انہوں نے اس کی طرف دیکھا وہ بے حد دلگرفتہ سا لگ رہا تھا۔

"بیٹا مجھے تمہاری باتوں نے بڑا متاثر کیا ہے تب ہی تم نے میرے گھر کی دہلیز دوبارہ پار کی ہے ورنہ میں نے اتنے زخم کھائے ہیں کہ میرا ایمان رشتوں پر سے اٹھ گیا ہے اور مسئلہ یہاں میرا نہیں۔ میری معصوم بچی کا ہے جسے میں نے سورج کی کرنوں سے بھی چھپا کر رکھا ہے، لوگوں کی نظریں اس پر نہ پڑنے دیں، میں چاہتی ہوں کہ اس کی آنے والی زندگی اس کے لیے بہاروں کی نوید لے کر آئے، میں اس کی راہوں کا ایک ایک خار اپنی پلکوں سے چن لینا چاہتی ہوں۔" یہ کہتے کہتے بشریٰ بیگم کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ آواز رندھ گئی۔

"پلیز امی جان، آپ قطعی پریشان نہ ہوں بات اگر بگڑی تو میں تنہا مقابلہ کروں گا۔ پیچھے نہیں ہٹوں گا آپ میری بات پر یقین کریں۔"

"ٹھیک ہے بیٹے۔" انہوں نے سرد آہ بھری۔

"تم اپنے باپ بھائی کی رائے معلوم کرو۔ انہیں اس بات پر آمادہ کرو۔ اپنا ہم خیال بنانے کی کوشش کرو۔ پھر میرے پاس آنا۔"

تابش پر امید ہو کر چلا گیا۔ وہ دوبارہ یہاں آیا تو اقصیٰ کی صورت تو کیا اس کا آنچل بھی نہ دیکھ سکا تھا اس کی جھکی جھکی مشتاق نظریں بند کمرے کا طواف کر کے واپس آجاتی تھیں۔ پھر بھی مطمئن تھا کہ اقصیٰ کے امیدواروں میں پہلا نام اس کا تھا جسے رد نہیں کیا گیا تھا۔ پھر دن پر دن گزرتے رہے مگر تابش نہیں آیا۔ اقصیٰ آس و نراس کی وادیوں میں بھٹکتی رہی۔ اپنی اس کیفیت پر وہ خود بھی حیران تھی۔ وہ ایک ایک دن گنتی رہی تھی پورے اٹھارہ دن بعد وہ پھر آگیا۔ اقصیٰ نے سکون کی سانس لی اور بشریٰ نے اسے خوش آمدید کہا۔ تابش نے کہا۔

"امی، میں نے ابا جان سے مشورہ کیا تھا۔" انہوں نے میری بات غور سے سنی بولے۔

"تمہاری منگنی بچپن میں ہی تمہاری خالہ کی بیٹی سے ہو گئی تھی۔ اس لیے دوسری جگہ شادی کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" مگر میں نے کہہ دیا کہ۔

بچپن کے قائم کئے ہوئے رشتوں کو میں نہیں مانتا۔ میں وہاں شادی نہیں کروں گا اور آپ کو صورت حال بتانے آگیا اب آپ کچھ سوچیں۔ میری مدد کریں اور مجھے مشورہ دیں کہ مجھے کیا کرنا چاہیے؟" تابش کے چہرے پر شدید الجھن تھی بشریٰ بیگم اس نئے انکشاف پر کانپ کر رہ گئیں۔ ان کی ساری سوچیں دھری کی دھری رہ گئیں۔ کچھ دیر بعد انہوں نے کہا۔

"تمہارے والد نے ٹھیک کہا ہے بیٹا۔ اصول کے مطابق تمہاری شادی وہیں ہونی چاہیے، وہاں اس کی عزت ہو گی، قدر ہو گی، تم مجھے کیوں آزمائش میں ڈال رہے ہو۔ ایک فاقہ مست بیوہ اپنی یتیم بچی کو کیا دے سکتی ہے۔ جس کی بنا پر لوگ اس کی عزت کریں گے اس لیے بہتر یہی ہے کہ تم یہ ضد چھوڑ دو اور اپنے والد کی خواہش پر سر جھکا دو۔ ایسی صورت میں تمہارا ساتھ دینا میرے لیے مشکل ہو جائے گا۔"

تابش تو پہلے ہی باپ کی باتوں پر دل شکستہ تھا اب

بشریٰ بیگم کے ڈھکے چھپے انکار نے اس کے پیروں کے نیچے سے زمین کھینچ لی وہ ڈگمگا سا گیا۔ جی چاہا ان کی گود میں سر رکھ کر چیخ چیخ کر روئے مگر اس نے دکھی دکھی نظروں سے بشریٰ بیگم کو دیکھا اور اٹھ کر خاموشی سے سلام کر کے چلا گیا، اس دن بشریٰ اپنی بے بسی پر بہت روئیں۔ بہت تڑپیں۔ ان کے در سے آج تک کوئی طلب گار خالی واپس نہیں گیا تھا۔ آج ایک انسان ایک بیٹا خالی واپس چلا گیا تھا ان کے پاس اسے دینے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا۔

بعض وقت انسان اتنا مجبور ہو جاتا ہے کہ وسیع اختیارات رکھنے کے باوجود وہ کچھ نہیں کر پاتا، یہی حال اس وقت بشریٰ کا بھی تھا۔ وہ ہاتھ مل رہی تھیں۔ تابش کو پسند کرنے کے باوجود اسے اپنا کہتے ہوئے خوفزدہ تھیں اور اقصیٰ کو محسوس ہو رہا تھا جیسے اس گھر کے آنگن میں بہار آکر لوٹ گئی ہو۔ اس کی خلوتوں میں طلوع ہونے والا چاند ایک دم بادلوں میں چھپ گیا تھا ہر طرف تاریکی چھا گئی تھی۔ ناامیدی کے سائے منڈلا رہے تھے۔ کوئی ربط دل کے تار چھیڑ کر بے سمت اجنبی مسافتوں میں گم ہو گیا تھا۔ جاتے وقت اقصیٰ کو اس کی بھیگی بھیگی پلکیں تڑپا گئی تھیں۔ وہ اپنے اندر ہر چیز کو ٹوٹتے لڑھکتے دیکھ رہی تھی اور تقدیر کے اس جبر پر خاموش تھی۔

☆ ☆ ☆

بشریٰ بیگم کے گھر کبھی کبھی اچھے دنوں کے ساتھی بھی خیر خبر لینے آجاتے تھے۔ ان میں ایک عطیہ خالہ بھی تھیں۔ وہ نسیمہ کے پڑوس میں رہتی تھیں، ان کے گھر عطیہ خالہ کا آنا جانا تھا۔ ان کی زبانی معلوم ہوا تھا کہ تابش نے گھر میں ہنگامہ برپا کر دیا تھا، نسیمہ عطیہ خالہ کو بتا رہی تھیں کہ بھیا اس کی شادی خالہ کے گھر کرنا چاہتے ہیں مگر وہ کسی اور لڑکی کو پسند کرتا ہے۔ جو بن باپ کی ہے اور غریب بھی ہے۔ بشریٰ کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ "کون ہے وہ لڑکی؟" انہوں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"ابھی اس نے نام نہیں بتایا۔ مگر اس نے خالہ کے گھر شادی سے انکار کر دیا ہے۔" عطیہ کی بات پر انہوں نے اطمینان کی سانس لی۔ خالہ پھر بولیں

"تابش کے ابا نے بیٹے کو بڑی لعن طعن کی ہے کہ وہ غریب یتیم لڑکی اپنے ساتھ کیا لائے گی اس کا معاشرے میں کیا مقام ہو گا۔ جبکہ تمہاری خالہ کی لڑکیاں حسین بھی ہیں اور دولت مند بھی۔ ہمارا گھر بھر جائے گا اور تمہارا مستقبل بھی سنور جائے گا۔ اگر تمہاری منگیتر تمہیں پسند نہیں تو ان کی اور لڑکیاں بھی ہیں تم جسے پسند کرو گے اس سے تمہاری شادی کر دی جائے گی۔ تمہاری خالہ کو اعتراض نہیں ہو گا وہ جب بہو بن کر بھاری جہیز کے ساتھ لدی پھندی ہمارے گھر آئے گی۔ تو فخر و خوشی سے ہمارا سر بلند ہو جائے گا۔ عیش کرو گے میاں تمام زندگی۔" مگر بیٹے نے کہا۔

"ابا جان مجھے نہ دولت چاہیے نہ بھاری جہیز۔ میں ایک سادہ حقیقت پسند معصوم اور نیک ساتھی چاہتا ہوں۔ یہ میری تمام زندگی کا سوال ہے۔" عطیہ خالہ نے پان کی گلوری منہ میں رکھی اور نت نئے انکشاف کر کے چلی گئیں۔ لیکن بشریٰ کے لیے اندیشے چھوڑ گئیں۔ ادھر سچ مچ تابش کے خلاف محاذ قائم ہو گیا تھا وہ باپ کے سامنے ڈٹا ہوا تھا اور باپ اس سے اصرار کر رہے تھے کہ "آخر مجھے بتاؤ تو سہی وہ لڑکی کون ہے کیا نام ہے اس کا کس کی بیٹی ہے۔ کیسا خاندان ہے؟" اور تابش نے جوش میں آکر بتا دیا تھا کہ وہ لڑکی پھپھو کی نند اور معظم علی خان مرحوم کی بیٹی اقصیٰ ہے۔

"ہوں تو یہ بات ہے۔" سلطان صاحب نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"تمہیں معلوم ہے کہ معظم علی کی بیوی اور ان کے سوتیلے بیٹوں میں مقدمہ بازی بھی ہو چکی ہے۔"

"جی ہاں میں جانتا ہوں۔"

"اچھا چلو ہم تمہاری بات مان لیتے ہیں مگر بیٹا ہمیں یہ نہیں معلوم کہ یہ اولادیں معظم علی خاں کی ہی تھیں یا۔۔۔"

"ابا جان۔" تابش غصے میں چیخ پڑا۔ "کسی کی ذات

پر کیچڑ اچھالنے سے پہلے کوائف پر نگاہ ڈال لینا چاہیے۔ اعظم پھوپھا نے ان پر اس لیے یہ رکیک الزام لگایا تھا کہ لاکھوں کی جائیداد تقسیم نہ ہو۔ مگر جب بات عدالت تک پہنچی اور محاسبے کی گھڑی آئی تو انہیں اپنا الزام واپس لینا پڑا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اعظم پھوپھا مقدمہ کیوں ہار جاتے' فیصلہ یتیموں اور مظلوموں کے حق میں کیوں ہوتا' حیرت ہے کہ اس حقیقت کو آپ نے اب تک تسلیم نہیں کیا۔" تابش کی والد سلطان خان نے موقعے کی نزاکت سمجھتے ہوئی خاموشی اختیار کرلی اور دوسرے دن ایک تفصیلی خط اپنی سالی کو لکھ کر رسول پور روانہ کردیا۔

انہوں نے اپنے خط میں سالی کو تمام حالات تابش کی پسند اس کی ضد کے متعلق لکھ کر درخواست کی تھی کہ "میں تابش کو بھیج رہا ہوں لڑکا ہاتھ سے جانے نہ پائے ۔ یہ ہمارے خاندان کی عزت کا سوال ہے' ایسا جال پھینکو کہ اسے ہماری پلاننگ کی بھی خبر نہ ہو اور وہ تمہاری گرفت میں بھی آجائے۔" پھر کچھ دن کا وقفہ دے کر۔ کام کے بہانے تابش کو اس کی خالہ کے گھر گاؤں رسول پور بھیج دیا' وہ ان بگڑے ہوئے حالات میں باپ کو ناراض کرنا نہیں چاہتا تھا' ویسے بھی وہاں جانے میں اسے کوئی برائی نظر نہ آئی۔ اس نے سوچا اچھا ہے خالہ وغیرہ سے مل آئے گا۔ وہ ایک بار ان لوگوں سے مل کر تجزیہ کرنا چاہتا تھا کہ اس کے شادی سے انکار کا ردعمل ادھر کیا ہو سکتا ہے۔

☼ ☼ ☼

برسات کی آمد آمد تھی۔ آم کی گھنیری شاخیں کچے پکے آموں سے جھکی جارہی تھیں۔ نیم کے درخت پیلی پیلی بنولیوں سے بھر گئے تھے' جام کے درختوں سے کالے کالے میٹھے پھلیندے ہوا کے جھونکوں سے پٹاپٹ زمین پر گر رہے تھے اور وہاں کھیلتے ہوئے بچے اٹھا اٹھا کر انہیں کھا رہے تھے۔ ٹیسو کے اونچے اونچے درخت سرخ پھولوں کی چادر اوڑھے کھڑے تھے۔ ہر طرف سبزے کی فراوانی تھی۔ کسی کسی وقت آسمان پر سیاہ بادلوں کا قافلہ گزرتا تو دھوپ ٹھنڈے سایوں میں بدل جاتی' دور کوئی کوئل بیتاب ہو کر اپنے پی کو پکارتی تو جوان اور منچلے دل مچل مچل جاتے۔ موسم بہت خوب صورت تھا تابش کے اندر امنڈتے ہوئے جذبوں کی طرح نرم اور لطیف۔ رسول پور میں سب سے اونچی حویلی تابش کے خالو بوٹا خاں کی تھی۔ ان کے کھیت اور باغات دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ وہ گندم اور چاول کی خرید و فروخت بھی کرتے تھے ——— زمینداری کے ساتھ ساتھ اپنا بیوپار بھی کرتے تھے۔

ان کی سات بیٹیاں تین بیٹے تھے۔ بیٹیاں جوان اور بیٹے چھوٹے تھے۔ دو بیٹیاں بیاہی پانچ کنواری تھیں۔ انتہائی شوخ حسین سرو قد اور چمکتے دمکتے چہرے والیاں' ان کے رنگین آنچل کھنکتے قہقہے گھر میں ہر سو بکھرے ہوئے تھے۔ حویلی کا حسن۔ اس کی رونقیں ان کے ہنستے مسکراتے وجود سے قائم تھیں' کچھ پڑھی لکھی بھی تھیں۔ گاؤں میں رہنے کے باوجود شہری بود وباش سے آراستہ تھیں' بڑی ہی تیز و طرار۔ اپنے آگے کسی کو ٹھہرنے نہیں دیتی تھیں۔ تابش کو تو انہوں نے چٹکیوں پر رکھ لیا تھا' ان کے واسطے گویا تفریح کا موقعہ ہاتھ آگیا تھا۔ بڑے دنوں بعد کوئی بیوقوف ان کے پنجہ ستم میں آیا تھا۔ اور تابش نے جان بوجھ کر اپنے کو ان کے ہاتھوں میں بیوقوف بلکہ بدھو بنانے کے لیے چھوڑ دیا تھا کہ کوئی حسرت ان کی باقی نہ رہے۔

خالہ امی تو تابش کو دیکھ دیکھ کر نہال ہوتی رہتی تھیں صدقے واری جاتی تھیں اور سوچے سمجھے منصوبے کے تحت انہوں نے مہمان داری کے سارے ریکارڈ توڑ دیے تھے۔ دو تین دن تک تو اسے گھر ہی سے نہ نکلنے دیا تھا' راجہ اندر بنا پریوں کے جھرمٹ میں بیٹھا ان کے قہقہوں اور شوخ شوخ باتوں ۔ لطیفوں سے محظوظ ہوتا رہا اور ان کی ہر ہر ادا پر قربان جاتا رہا۔ ہر لڑکی اس غلط فہمی کا شکار تھی کہ تابش اس سے زیادہ متاثر اور اس کی طرف زیادہ متوجہ ہے۔ اسی لیے وہ بن سنور کے اس کے آگے پیچھے پھرتی رہتیں کہ وہ سب سے زیادہ خوب صورت نظر آئے ان کا یہ حال

تھا کہ۔
تمہی ہی یاد تیری تمنا تیرا خیال
ان دنوں دل کا دریچہ سجا ہوا ہے
آخر ایک دن خالہ امی نے کہا۔ "ارے لڑکیوں ذرا تابش میاں کو اپنے گاؤں کی تو سیر کراؤ۔ وہ بچہ تو گھر میں پڑا پڑا بور ہو گیا ہوگا۔"

جیسے لڑکیوں کو اسی موقعے کا انتظار ہو جھٹ سے تیار ہو گئیں۔ پروگرام مرتب ہوئے اور انہیں گاؤں کی ایک ایک پگڈنڈی' جوہڑ تالاب' دریا جھیل' کھیت باغات وغیرہ دکھائے گھمائے گئے۔ چنے کے کھیت سے انہوں نے ساگ توڑ کر کھایا۔ مٹر کے دانے چبائے' جھیل کا پانی پیا اس میں دیر تک پاؤں ڈالے ایک دوسرے پر پانی اچھالتی اور قہقہے لگاتی رہیں۔ ان کی شرارتوں کا مرکز تابش زیادہ تھا بلکہ یہ سب اسی کو اپنی طرف راغب کرنے کے لیے کر رہی تھیں۔ وہ ان لوگوں کے ساتھ ہنس کھیل رہا تھا۔ کھیتوں کی پگڈنڈیوں پر بھاگ رہا تھا۔ ایک دوسرے کو پکڑ رہے تھے۔ قہقہوں کا ترنم ہر طرف گونج رہا تھا۔ یوں بھی تابش فطرت کے نظاروں کا شیدائی تھا۔ رسول پور کی شادابی۔ اس کا فطری حسن اور قدرت کے رنگین انمول نظارے اسے بے حد محظوظ کر رہے تھے' وہ اپنی آرٹسٹک طبیعت کے باعث انہیں اپنے اندر اتار رہا تھا۔

سبزہ پھول اور بارش اسے بے حد پسند تھی۔ یہ بھیگا بھیگا موسم اسے دنیا بھر کی طمانیت بخش دیتا تھا اور یہاں تو ہر طرف پھولوں اور سبزے کی فراوانی تھی۔ خوب صورت جھیلیں' چوڑے چکلے تالاب جن کی سطح سنگھاڑے اور کنول سے ڈھکی رہتی تھی لہلہاتے کھیت' مزارعوں اور کسانوں کے کچے پکے مکان اور گھاس پھونس کی جھونپڑیاں' زندگی اور فطرت سے قریب تر تھیں تابش کو محسوس ہوا حویلی کے اندر جس اندر گھٹن۔ تصنع اور نمائش کا غیر فطری ماحول تھا اس سے کہیں زیادہ خوشگوار اور خوب صورت فضا گاؤں کی تھی۔ اندر باہر کتنا تضاد تھا ان کے دلوں کی طرح۔ اس نے آموں اور نیم کے درختوں میں جھولے پڑے دیکھے وہ ساری کی ساری دوڑ کر ان پر بیٹھ کر جھولنے اور قہقہے لگانے لگیں گاؤں کے مزدوروں اور کسانوں کی لڑکیاں الگ ہٹ گئیں۔ سب نے اسے لاکھ لاکھ بلایا جھولنے کے لیے مگر اس نے دور سے ہاتھ جوڑ دیے اور ہنستے ہوئے کہا۔

"نہ بابا مجھے جھولے سے خوف آتا ہے۔"

"کیوں تابش بھائی خدانخواستہ ایسی کیا بات ہو گئی۔" چھوٹی بہن فارہہ نے آکر اس سے پوچھا۔

"بھئی ایک بار بچپن میں جھولے سے گر گیا تھا۔ پاؤں میں موچ آگئی تھی۔ کئی دن بستر پر پڑا رہا تب سے توبہ کرلی کہ سارے کھیل کھیلوں گا مگر جھولا نہیں جھولوں گا۔" اس نے کانوں پر ہاتھ رکھ کر توبہ کی تو سب کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔

"یہ تو اتفاق تھا تابش بھائی ہر دفعہ تو ایسا نہیں ہوتا۔"

"یہ اتفاق ہی تو خطرناک ہوتے ہیں دوستو۔ انسان کبھی کبھی اپنا آپ ہار جاتا ہے۔" وہ زیر لب مسکرایا۔ اس کے سامنے اقصیٰ کا صبح کے نور میں دھلا دھلا معصوم چہرہ آگیا۔ اس کی بڑی بڑی خوب صورت آنکھوں میں ایک تجسس اور بے چینی تھی۔

"تم کہاں ہو؟"

تابش کی نظریں سامنے پتہ نہیں کس نقطے پر جمی ہوئی تھیں اور شاہینہ اسے محبت بھری نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ جیسے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے اندر اتار رہی ہو۔

"اچھا بھئی اب کوئیک مارچ۔" تابش نے گھبرا کر آگے چھلانگ ماردی اور اونچی نیچی پگڈنڈیوں پر چل پڑا تو ناچار سب لڑکیاں بھی بھاگ بھاگ کر اس کے پیچھے لپکیں۔ وہ چند دن ہی میں بور ہو گیا تھا۔ ان کی تیزی برجستگی بے حجابی' آنکھوں اور ہونٹوں کے ٹیڑھے ترچھے زاویے عشوہ طرازیاں۔ چیختے بھڑکتے رنگوں کے لباس۔ میک اپ کا بے تحاشہ استعمال اسے ایک آنکھ نہیں بھا رہا تھا۔ اس لمحے اس کے تصور

میں اقصیٰ چپکے سے چلی آئی۔ اس کی سادگی معصومیت اجلے اجلے چہرے پر فرشتوں جیسی پاکیزگی سادہ لباس اور سیدھے بالوں کی دو گھنی چوٹیاں اس کے اندر ہلچل مچا دیتیں، جی چاہتا اڑ کر وہاں پہنچ جائے۔ سامنے کے سارے مناظر۔ مصنوعی حسن کی سحر طرازیاں اسے پھیکی پھیکی معلوم ہونے لگتیں تابش کو افسوس تھا کہ آتے وقت وہ بشریٰ بیگم سے مل کر نہیں آیا۔ کیونکہ باپ کا حکم اسے اچانک ملا تھا اتنا موقعہ نہ تھا کہ وہ رام پور کی بس پکڑتا۔ اس کے کانوں میں بشریٰ کے الفاظ ابھی تک گونج رہے تھے۔

"تابش تم بھی انہی کا خون ہو جنہوں نے انسانی اور اخلاقی قدریں پامال کیں، رشتوں کے تقدس کی دھجیاں اڑائیں۔ میں کیسے یقین کرلوں کہ تم اتنے اعلیٰ ظرف ہو گے کہ میری بچی کو محرومیوں اور اس کی غربت کا احساس نہیں دلاؤ گے۔ میں اپنی بیٹی کا ہاتھ ایسے شخص کے ہاتھ میں دینا چاہتی ہوں جو صاحب کردار ہو۔ جو میری بیٹی کی اچھائی۔ برائی سمیت اسے قبول کرلے اور اسے یہ ملال نہ ہو کہ اس کی تقدیر کا مالک کوئی غلط آدمی نکلا۔"

اس کے بعد سے اب تک وہ رسول پور میں تھا۔ اب اس کا دل یہاں بالکل نہیں لگ رہا تھا۔ دوسرے دن گھر میں میلاد شریف تھا حویلی عورتوں اور لڑکیوں سے بھری ہوئی تھی۔ جگہ جگہ پھولوں کے گجرے رکھے ہوئے تھے۔ اگر بتیاں سلگ رہی تھیں، پوری فضا خوشبو سے مہک رہی تھی، شاہینہ آمنہ اور ان کی دوسہیلیاں میلاد پڑھ رہی تھیں۔ ایک کی آواز زمین سے اٹھتی تو دوسری کی آواز آسمان کی خبر لاتی۔ کوئی ربط نہیں تھا آوازوں میں۔ روایتیں پڑھی گئیں تو لگا جیسے الفاظ کی ریس ہو رہی ہو۔ اوپر سے عورتوں کی چپر چپر، کچھ بھی تو سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ تابش نے ہنسنا شروع کر دیا اور خالہ کی بیٹی ربیعہ سے سرگوشی میں بولا۔

"اس سے اچھا میلاد تو میں پڑھ سکتا ہوں۔"

ربیعہ نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا۔ "آپ لڑکیوں کا میلاد پڑھ لیں گے؟"

"واہ میلاد، میلاد ہوتا ہے اسے لڑکے لڑکیاں سب پڑھ سکتے ہیں۔"

"اچھا چلیے کچھ نعتیں روایتیں پڑھ کر سنایے دیکھیں کیسے پڑھتے ہیں؟" وہ مسکرائی۔

"ضرور چلو مگر تمہاری سہیلیاں پردہ کریں گی۔"

"شاید... اچھا میں امی سے پوچھتی ہوں۔" وہ جھپاک سے پہلے شاہینہ سے جا کر کھسر پھسر کرتی رہی پھر ماں کے کان میں کچھ کہا "ہائے سچ تابش میلاد شریف پڑھ سکتے ہیں۔" سہیلیوں میں اشتیاق بڑھا بولیں۔

"ارے شانو بلالے نا انہیں مزہ آئے گا۔" خالہ نے سنا تو ہنس پڑیں۔

"ہاں ہاں کوئی مضائقہ نہیں لڑکیوں سے پوچھ لو۔"

"امی سب راضی ہیں۔ آج تابش بھائی سے میلاد سنیں گے۔" ربیعہ بھاگ کر اسے بلا لائی اور بولی۔

"مگر آپ لڑکیوں سے شرمائیں گے تو نہیں؟"

"ہش میں کوئی لڑکی ہوں جو شرماؤں گا۔" وہ ہنس پڑا۔

اور جب وہ سر پہ ٹوپی جمائے سر جھکائے چوکی پر دوزانو بیٹھا تو لڑکیاں، عورتیں مرعوب نظر آنے لگیں۔ انہیں وہ خوب صورت نوجوان بہت اچھا لگا۔ آعوذ باللہ من الشیطن الرجیم ○ بسم اللہ الرحمن الرحیم ○ پڑھ کر میلاد شریف کا آغاز ہوا۔ پوری سورۃ فاتحہ قرت کے ساتھ پڑھی تو ماحول میں سناٹا چھا گیا۔ اس کی اونچی پاٹ دار آواز نے محفل پر ایک سحر طاری کر دیا تھا۔ سب حیرت اور نیچی نیچی نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھ رہی تھیں۔ پھر وہ تابش کو دیکھنے لگتیں اس کی آنکھیں بند تھیں۔ دونوں بازو سینے پر بندھے ہوئے تھے۔ اس پر وجد طاری تھا اور وہ حمد بڑے ترنم سے پڑھ رہا تھا۔ پھر اخلاق حسنہ، نیکی بدی جھوٹ اور سچ پر احادیث کے حوالے سے ایک مدلل تقریر کر ڈالی۔ پھر چند نعتیں نہایت عقیدت اور سر میں پڑھیں۔

لڑکیاں بڑی دلچسپی سے اس ہونہار نوجوان کو دیکھ رہی تھیں ایسا میلاد تو انہوں نے کہیں نہیں سنا تھا

اور دل ہی دل میں شرمندہ تھیں کہ اس لڑکے نے تو آ کر ہماری صفوں کو الٹ دیا پھر محفل میں کسی کو آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا، کس قدر ڈسپلن کا سبق دیا تھا اس نے ہمیں۔ پھر وہ سلام پڑھنے کھڑا ہوا تو سب کو اشارے سے سلام میں شریک کر لیا، سب قریب آ گئے اور ہم آواز ہو کر سلام پڑھا، سلام پڑھ کر وہ چوکی سے اترا اور تیزی سے رفو چکر ہو گیا۔ سب دیکھتے رہ گئے ربیعہ اور فارہہ چیخیں۔ "ارے تابش بھائی مناجات تو رہ گئی۔"

"مناجات آپ لوگوں کا حصہ ہے۔" وہ جاتے جاتے بولا۔ "اللہ میاں لڑکیوں کی دعائیں جلدی قبول کرتے ہیں۔"

سب لڑکیاں کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔ آخر مجبوراً انہیں مناجات پڑھ کر میلاد ختم کرنا پڑا۔ لڑکیوں میں دبی دبی سرگوشیاں ہو رہی تھیں۔ سب تابش کی آواز۔ لب و لہجے اور اس کی خوب صورت پرسنالٹی کی تعریف کر رہی تھیں۔

"ہائے شانو تمہارا کزن تو بڑا شاندار ہے۔ اس پر اتنی اچھی آواز یہ تو کوئی فلمی ہیرو معلوم ہوتا ہے۔" شفق نے شاہینہ کو چھیڑا۔

"میرے انتخاب کی داد دو۔" شاہینہ اٹھلائی۔

"ارے تو کیا سچ وہ... وہ کیا تمہارا؟" شفق منہ کھول کر رہ گئی۔

"ہاں شفو۔ امی نے اسی لیے اس کو یہاں بلایا ہے کہ سب لوگ اسے دیکھ لیں۔" وہ بڑی ادا سے مسکرائی۔

"اوہو۔ تم تو چھپی رستم نکلیں۔ بڑی لکی ہو شانی۔ ایسا شریک سفر تو قسمت والوں کو ملتا ہے۔ مبارک ہو تمہیں۔"

شاہینہ اس وقت آسمانوں پر اڑ رہی تھی۔ اپنی تمام سہیلیوں میں اپنے کو ممتاز سمجھ رہی تھی۔ احساس تفاخر میں اس کے پاؤں زمین سے اٹھنے لگے تھے۔ پھر اس دن شاہینہ نے تابش کی دل کھول کر تعریف کی۔ سب لوگ بیٹھے تھے اس نے پوچھا۔

"تابش آپ تو ہر فن مولا نکلے۔ آپ نے تو واقعی کمال کر دیا۔"

"ابھی آپ لوگوں نے میرے فن کا مظاہرہ دیکھا کہاں ہے یہ تو محض ایک ٹریلر تھا۔" وہ ہنس پڑا۔

"اچھا اور کیا کیا آتا ہے آپ کو؟" شاہینہ نے ترچھی نظروں سے اس کو دیکھا۔

"مجھے بہت کچھ آتا ہے۔ آرائش گیسو۔ آرائش خانہ کپڑے سی لیتا ہوں کاٹ لیتا ہوں۔ کرسیاں، پلنگ اور پنکھے بن لیتا ہوں۔" تابش کی بات پر سب لڑکیاں اسے غور سے دیکھنے لگیں اور اس کی باتیں سننے لگیں۔

"ماشاء اللہ، ماشاء اللہ۔" شائستہ حیران رہ گئی۔

"اتنے بہت سے کام کر لیتے ہیں آپ، کس نے سکھائے ہیں آپ کو؟"

"محترمہ یہ بات تو آپ نے سنی ہو گی کہ ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔"

"جی جی۔" وہ مسکرائی۔

"بس بچپن میں ماں کی آغوش سے محرومی، اور چھوٹے بھائی بہنوں کی ضرورتوں نے مجھے ماں بھی بنا دیا اور اتالیق بھی۔ میں جو کام کسی کو کرتے دیکھتا فوراً وہی کرنے کی کوشش کرتا اور وہ کام مجھے آ جاتا۔ میں نے ایک خاتون خانہ کی طرح گھر سنبھالا چونکہ میں اپنے بہن بھائی میں بڑا تھا۔ اس لیے میں نے سب کی ذمے داریوں کو بہ احسن نبھایا۔ اپنی بہنوں کے ساتھ مل کر کام کرتا تھا اس طرح انہیں بھی سارے کام سکھا دیے۔ کھانا پکانا۔ سینا کاڑھنا، بننا۔ صفائی ستھرائی کے علاوہ اٹھنا بیٹھنا اور انجمن آرائی کا سلیقہ تک میں نے خاندان میں اپنی ماں چچی تائی کو یہ سارے کام کرتے دیکھے تھے ذہن نشین کر لیے پھر والدہ کے انتقال کے بعد جب اپنے اوپر پڑی تو ہر کام کیا۔ پہلے بگڑا پھر صحیح ہوتا گیا۔" وہ ہنسا۔

"کیوں کیا آپ کے خاندان میں کوئی عورت نہیں تھی خالہ جان کے بعد؟"

"گھر کہیے خاندان سے کیا مراد ہے آپ کی

خاندان میں تو آپ لوگ بھی شامل تھے۔ خالہ امی بھی تھیں، مگر برے وقت کا کوئی ساتھی نہیں ہوتا شاہینہ بیگم میں نے اپنی بیس سالہ زندگی کے تمام رنگ۔ تمام نشیب و فراز دیکھ لیے۔ اپنوں کی کج ادائیاں اور محبتیں بھی دیکھ لیں اور اب تک میں نے جو کیا اپنی صلاحیتوں اور قوت بازو سے کیا میرے اوپر کسی دوست، رشتے دار کا کوئی احسان نہیں۔ آگے بھی جو کروں گا انشاء اللہ اپنی تنہا ذات پر کروں گا۔"

شاہینہ نے شرمندگی کے ساتھ ماں کی طرف دیکھا۔ ساری باتیں انہوں نے بھی سنی تھیں مگر وہ پان بنانے میں مصروف نظر آنے لگیں، شاہینہ نے اپنے خالو سلطان خان کا خط بھی چھپا کر ماں سے پڑھ لیا تھا۔ جس میں لکھا تھا کہ تابش کسی غریب اور یتیم لڑکی سے شادی کا خواہش مند ہے جبکہ خالو چاہتے ہیں کہ اس کی شادی یہاں کسی سے ہو اور تابش کو یہ منظور نہیں۔ اس لیے خالو نے اسے یہاں بھیجا ہے کہ لڑکیاں اسے متاثر کر کے دوسری جگہ اس شادی کا خیال بدل دیں۔ مگر وہ تو بے حد بولڈ نکلا۔ شاہینہ نے نگاہ اٹھا کر اس مرد آہن کو دیکھا۔

اس کی سچی کھری باتیں سنیں اس کے اندر اپنی بات منوانے کی پختگی اور کھرج دیکھ کر وہ بجھ سی گئی۔ مگر اسے سراہے بغیر نہ رہ سکی کہ اس نے جو کچھ کہا غلط نہیں تھا۔ اس کے اندر محرومیوں کا ایک درد انگیز تاثر چھپا ہوا تھا اپنوں نے اسے نظر انداز کیا تھا اس کی جلی کٹی اور کھری باتیں اس کی علامت تھیں کہ وہ پیار اور محبت کا بھوکا تھا، اسے التفات اور توجہ کی ضرورت تھی۔ اسے محبت سے اپنا اسیر کیا جا سکتا تھا۔ یہ سوچ کر شاہینہ نے اسے فتح کرنے کے لیے بڑی بہادری اور ذہانت سے حالات کو اپنا تابع بنانے کی کوشش شروع کر دی۔ تابش کی باتوں نے جو مایوسی کا احساس دیا تھا اسے وہ ختم ہو گیا تھا اور اب وہ اس کے مقابلے کے لیے تازہ دم تھی ہارنے کے لیے قطعی تیار نہ تھی۔

گھر میں سب کو معلوم ہو گیا تھا کہ تابش بے پناہ صلاحیتوں کا مالک ہے، وہ زندگی کے ہر شعبے کو گائیڈ کر سکتا ہے پھر کیا تھا فرمائشوں کی لمبی فہرست تیار ہو گئی، ابتدا کچن سے کی گئی۔ اسٹو بنایا گیا۔ شامی کباب بنائے۔ انڈوں کا دم پخت پلاؤ تیار ہوا، شاہی توس بنے۔ لڑکیاں دیکھتی رہیں عش عش کرتی رہیں۔ ہر طرف سے خوب خوب داد ملی۔ سلاد بنانے اور سجانے کا طریقہ پہلی بار دیکھا تھا انہوں نے سچ تو یہ تھا کہ ساری کی ساری لڑکیاں تابش سے سخت خائف اور شرمندہ تھیں۔ خواتین کے مقابلے میں ایک مرد بازی لے گیا تھا۔ ہر چند کہ یہ چیز ان کی انا پر ضرب کاری تھی، مگر کیا کیا جائے وہ بھی مجبور تھیں انہیں گھرداری کی الف ب بھی نہ سکھائی گئی تھی، نہ ہی توجہ دلائی گئی تھی۔ اللہ نے دولت دی تھی۔ آگے پیچھے نوکر ہاتھ باندھے کھڑے رہتے تھے۔ انہیں کام کرنے کی ضرورت بھی کیا تھی۔ پست ذہن بد سلیقہ اور اپنے کو اعلیٰ سوسائٹی میں مکس اپ کرنے والے والدین کے نزدیک اولاد کا یہی لاڈ یہی محبت تھی کہ وہ گھر کے کاموں میں ہاتھ لگا کر اپنی انرجی اور اپنا حسن برباد نہ کریں۔ آخر گھر میں خانساماں، مالی نوکرانیاں کس لیے ہیں؟

سلائی کٹائی کے لیے مغلانی۔ کپڑے دھونے کے لیے دھوبن اور خوب صورت ملبوسات کے لیے ایک سے ایک بوتیک کھلے تھے شہر میں جہاں سے جدید فیشن کے ڈریسز خریدے جا سکتے تھے۔ پھر انہیں اپنے ہاتھوں سے ڈشیں بنانے اور فیشن کے کپڑے سینے کی کیا مار پڑی تھی۔ اس طرح نہ صرف تابش کا۔ بلکہ ان لڑکیوں اور ان کے عاقبت نا اندیش والدین کا بھی امتحان ہو گیا تھا، اس کے باوجود تابش کو قربانی کے بکرے کی طرح دیکھا اور ٹٹولا جا رہا تھا کہ وہ ایک بہتر شوہر ثابت ہو گا کہ نہیں جو ضرورت پڑنے پر بیوی کا کک اور بچوں کا گورنس بھی بن سکتا ہے اس لیے خالہ اور خالو اس پر مہربان ہو رہے تھے اور خالہ امی تو اس کی ہر بات پر بلائیں لیتی نہ تھکتی تھیں اور لڑکیوں کا بس نہیں تھا کہ وہ اس پر پروانہ بن کر نثار ہو جاتیں۔ تابش ان لوگوں کی خوش فہمی پر دل ہی دل میں محظوظ ہو رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ "بیوقوفو یہ انگور کھٹے ہیں انہیں ہاتھ نہ

لگانا ورنہ ہزار جنم منہ کا ذائقہ نہیں بدلے گا" اور خود ہی کھلکھلا کر ہنس پڑتا۔

اس نے اپنی شخصیت کے سارے رنگ دکھا دیے تھے مگر ایک رنگ چھپا رکھا تھا جس پر کسی کی نظر نہ پڑی تھی وہ اپنے اندر کس قدر نا قابل تسخیر تھا کہ سب کی سنتا پر کرتا اپنے من کی۔ کوئی اسے اپنے محور سے ہٹا نہیں سکتا تھا۔۔۔!

وہ رات بڑی خاموش اور شبنمی تھی، ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں۔ کچھ دیر قبل بارش ہو کر آسمان کھل چکا تھا، زمین سے مٹی کی سوندھی سوندھی خوشبو اٹھ کر فضا کو مہکا رہی تھی۔ تابش بڑی محویت سے کسی کتاب کے مطالعے میں غرق تھا آہستہ سے دروازہ کھلا۔ خوشبو کا ایک تیز بھبکا اندر داخل ہو گیا۔ اس نے چونک کر کتاب چہرے سے ہٹائی اور جلدی سے بیٹھ گیا۔

"زہے نصیب۔" اس نے مسکرا کر آنے والے کا خیر مقدم کیا۔ وہ شاہینہ تھی۔

اس نے بڑی اداؤں سے اپنی مخمور نگاہوں کا سحر اس کی طرف پھونکا اور پھولوں کی لچکتی شاخ کی طرح چلتی ہوئی آئی اور بجائے کرسی کے اس کے بستر پر ایک طرف بڑی نزاکت سے بیٹھ گئی۔

"میں مخل تو نہیں ہوئی؟"

"نہیں تو۔" وہ کچھ گڑبڑا گیا۔

"کیا پڑھ رہے تھے؟" اس نے کتاب ہاتھ میں دیکھ کر پوچھا۔

"بس یونہی وقت گزاری کے لیے کتاب اٹھائی تھی نیند نہیں آ رہی تھی۔"

"کیوں نیند نہیں آ رہی تھی، یقیناً کوئی یاد آ رہا ہو گا؟" شاہینہ کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ آ گئی۔

"جی ہاں جو یاد آ رہا تھا۔ وہ میرے سامنے بیٹھا ہے بلکہ قریب۔" تابش نے نہایت جل کر جواب دیا۔

"کیوں مذاق اڑا رہے ہیں آپ؟" وہ کچھ شوخی، کچھ حجاب سے سمٹ کر بولی۔

"میں پتنگ اڑایا کرتا ہوں مذاق نہیں۔" دونوں

خواتین ڈائجسٹ
میں قسط وار چھپنے والا
عمیرہ احمد
کا خوبصورت ناول
ایمان امید اور محبت
شائع ہو گیا ہے
خوبصورت سرورق، اعلیٰ چھپائی
آفسٹ پیپر، مضبوط جلد
قیمت ۱۸۰ روپے
ڈاک خرچ ۳۰ روپے
کتاب منگوانے کے لئے
۲۱۰ روپے کا پیشگی ڈرافٹ یا
منی آرڈر ارسال فرمائیں
دستی خریدنے یا ڈاک کا پتہ
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
۳۷- اردو بازار کراچی
فون: ۲۲۱۶۳۶۱

ہنس پڑے۔

"آپ باتیں بڑی دلچسپ کرتے ہیں۔"

"ذرہ نوازی ہے حضور کی۔" وہ مسکرایا۔ پھر شائستہ نے بڑے تکلف سے اپنی بند مٹھی اس کے سامنے کھول دی۔

"کیا ہے یہ؟"

"یہ رومال خاص کر میں نے آپ کے لیے بنایا تھا۔"

"اچھا اچھا۔" تابش نے رومال اس کی ہتھیلی سے اٹھالیا اور پسندیدگی سے بولا۔

"بہت خوب صورت رومال ہے۔" رومال کے کونے پر "ش" کڑھا ہوا تھا۔ تابش دھیرے سے مسکرا دیا۔

"یہ میرے پیار کی نشانی ہے۔" شاہینہ نے اپنی بڑی بڑی آنکھوں میں جذبات کا دہکتا ہوا سیال بھر کر اس کی طرف دیکھا تو وہ سناٹے میں آگیا۔ اس کی اٹھتی گرتی پلکوں کی چلمن کو چپ چاپ دیکھتا رہا۔ پھر کاٹ دار اونچی آواز میں بولا۔ "عزت افزائی کا بہت شکریہ۔"

اس کی آواز کی دھمک سے گھبرا کر شاہینہ نے اس کی طرف دیکھا دھیرے سے اٹھی اور چلی گئی۔ تابش اسے بڑی ناگواری سے جاتا دیکھتا رہا یہ اسے کچھ اچھا نہیں لگا تھا۔ اب اسے اپنے والد کی باتوں کا کچھ کچھ اندازہ ہو گیا تھا۔ انہوں نے اسے یہاں کیوں بھیجا تھا۔ یہ ان کی ایک سازش معلوم ہوتی تھی، رات زیادہ ہو گئی تھی اس نے لیٹ کر اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

صبح حسب معمول ناشتا سب کے ساتھ کیا مگر وہ رکا نہیں اور باہر چلا گیا۔ آج اسے ان لوگوں کے درمیان بیٹھتے ہوئے کچھ جھجک محسوس ہو رہی تھی، جیسے اپنے آپ سے شرم آرہی ہو۔ وہ پینٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالے ٹہلتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ اسے ابھی راستوں کا علم نہیں تھا۔ وہ یہاں دوسری بار آیا تھا ایک بار بہن کی شادی کے بعد جب خالہ نے اس کی بہن بہنوئی کی دعوت کی تھی اس سلسلے میں سب کو مدعو کیا تھا۔ اس کے بعد اب آیا تھا۔ پہلی بار لڑکیوں نے اسے گاؤں گھمایا تھا، وہ نہیں جانتا تھا کہ گاؤں کا حدود اربعہ کیا ہے وہ چلتا رہا حتی کہ پکی سڑک ختم ہو گئی۔ وہ بہت دور نکل آیا تھا۔ سامنے کچھ دور چھوٹی چھوٹی کچی پہاڑیاں اور تودے بڑی تعداد میں نظر آرہے تھے ان کے آگے جھاڑیاں ہی جھاڑیاں تھیں۔ وہ رکا کچھ سوچا پھر پلٹ آیا۔ دوسری طرف کچھ دور کھیت اور درخت تھے وہ کھیتوں کی منڈیر پر بیٹھ گیا۔ گھڑی بھی کمرے میں بھول آیا تھا مگر لگتا تھا دوپہر ڈھل چکی ہے۔ اب اسے فکر ہوئی کہ شاید وہ راستہ بھول گیا ہے۔ اتنے میں اسے ایک ریڑھا آتا نظر آیا تو اس نے دوڑ کر اسے روکا۔

"بھائی کدھر جارہے ہو۔"

"مانو پور آپ کدھر جاؤ گے بابو؟"

"بڑی حویلی تم جانتے ہو؟"

"اچھا بیٹھو میں پہنچا دوں گا۔" وہ بیٹھ گیا۔ شام کا جھٹپٹا ہو رہا تھا جب وہ حویلی پہنچا۔ سب لوگ پریشان تھے۔

"کہاں چلے گئے تھے بیٹا۔ ہم لوگ تلاش کر کے آ گئے مگر تمہارا کچھ پتہ نہ چلا۔"

"خالو جان میں راستہ بھول گیا تھا۔ ایک آدمی ریڑھے پر مجھے یہاں چھوڑ گیا وہ مانا پور جارہا تھا۔"

"ارے کسی کو ساتھ لے لیا ہوتا نئی جگہ۔ نئے لوگ۔ تم کیا جانو آگے بہت سی چھوٹی بڑی کچی پہاڑیاں اور تودے بھول بھلیوں کی طرح آدمی کو اپنے اندر چھپا لیتے ہیں پتہ نہیں چلتا۔ وہ تو اللہ نے کرم کر دیا۔"

"جی خالو جان میں نے دیکھی تھیں وہ پہاڑیاں اور تودے میں سمجھا کوئی قبرستان ہے اس لیے دور سے فاتحہ پڑھ دی۔"

اور اس کی اس بات پر ایک دم قہقہے بلند ہو گئے۔ خالو بھی مسکرا دیے اور وہ اپنے کمرے میں چلا گیا اور اس ڈر سے کہیں کوئی آنہ جائے دروازہ بند کر کے چادر تان لی۔

☆ ☆

(باقی آئندہ)

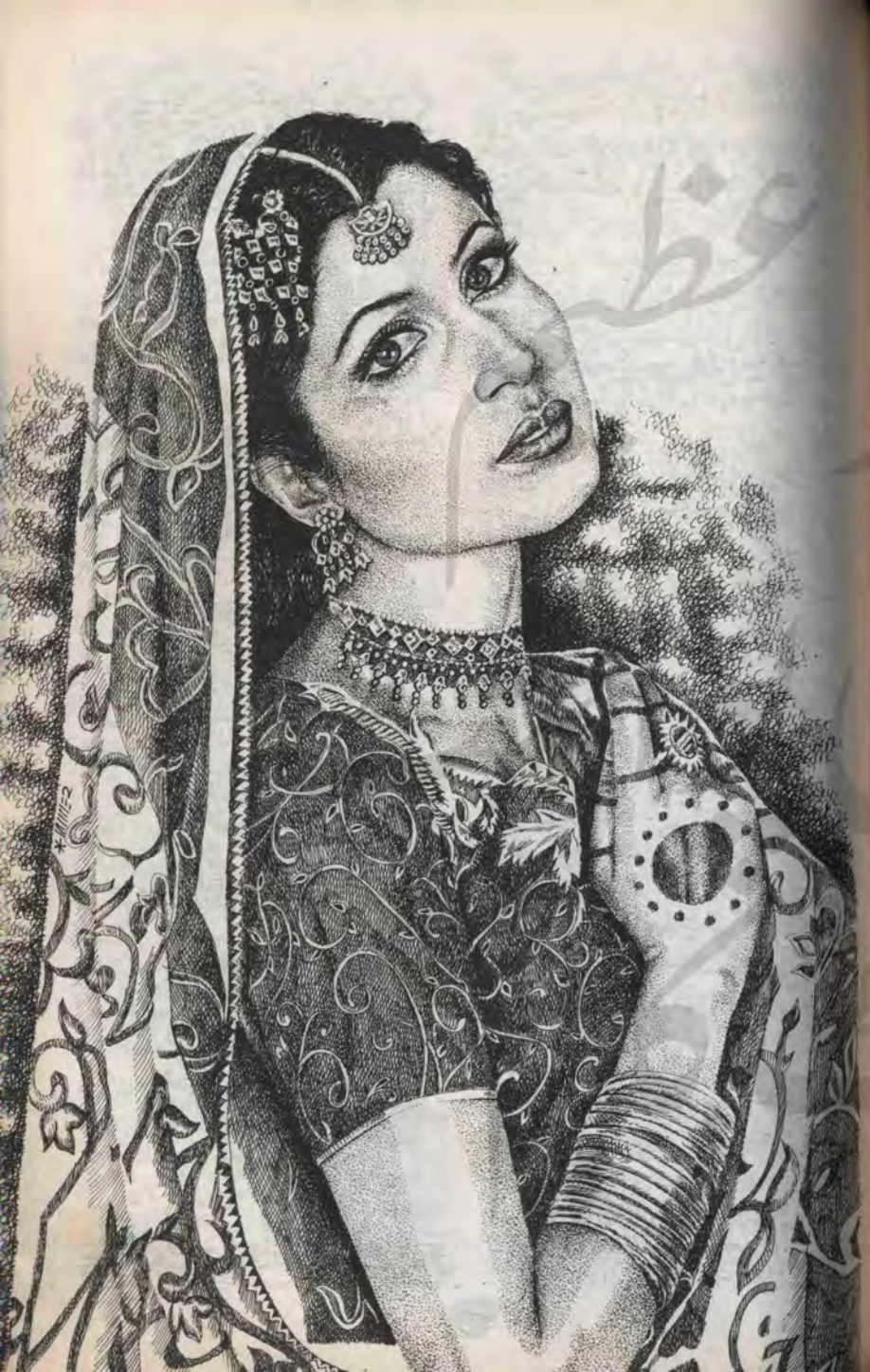

سالگرہ نمبر

آمنہ ریاض

رحیم کا سخن

مکمل ناول

اس نے دونوں ہتھیلیوں کو آپس میں رگڑ کر سردی کی شدت کو کم کرنا چاہا پھر شانوں کے گرد پڑی شال کو کچھ اور مضبوطی سے اپنے گرد لپیٹا اور لکڑی کا منقش دروازہ دھکیل کر باہر آگئی۔ نرم ہوا کا سرد جھونکا چہرے کو چھو کر کپکپانے پر مجبور کر گیا تھا ناک میں جیسے مرچیں سی گھل گئیں۔ اس نے دائیں ہاتھ سے ناک رگڑ کر اسے حرارت پہنچائی اور تیز تیز قدم اٹھاتی گیٹ کی طرف آگئی۔

کہر کی موٹی سی تہ لان کے آخری کونے تک پھیلی ہوئی تھی۔ لرزتے ہاتھوں سے اس نے گیٹ کھول دیا۔ کار میں بیٹھے ولید قاسم نے اسے کسی قدر حیرانگی سے دیکھا پھر جب وہ پورچ میں کار لاک کر رہا تھا تو وہ گیٹ بند کر کے اس کی طرف آگئی۔

"تم کب آئیں؟" اس نے پہلے خوشگوار سی حیرت کے زیر اثر پوچھا پھر گیٹ کی طرف دیکھا۔

"اور چوکیدار کہاں ہے؟"

"میں شام میں آئی تھی شعیب بھائی کے ساتھ اور چوکیدار کی بیوی بیمار ہو گئی ہے۔"

"اسی لیے تو میں بیوی کو پسند نہیں کرتا ہر دوسرے روز بیمار ہو جانے والی صنف۔"

اس کے پیچھے آتے ہوئے ولید نے افسوس سے اظہار رائے کیا تو وہ جو منقش دروازہ کھول رہی تھی رک گئی اور گردن موڑ کر بولی۔

"ہیں... لیکن تم سے کس نے کہا ہے کہ چوکیدار کی بیوی کو پسند کرتے پھرو۔" پھر سمجھانے والے انداز میں بولی۔

"سدھر جاؤ ولید قاسم! یہ ادھر ادھر کی تانکا جھانکی تمہیں ضرور پٹوا کر چھوڑے گی۔"

"ارے خوامخواہ پٹیں ہمارے دشمن۔" وہ بے نیازی سے کہتا اپنے بیڈ روم کی طرف بڑھ گیا تو وہ بھی پیچھے ہی چلی آئی۔

"یوں بھی ہمیں کنواریوں کی کمی ہے کیا؟ جو ہم بیویاں دیکھتے پھریں وہ بھی دوسروں کی... توبہ توبہ... خدا ہمیں اس کڑے وقت سے بچائے۔ ہم تو اپنی بیوی ہی

ایسی لائیں گے جسے دیکھ کر۔۔۔"

"دوسرے خوش ہوں۔۔۔ ہے نا۔" زینب نے فقرہ اُچک کر مکمل کر دیا ولید ایک پل کو اندر ہی اندر جھینپا۔ وہ بات کو کیا مفہوم دے گئی تھی۔

"بکو مت۔۔۔ ماں جی سو گئیں؟" ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے اس نے پوچھا۔

"ہوں سو گئیں۔" وہ بولی ساتھ ہی بیڈ پر اچھالی جانے والی ٹائی کیچ کرتے ہوئے اسے خفگی سے گھورا تو وہ چڑانے والے انداز میں ہنس دیا۔

"کھانا لگاؤں تمہارے لیے ولید؟" ولید نے ایک نظر اسے دیکھا پھر کوٹ کی جیب سے والٹ اور موبائل نکال کر ٹیبل پر رکھ دیا۔

"تم کھا چکیں؟"

"ہوں' ماں جی کے ساتھ ہی کھالیا تھا۔" اس نے سرسری بتایا پھر بولی۔

"چائنیز رائس بنائے ہیں ساتھ میں۔۔۔" ولید نے ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔

"اف بس کرو یار! کہیں ایسا نہ ہو میں ندیدہ بن جاؤں۔۔۔ قسم سے پیٹ میں بالکل گنجائش نہیں ہے۔" پھر بولا۔

"یو نو۔۔۔ آج میں اپنی سیکرٹری کے ساتھ ڈنر پر گیا تھا۔" شرٹ کے کف کھولتے ہوئے اس نے بہت رازداری سے بتایا تو وہ سنجیدگی سے بولی۔

"یہ تم اتنی بدذوق سیکرٹریز کیوں اپائنٹ کرتے ہو ولید؟"

"تاکہ میرے اچھے ذوق کی نشاندہی ہو سکے۔" ترت جواب آیا۔

"ویسے میرے اسٹاف میں ایک سے بڑھ کر ایک حسین اور باذوق لڑکی ہے کبھی تو سب کی سب اپنے باس پر جان چھڑکتی ہیں۔" اس نے فرضی کالر جھاڑے تو وہ مسکرا کر دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

"یہ خوش فہمی آپ کو لے ڈوبے گی حضرت۔"

"جی نہیں حضرت کی کشتی میں سوراخ نہیں ہے۔" وہ ایک دم اس کے اور دروازے کے بیچ حائل ہو گیا۔

"کافی بنا لاؤ بیٹھ کر باتیں کریں گے مجھے ابھی نیند نہیں آرہی۔"

"نیند تمہیں نہیں آرہی مگر مجھے آرہی ہے نا۔ کچن کا رستہ تمہیں معلوم ہی ہے لہٰذا اپنی مدد آپ کے تحت کام کرو۔" وہ اسے ہٹا کر جانے لگی مگر وہ پھر سامنے آگیا اور بے حد مسکین صورت بنا کر بولا۔

"اتنے دنوں سے اپنی مدد آپ ہی کر رہا تھا اب آہی گئی ہو تو یہ کار خیر کرتی جاؤ بہت ساری دعائیں دوں گا میں تمہیں۔" اس نے باقاعدہ ہاتھوں سے اشارہ کیا تو وہ ہنس دی۔

"یہ دعائیں تم کل تک سنبھال رکھو۔ آج مجھے بہت نیند آرہی ہے۔" ولید نے اس کی سیاہ بھنورا سی آنکھوں کو دیکھا پھر منہ بسور کر ایک طرف ہو گیا گویا جانے کی اجازت دے دی۔ زینب اس کے اس بچوں کے سے انداز پر بہت بے ساختہ ہنسی تھی پھر اس کے بال منتشر کر کے باہر آگئی۔ اپنے کمرے میں آتے ہی وہ لگھنے بیٹھ گئی تھی۔

"آج مجھے وحید بہت یاد آرہے ہیں نجانے کیوں؟ ان کی رفاقت میں گزرا ہوا وہ ایک ماہ جو میرے ان دو سالوں پر بھاری ہے مجھے لمحہ بہ لمحہ یاد آرہا ہے۔ پتا نہیں انہیں دنیا سے جانے کی اتنی جلدی کیوں تھی۔ نہ تو انہوں نے ساتھ جینے کی قسم کھائی اور نہ ساتھ مرنے کا کوئی وعدہ میرے ہاتھ تھمایا۔ سبھی تو شاید اکیلے ہی چلے گئے ورنہ اس ایکسیڈنٹ میں' میں کیا کم زخمی ہوئی تھی۔ آج جب شعیب بھائی مجھے یہاں چھوڑنے آرہے تھے تو میں نے انہیں اپنی جاب کے متعلق بتا دیا انہوں نے مجھے کچھ نہیں کہا بس خاموش رہے مگر میں جانتی ہوں کہ انہیں میرا یہ اقدام برا لگا ہے۔ ماں جی اور ولید بھی خفا ہوں گے مگر میں کیا کروں۔ آخر کب تک ان دونوں گھروں کے بیچ ڈولتی رہوں۔ ایسا نہیں ہے کہ مجھے روپے پیسے کی ضرورت ہے' یہ ضرورت تو شعیب بھائی' تہمینہ بھابی' ماں جی وقتاً فوقتاً بنا کہے ہی پوری کر دیتے ہیں مگر اب میں کسی پر بوجھ نہیں بننا چاہتی کل

کلاں کو بھابھی اگر روایتی بھابھی بن بھی گئیں (خدانخواستہ) تو ماں جی تو ہیں ہی جنہوں نے پھوپھی یا ساس کی بجائے مجھے بالکل ماں کی سی محبت دی ہے پھر اگر کل کو ولید کی بیوی۔۔۔ خیر آنے والا وقت تو ہر ایک کو ڈراتا ہے اور میں تو اسی ہر ایک میں شامل ہوں۔ اب میں سو جاتی ہوں کیونکہ وہ مجھے بہت نیند آرہی ہے۔ کچن سے کھٹ پٹ کی آوازیں آرہی ہیں یقیناً" ولید کافی بنا رہا ہو گا میرا خیال ہے اب اس کا بھی کوئی بندوبست کر ہی دینا چاہیے۔ ویسے وہ مجھے بے حد پیارا ہے بالکل وحید کی کاربن کاپی۔ بس یہاں سنجیدگی نہیں ہے۔"

وہ کچھ اور بھی لکھنا چاہتی تھی مگر نیند کی دیوی کچھ ایسی مہربان ہوئی کہ وہ لائیٹ بھی آف نہ کر سکی۔

☆ ☆ ☆

"ولید! تمہیں خدا کا واسطہ ہے اب اٹھ بھی چکو۔" چوتھی بار دروازے میں سے منہ نکال کر چیخنے کی بجائے اس نے اندر آکر کمبل ہی کھینچ لیا اور یہ ترکیب ہمیشہ کی طرح کارگر رہی تھی۔

"تم ہمیشہ بدصورت ولن کی طرح انٹری دیا کرو زینب خاتون۔" نیند سے بوجھل آواز میں وہ جھنجھلا کر بولا۔

"اب کیا کیا میں نے؟" وہ مسکراہٹ دبا کر کمبل سمیٹنے لگی۔

"کیا کیا؟" وہ اٹھ بیٹھا پھر انگلیوں سے بال سنوارتے ہوئے بولا۔

"ساری ہی شادی اچھی طرح سے ہو گئی اب تو بس میں اپنی دلہن کا گھونگھٹ اٹھانے ہی والا تھا کہ تم ٹپک پڑیں۔"

"ہاہاہا۔۔۔ تم اور تمہارے خواب۔"

"کیوں کیا خرابی ہے میرے خواب میں۔" وہ لڑنے کو تیار تھا۔

"معاف کرو مجھے' کوئی خرابی نہیں ہے تمہارے خوابوں میں۔" وہ بولی۔ "میں یہ کہہ رہی تھی کہ۔۔۔"

"کہ تم ناشتا تیار کر چکی ہو۔ میں پانچ منٹ میں تیار ہو کر آجاؤں اور دیر کرنے کی صورت میں مجھے کچھ بھی کھانے کو نہیں ملے گا۔ یہی نا۔" ولید نے تائید طلب نظروں سے اسے دیکھا پھر جھٹکے سے کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔

"تم چلو میں پانچ منٹ کی بجائے چار منٹ میں تیار ہو کر آرہا ہوں۔" پھر اپنے کہنے کے مطابق وہ چار منٹ میں ہی آیا تھا تب تک وہ اور ماں جی ناشتا شروع کر چکی تھیں۔

"تم آفس کتنے بجے جاؤ گے ولید؟" ولید جو اخبار سامنے پھیلائے جلدی جلدی ہیڈ لائینز پر نظریں دوڑا رہا تھا سر اٹھا کر اسے دیکھا پھر اخبار ایک طرف ڈال کر آملیٹ والی پلیٹ اپنے آگے گھسیٹ لی۔

"جتنے بجے روز جاتا ہوں۔۔۔ کیوں؟" اس نے بتا کر پوچھا۔

"میں بھی تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔" ولید نے کسی قدر حیرانگی سے اسے دیکھا۔

"آفس۔۔۔؟" زینب مسکرائی ابھی وہ اسے لاہور آنے کا مقصد نہیں بتانا چاہتی تھی۔

"نہیں۔ آفس تم اکیلے ہی جانا مجھے کہیں اور جانا ہے۔"

"ہوں یعنی لفٹ چاہیے۔" وہ اثبات میں مسکرا دی پھر جب وہ چائے کا آخری سپ بھی حلق میں اتار چکا تو اٹھتے ہوئے بولا۔

"اچھا ماں جی! میں جا رہا ہوں۔"

"اور میں بھی۔" زینب بھی اٹھ کھڑی ہوئی ماں جی نے بہت شفقت سے دونوں کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا اور نصیحت بطور خاص ولید کو کی تھی۔

"جی ماں جی! میں سلو ڈرائیو ہی کروں گا اور پھر یہ جانشین ہے نا آپ کی میرے ساتھ۔"

اس نے زینب کی طرف اشارہ کیا تھا اس کے بعد وہ یکے بعد دیگرے باہر نکلے تھے۔

"کہاں ڈراپ کروں تمہیں؟" مین روڈ پر آتے ہی اس نے پوچھا تھا۔

"ڈی پی ایس کے سامنے۔" زینب نے حتی المقدور سرسری انداز اختیار کیا تھا اس کے باوجود وہ چونک گیا ایک نظر اسے دیکھا پھر ونڈ اسکرین سے باہر نظریں جماتے ہوئے بولا۔

"ڈی پی ایس... اسکول؟" زینب نے سر ہلا کر اس کے شک پر تصدیق کی مہر لگادی۔

"میری معلومات کے مطابق تو تم ہسٹری میں ماسٹرز کر چکی ہو پھر یہ یکایک نرسری میں ایڈمیشن لینے کا خیال کیوں آیا تمہیں؟" اس کی شرارت کو نظر انداز کرتے ہوئے وہ سنجیدگی سے بولی۔

"مجھے جاب مل گئی ہے ولید اور آج ہی سے جوائن کرنا ہے۔" اسے پتا تھا کہ یہ بات ماں جی کی طرح ولید کو بھی بری لگے گی انہیں تو وہ کسی طرح راضی کر ہی چکی تھی اور اب اپنی بات کا ردعمل اس کے چہرے پر صاف دیکھ رہی تھی۔

"تم۔" اس نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا پھر فوراً" ہی لب بھینچ کر نظریں باہر ٹکادیں۔ آنکھوں میں صاف درشتگی اور خفگی جیسے تاثرات نظر آرہے تھے کار کی اسپیڈ بھی غیر معمولی حد تک بڑھادی گئی تھی۔ زینب نے اس کے تنے ہوئے چہرے کو دیکھا پھر خاموشی میں ہی عافیت جانی۔ اگرچہ اسکول میں پہلا دن تھا مگر چونکہ اس کا ذہن ولید میں اٹکا ہوا تھا سو وہ کچھ بھی ڈھنگ سے نہ کرپائی۔

واپسی اسکول وین سے ہوئی تھی ولید کے آنے میں ابھی کچھ دیر تھی سو وہ ماں جی کے کمرے میں آگئی وہ اسے دیکھ کر مسکرائی تھیں۔ یہ مسکراہٹ غالباً" ان کی شخصیت کا حصہ تھی کیونکہ ولید کو دیکھ کر بھی ایسی ہی مسکراہٹ کی کرنیں ان کے ہونٹوں پر دمکتی تھیں۔

"کیسا رہا اسکول کا پہلا دن۔"

"جی بس ٹھیک رہا۔" وہ تکان زدہ سا جواب دے کر ان کے ساتھ ہی کمبل میں گھس گئی ماں جی نے بڑی محبت سے اس کی پیشانی سے بال سمیٹے تھے۔

"تھک گئی ہو نا۔" وہ واقعی تھک گئی تھی مگر ان کا خیال کرتے ہوئے ہنس کر نفی میں سر ہلا دیا مگر ان کی تسلی نہیں ہوئی تھی۔

"اسی لیے تو میں تمہیں روک رہی تھی آخر ضرورت ہی کیا ہے تمہیں نوکری کی؟"

"گھر میں فارغ رہ رہ کر میں بہت بور ہو چکی ہوں ماں جی! پچھلے سال تک تو پڑھائی تھی مگر اب..." ولید کو اندر آتا دیکھ کر وہ خاموش ہو گئی۔

"اسلام علیکم ماں جی!" اس نے بڑی سنجیدگی سے آ کر ماں جی کے سامنے سر جھکایا تھا۔

"آج تم جلدی کیسے آگئے ولید۔" اس کی پیشانی پر پیار کرتے ہوئے انہوں نے کسی قدر تشویش سے دریافت کیا تھا۔ وہ کرسی گھسیٹ کر ان کے قریب ہی بیٹھ گیا۔

"کچھ خاص وجہ نہیں ذرا سر میں درد تھا۔"

"تم کپڑے بدل لو تب تک میں کھانا گرم کر دیتی ہوں اس کے بعد چائے پی کر کچھ دیر کے لیے سو جاؤ درد ٹھیک ہو جائے گا۔"

"آپ بیٹھیے ماں جی! میں گرم کر لیتی ہوں۔" زینب نے روکنا چاہا تو وہ بولیں۔

"تم بھی تو تھکی ہوئی ہو۔" وہ باہر نکل گئیں زینب جو کچھ سوچ کر رک گئی تھی پہلے بند دروازے کو دیکھا پھر اسے۔

"میں بھی تم سے بڑی ہوں کبھی مجھے بھی سلام کر لیا کرو۔" ولید نے اسے خفگی سے گھورا تو وہ جو ہنسی دبائے بیٹھی تھی یک دم کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ وہ اسے ہنستے دیکھتا رہا پھر باہر جانے لگا تو وہ ایک دم اس کے سامنے آ گئی۔

"خفا ہو؟" اگرچہ معلوم تھا پھر بھی ڈور کا سرا کہیں سے تو پکڑنا ہی تھا ولید نے جواب دینے کی بجائے سینے پر بازو باندھ کر اپنی گہری نظریں اس کے چہرے پر گاڑ دیں جن میں خفگی کچھ تھی تاسف بھی۔

"تم میری پوزیشن سمجھنے کی کوشش کرو ولید، میں..." اس نے توقف کیا۔

"میں گھر میں بیٹھے بیٹھے بور ہو جاتی ہوں۔" اس نے اپنی بے بسی کا اظہار یوں ہی مناسب سمجھا۔ ولید

اسے دیکھتا رہا پھر پچھلے صحن کی طرف کھلنے والی کھڑکی میں جا رکا۔

"بوریت دور کرنے کے اور بھی سو ہزار طریقے ہیں۔" اس نے رک کر ایک ہی پل میں جیسے سارے حالات کا جائزہ لیا۔ وہ زینب کو بہت حد تک سمجھنے لگا تھا تبھی بولا۔

"بور ہو جاتی ہو تو میرے ساتھ آفس چلو۔ مجھے یہ بات قطعاً" پسند نہیں ہے کہ ہمارے خاندان کی لڑکیاں یوں ٹکے ٹکے کی نوکریاں کرتی پھریں۔" وہ قطعیت سے بولا۔

"ٹکے ٹکے کی نوکریاں۔" اسے جیسے جملے کے اسی حصے پر اعتراض تھا۔ "وہ لوگ مجھے بہت اچھی پے دے رہے ہیں ولید۔"

"اچھی پے۔" اس نے دوہرایا پھر طنز سے بولا۔ "کتنی دے رہے ہیں۔ تین ہزار، چھ ہزار یا اس سے بھی کچھ زیادہ؟" زینب جھنجلا کر بیڈ پر بیٹھ گئی وہ اپنی بات اسے سمجھا نہیں پا رہی تھی۔ ولید نے اسے الجھن میں دیکھا تو اس کے سامنے پنجوں کے بل بیٹھ گیا۔

"ہمارا بزنس میں نے اور وحید بھائی نے مل کر شروع کیا تھا زینب! لہٰذا تمہارا حق بھی اتنا ہی ہے جتنا کہ میرا... اب اگر تم جاب ہی کرنا چاہتی ہو تو آفس آجایا کرو اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہو گا کہ تمہیں تمہاری الٹی سیدھی سوچوں سے بھی نجات مل جائے گی۔" وہ جیسے اس کی چوری پکڑتے ہوئے مسکرایا زینب کی نظریں گود میں رکھے ہاتھوں سے نہیں ہٹی تھیں۔ ولید نے کچھ دیر جواب کا انتظار کیا پھر دایاں ہاتھ اس کے سر پر رکھ کر اس کا سر دائیں بائیں ہلا دیا۔

"سن رہی ہو یا نہیں؟"

"سن چکی ہوں۔" اس نے جھنجلا کر اس کا ہاتھ جھٹکا ولید مسکرایا۔

"سمجھی بھی ہو یا۔"

"سمجھ گئی ہوں۔" وہ تیزی سے بولی ولید اپنے گھٹنوں پر ہتھیلیوں سے بوجھ ڈال کر اٹھ کھڑا ہوا۔

ماضی، حال، مستقبل، محبت، شادی
اور قسمت
آپ کا برج کیا کہتا ہے؟
آپ کے ستارے
○ آپ اپنی شخصیت کا جائزہ لیں اور اپنے دوستوں کو پہچانیں۔ اپنے منفی پہلو پر غور کریں اور خوبیوں کو ابھاریں
یہ کتاب آپ کی بہترین دوست اور تنہائی کی ساتھی ثابت ہوگی۔
○ پہلی بار 12 برجوں پر ایک مستند کتاب
آج ہی قریبی بک اسٹال و بکڈپو سے طلب فرمائیں۔
○ 400 صفحات آفسٹ پرنٹنگ، مجلد
خوبصورت سرورق
قیمت صرف 150
(ڈاک خرچ پیکنگ فری)
○ آج ہی 150 روپے کا ڈرافٹ پے آرڈر منی آرڈر ارسال فرمائیں۔
ڈاک سے منگوانے اور دستی خریداری کے لیے تشریف لائیں۔
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37۔ اردو بازار کراچی
فون:۔ 216361

"اچھا کیا سمجھی ہو؟" متبسم و شریر لہجے میں اس نے دریافت کیا۔

"یہی کہ تم بہت بڑے ہو گئے ہو اور نصیحتیں کرنے لگے ہو۔" اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے وہ خفگی سے بولی تھی۔ ولید ہنستا ہی چلا گیا پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے کھڑا کر دیا۔

"ہنستی رہا کرو زینب اچھی لگتی ہو۔" وہ اپنی پیاری سی دوست کو بہت پیار سے دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

"ظاہر ہے میں اچھی ہوں تو اچھی ہی لگوں گی نا۔" وہ مسکراہٹ دبا کر اور ایک شان بے نیازی سے کہہ کر باہر نکل گئی ولید وہیں کھڑا سوچتا رہا پھر مسکرا دیا اس رات وہ اپنی ڈائری میں لکھ رہا تھا۔

"مجھے لفظوں سے کھیلنا نہیں آتا صرف اتنا کہوں گا کہ اس کی مسکان بہت خوب صورت ہے شاید اس دن بھی وہ مسکرا ہی رہی تھی جب پہلی بار میرے دل نے اسے حاصل کرنے کی تمنا کی تھی۔"

☼ ☼ ☼

شام بڑی اجلی سی تھی گزشتہ دنوں کے برعکس آج کہر نے اپنے پنکھ نہیں پھیلائے تھے اس کے باوجود سردی بے حد کڑاکے دار تھی۔ ماں جی عبدالکریم کو ساتھ لگائے گندم اور خشک میوہ جات ملا کر نشاستہ تیار کر رہی تھیں ان کے خیال میں یہ گاؤں کی خاص سوغات تھی جو انہوں نے اپنی دادی سے سیکھی تھی۔ وہ ٹی وی کے سامنے بیٹھی تھی جس پر کوئی گیتوں کا پروگرام چل رہا تھا۔ ایک نظر اسکرین پر ڈالتی دوسری ہاتھ میں پکڑی کتاب پر اور ساتھ ہی ساتھ مونگ پھلی سے لطف اندوز ہوا جا رہا تھا۔ ولید ابھی سو کر اٹھا تھا سیڑھیاں اترتے اسے دیکھا تو وہیں اس کے قریب آکر بیٹھ گیا۔

"اسلام علیکم۔" آواز میں ابھی بھی نیند کا اثر تھا۔

"وعلیکم اسلام۔" زینب نے اسے دیکھا پھر وال کلاک کو۔ "یہ کوئی وقت ہے اٹھنے کا۔"

"آج سنڈے ہے۔" اس نے دیر سے اٹھنے کی اپنے تئیں معقول وجہ بتائی تو وہ مزید ڈپٹ کر بولی۔

"سنڈے ہے نہیں بلکہ تھا شام کے پانچ بج رہے ہیں اس وقت۔"

"یہ تم کیا پڑھ رہی ہو؟" اس کی بات ان سنی کر کے وہ اس کے ہاتھ سے کتاب لے کر دیکھنے لگا۔ زینب نے اسے گھورا پھر کتاب جھپٹ لی۔

"تمہیں سمجھ نہیں آئے گی۔"

"مجھے سمجھنے کا شوق بھی نہیں ہے۔" اس نے ناگواری سے ناک سکیڑ کر کہا۔

"اس کتاب کا تو نام ہی اس قدر خوفناک ہے کہ بندہ محبت سے ہی گھبرا جائے 'اوہ گاڈ۔"

"محبت مردہ پھولوں کی سمفنی ۔" یہ کوئی نام ہے۔ ایک تو محبت پھر پھول وہ بھی مردہ اور یہ سمفنی کیا بلا ہے؟ نجانے یہ اردو رائیٹرز کس قسم کے نام رکھتے ہیں۔ اب یہ دیکھو۔" اس نے میز پر پڑی کتاب اٹھائی۔

"قربت مرگ میں محبت... قربت مرگ..." یہ لفظ اس نے زیر لب دوہرایا تھا پھر سر کھجا کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"یہ قربت کیا ہوتی ہے؟"

"تمہارا سر ہوتی ہے۔" زینب نے کتاب کھینچ لی۔

"اب خدا کے واسطے میرے سر کی شان میں قصیدے نہ پڑھنا بس جلدی سے اٹھ کر تیار ہو جاؤ ذرا مارکیٹ تک جانا ہے۔"

"میں نہیں جا رہی۔" زینب نے خفگی کے اظہار کے طور پر چہرے کے آگے کتاب کھول لی مگر ولید نے کتاب چھین لی۔

"خوامخواہ نہیں جا رہی... بس اب میں ایک لفظ نہیں سنوں گا فورا" سے پیشتر اٹھ جاؤ۔"

وہ رعب سے بولا اور اس رعب میں استحقاق تھا زینب کو نہ چاہتے ہوئے بھی اٹھنا پڑا۔ ولید کے دوست کی شادی تھی جس کے لیے اسے گفٹ لینا تھا تبھی چوائس کے لیے اسے لے آیا تھا۔ گفٹ خرید کر وہ اس کے "نہ نہ" کے باوجود مارکیٹ سے منسلک

چھوٹے سے ریسٹورینٹ میں سوپ پلوانے لے آیا تھا۔ مینیو کارڈ پر نظر دوڑانے سے پہلے ہی وہ اپنا فیوریٹ سوپ آرڈر کر کے بیٹھ گیا پھر نگاہ نجانے کہاں گئی تو "میں ابھی آیا" کہہ کر کچھ فاصلے پر موجود ٹیبل کی طرف چلا گیا واپسی ایک بے حد خوبصورت لڑکی کے ساتھ ہوئی تھی۔

"زینب یہ فاطین ہیں۔" ولید نے تعارف کروایا تو زینب نے مسکرا کر اس کی طرف ہاتھ بڑھا دیا وہ لڑکی خوب صورت ہونے کے ساتھ ہی خوش اخلاق و خوش گفتار بھی تھی۔ زینب کو اندازہ ہوا کہ وہ اور ولید آپس میں کافی فرینک ہیں۔

"اچھا بھئی میں تو اب چلتی ہوں۔" کچھ دیر بعد وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی زینب نے ساتھ سوپ پینے کی دعوت دی تو بولی۔

"ڈیو رہا ابھی تو میں اپنے کزن کے ساتھ آئی ہوں ابھی بھی وہ وہاں تنہا بیٹھا مجھے گالیاں دے رہا ہو گا۔"

"اسے بھی یہیں بلا لیتے ہیں۔" ولید کہنے کے ساتھ ہی اٹھ کر چلا بھی گیا تھا فاطین اس سے ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہی۔ واپسی تک زینب کے ذہن میں ایک سوال کھدبد مچاتا رہا تبھی جب ولید نے گاڑی فرسٹ گیئر میں ڈالی تو بولی۔

"بہت اچھی لڑکی ہے فاطین... ہے نا۔"

"ہم اچھے تو ہمارے فرینڈز بھی اچھے۔" اس نے فرضی کالر جھاڑے زینب نے ایک چپت اس کے شانے پر رسید کی تھی تو وہ ہنسنے لگا۔

"بات سنو میری ولید! ماں جی اب تمہاری شادی کر دینا چاہتی ہیں۔"

"ہاں تو ضرور کریں میں نے کب منع کیا ہے۔" وہ مسکراہٹ دبا کر بولا زینب پرجوش انداز میں اس کی طرف گھوم گئی۔

"کوئی لڑکی ہے نظر میں؟"

"صرف ایک... بھئی بہت ساری ہیں۔" آنکھوں میں شرارت ہمکنے لگی تھی زینب کا جوش صابن کے جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔

"سنجیدہ ہو جاؤ ولید! ماں جی واقعی بہو لانا چاہ رہی ہیں۔"

"یار میں سو فیصد سنجیدہ ہوں ماں جی حکم تو کریں میں ان کے قدموں میں آج ہی بہوؤں کا ڈھیر لگا دوں گا۔"

"مجھے ٹالنے کی کوشش مت کرو... سچ سچ بتاؤ فاطین ہے نا وہ۔"

"کیا غضب کر رہی ہو زینب! وہ صرف میری دوست ہے۔"

"دوستی ہی محبت کی طرف پہلا قدم ہوتا ہے۔" ولید نے یک دم گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

"اب کیا تکلیف ہے؟" وہ چڑ گئی تھی۔

"کچھ نہیں۔" ولید نے نفی میں گردن ہلا کر نظریں واپس باہر ٹکا دیں زینب تپ کر باہر دیکھنے لگی اور ناراضگی کے اظہار کے طور پر وہ باقی کا تمام راستہ خاموش رہی تھی۔ ولید خود ہی بولتا رہا اس کی خاموشی پر فقرے کستا رہا مگر وہ خاموش رہی گھر پہنچ کر وہ بغیر کچھ کہے فورا" کار سے اتر جانا چاہتی تھی مگر ولید نے پکارا تو وہ رک گئی البتہ نہ کچھ کہا اور نہ پلٹی۔

"وہ مجھے تم سے کچھ کہنا ہے زینب۔" اسٹیئرنگ پر دونوں ہتھیلیاں جمائے ونڈ اسکرین سے باہر پورچ کے فرش پر کسی ان دیکھے ذرے کو کھوجتے ہوئے وہ سنجیدگی سے بولا تھا زینب ایک پل کو ٹھٹکی پھر اس بات کو اپنی پہلی گفتگو سے اخذ کرتے ہوئے وہ مسکراہٹ دباتے ہوئے اس کی طرف گھوم گئی۔

"کہو۔" چہرے پر اس وقت حد درجہ سنجیدگی تھی ولید نے گردن موڑ کر اس کی صورت دیکھی پھر جھجکے ہوئے انداز میں بولا۔

"تم... خفا تو نہیں ہو گی؟"

"نہیں تم کہو۔"

"آں... اچھا رہنے دو۔" وہ اپنی جانب کا دروازہ کھول رہا تھا زینب نے ایک دم اس کا بازو پکڑ لیا۔

"نہیں مجھے بتاؤ۔" ساری سنجیدگی ہوا ہو گئی تھی اب وہاں فقط تجسس ہی تجسس تھا ولید نے ایک نظر

اس پر ڈالی۔

"تم خفا ہو جاؤ گی زینب۔" وہ بے بسی کے سے انداز میں اسے تنبیہہ کر رہا تھا وہ ایک دم بولی۔

"نہیں میں خفا نہیں ہوں گی تم کہو۔"

"وہ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ۔۔۔" اس نے توقف کیا زینب کا تجسس انتہا کو چھونے لگا۔

"کہ تم "دل" کلر مت پہنا کرو بھوتنی لگتی ہو۔" اپنا جملہ مکمل کرتے ہی وہ منہ پھاڑ کر ہنسنے لگا تھا زینب کے اعصاب ایک پل کو ڈھیلے پڑ کر تن گئے اسے اس قدر احمقانہ بات کی توقع نہیں تھی ذہن میں تو اس کی شادی گھوم رہی تھی لہٰذا ایک جھٹکے سے اس کا بازو چھوڑ کر اتر گئی ولید نے روکا بھی نہیں کیونکہ وہ ہنسنے میں مصروف تھا۔

☼ ☼ ☼

چمکدار دھوپ کی حدت جسم کو بہت بھلی لگ رہی تھی۔ بیرونی دیوار سے لپٹی بوگن ویلیا بھی بڑی خوش نظر آ رہی تھی دھوپ چڑیا کے ساتھ مل کر قمریوں نے ایک اودھم سا مچا رکھا تھا زمردیں سبزہ نکھر کر عجب ہی چھب دکھلا رہا تھا اور ایسے میں لان کے بیچوں بیچ کین کی سفید کرسیوں پر براجمان ولید قاسم کینوؤں سے شغل فرماتے ہوئے بہت سنجیدگی سے کسی موضوع پر گفتگو کر رہا تھا زینب کے ساتھ عبدالکریم کو آتا دیکھ کر اس نے موضوع بدل دیا۔ عبدالکریم غیر معمولی طور پر چپ تھا بلکہ سنجیدگی سے منہ پھلائے ہوئے تھا۔

"تمہیں کیا ہوا ہے؟" ماں جی نے پوچھا وہ ٹرے ٹیبل پر پٹخنے کے سے انداز میں رکھ کر سیدھا ہوا پھر اور دونوں بازو کمر پر رکھ کر ایک خفگی بھری نگاہ زینب پر ڈالی۔

"یار عبدل! یہ گھوریاں بعد میں ڈال لینا پہلے یہ بتاؤ کدو کے جیسی شکل کیوں بنا رکھی ہے۔"

"آپ کو پتا ہے سرجی! یہ باجی جی کل جا کر رہی ہیں اپنے پائی جان کے گھر۔ پوچھیں ماں جی! کیوں جا رہی ہیں اتنی جلدی۔" شکایتی سے انداز میں وہ ماں جی کی طرف گھوما۔

"میرا جانا ضروری ہے عبدل اور پورے تین دن سے میں یہیں تو ہوں۔" زینب نے نرمی سے اسے سمجھایا پندرہ سولہ سال کا یہ لڑکا ماں جی نے جز وقتی کام کاج کے لیے رکھا ہوا تھا دس سال کی عمر میں وہ اس گھر میں آیا تھا اور اب تک بہت گھل مل گیا تھا زینب کے سمجھانے کے باوجود وہ ہنوز خفا شکل بنائے اندر کی طرف چلا گیا تو ماں جی بولیں۔

"ایک تو پہلے ہی اتنے دنوں بعد آتی ہو پھر جانے کی بھی جلدی ہوتی ہے کتنی بار کہا ہے میرے ہی پاس رہو مگر تم سنتی ہی نہیں ہو۔۔۔ میرا دل نہیں لگتا زینب۔۔۔"

"میرا بھی۔۔۔" کسی کے دل میں گوج ابھر کر لبوں پر خفیف سا تبسم بکھیر گئی تھی۔ زینب نے بڑے پیار سے ماں جی کے گلے میں بازو حمائل کر دیے۔

"پکا وعدہ اگلی بار آؤں گی تو آپ کے پاس بہت دن رہوں گی ابھی میرا جانا ضروری ہے وہاں ساہیوال میں تہمینہ بھابھی میرے بغیر تنہا ہو جاتی ہیں اور اب کل سے بخار میں پھنک رہی ہیں تبھی شعیب بھائی نے مجھے فون کیا ہے۔"

"کہتی تو تم بھی ٹھیک ہو تنہائی بڑا عذاب ہے اور بڑھاپے میں تو ویسے بھی گھنٹے صدیاں بن جاتے ہیں یہ ولید تو سارا دن آفس میں ہوتا ہے شام میں دوستوں کے ساتھ نکل جاتا ہے خالی گھر مجھے تو کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے۔"

"اداس مت ہوں ماں جی! آپ کہہ رہی تھیں نا کہ اب ولید کی شادی ہو جانی چاہیے تو یہ بہت مناسب وقت ہے اس کی شادی کے لئے اس کے بعد آپ ایک درجن بچوں کی دادی بن جائیں گی ساری تنہائی ختم ہو جائے گی۔۔۔ کیوں ولید؟" وہ ان کی افسردگی ختم کرنے کے خیال سے بولی تھی ساتھ ہی اسے بھی شامل گفتگو کیا تھا۔

"ارے صرف ایک درجن ہی کیوں؟ میں تو دو درجن کا ارادہ کئے بیٹھا ہوں۔"

"شرم کرو۔ ماں کے سامنے اس قسم کی بات کرتے

حیا نہیں آتی؟" انہوں نے ڈپٹا تو وہ کرسی ان کے کچھ اور قریب گھسیٹ لایا۔

"میں تو صرف آپ کی وجہ سے کہہ رہا تھا ورنہ مجھے تو آدھ درجن بھی کافی رہیں گے۔" اس کا انداز ابھی بھی شریر سا تھا۔

"تم بچوں کو ہم ماں باپ کی خوشیاں کا احساس ہوتا ہی کب ہے۔۔۔"

"ارے۔۔۔" وہ احتجاج کرنا چاہتا تھا۔

"ایک وہ حیدر ہے ایسا بیوی اور بیٹی، بیٹا کے ساتھ جا کر دبئی بسا کہ ماں کو ہی بھول گیا اتنا تمہیں ہوتا کہ کبھی سال دو سال بعد آ کر بوڑھی ماں کو صورت دکھا جائے مرحوم باپ کی قبر پر دو حرف فاتحہ کے ہی پڑھ دے۔" وہ قصے پیچ در پیچ کھولتی ہی جا رہی تھیں ابھی مزید ارادہ تھا مگر عبدل نے ان کی نند کے فون کی بابت خبر دی تو وہ اندر چلی گئیں تو وہ افسردگی سے بولی۔

"دیکھا ماں جی؟ کتنی تنہائی محسوس کرنے لگی ہیں۔"

"ہوں دیکھا۔"

"تم واقعی شادی کر لو ولید! بہو کے آنے سے کم سے کم ماں جی کی تنہائی تو دور ہو گی۔"

"اچھا۔" زینب نے تھوڑا الجھ کر اسے دیکھا۔

"تم واپس کب جا رہی ہو۔" اس نے پوچھا تھا۔

"کل شام کو۔۔۔ شعیب بھائی آ رہے ہیں لینے۔"

"ہوں۔" وہ کچھ پل خاموش رہا پھر بولا۔

"تمہیں پتا ہے ابھی ماں جی مجھ سے کہہ رہی تھیں کہ ہماری زینب عام لڑکیوں جیسی بالکل بھی نہیں ہے۔"

"ہیں۔۔۔ بھلا اس بات کا کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ تم میں عام لڑکیوں والے گٹس تو سرے سے ہیں ہی نہیں۔۔۔ سب لڑکیاں کتنی ہنس مکھ ہوتی ہیں ہر دم ہنستی مسکراتی، شرارتیں کرتی ہوئیں جبکہ تم۔۔۔" اس نے ناگواری سے ناک سکیڑی۔

"ہر وقت ہی سڑی بسی شکل لیے گھومتی ہو۔ ہنستی بھی ہو تو یوں گویا ہنسی ادھار لے رکھی ہو جسے سینت سینت کر استعمال کرنا فرض ہو۔" زینب خاموشی سے اسے سنتی رہی۔

"خیر سڑی بسی شکل تو نہیں ہے میری اور ہنستی بھی میں خوب ہوں جہاں تک عام لڑکیوں والی بات ہے تو دو مہینے بعد میں پورے چھبیس برس کی ہو جاؤں گی اور اس عمر میں لڑکیاں ایسی ہی ہوتی ہیں یعنی سنجیدہ اور سوبر۔" اس نے آخری دو لفظوں پر زور دیا تو ولید بولا۔

"ہوں۔۔۔ سنجیدہ اور سوبر۔۔۔" پھر کندھے اچکا کر بولا۔ "ہمیں تو یوں بھی اس دادیوں والے اسٹائل میں اچھی لگتی ہو یعنی سنجیدہ اور سوبر۔" اس نے بھی آخری دو لفظوں پر ہی زور دیا تھا زینب کا قہقہہ بڑا بے ساختہ تھا تعریف کا یہ انداز کوئی نیا تو نہ تھا اس نے ہنستے ہوئے ولید کے بال منتشر کرنا چاہے تو ولید نے اس کا ہاتھ پکڑ کر ہتھیلی اپنے سامنے کھول لی اور کتنی ہی دیر تک دیکھتا رہا۔

"کیا دیکھ رہے ہو؟" زینب نے بھی اپنی نگاہیں ہتھیلی پر جمائیں۔

"دیکھ رہا ہوں اس ہاتھ کی لکیروں میں میرا نام بھی ہے یا نہیں۔" وہ سنجیدگی سے بولا مگر آنکھیں شرارت سے لبریز تھیں۔

"تو پھر مل گیا اپنا نام۔" وہ بھی شرارت سے گویا ہوئی۔

"ہاں مل گیا۔" ولید نے اس کا ہاتھ دونوں ہتھیلیوں میں جکڑ کر نگاہیں اس کے چہرے پر ٹکا دیں اور بولا۔

"زینب۔۔۔ مجھ سے شادی کرو گی۔" ایک پل اور اس ایک پل میں آسمان پر موجود ستارے یکے بعد دیگرے ٹوٹنے لگے زینب گنگ سی اس کی صورت تکے گئی شاید وہ مذاق کر رہا ہو۔ مگر وہاں نہ مذاق تھا اور نہ شرارت بلکہ ایک نرم سا تاثر تھا زینب نے ناگواری سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔

"کیا بکواس کر رہے ہو۔" اس کا خیال تھا کہ اسے یوں غصے میں دیکھ کر یقیناً" وہ ہنس دے گا مگر وہ بولا۔

"بکواس نہیں ہے لڑکی! پرپوز کر رہا ہوں میں تمہیں

... کہو کروگی مجھ سے شادی۔"

"شیٹ اپ ولید... آئی سے جسٹ شٹ اپ۔" وہ دھاڑی۔

"اگر تم مذاق کر رہے ہو تو یہ انتہائی گھٹیا مذاق ہے۔"

"مذاق..." اس نے اسے یوں دیکھا جیسے اس کی عقل پر افسوس کر رہا ہو۔

"مذاق نہیں ہے یہ زینب! میں سنجیدہ ہوں۔ شادی کرنا چاہتا ہوں تم سے کیونکہ تمہیں چاہنے لگا ہوں میں اور..."

"بس..." زینب نے انگلی اٹھا کر روک دیا۔ "بس ولید قاسم! اب آگے ایک لفظ بھی مت کہنا۔" وہ مارے طیش کے لرز رہی تو گئی تھی۔

"زینب! میری..." زینب جھٹکے سے اٹھی تھی اور پاؤں پٹختی اندر چلی گئی تھی ولید نے اسے جاتے دیکھا پھر انگلیوں سے بال سنوارتے ہوئے کمر کرسی کی پشت سے ٹکا دی تھی۔

"شاہین کبھی پرواز سے تھک کر نہیں گرتے۔" وہ مسکرایا اور کرسی پر نیم دراز ہو گیا۔

زینب اسی شام کو چلی گئی تھی اور ولید جانتا تھا کہ وہ بہت خفا ہو کر گئی ہے۔

☆ ☆ ☆

"شکر ہے تم آ گئیں پتا ہے میں تمہیں کتنا مس کر رہی تھی۔" اسے چائے کا مگ تھما کر تہمینہ بھابی اس کے قریب ہی بیٹھ گئی تھیں۔

"یہاں آپ مس کرتی ہیں اور وہاں ماں جی۔" وہ چائے کا بڑا سا سپ لیتے ہوئے مسکرائی۔

"صرف ماں جی؟... ولید بھی تو تمہیں مس کرتا ہو گا۔" اسے لگا بھابی طنز کر رہی ہیں مگر ان کا انداز بہت عام سا تھا وہ اپنی ہی سوچ کو رد کرتے ہوئے بدقت پھر مسکرائی۔

"ہاں وہ بھی... بلکہ وہ تو مجھے آنے ہی نہیں دے رہا تھا آپ کی بیماری کا بتایا تبھی آنے دیا اسٹیشن پر بھی وہ ہی مجھے چھوڑنے آیا تھا۔" وہ خود بھی نہیں جانتی تھی کہ جھوٹ کیوں بول رہی ہے۔

"بہت اچھا کیا تم نے جو آ گئیں اب کچھ دن اطمینان سے ہمارے ہی پاس رہو پھر تو وہیں رہنا ہے۔" زینب ٹھٹک گئی چائے کا گھونٹ حلق میں اٹک گیا تھا۔

"کیا مطلب... بھابی؟" اب کے بھابی چونکیں بالکل ہی بے اختیاری میں کہہ گئیں تھیں سو فوراً بات پلٹ دی۔

"میرے پاس تمہارے لیے ایک خبر ہے زینی۔" انہوں نے تجسس پھیلانا چاہا اور زینب کے اندر خوف سا پھیل گیا۔

"کون سی خبر؟"

"آں..." بھابی نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے اسے دیکھتی رہیں اس پل بہت دلفریب مسکراہٹ ان کے لبوں پر کھیل رہی تھی۔

"تم پھوپھو بننے والی ہو۔"

"سچ۔" اس نے مارے خوشی کے چیخ ماری تھی نو سال کی منتوں مرادوں کے بعد یہ خبر ملی تھی بھابی ہنسنے لگیں۔

"سو فیصد سچ۔" زینب ان سے لپٹ گئی۔

"بہت بہت مبارک ہو۔" بھابی خوش ہونے کے ساتھ ساتھ شرمائی ہوئی بھی تھیں۔

"کیا نام رکھیں گی؟"

"ارے ابھی تو بہت وقت ہے۔" وہ بھی ان کے ساتھ ہنسنے لگی۔

"اتنی اچھی خبر اتنی دیر سے کیوں دی آپ لوگوں نے؟ کل جب شعیب بھائی کا فون ارے... یاد آیا آپ کو تو بخار تھا نا۔"

"جھوٹ نہیں بولتے تو تم اتنی جلدی واپس کیسے آتیں۔" وہ اپنے کارنامے پر خوش ہو رہی تھیں تبھی فون کی بیل چیخ اٹھی بھابی فون ریسیو کرنے چلی گئیں تو وہ چائے کے برتن دھونے لگی ذہن گھوم پھر کر پھر سے ولید قاسم میں جا اٹکا تھا وہ خود بھی سمجھ نہیں پا رہی

تھیں کہ اس کی بات نے غصہ دلایا ہے یا افسوس۔

"اے کہاں ہو؟" بھابی نے اس کا کندھا ہلایا تو وہ چونکی۔

"میں کب سے بول رہی ہوں مگر تم نجانے کہاں ہو۔"

"آں... ہاں وہ اپنے بھتیجا، بھتیجی کا نام سوچنے لگی تھی۔" اس نے بات بنائی ورنہ حقیقت ہی تھی کہ اسے بھابی کے آنے تک کی خبر نہ ہوئی تھی۔

"کس کا فون تھا؟"

"شعیب کا۔" بھابی نے بتایا۔

"کہہ رہے تھے لنچ ٹائم میں گھر نہیں آ سکیں گے کچھ ضروری کام ہے لہٰذا ہم لوگ انتظار نہ کریں ان کا۔" بھابی نے تو اچولے پر چڑھایا تو وہ ہنڈیا کی طرف متوجہ ہو گئی یونہی ادھر ادھر کی باتوں میں وقت کٹ گیا پھر جب وہ دونوں کھانا کھا رہی تھیں تو ایک بار پھر فون بجنے لگا۔

"دیکھنا ذرا کس کا ہے میں پانی لے آؤں۔" بھابی کچن میں چلی گئیں وہ ٹیلی فون اسٹینڈ تک آ گئی۔

"ہیلو۔"

"میں ہوں... کیسی ہو؟" وہ خاموش رہی اگر وہ نہ بھی بتاتا تو وہ پہچان ہی لیتی "کچھ کہو گی نہیں؟" وہ متبسم لہجے میں پوچھ رہا تھا۔ "اچھا ڈانٹ ہی دو۔" وہ ابھی بھی خاموش رہی۔

"تم نے بہت اچھا کیا کہ ساہیوال چلی گئیں اب میں جلدی آؤں گا تمہیں لینے بارات کے ساتھ۔" وہ سلگ کر رہ گئی۔

"ضرور آنا بارات کے ساتھ میرے جنازے میں شریک ہونے۔" اس نے تڑخ کر فون پٹخ دیا۔ دل ایک اتھاہ میں ڈوب کر ابھرا تھا دماغ بس ایک پل کو ماؤف ہوا تھا اس نے سر کو جھٹکا دیا۔

"کس کا فون تھا۔" اسے آتا دیکھ کر بھابی نے پوچھا۔

"ولید کا۔" وہ بیٹھ گئی اسے لگا بھابی سن کر مسکرائی ہیں اور یہ وہم نہیں تھا وہ واقعی مسکرا رہی تھیں۔

"زینب! کیا خیال ہے تمہارا ولید کے بارے میں۔" بھابی کا کھوجتا ہوا انداز اس کے سینے میں انی کی طرح پیوست ہوا تھا۔

"کیا مطلب؟"

"تمہیں ولید نے نہیں بتایا؟" انہوں نے بہت شریر سے انداز میں اپنی نند کو دیکھا تھا۔ زینب کتنی ہی دیر کچھ بھی نہ بول سکی۔

"کیا آپ سے ولید نے خود کہا ہے۔" اسے اپنی آواز گہری کھائی میں گشت کرتی گونج سے مشابہ لگی تھی۔

"نہیں اس نے تو کچھ نہیں کہا البتہ میں نے اندازہ ضرور لگایا ہے کہ تم اور وہ..."

"بس بھابی..." اس نے انہیں ٹوک دیا بھابی اسے حیرت سے دیکھ رہی تھیں۔

"اگر ولید حماقتیں کر رہا ہے تو اس کا مطلب یہ قطعاً نہیں ہے کہ میں بھی اس کے ساتھ شریک ہو جاؤں۔" بھابی چپ سی رہ گئیں اس کے لہجے کی قطعیت نے انہیں کچھ سوچنے پر مجبور کیا تھا۔

"لیکن زینب اگر ایسا ہو بھی جاتا ہے تو اس میں کیا برائی ہے۔ وہ تمہارا کزن ہے۔"

"وہ میرا دیور ہے۔" وہ زور دے کر بولی۔

"بہرحال میں ایسا کچھ نہیں چاہتی نہ آج اور نہ کل ... اور پلیز بھابی اس کے لیے آپ کو میرا ساتھ دینا ہو گا۔" اس نے ان کا ہاتھ تھام لیا اپنے اٹل فیصلے کے باوجود کوئی بات اسے اندر ہی اندر ہولائے دے رہی تھی بھابی نے اس کے چہرے پر گردش کرتے سائے کو دیکھا۔

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے تمہاری مرضی کے بغیر تو کچھ بھی نہیں ہو گا۔" اس نے سر ہلا دیا البتہ سکون نہیں ہوا وہ سوچ رہی تھی بھابی نے اندازہ لگایا ہے اس سے پہلے کہ کوئی اور بھی لگائے مجھے کچھ کرنا ہو گا۔ ولید کو اس کی حماقت کا احساس دلانا ہو گا اور یہی بات اسے واپس لاہور کھینچ لائی تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ بہت نارمل سے انداز میں اس سے ملی تھی ولید کا انداز بھی بالکل ویسا ہی تھا جیسا کہ اس سے قبل ہوا کرتا تھا اس کی آنکھوں یا باتوں میں کوئی ایسا تاثر نہ تھا جو اسے چونکاتا البتہ ایک جھجک سی در آئی تھی اس کے اپنے رویے میں جسے وہ ناپسند کرتے ہوئے بھی دور نہیں کر پائی تھی۔ جس مقصد کے لیے وہ یہاں آئی تھی اس کی پہلی کڑی یوں پوری ہوئی کہ اس نے "لائبہ" کی تصویر ماں جی کو دکھا کر اپنا خیال ظاہر کیا ماں جی کچھ پل تصویر دیکھتی رہیں پھر بولیں۔

"زندگی مجھے نہیں ولید کو گزارنی ہے اگر یہ لڑکی اسے پسند آجاتی ہے تو میں بھلا کیوں اعتراض کروں گی۔"

"ٹھیک ہے پھر میں آج ہی یہ تصویر اسے دکھا دیتی ہوں۔" اس نے خود ہی بات کرنا مناسب سمجھا وہ پہر میں ماں جی کو سونے کی عادت تھی اسے یہی وقت مناسب لگا وہ اسٹڈی میں اپنے پی سی پر کچھ کام کر رہا تھا۔

"اگر تم مصروف نہیں ہو تو چند منٹ مجھے دے سکتے ہو۔"

"مصروف تو میں ہوں مگر تم کہو۔" مانیٹر سے نظریں ہٹا کر اس نے پوری کی پوری ریوالونگ چیئر اس کی طرف گھمائی تھی۔

"نہیں تم فارغ ہو جاؤ میں انتظار کر لیتی ہوں۔" ولید گردن ہلا کر واپس اپنا کام کرنے لگا وہ انگلیاں مروڑتی لفظوں سے جملے ترتیب دیتی رہی محض پانچ منٹ بعد ہی وہ اپنا کام ختم کر کے اس کے سامنے آ بیٹھا۔

"اب کہو۔" زینب نے تصویر اس کی طرف بڑھا دی۔

"کیسی ہے؟" ولید نے سرسری سے انداز میں تصویر دیکھی بڑی کیوٹ سی لڑکی تھی۔

"اچھی ہے۔" ولید نے تصویر اس کی جھولی میں ڈال دی وہ لوگ اس وقت میٹرس پر بیٹھے ہوئے تھے جس کے سامنے ہی ٹی وی بھی پڑا تھا ولید نے ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آن کیا اور اپنی مختصر سی رائے دے کر لاتعلق ہو گیا زینب کو اس کا انداز برا لگا تھا پھر بھی بولی۔

"صرف اچھی؟"

"نہیں بہت اچھی ہے۔" ڈسکوری پر والیوم سیٹ کرتے ہوئے ولید نے کہا۔

"لائبہ نام ہے اس کا۔ اگر تمہیں یاد ہو تو اس نے ایم بی اے تمہارے ساتھ ہی کیا تھا میرے ماموں کی اکلوتی بیٹی ہے تم۔۔۔ تم ایک بار دیکھو تو سہی۔" اس کی لاتعلقی اسے جھنجلانے پر مجبور کر رہی تھی۔ ولید نے اسکرین سے نگاہ ہٹائی تصویر ہاتھ میں لی اور نہایت مصنوعی سنجیدگی سے دیکھنے لگا چند پل یونہی سرکے۔

"ہاں اچھی خوب صورت لڑکی ہے۔ مجھے یاد آگیا ہے یہ میری کلاس فیلو نہیں تھی بلکہ دو سال جونیئر تھی اس کے اکیڈمک ریکارڈ نے کافی دھوم مچائی تھی یونیورسٹی میں۔" وہ رکا پھر بولا۔ "جوڑی اچھی رہے گی ویسے تم نے تہمینہ بھابھی سے پوچھ لیا ہے۔" زینب نے حیران ہو کر اسے دیکھا۔

"تہمینہ بھابھی کی اجازت ضروری ہے نا بھئی۔ آفٹر آل شعیب بھائی کی زوجہ محترمہ ہیں۔" لہجہ انتہائی شریر تھا وہ نہ سمجھی مگر جب سمجھی تو محض ایک خفگی بھری نگاہ ڈال کر رہ گئی۔

"میرے ماموں یہیں لاہور میں رہتے ہیں کل میں اور ماں جی ان کے یہاں جا رہے ہیں۔" اس نے گویا تمہید باندھنا شروع کی۔

"ضرور جاؤ۔" ولید کی نظریں اسکرین سے ہٹ ہی نہیں رہی تھیں زینب کو سبکی کا احساس ہوا مگر دوسرے پل وہ اٹھ کر ٹی وی آف کر چکی تھی ولید نے اسے ٹی وی کے آگے دیوار کی طرح کھڑے دیکھا۔

"کیا میری بات تمہارے لیے اہمیت رکھتی ہے ولید؟"

"تم خود میرے لیے بہت اہمیت رکھتی ہو۔" گود میں رکھے کشن کے گرد بازو لپیٹتے ہوئے ولید نے اسے بہت پیار سے دیکھا تھا۔

"تو پھر میری بات مان لو ولید! لائبہ بہت اچھی لڑکی

ہے تم اس کے ساتھ بہت خوش رہو گے۔" وہ لجاجت سے بولی ولید مسکراتا ہوا عین اس کے سامنے آ رکا۔

"زینب بھی بہت اچھی لڑکی ہے اور آئی ایم ڈیڈ شیور کہ جو خوشی مجھے اس کے ساتھ ملے گی وہ لائبہ اس کا شائبہ تک نہیں دے سکتی۔" زینب کو سر اٹھا کر اسے دیکھنا پڑا اسے یک دم احساس ہوا کہ یہ شخص جسے وہ اب تک بچہ سمجھ رہی تھی وہ بچہ قطعاً نہیں رہا تھا وہ اپنا عکس اس کی آنکھوں میں دیکھ کر ہراساں ہو گئی اس کا سر جھکا پھر پلکیں بھی۔

"جو تم چاہتے وہ ممکن نہیں ہے ولید۔" اپنی آواز کی لڑکھڑاہٹ وہ کسی طور چھپا نہ پائی تھی۔

"کچھ بھی ناممکن نہیں ہے۔" اس کا انداز سراسر سمجھانے والا تھا۔

"آخر تم۔۔۔" مارے غیض و بے بسی کے اس کی آواز کہیں اندر ہی اٹک رہی تھی۔ "آخر تم عقل سے کام کیوں نہیں لیتے۔"

"دل کے معاملات میں عقل کا کیا کام؟" مصنوعی تحیر سے آنکھیں پٹپٹا کر دریافت کیا گیا۔ بعض اوقات آپ وہ نہیں کرپاتے جو کرنا چاہ رہے ہوتے ہیں وہ بھی اس وقت وہ نہیں کر پا رہی تھی جو کہ وہ کرنا چاہتی تھی۔

"تم وہ رشتہ کیوں بھول رہے ہو جو ہمارے بیچ ہے۔"

"میں کچھ بھی نہیں بھولا سب کچھ یاد ہے مجھے۔۔۔"

"اور وحید۔۔۔"

"وحید لالہ کے انتقال کو دو برس گزر چکے ہیں۔۔۔" اس نے کہنا چاہا مگر پھر سے زینب نے ٹوک دیا۔

"اور اب تم چاہتے ہو کہ میں بھی مر جاؤں۔ ہے نا۔" اس کی آواز غیر معمولی طور پر تیز تھی۔

"زینب۔۔۔" ولید کی نگاہوں میں تاسف سمٹ آیا تھا۔ "ایسی موت سے تو بچانا چاہتا ہوں میں تمہیں احمق لڑکی۔"

"مجھے ایسی زندگی نہیں چاہیے جس کے بعد لوگوں کی انگلیاں مجھ پر اٹھنے لگیں۔"

"بہت پروا ہے تمہیں لوگوں کی؟" پہلی بار اس کے لبوں پر طنز چمکا۔

"تمہیں مجھے لوگوں کی پروا نہیں ہے مجھے صرف اپنی پروا ہے اور میں نے تمہارے بارے میں کبھی ایسا نہیں سوچا۔"

"تو اب سوچ لو اچھا خاصا ہینڈسم ہوں میں اپنا بزنس ہے کوئی بری عادت بھی نہیں ہے مجھ میں لوگ چاند سورج سے تشبیہ دیں گے ہماری جوڑی کو اور سب سے بڑی بات یہ کہ تم سے محبت بھی کرتا ہوں۔"

"شرم نہیں آتی تمہیں اس قسم کی بکواس کرتے ہوئے۔" وہ نفرت سے پھنکاری۔

"اب تک جسے بھائی سمجھتی رہی ہوں اسے شوہر بنانے سے بہتر ہے کہ میں ڈوب کر مر جاؤں۔" ولید کے لفظ کہیں اندر ہی ڈگمگا گئے مگر پھر اس نے خود پر قابو پالیا۔

"ٹھیک ہے تم ڈوبنے کی تیاری کرو میں بہت اچھا تیراک ہوں۔" ہونٹوں کے کونے یہاں سے وہاں تک پھیل گئے۔

"خدا کے لیے میرا مذاق مت اڑاؤ ولید قاسم! آج تم ہنس رہے ہو کل کو پورا جہان ہنسے گا۔" ضبط کی کڑی منزلوں سے گزرتے ہوئے وہ گڑگڑائی تھی آنکھوں میں جیسے کرچیاں بکھر گئی تھیں۔

"تمہیں صرف جہاں کی پروا ہے؟ میری نہیں؟" وہ پوچھ رہا تھا۔ "لیکن مجھے کسی جہاں کی پروا نہیں ہے چاہے ہنسے چاہے روئے۔ مجھے صرف تمہاری پروا ہے مجھے تم ہی سے شادی کرنی ہے اور میں کروں گا بھی۔" اس کا دوٹوک انداز زینب کو اندر تک سلگا گیا۔

"نہیں مسٹر ولید! تمہیں صرف اپنی پروا ہے کتنی تعریف کریں گے ناسب لوگ تمہاری کتنا عظیم تمہیں کہیں گے نا لوگ تمہیں کہ تم نے "بیوہ بھاوج" پر ترس کھا کر اس سے شادی کر لی۔" تمام تر زور "بھاوج" اور "ترس" پر تھا ولید کی فراخ پیشانی پر اس الزام سے کئی سلوٹیں پڑ گئی تھیں۔

"میرے جذبات کے لیے اس قدر گھٹیا لفظ استعمال مت کرو زینب۔"

"ہاں۔ تمہارے جذبات۔"

"آخر تم اتنا بھڑک کیوں رہی ہو میں نے کوئی غلط بات نہیں کی کوئی غلط مطالبہ نہیں کیا۔ بتاؤ مجھے زینب! آخر کیا غلط ہے میں تمہیں پسند کرتا ہوں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں کوئی شرعی پابندی نہیں ہے پھر آخر تم کیوں اعتراض کر رہی ہو؟" وہ رکا مگر زینب کو خاموش پا کر کچھ سوچ کر بولا۔

"تمہاری شادی کے متعلق میں کل ماں جی سے بات کرنے والا ہوں۔"

"تم ماں جی سے ایسی کوئی بات نہیں کرو گے۔" زینب نے انگلی اٹھا کر اسے تنبیہہ کی تھی۔ ولید اس کی طرف مڑا۔ کچھ پل اس کے چہرے کو نگاہوں کی زد میں قید رکھنے کے بعد براہ راست اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔

"میں وہی کروں گا جو میرا دل کہتا ہے اور تم مجھے روک نہیں سکتیں۔" زینب کا سارا وجود آگ کی زد میں آگیا وہ جانا چاہتی تھی مگر رک گئی۔

"تم وہی کرنا ولید قاسم! جو تمہارا دل چاہتا ہے اور میں وہ کروں گی جو میرا دل چاہتا ہے روک تو تم بھی مجھے نہیں سکتے اور ہاں..." وہ پلٹی "یاد رکھنا ولید! میری مرضی کے بغیر کوئی بھی کچھ نہیں کر سکتا۔" اب کی بار وہ رکی نہیں تھی۔

☼ ☼ ☼

ایک کے بعد دوسری، دوسری کے بعد تیسری اور تیسری کے بعد چوتھی فائل بھی اس نے میز پر پٹخ کر اپنا سر ان پر گرا دیا۔

عمر کیسے کٹے گی ساری
دل نہیں لگ رہا فائلوں میں

اس نے حسب منشاء شعر بگاڑا ذہن الجھا ہوا تھا کبھی ایک پہلو سامنے آتا تو کبھی دوسرا وہ بہت اضطراری انداز میں دائیں ٹانگ ہلا رہا تھا بے چینی شاید یونہی انسان کو مضطرب کر دیا کرتی ہے اس نے دروازہ کھلنے کی آواز سنی پھر انگلی کی پور سے اسے بجایا گیا تھا اس نے تھکے تھکے سے انداز میں سر اٹھایا۔

"ہائے فاطین۔"

"ہائے پرنس۔" وہ اندر آگئی تھی پھر اس کی شکل دیکھ کر جو ہنسنا شروع کیا تو کتنی ہی دیر ہنستی ہی چلی گئی۔ ولید نے اسے ناگواری سے دیکھا اور دونوں ہتھیلیوں سے میز پر بوجھ ڈال کر آگے جھکا۔

"زہر لگ رہی ہو۔" اس نے دانت کچکچائے فاطین کی ہنسی رک ہی نہیں رہی تھی۔

"کیا بنا تمہاری لو اسٹوری کا؟" وہ اپنی ہنسی پر قابو پا رہی تھی۔

"فی الحال تو فلاپ جا رہی ہے۔" وہ منہ بنا کر بولا۔

"طینا... یار... وہ مانتی ہی نہیں ہے۔"

"ریلیکس ولید... مان جائے گی۔" وہ تسلی آمیز مسکان سجائے بولی ولید بالوں میں انگلیاں پھیرتا ہوا اٹھا اور گلاس ونڈو کے سامنے جا رکا۔

"وہ سمجھ رہی ہے میں اس کی انسلٹ کر رہا ہوں پتا نہیں وہ میری فیلنگز کو کیوں نہیں سمجھ رہی اب۔ اب مجھے کیا پتا کہ میں اس سے کب محبت کرنے لگا۔" اس کی جھنجلاہٹ و بے بسی انتہا کو چھو رہی تھی فاطین نے پھر ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

"مان جائے گی۔"

"کب؟"

"جب وقت آئے گا۔" وہ اس کے قریب آکر کھڑی ہو گئی۔

"اور وقت کب آئے گا؟" وہ مڑا اور شانہ گلاس سے ٹکا کر سینے پر بازو باندھ لیے۔

"مجھے کیا پتا۔" وہ سر کھجا کر رہ گئی۔

"فاطین۔" کتنی ہی دیر گلاس کے اس طرف نظر آتے نیلے آسمان پر نظریں ٹکانے کے بعد وہ بولا فاطین استعجابیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"میں واقعی نہیں جانتا کہ کب اس سے محبت کرنے لگا۔" اس نے کئی بار کا کہا ہوا فقرہ دوہرایا تو وہ تپ گئی۔

"ہاں محبت نہ ہو گئی تماشا ہی ہو گیا۔"

"شٹ اپ! میری محبت کو تماشا مت کہو۔" وہ برا مان گیا تھا۔ "میں جانتا ہوں وہ مان جائے گی اور نہ بھی مانے تو کیا فرق پڑتا ہے شادی تو میں پھر بھی اسی سے کروں گا۔" وہ اپنی جون میں لوٹ آیا تھا فاطین نے بڑھ کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"اگر تم کہو تو میں زینب سے بات کروں؟"

"ارے نہیں یہ بات اسے اور بھی بری لگے گی۔" وہ دونوں ایک پل کو خاموش ہوئے۔

"اف تم تو بالکل بھی اچھے میزبان نہیں ہو ولید! کم سے کم کافی ہی پلوا دو گھنٹہ بھر سے۔ زینب نامہ کھولے بیٹھے ہو۔"

"ارے واہ! میرا "زینب نامہ" دو منٹ برداشت نہیں ہوتا تم سے اور جو خود ہر وقت "احمد نامہ" کھولے رہتی ہو۔" اس نے دوبدو طعنہ دیا تو وہ ایک دم بولی۔

"طعنہ مت دو کافی کے ساتھ برگر کھلواؤ۔"

"کس خوشی میں؟"

"اپنی متوقع شادی کی خوشی اور وہ بھی زینب کے ساتھ۔"

"اوکے۔" وہ فوراً راضی ہو گیا۔ "میکڈونلڈ چلتے ہیں" کہہ کر وہ فون پر سیکرٹری کو ضروری ہدایت دینے لگا پھر ریسیور رکھ کر بولا۔

"ویسے ایک بات ہے طینا۔"

"کیا؟"

"تم بھی اچھی خاصی ہو حیرت ہے کہ مجھے تمہارا خیال کیوں نہیں آیا۔" متبسم و شریر لہجے میں وہ حیرت کا اظہار کر رہا تھا فاطین نے گھور کر دیکھا پھر مصنوعی آہ بھر کر بولی۔

"ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا... اب چلو" وہ دونوں ہنستے ہوئے باہر نکلے تھے واپس آیا تو ماں جی تخت پر بیٹھی سبزی بنا رہی تھیں۔

"کہاں تھے اب تک میں کب سے تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔"

"جی ذرا فاطین کے ساتھ چلا گیا تھا۔" وہ مختصراً بتا کر ان کے قریب ہی بیٹھ گیا۔

"کیا تاریخ طے ہوئی ہے اس کی شادی کی؟" انہوں نے پوچھا تو وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

"تم کوئی بھی نہیں کیونکہ اس کا منگیتر چار ماہ کے لیے پیرس چلا گیا ہے اس کی واپسی پر ہی شادی ہو گی۔" بتا کر وہ ادھر ادھر دیکھنے لگا پھر سارا گھر چھان مارا لیکن وہ کہیں نہیں تھی واپس ماں جی کے پاس آیا تو وہ مسکرا کر بولیں۔

"زینب، واپس لاہور چلی گئی ہے۔" وہ خجل سا ہو کر ان کے قریب ہی بیٹھ گیا۔

"میں یہ تو نہیں پوچھ رہا۔"

"اچھا تو پھر کیا پوچھ رہے ہو؟" ان کا انداز ایسا تھا جیسے کسی چھوٹے سے بچے کی چوری پکڑ رہی ہوں اور بچہ صاحب ذرا سی ڈھیل پا کر فوراً پھیل گئے تھے۔

"آپ نے شعیب بھائی سے بات کی؟" قریب پڑی پانی کی بوتل منہ سے لگاتے ہوئے اس نے پوچھا۔

"عقل تمہیں اب بھی نہیں آئی ہزار بار کہا ہے گلاس میں ڈال کر آرام سے پیا کرو مگر مجال ہے کہ تمہارے کان پر جوں رینگ جائے۔" وہ بغیر شرمندہ ہوئے مسکراتا رہا پھر ان کے گھٹنے پر سر رکھ کر لیٹ گیا۔ ماؤں کے لیے تو اتنی محبت بھی بہت ہوا کرتی ہے انہوں نے جھک کر اس کی پیشانی پر بوسہ دیا ابھی کچھ عرصہ پہلے ہی تو وہ ان کی گود میں سمٹ جایا کرتا تھا۔

"میں نے شعیب سے بات کی تھی۔" وہ انگلیاں اس کے بالوں میں پھیر رہی تھیں۔

"پھر کیا جواب دیا انہوں نے۔" اس کے لہجے میں امید کے دیے کی تھرتھراتی ہوئی لو کی سی بے چینی تھی۔

"اسے کوئی اعتراض نہیں ہے بلکہ ہم میں سے کسی کو بھی اعتراض نہیں ہے بس زینب مان جائے تو..." وہ خاموش ہو گئیں تو وہ ان کا بالوں میں حرکت کرتا ہاتھ بڑی محبت سے تھام کر بولا۔

"جب میں زینب کے متعلق آپ سے بات کرنے والا تھا تو بہت ڈرا ہوا تھا میرا خیال تھا کہ آپ نہیں مانیں گی۔"

"کیوں؟ بھلا تمہیں ایسا کیوں لگا؟"

"میرا خیال تھا کہ آپ روایتی ساسوں کی طرح تن کر کھڑی ہو جائیں گی۔" وہ ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "لیکن آپ میں تو ساسوں والے گٹس سرے سے ہیں ہی نہیں۔"

"خدا معاف کرے مجھے ایسے گٹسوں ہٹسوں سے۔" انہوں نے اس کے سر پر ہلکی سی چپت لگائی پھر بولیں۔

"اور میں زینب کی ساس نہیں ماں ہوں اور مائیں اپنی اولاد کی بہتری ہی چاہتی ہیں وحید کے انتقال کے کچھ عرصے بعد ہی میرے دل میں تم دونوں کی شادی کا خیال آیا تھا مگر تب تم پڑھ رہے تھے اس دوران دو ایک رشتے بھی آئے تھے اس کے جو کافی سے زیادہ اچھے تھے مگر میرا دل راضی نہیں ہوا مرحوم بھائی بھاوج کی نشانی کو میں خود سے دور نہیں کرنا چاہتی تھی۔"

"آپ اتنے عرصے سے یہی کچھ سوچے بیٹھی ہیں اگر مجھے کوئی اور پسند آجاتی تو؟ یا زینب بھی تو کسی اور کو پسند کر سکتی تھی۔"

"سبھی کچھ ممکن تھا مگر خدا بڑا کار ساز ہے دیکھ لو اس نے خود ہی تمہارے دل میں زینب کا خیال ڈال دیا۔" ان کی بات سن کر وہ دل ہی دل میں ہنسا ماں کی زبان سے یہ بات سن کر اسے تھوڑی سی شرم آئی تھی جسے اس نے تھپڑ مار کر بھگا دیا اور فوراً "سیدھا ہو بیٹھا پھر کچھ توقف کے بعد دھیرے سے بولا۔

"وہ مان جائے گی نا ماں جی؟"

"وہ کیا اس کا باپ بھی مانے گا۔" وہ پر جوش انداز میں مسکرائیں تو وہ مصنوعی سنجیدگی سے بولا۔

"لیکن اس کے باپ سے تو مجھے شادی نہیں کرنی۔" وہ ہنسنے لگیں۔

"میں تمہارے لیے کھانا نکالتی ہوں۔"

"عبدل سے کہہ دیں۔"

"اسے میں نے بازار بھیجا ہے۔" وہ کچھ سوچ کر پھر رکیں۔ "کل اتوار ہے تم فارغ ہو نا؟"

"جی۔" اس نے بتایا پھر پوچھا۔ "کیوں؟"

"نہیں یونہی پوچھ رہی تھی۔" وہ کچن کی طرف بڑھ گئیں۔

☼ ☼ ☼

وہ سو کر اٹھی تو کھڑکی سے باہر نظر آنے والا منظر موسم کی دلفریبی کی خبر دے رہا تھا بادلوں کے موٹے موٹے ٹکڑوں کو ہوا نجانے کہاں اڑائے لیے جا رہی تھی اس کا کمرہ گھر کے پچھلی جانب تھا پچھلی دیوار والی کھڑکی سے کالونی کی صاف ستھری سڑک نظر آتی تھی۔ جس کے دونوں اطراف میں سفیدے اور سنبل کے درخت تھے جن کی نیم برہنہ ٹہنیاں سردی سے ٹھٹھرتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں خاموش اور پر سکون سڑک پر زرد و خشک پتوں کا ڈھیر تھا جو ہوا کے ذرا سے تیز جھونکے سے دور تک گھومتے چلے جاتے تھے دور کہیں کوئی کوئل ایسے موسم میں بھی کوک کر زندگی کی نوا دے رہی تھی۔ ہوا کے تیز جھونکے نے درختوں کو چیخنے پر مجبور کیا تھا وہ ایک دم چونکی پھر منہ دھو کر کمرے سے باہر آگئی بھابھی کچن میں مصروف تھیں اسے دیکھتے ہی بولیں۔

"اچھا ہوا تم جاگ گئیں اب یوں کرو یہ بریانی کا مسالہ بھون لو میں تب تک کوفتے بنا لیتی ہوں کھانے میں دیر ہو گئی تو شعیب خفا ہوں گے۔"

"اتنا اہتمام کس خوشی میں ہو رہا ہے بھئی۔" اس نے چولہے پر چڑھی دیگچیوں میں جھانکا۔

"ماں جی آئی ہیں۔" وہ سرسری سا بتا کر کچے قیمے میں مسالے ڈالنے لگیں زینب ایک پل کو چپ ہوئی پھر بولی۔

"میں ان سے مل کر آتی ہوں۔"

"وہ اس وقت گھر پر نہیں ہیں۔" اسے آنچ مدھم کرتا دیکھ کر وہ بولیں۔

"وہ طارق بھائی ہیں نا میری خالہ کے بیٹے ان کی بیوی ہاسپٹل میں ہے ماں جی اور شعیب اسی کی عیادت کے لیے گئے ہیں۔" وہ سر ہلا کر ہنڈیا کی طرف متوجہ ہو گئی بھابھی ہاتھ سے قیمہ مسل رہی تھیں کچھ سوچ کر

انہوں نے ایک نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی۔

"زینب... " وہ رکیں پھر بولیں۔ "ماں جی شادی کی ڈیٹ فکس کرنے آئی ہیں۔" زینب دنگ سی رہ گئی۔

"میری مرضی کے بغیر۔"

"شعیب نے ہاں کہہ دی ہے۔" بھابھی نے کسی مجرم کی طرح اقبال جرم کیا وہ مارے صدمے کے اسٹول پر ڈھے سی گئی۔

"یہ نہیں ہو گا... قطعاً" بھی نہیں ہو گا۔" کتنی دیر بعد وہ رندھی آواز میں بولی۔

"مجھے سمجھ نہیں آ رہا کہ شعیب بھائی اور ماں جی ایسا کیوں کر رہے ہیں ولید تو احمق ہے 'گدھا ہے' بیوقوف ہے۔"

"ارے یہاں تو ہماری شان میں قصیدے پڑھے جا رہے ہیں۔" ولید اسی پل کچن میں داخل ہوا تھا اسے دیکھ کر زینب یوں کھڑی ہوئی جیسے شیرنی اپنے دشمن کو دیکھ کر چونکنی ہوتی ہے۔

"میں نے تم سے کہا تھا نا کہ تم ماں جی سے کچھ نہیں کہو گے۔" اس کا انداز بے حد جارحانہ تھا۔

"ارے بھئی میں نے تو ماں جی سے کچھ نہیں کہا تھا بلکہ ان کا اپنا دل بریانی کھانے کو چاہ رہا تھا تبھی تو انہوں نے بھابھی سے فرمائش کی۔" وہ کمال معصومیت سے بولا ساتھ ہی بھابھی سے تائید بھی چاہی۔

"بکومت ولید قاسم! اور میری بات کان کھول کر سن لو جو تم چاہتے ہو اول تو میں وہ ہونے ہی نہیں دوں گی لیکن اگر کچھ ایسا ہوا تو... " اس سے کوئی بات بن نہ سکی اس "تو" کے آگے تو اس نے قطعاً" نہیں سوچا تھا اسے اپنے اردگرد الاؤ کے شعلے لپکتے محسوس ہو رہے تھے۔

"تم... تم یہاں سے فوراً" چلے جاؤ ورنہ... " وہ انگلی اٹھا کر بڑے ضبط سے بولی۔

"ورنہ... ؟" ولید کی نگاہوں میں لطف بھری سرکشی ہچکولے کھا رہی تھی۔

"ورنہ میں تمہیں دھکے مار کر باہر نکال دوں گی۔" ولید کے لبوں پر مسکان بکھر گئی۔ وہ غصے میں دو سو واٹ کے بلب کی طرح جل رہی تھی وہ اس کے عین سامنے جا رکا۔

"اچھا ذرا ہم بھی تو دیکھیں آپ کی طاقت۔" چیلنجنگ انداز سراسر استہزائیہ تھا زینب کلس کر رہ گئی اس دیوار چین کو دھکا دے کر ذرا سا بھی نہیں ہلا سکتی تھی۔

"کیا ہو گیا ہے تم دونوں کو۔" بھابھی زینب کی صورت دیکھ کر پریشان ہو گئی تھیں۔ زینب نہایت غصے سے دھپ دھپ کرتی باہر نکل گئی بھابھی نے سر پیٹ لیا جبکہ ولید مسکرا کر بولا۔

"مجھے تو وہ ہوا ہے جو رومیو کو جولیٹ سے ہوا تھا۔"

"اور اسے وہ ہوا ہے جو امریکہ کو تمام اسلامی ممالک سے ہوا ہے۔" بھابھی نے خالی دروازے کی طرف دیکھا تھا۔

☼ ☼ ☼

دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھے وہ کتنی ہی دیر کھڑی رہیں۔ انہیں اپنے شوہر نامدار پر غصہ آ رہا تھا جنہوں نے انہیں ماؤنٹ ایورسٹ سر کرنے سے بھی زیادہ مشکل کام کرنے کے لیے کہا تھا اور اگرچہ وہ اچھی کوہ پیما تھیں مگر زینب جیسے پہاڑ کو سر کرنا کافی کٹھن تھا پھر جس قسم کے رد عمل کا اظہار اس نے ولید کے سامنے کیا تھا انہیں تو اپنی خیریت بھی مشکل نظر آ رہی تھی بہر حال انہوں نے دل کڑا کیا اور اندر داخل ہو گئیں نیم تاریک کمرے میں ماؤنٹ ایورسٹ انہیں بیڈ پر دراز نظر آئی وہ چھت پر نظریں گاڑے ہوئے تھی۔

"کمرے میں اندھیرا کیوں کر رکھا ہے زینب؟" گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے انہوں نے ٹیوب لائیٹ آن کر دی ایک جھماکے سے روشنی پھیلی اور اس کی آنکھیں چندھیا گئیں اس نے تیزی سے بازو آنکھوں پر رکھ لیا پھر جب تک آنکھوں نے روشنی کو قبول کیا بھابھی نہ صرف اس کے قریب بیٹھ چکی تھیں بلکہ ہاتھ

بھی اس کے کندھے پر تھا۔

"موسم بہت اچھا ہو رہا ہے چلو کچھ دیر ٹیرس پر واک کرتے ہیں۔" وہ اٹھ بیٹھی۔ بھابھی اس کے کھڑے ہونے کی منتظر ہی رہیں جبکہ وہ آلتی پالتی مارے جانے کس سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی بھابھی لفظ ڈھونڈنے لگیں کچھ دیر بعد زینب کی آواز گونجی۔

"آپ نے شعیب بھائی سے کہا۔" آنکھوں میں آس و نراش کی شمع جلائے وہ انہیں دیکھ رہی تھی بھابھی کی نگاہیں جھک گئیں ابھی کچھ روز قبل ہی تو انہوں نے اسے یقین دلایا تھا کہ اس کی مرضی کے بغیر کچھ بھی نہ ہو گا اور اب...

"اچھا زینب! ایک بات بتاؤ۔ آخر تم ولید سے شادی کیوں نہیں کرنا چاہتیں۔ کیا اعتراض ہے تمہیں جبکہ تم ولید کو بہت اچھی طرح سے جانتی ہو۔"

"میں اسے بہت اچھی طرح سے جانتی ہوں تبھی انکار کر رہی ہوں۔" وہ بولی۔

"کیا یہ اعتراض کافی نہیں ہے کہ وہ مجھ سے پورے دو برس چھوٹا ہے میرے مرحوم شوہر کا بھائی ہے جو کچھ عرصہ قبل تک میرے گھٹنے پر سر رکھ دیا کرتا تھا یاد ہے آپ کو وحید کے انتقال سے قبل وہ مجھے بھابھی کہا کرتا تھا۔"

"یہ اتنا بڑا اعتراض تو نہیں ہے جانو! اسلام نے اس قسم کی شادی کی اجازت دی ہے پھر جب ولید تمہیں بھابھی کہتا تھا تب وہ تمہیں صرف وحید کے حوالے سے دیکھتا تھا اب وہ بچہ تو نہیں رہا نوجوانی اور جوانی کے جذبات میں بہت فرق ہوتا ہے زینب۔" انہوں نے توقف کیا یہ دیکھنے کے لیے وہ سن رہی ہے یا نہیں۔

"عمروں کا فرق بھی کوئی ایسی اہمیت نہیں رکھتا محض دو برس ہی تو بڑی ہو تم اس سے لیکن ساتھ کھڑی ہو تو چار سال چھوٹی ہی لگتی ہو۔" وہ لجاجت سے کہہ رہی تھیں۔

"جس پر پڑتی ہے وہی جان سکتا ہے یہ سب کچھ آپ اس لیے کہہ رہی ہیں کہ اس خفت کا سامنا آج اور کل بھی مجھی کو کرنا پڑے گا۔" وہ تلخی سے بولی۔

"سیدھی طرح کیوں نہیں کہتیں کہ اب میرا وجود آپ کو ناگوار لگنے لگا ہے۔" اس نے نہایت سہولت سے الزام ان کے سر لگا دیا۔

"خدا کے لیے زینب! مجھے اتنا غلط مت سمجھو۔ میں تو تمہاری بھلائی چاہتی ہوں ورنہ تم سے بڑھ کر بھلا کون عزیز ہو سکتا ہے مجھے۔" انہیں بے حد صدمہ پہنچا تھا۔

"میں تو صرف یہ کہہ رہی تھی کہ عمر کا یہ فرق..."

"ابھی عمر پر آپ بہت لیکچر دے سکتی ہیں بھابھی! لیکن ایک بات بتائیے خدانخواستہ شعیب بھائی کو کچھ ہو گیا تو کیا آپ مظہر سے شادی کر لیں گی وہ بھی تو آپ سے صرف ایک برس چھوٹا ہے۔" جب ساری دنیا دشمن لگنے لگے تو انسان عقل کا دامن نادانستہ طور پر چھوڑ دیتا ہے اس کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔

"زینب!" وہ مارے غم کے حیرت سے آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہی تھیں۔

اسی پل دروازہ دھاڑ سے کھلا اور شعیب بھائی غضب ناک چہرہ لیے اندر داخل ہوئے۔

"شرم تو نہ آئی ہو گی اتنی بڑی بات کہتے ہوئے۔ کس قدر خود غرض لڑکی ہو تم زینب بھائی کے مرنے کی دعائیں مانگ رہی ہو۔"

"کیا ہو گیا ہے آپ کو اس نے ایسا تو کچھ بھی نہیں کہا۔" بیچاری بھابھی فوراً گھبرا اٹھیں۔

"تم چپ رہو تہمینہ! مجھے بات کرنے دو اس سے۔" انہوں نے گھورا وہ سہم کر چپ ہو گئیں۔

"بالکل بھابھی آپ چپ ہی رہیں۔" وہ شعیب کی طرف گھومی۔ "اور آپ کیا بات کرنے آئے ہیں مجھ سے خود غرض میں ہوں یا آپ؟ صاف صاف کہہ دیجئے میرا بوجھ اٹھاتے اٹھاتے تھک گئے ہیں۔ کاش میں مر گئی ہوتی" وہ رونے لگی شعیب گنگ سے اسے تکے گئے پھر کڑے ضبط سے بولے۔

"بہتر ہو گا اب اپنی زبان سے ایک لفظ بھی مت کہنا ورنہ میں تمہیں مار ڈالوں گا ہر حسرت پوری ہو جائے گی۔" شعلہ سا لپکا تھا۔

"شعیب پلیز۔" بھابھی پھر منمنائیں مگر یہ منمناہٹ دھاڑ میں کھو گئی۔

"ہاں یہی سچ ہے کہ تم بوجھ ہو ہم پر، نہیں رکھنا چاہتا میں تمہیں اپنے گھر میں۔" غصے میں وہ بھی بولتے چلے گئے زینب کے اندر غصہ ذہن کرا اودھم مچانے لگا اسے اپنے وجود سے دھواں اٹھتا محسوس ہو رہا تھا۔ شعیب کو اپنے لفظوں کی سختی کا احساس ہوا تو بولے۔

"ولید بہت اچھا ہے احمق لڑکی۔ بہت خوش رکھے گا وہ تمہیں۔ آخر کب تک تم یونہی زندگی گزارو گی؟"

"میری زندگی کو ماریں گولی۔ جہاں آپ کا فائدہ ہے وہاں چاہے مجھے کسی گدھا گاڑی والے سے بیاہ دیں۔" اس نے گال رگڑے اور قطعیت سے بولی۔ "مگر ایک بات یاد رکھیے گا شعیب بھائی! میں بھی زینب ہوں مر جاؤں گی مگر شادی نہیں کروں گی۔"

"ٹھیک ہے عین بارات والے روز پنکھے سے لٹک جانا یا چوہے مار دوائی نگل لینا مگر اتنا تم بھی یاد رکھنا۔ جہنم میں تنہا تو ہم بھی تمہیں نہیں رہنے دیں گے۔" انہوں نے ترکی بہ ترکی دھمکی دی اور بھابھی کا ہاتھ تھام کر باہر نکل گئے۔

"یہ کیا کیا آپ نے آخر کیا ضرورت تھی اتنی سختی سے بات کرنے کی" وہ متفکر سے انداز میں بولیں یقیناً" دکھ ہو رہا تھا شعیب مسکرانے لگے باہر آتے ہی ان کے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے تھے۔

"تم تیل دیکھو اور تیل کی دھار دیکھو۔" وہ متبسم و پُر لہجے میں بولے۔

☼ ☼ ☼

شام نے کب رات کا آنچل اوڑھ کر دن کے اجالے کو الوداع کہا تھک ہار کر پرندے کب درختوں کی ننگی ٹہنیوں میں سوئے کھڑکی میں کھڑے ہو کر باہر کا نظارہ کھلی آنکھوں سے دیکھنے کے باوجود وہ جان نہ سکی کہ۔ ذات کے ایوان میں دکھ اپنی تمام تر شدتوں کے ساتھ براجمان تھا کمرے کی خاموش تنہائی میں وہ موجود تھی مگر نہیں تھی۔ وہ وحید کی رفاقت میں گزارے لمحوں میں بھٹک رہی تھی کتنا مختصر دور تھا وہ اور دور بھی... وہ ٹھٹھک کر ساکت ہو گئی اپنے پیچھے اس نے دروازہ کھلنے کی آواز سنی تھی اس پل دل کا غبار آنکھوں میں ٹھہرا ہوا تھا اور وہ کسی کا بھی سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس نے اپنے کندھے پر نرم جھریوں بھرے ہاتھ کا دباؤ محسوس کر کے بہت زور سے آنکھیں بھینچ لیں پھر دباؤ بڑھا اور اس کا رخ موڑ لیا گیا اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی آنکھیں کھول دیں ایک آوارہ بوند پلکوں کی قید سے رہائی پا کر گال پر لکیر چھوڑ گئی اس کے سامنے ماں جی کھڑی تھیں چاہت کے دریچے میں مان کا دیا سجائے جس کی لو امید کے تیل سے روشن تھی۔

"کیا میری بات بھی نہیں مانو گی؟ مجھے تو ماں کہتی ہو نا تم تو کیا تمہارے آگے ہاتھ جوڑوں؟" زینب ان کے شانے پر سر رکھے بری طرح رو دی۔

☼ ☼ ☼

ذرا سی پلکیں اٹھا کر اس نے زر تار آنچل کی اور سے سارے کمرے میں نگاہ ڈالی یہ کمرہ اس نے کوئی پہلی بار نہیں دیکھا تھا اور وہ کوئی پہلی بار بھی یہاں نہیں آئی تھی مگر آج تو اس کمرے کے تمام رنگ ہی بدلے ہوئے تھے یقیناً" سارے کمرے کو نئے سرے سے آراستہ و پیراستہ کیا گیا تھا زمین اور سارا بیڈ گلاب کی تازہ پتیوں سے ڈھکا ہوا تھا جن کی خوشگوار مہک چاروں اور اڑتی پھر رہی تھی بیڈ کے اطراف میں رکھے میزوں پر گلدان وائیٹ اور ریڈ للی گود میں لیے مسکرا رہے تھے جبکہ اس کے دماغ میں اذیت کے جھکڑ چل رہے تھے اسے اپنے سجے سنورے روپ سے سخت وحشت ہو رہی تھی لیکن ابھی وہ شدید خواہش کے باوجود کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی مبادا کوئی کمرے میں آجاتا اور اسے عام حلیے میں دیکھ کر نجانے کیا سمجھتا۔ اسے ایک ہفتہ قبل اپنی کزن شازیہ کی کہی بات یاد آ گئی جب بھابھی اسے مایوں بٹھانا چاہتی تھیں۔

"رہنے دو تہمینہ! اس کی کون سی پہلی شادی ہے پھر

پچھلی بار بھی تو مایوں بیٹھی تھی اس بار نہ بیٹھے گی تو کون سی قیامت آجائے گی۔" لوگ مزاج کے لبادے میں کتنا گہرا طنز کر جاتے ہیں یہ اس نے اسی پل میں جانا تھا شکست خوردہ سی نگاہ بھابھی پر ڈال کر وہ پلکیں جھکا گئی ایک اسی بات نے ساری ہمت کھینچ لی تھی پھر آنے والے دنوں میں وہ بھابھی کی ہر بات مانتی چلی گئی۔ آف وائیٹ وال پر سرکتی اس کی نظر ولید قاسم کی تصویر پر جا رکی بلاشبہ بلیک ہائی نیک میں وہ بہت وجیہہ لگ رہا تھا اور یقیناً" آج اس کی وجاہت کو چار چاند لگے تھے کیونکہ اس نے کئی کزنز کو اس متعلق کہتے سنا تھا۔

"ویسے زینب! تم ہو بہت خوش قسمت دوسری بار بھی کس شان سے بارات آئی ہے تمہاری۔" پتا نہیں یہ رشک تھا یا...

"بھئی ظاہر ہے زینب کے ارمان تو پہلی دفعہ ہی پورے ہو گئے تھے لیکن ولید کی تو پہلی شادی ہے نا۔" جانے کس نے کہا تھا اور محفل کشت زعفران بن گئی تھی وہ بھابھی سے کہنا چاہتی تھی مگر وہ ان سب کو ڈپٹ رہی تھیں۔

"یار چھوڑو ان سب باتوں کو۔ زینب! تم یہ بتاؤ ولید نے تم سے پہلی بار اظہار عشق کب کیا تھا۔" اس کی ماموں زاد کاشفہ اشتیاق سے اس کے پاس آ بیٹھی اور اس کا دل چاہا تھا کہ اس پل ساری مصلحت بالائے طاق رکھ دے اور دھاڑیں مار مار کر روئے کاشفہ کہہ رہی تھی۔

"تم دونوں اتنا عرصہ ایک ہی گھر میں رہتے رہے ہو کوئی بات تو ایسی ہو گی جو بات شادی تک پہنچی۔"

"تم یہ سب ولید سے ہی پوچھ لینا۔" بھابھی نے ان سب کو وہاں سے اٹھا دیا اور اس کے اندر بوند بوند ٹپکتا غصہ سوراخ کرنے لگا تھا اور اب جبکہ وہ اس کی دلہن کی حیثیت سے اس کے کمرے میں موجود تھی تو سوراخ کھائی کی صورت اختیار کر گیا تھا۔ اسے اپنے گل بوٹوں سے مزین ہاتھوں سے غلیظ بو آ رہی تھی تن سے لپٹا میرون عروسی جوڑا اسے خون رنگا لگ رہا تھا خون ہی تو تھا اس کی امیدوں کا' اس کے بھروسے اور مان کا اور قاتل کون تھا؟ ولید۔ ولید قاسم۔ جس کے کمرے میں داخل ہوتے ہی وہ تیزی سے اٹھی تھی اور قد آدم آئینے کے سامنے رک کر زیورات اتارنے لگی تھی۔

☆ ☆ ☆

جس پل وہ کمرے میں داخل ہوا زینب نہایت اطمینان سے بیٹھی تھی مگر جیسے ہی اس نے دروازہ لاک کیا وہ اسپرنگ کی طرح اچھل کر بیڈ سے اتری تھی اس سے قبل وہ گھونگھٹ پلٹنا نہیں بھولی تھی۔ وہ چند لمحے وہیں کھڑا اسے تکتا رہا پھر جیب سے والٹ اور دیگر ضروری اشیاء نکال کر میز پر ڈالیں اور صوفے پر نیم دراز ہو کر بہت سہولت سے ٹانگیں میز پر پھیلا گیں اب وہ نہایت اطمینان سے سر کے پیچھے ہاتھ باندھے اسے نوچ نوچ کر زیورات اتارتا دیکھ رہا تھا جس کے ہر انداز سے وحشت ٹپک رہی تھی۔ ولید اسے پکارنا چاہتا تھا مگر نجانے کیا چیز زبان کو تالو سے چپکائے ہوئے تھی۔ اپنا سجا سنورا روپ کس بیدردی سے اجاڑ رہی تھی وہ۔ اتنا صبر بھی نہیں کر رہی تھی کہ وہ نظر بھر کر دیکھ ہی لے۔ پتا نہیں کیوں وہ اتنی متنفر ہو گئی تھی حالانکہ کوئی غلط تمنا تو نہیں کی تھی اس نے اور تمنا بھی ایسی جسے حاصل کرنے میں اس کے اردگرد کے سبھی لوگ اس کا ساتھ دے رہے تھے۔ وہ تو اس کی مرضی کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہتا تھا مگر ماں جی کا خیال تھا کہ شادی کے بعد سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا اور اس نے بھی امید پر اپنی دنیا قائم کر لی تھی۔

"اگر تم اطمینان سے بیٹھ کر میری بات سن لو تو شاید بہت سے معاملات سلجھ سکتے ہیں۔" اسے واش روم کی طرف جاتا دیکھ کر وہ ایک دم بولا۔ زینب نے مڑ کر ایک قہر زدہ نظر اس پر ڈالی۔

"شاید نہیں یقیناً" سلجھ سکتے ہوں گے مگر مجھے تمہارے ساتھ کوئی معاملات نہیں سلجھانے۔" اس کے انداز میں سرد سی قطعیت تھی۔

"کیوں؟" وہ ایک پل بھی ضائع کیے بنا اس کے سامنے آیا تھا۔

"کیونکہ یہ شادی ماں جی کی مرضی سے ہوئی ہے پھر شعیب بھائی کی زبردستی کی وجہ سے لہٰذا مجھے تم سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" دو ٹوک لہجے میں کہہ کر وہ واش روم میں گھس گئی۔ ولید نے ایک گہری سانس ہوا کے سپرد کی تھی۔

"تم نے کسی اور کی مرضی کے آگے سر جھکایا ہو گا ہمیں تو ہمارے دل نے کہا تھا۔" وہ خود بخود مسکرایا۔

"ٹھیک ہے زینب بی بی! ہم بھی دیکھیں گے کہ تم کب تک اپنی انا کا پرچم بلند رکھتی ہو۔" اس کی نگاہیں واش روم کے دروازے سے ٹکرا کر پلٹ آئیں زینب باہر آئی تو وہ گردن تک کمبل تانے اطمینان سے سو رہا تھا پتا نہیں کیوں مگر وہ اندر تک تپ گئی اگرچہ پہلے بھی ارادہ صوفے پر رات گزارنے کا تھا مگر اب تو سخت تذلیل کا احساس ہو رہا تھا۔ تیز تیز بالوں میں برش یوں پھیرا گویا سارا غصہ ادھر ہی نکال دینا ہو۔ دھاڑ سے الماری کھولی کھینچ کھانچ کر کمبل نکالا۔ اسی دھاڑ سے بند کیا۔ راستے میں آئے ٹیبل کو ٹھوکر ماری پھر تکلیف سے لب بھینچ لیے۔ ساری رات صوفے پر لیٹے کراکٹر گئی۔ رہ رہ کر ولید پر غصہ آ رہا تھا۔ اتنا نہ ہوا کہ آ کر کہہ دے تم بیڈ پر سو جاؤ۔ میں صوفے پر سو جاتا ہوں۔

تھک کر اٹھ بیٹھی۔ دونوں گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹ لیے۔ گھور گھور کر کھا جانے والی نظروں سے گھورتی رہی جس کے چہرے پر بچوں جیسی معصومیت تھی۔

"بے ادب نہ ہو تو۔ بڑی ہوں میں اس سے اور بڑوں کا احترام تو لازم ہے۔" جھنجلا کر کمبل سر تک تان لیا پھر جب صبح موذن نے پہلی اذان دی تب اس کی آنکھ لگی خواب میں اس نے وحید کو دیکھا جو بڑی پرہمی سے اس کے سامنے کھڑے تھے جبکہ وہ منمنا رہی تھی پھر وہیں کہیں ولید بھی آ گیا۔ زینب کو اس کے چہرے پر بڑی خباثت نظر آئی وہ دھیرے دھیرے چلتا اس کے پاس آیا تھا پھر پورے استحقاق سے اس کے شانوں کے گرد اپنا بازو پھیلا دیا تھا وہ مچل کر وحید سے التجا کرنے لگی تبھی وحید نے پیروں سے ہوائی چپل اتاری اور ان دونوں کی طرف یوں بڑھے جیسے قصائی بکرے کی طرف بڑھتا ہے انہوں نے کھینچ کر زینب کو ولید کے شکنجے سے آزاد کروایا اور اس کے بعد دھپ دھپا دھپ... ولید کی شامت آ گئی۔

"مت ماریں وحید' چھوڑ دیں وحید' بچہ ہے۔" وہ انہیں روکنے کو آگے بڑھی اسی چکر میں ٹھاہ کر کے ایک ضرب اس کی کمر پر لگی اور وہ چیخ مار کر اٹھ بیٹھی سانس بےحد غیر متوازن' دھڑکن ڈگمگاتی ہوئی اور چہرہ عرق زدہ۔

اس نے پوری آنکھیں کھول کر گردن ادھر ادھر گھمائی۔ وحید کہیں نہیں تھے البتہ ولید آئینے کے سامنے کھڑا بےحد حیرانگی سے اسے دیکھ رہا تھا ہاتھ میں ہیئر برش تھا اور کمرے میں ٹائم پیس کے الارم کی آواز گونج رہی تھی۔ کھڑکھڑاتی آواز ذہن پر کوڑے برساتی رہی۔

"کیا ہوا زینب!... اور کون بچہ... کس کا بچہ۔" ولید نے جھک کر تشویش سے اس کے زرد رو چہرے کو دیکھا وہ ابھی تک سانس بحال نہیں کر پائی تھی۔

"وہ... وہ وحید..." سراسیمگی چہرے سے ہویدا تھی ایسا لگ رہا تھا کہ وحید ابھی کہیں سے نکل کر سامنے آئیں گے اور اسے مارنے لگیں گے۔

"اس کے ذہن سے تو شاید کبھی وحید لالہ نہیں نکلیں گے۔" ولید ایک دم سیدھا ہوا۔

"شادی مجھ سے ہوئی ہے اور خواب ابھی تک وحید لالہ کے دیکھے جا رہے ہیں بھگتو ولید میاں! محبت کرنے کی یہی سزا ہے۔" وہ بڑبڑایا ایک دم ہی ولید کو وحید لالہ سے بے تحاشا جلن محسوس ہوئی تھی۔

"شعیب بھائی اور تہمینہ بھابھی ناشتا لے کر آئے ہیں۔ اٹھ کر فریش ہو جاؤ۔"

زینب کے حواس بیدار ہو چکے تھے سو ایک اچٹتی نگاہ اس پر ڈالی جس کے چہرے پر اب خفگی رقم تھی۔

"کاش وحید دونوں چپل اتار لیتے تو میں بھی اس ولید کے بچے کا حشر بگاڑتی۔" اس نے دانت کچکچائے اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں سو رہی تھی مر نہیں گئی تھی جو مردوں کو

جگانے والا الارم لگایا تھا۔" الارم بند کرتے ہوئے اس نے ایک نگاہ کبھی گلاب کی نیم جان پتیوں پر نہ ڈالی تھی جو اپنی بے قدری پر اب تک ماتم کناں تھیں ولید نے اسے دیکھا اور قد آدم آئینے کے سامنے جا رکا۔

"پچھلے آدھے گھنٹے میں 'میں آپ کو تقریباً" پانچ بار آوازیں دے کر جگانے کی کوشش کر چکا ہوں مگر آپ تو یقیناً" پورا اصطبل بیچ کر سوئیں تھیں۔" اجنبی انداز میں گہرا طنز تھا۔

"کاش یہ اونٹ بھی اس وقت نظر آجاتا۔" وہ بڑبڑا کر واش روم میں گھس گئی اور جب ٹھنڈے یخ پانی سے نہا کر باہر نکلی تو بری طرح کانپ رہی تھی۔ بھائی بھابھی سے وہ نارمل انداز میں ملی تھی۔ شعیب بھائی نے اس کی پیشانی پر پیار کیا تھا۔

"کتنی پیاری لگ رہی ہے نا ہماری بٹی۔" انہوں نے بھابھی سے کہا تھا اور لہجے کی شفقت محسوس کر کے زینب نے ان کے سینے پر سر رکھ دیا تھا۔ ذرا سی نظر اٹھا کر قریب کھڑے ولید قاسم کو دیکھا گرے کلر کے کرتا شلوار میں وہ بہت خوش نظر آرہا تھا زینب جھنجھلا سی گئی جب وہ خود خوش نہیں تھی تو اسے بھی خوش ہونے کا حق نہیں پہنچتا۔

"زینب! منہ دکھائی میں کیا ملا؟" اس کی اکتائی صورت دیکھ کر بھابھی اس کی طرف جھکیں اس نے گھبرا کر ولید کو دیکھا جو اس وقت دیگر کزنز کے ساتھ باتیں کرنے میں مشغول تھا اسے مناسب جواب نہیں سوجھ رہا تھا۔

"کیا دیا ہے ولید نے تمہیں؟" بھابھی نے اسے پھر ٹہوکا دیا تو وہ سر جھکا کر کلائی میں پڑی چوڑیوں سے کھیلنے لگی۔

"کچھ بھی نہیں۔"

"ہیں کچھ بھی نہیں۔" وہ چونکیں پھر کچھ سوچ کر ولید کی طرف گھومیں۔

"تم نے زینب کو کچھ بھی نہیں دیا۔" یہ سوال انہوں نے شعیب اور کزنز کے باہر جانے کے بعد کیا تھا۔

"ارے واہ کچھ بھی نہیں کیوں؟ اپنا آپ ان محترمہ کو سونپ دیا کیا یہ کافی نہیں ہے۔" اس نے سرسری مگر گہری نگاہ اس پر ڈالی جو اس وقت دنیا جہاں کی سنجیدگی چہرے پر سجائے نئی نویلی دلہن کی بجائے اماں دادی بنی بیٹھی تھی۔

"وہ تو ٹھیک ہے مگر کافی نہیں ہے تمہیں کچھ اور بھی گفٹ دینا چاہیے تھا۔"

"وہ کیوں؟"

"منہ دکھائی کا تحفہ الگ ہوتا ہے۔"

"کوئی سوبار تو یہ صورت دیکھ ہی چکا ہوں میں پھر اب کیوں الگ سے تحفہ دیتا؟"

اس نے بہت شریر انداز میں بھابھی سے دریافت کیا تھا زینب کو ہتک کا شدید ترین احساس ہوا زبان کی نوک تک تو بہت کچھ آیا تھا مگر بھابھی کے خیال سے چپ رہی۔ بھابھی ہنس رہی تھیں۔

"ضرور سو بار دیکھی ہو گی مگر دلہن بنی تو پہلی بار ہی دیکھی ہے نا۔"

"کیوں ولید! وحید بھائی کی شادی میں نہیں دیکھا تھا زینب کو؟" اسی پل ولید کی چچا زاد شازمین نے اندر داخل ہوتے ہوئے پوچھا تھا۔ ولید اور بھابھی نے ایک ساعت میں زینب کو دیکھا وہاں کے تاثرات تو قعات سے کچھ کم نہ تھے۔

"بالکل دیکھا تھا مگر تب دل نہیں بھرا تھا تبھی تو دوبارہ دیکھنے کا بندوبست کیا ہے۔" حد درجہ اطمینان سے جواب دے کر وہ اٹھا اور وارڈ روب کے داہنی کیبنٹ سے ہرا مخملیں کیس نکال لایا جسے کھول کر بھابھی کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

"یہ ہے' رات پہنا نہیں سکا تھا لہٰذا اب پہنا دیتا ہوں۔" سب کی موجودگی کی پروا کیے بغیر اس نے گولڈ نیکلس زینب کے گلے میں پہنا دیا تھا ساتھ ہی کڑے بھی تھے جنہیں ایک ہی کلائی میں ڈال کر وہ اس کا ہاتھ تھام کر بیٹھ گیا تھا۔ بھابھی کو ایک گونا سکون ہوا جبکہ زینب کو یہ چونچلا ہٹ بالکل نہ بھائی تھی اور شازمین بظاہر مسکراتے ہوئے اپنے دل کو تھپکیاں

دے رہی تھی۔ ولید جیسے شاندار بندے کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیکھنے کا خواب تو اس نے بھی دیکھا تھا۔

☆ ☆ ☆

"ہائے یہ کیا کر رہی ہو تم؟" ماں جی کی دلخراش ہائے پر اس کے ہاتھ سے کفگیر چھوٹ گیا وہ جھٹکے سے پیچھے نہ ہٹی ہوتی تو یقیناً" گرم مسالے سے اس کے پاؤں پر تجریدی آرٹ کا بہترین نمونا بن گیا ہوتا۔

"تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے زینب' کیا کر رہی ہو تم؟" وہ صدمے کے اثر سے نکل کر اب کسی قدر غصے سے پوچھ رہی تھیں۔

"کھانا پکا رہی ہوں ماں جی!" کفگیر اٹھاتے ہوئے اس نے کسی قدر استعجاب سے جواب دیا کیونکہ ان کی وجہ ناراضگی سمجھ نہیں پائی تھی۔

"کس گدھے نے کہا ہے یہ سب کرنے کو۔" انہوں نے کفگیر اس کے ہاتھ سے لے کر اسے ایک طرف ہٹا دیا۔

"کیا تم ہمارے خاندان کی رسموں سے ناواقف ہو؟ معلوم ہے نا تمہیں کم سے کم بھی ایک مہینہ تک نئی دلہن سے کام نہیں کروایا جاتا۔" وہ اسے یاد دلا رہی تھیں زینب کو ہنسی آگئی۔

"بھلا اب ہنس کیوں رہی ہو؟"

"میں کہاں کی نئی دلہن ہوں ماں جی ایک عرصہ سے اس گھر میں رہ رہی ہوں کام کرنے کی اتنی عادت پڑ گئی ہے کہ فارغ نہیں بیٹھ سکتی۔"

"پاگلوں جیسی باتیں مت کرو زینب!" وہ ڈپٹ کر بولیں۔ "ابھی ایک ہفتہ ہی تو ہوا ہے تمہاری شادی کو میں مانتی ہوں کہ بہت عرصہ تم وحید کے حوالے سے اس گھر میں آتی رہی ہو مگر اب بات دوسری ہے پھر ولید کیا سوچے گا میری نئی نویلی دلہن کو کام پر لگا دیا۔" اب کے انہوں نے بات کو مزاح کا رنگ دینا چاہا مگر وہ مسکرا بھی نہ سکی۔

"پھر آرام کرنے کے لیے تو چند دن ہیں اس کے بعد تو سب کچھ تم ہی کو سنبھالنا ہے اور کتنے دن ہوں میں یہاں؟" انہوں نے گہرا سانس بھرا تو وہ آزردہ سی ہو کر ان سے لپٹ گئی۔

"کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ۔ خدا آپ کا سایہ ہمارے سروں پر ہمیشہ قائم رکھے۔"

"لاحول ولا۔" انہوں نے جھرجھری لی پھر اسے خود سے الگ کرتے ہوئے بولیں۔

"خاطر جمع رکھو۔ تمہارے بچوں کی شادیاں کیے بغیر اس دنیا سے جانے والی نہیں ہوں میں۔"

"جی۔۔۔"

"جی۔" وہ بولیں۔ "میں تو یہ کہہ رہی تھی کہ کچھ دنوں میں سارا گھر تم ہی کو سنبھالنا پڑے گا کیوں کہ حیدر میرا ویزہ بھجوا رہا ہے اور اگلے ماہ میں دبئی جا رہی ہوں۔"

"کیوں جا رہی ہیں ماں جی۔" وہ پریشان سی ہو گئی تھی۔ "یہاں کوئی تکلیف ہے آپ کو میرا مطلب ہے میری یا ولید کی وجہ سے؟"

"ارے نہیں میرے بچے! بھلا اپنے گھر میں کیا تکلیف ہو گی۔" وہ اسے ساتھ لگاتے ہوئے بولیں۔ "اس کی بیوی کے لیے جڑواں بچوں کو سنبھالنا مشکل ہو رہا ہے، تبھی مجھے بلایا ہے ورنہ وہ کب ماں کو یاد کرتا ہے۔" وہ نالاں دکھائی دے رہی تھیں مگر ماں تو ماں ہوتی نا۔ بچوں کی غلطیاں کب غلطیاں لگتی ہیں۔

"پھر ذاتی بزنس چلانا کوئی آسان کام ہے وہ بیچارا ابھی کیا کرے۔ اسی موئے بزنس کی وجہ سے بھائی کی شادی میں شرکت بھی نہیں کر سکا۔" ان کے خاموش ہونے پر وہ افسردہ سی ہو گئی حیران تو خیر تھی ہی۔

"آپ نے پہلے ذکر ہی نہیں کیا کہ دبئی جا رہی ہیں۔"

"ولید نے نہیں بتایا تمہیں؟"

"نہیں۔۔۔ ہاں۔۔۔ بتایا تھا۔" اس نے بات بنائی کہ اپنے تعلق کی سرد مہری کو کمال خوب صورتی سے سب کے سامنے بہترین بنا رکھا تھا۔ پھر مزید ایک ہفتہ ہی گزرا تو اس کی اکتاہٹ عرش کو چھونے لگی۔

"بس بہت ہو چکا ماں جی! اب میں مزید ہاتھ پر ہاتھ

رکھ کر نہیں بیٹھ سکتی۔ آج کھانا میں بناتی ہوں۔" اس نے چند لفظوں میں مدعا سمیٹا تو وہ گھور کر بولیں۔

"چپکی بیٹھی رہو۔"

"ماں جی پلیز۔" وہ عاجزی سے بولی۔ "میں حد درجہ بوریت محسوس کر رہی ہوں بھلا آپ خود بتائیں کہ میں کیا کروں؟"

"گھومو پھرو عیش کرو۔ تم دونوں کی حرکتیں مجھے کچھ مشکوک لگ رہی ہیں شادی کے ابتدائی دن تو ہوتے ہی گھومنے پھرنے کے لیے ہیں تم دونوں کو تو خدا ہی سمجھے۔ دعوتوں کو بھی منع کر رکھا ہے میں پوچھتی ہوں دفتر سے اتنی دیر سے آنے کی کیا تک ہے؟" کمان کا رخ چینل سرچنگ کرتے ولید کی طرف ہوا تو وہ اطمینان سے بولا۔

"آفس میں کام بہت ہے ماں جی..."

"ہاں ہاں سارا آفس تمہارے ہی کندھوں پر سوار ہے۔"

"اچھا کیا چاہتی ہیں آپ؟" وہ ہنوز ٹی وی اسکرین پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔

"میں کیا چاہوں گی مگر... پہلے اس ٹی وی کو تو بند کرو۔" ولید نے والیم بہت کم کر دیا البتہ آف نہیں کیا تھا وہ کچھ دیر دل ہی دل میں بیٹے کی عقل پر ماتم کرتی رہیں پھر اکتا کر بولیں۔

"زینب کو کہیں گھما لاؤ۔" ولید نے زینب کو دیکھا جو اکتاہٹ کا شکار تھی۔

"چڑیا گھر تو اس نے دیکھ رکھا ہے۔" وہ مذاق میں ہی بات ٹال دینا چاہتا تھا کیونکہ جانتا تھا کہ زینب کبھی جانے پر راضی نہ ہوگی۔ زینب نے اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورا آج کل ویسے بھی مذاق سمجھنے کی صلاحیت کم ہو گئی تھی۔

"ولید!" ماں جی نے اسے تنبیہی انداز میں گھورا تو وہ ہنسنے لگا۔

"شاہدرہ اور اچھرہ یہ جا چکی ہے۔ شاہی قلعہ، بادشاہی مسجد اور مینار پاکستان بھی دیکھ رکھے ہیں۔" وہ انگلیوں پر گنوانے لگا وہ ماں جی کی طرف متوجہ تھا مگر اس کے باوجود زینب کے تاثرات اسے اندر ہی اندر محظوظ کر رہے تھے۔

"یوں کر میرے لال! ہڑپہ اور موہنجو داڑو کی بکنگ کروا لے شادی کے فوراً بعد گھومنے پھرنے کے لیے اس سے زیادہ اچھی جگہ پورے پاکستان میں ہے ہی نہیں۔" ماں جی جل کر بولیں زینب کو اس جواب نے بڑا سکون دیا تھا جبکہ ولید کا قہقہہ چھت پھاڑ تھا۔

"اچھا کل ہم بھاٹی گیٹ جائیں گے ناشتا کرنے۔" اسے زینب کی تلملاہٹ مزہ دے رہی تھی جس نے تپ کر کہا تھا۔

"بھاٹی گیٹ کی بجائے لاہوری منڈی چلیں گے لسی پینے۔" اس نے فقرہ دانتوں تلے چبا ڈالا تھا ولید کی ہنسی دبانے کی کوشش ناکام ہوئی جا رہی تھی ماں جی نے باری باری دونوں کو دیکھا ان کی سنجیدگی ماں جی کو حیران کر رہی تھی۔

"تم دونوں کی کہیں مت تو نہیں ماری گئی۔"

"آپ خفا مت ہوں۔ زینب سے پوچھ لیں یہ جہاں جانا چاہے گی میں لے جاؤں گا۔" اس نے مزید جلانے کا ارادہ موقوف کرتے ہوئے سارا بار اس کے کندھوں پر ڈال دیا۔ ماں جی جھنجلا گئیں۔

"کیوں تمہارا منہ دکھتا ہے پوچھتے ہوئے؟" انہیں شک سا گزرا۔ وہ دونوں ان کے سامنے ایک دوسرے کو بس منہ توڑ جواب ہی دیتے تھے۔

"رہنے دیں ماں جی! مجھے کہیں بھی نہیں جانا۔" وہ دروازے کی طرف بڑھی۔

"لاہوری منڈی بھی نہیں۔" اپنے پیچھے اس نے ولید کی آواز سنی تھی اور کوئی بھی جواب دیے بنا کمرے میں گھس گئی۔

"بس اتر گیا دو دن میں عشق کا بھوت... یہ نہیں کہتا کہ اپنے سے بڑی عمر کی بیوی کو ساتھ باہر لیجاتے شرم آتی ہے۔" بدگمانی ہر پہلو خود ہی تلاش کر لیا کرتی ہے وہ بیڈ پر لیٹی تھی یک دم کنپٹی کے قریب نمی سی محسوس ہوئی اس نے چھو کر دیکھا۔

"ارے میں رو کیوں رہی ہوں؟" وہ حیران ہوئی پھر

جھنجلا کر اٹھ بیٹھی۔

☼ ☼ ☼

عجیب خاموش سی شام دھرتی پر اتری تھی آشیانوں کو لوٹتے پرندے بھی کیسے اداس اور اسی کی طرح کوفت زدہ لگ رہے تھے۔ وہ کتنی ہی دیر ٹیرس کی ہری گرل کے پاس کھڑی مشرقی افق پر پھیلتے سیاہی مائل بادلوں کو دیکھتی رہی حتیٰ کہ شام بھی اندھیرے میں تحلیل ہو گئی اپنے گرد گرم شال اچھی طرح لپیٹ کر وہ نیچے آ گئی۔ ولید کے آنے میں ابھی کچھ دیر تھی اس نے سارے گھر کی لائیٹس آن کیں اور لاؤنج میں آ گئی۔ ابھی ٹی وی آن کیا ہی تھا کہ فون گنگنا اٹھا دوسری طرف ولید تھا جس نے سلام کا جواب دیتے ہی کہا تھا۔

"میں پندرہ بیس منٹ میں آ رہا ہوں تم تیار رہنا آج فاطین نے اپنے گھر ڈنر پر انوائیٹ کر رکھا ہے۔"

زینب نے ناگواری سے لب بھینچ لیے اس خیال سے جو ذرا خوشی ہوئی تھی کہ ولید نے اس کی تنہائی کے خیال سے فون کیا ہو گا۔ اب ساری دھری رہ گئی دل تو چاہا کہہ دے مجھے کہیں نہیں جانا مگر اچھا کہہ کر ریسیور رکھ دیا ایسی کوئی خاص تیاری تو کرنی نہیں تھی اس نے براؤن کرتا، پاجامے کا انتخاب کیا جس کے ساتھ فل ایمبرائیڈڈ دوپٹہ تھا سوٹ کی مناسبت سے ہلکی سی جیولری پہن لی اور میک اپ اس نے نسبتاً "ڈارک" کیا تھا اتنے عرصے بعد بہت دل سے تیار ہوئی تھی سو اپنا آپ اچھا لگ رہا تھا شیگی کٹ بالوں کو اس نے یونہی کھلا چھوڑ دیا تھا۔ ولید پندرہ منٹ کی بجائے پورے پینتالیس منٹ بعد آیا تھا اور آتے ہی جلدی مچا دی تھی راستے میں اس نے فریش ریڈ روزز کا بوکے اور چاکلیٹ کیک خرید کر اسے تھما دیا تھا۔ فاطین کے گھر فاطین اس کی دو چھوٹی بہنوں اور والد نے ان کا استقبال کیا تھا۔

"بہت خوب صورت لگ رہی ہو تم۔" گال سے گال ملا کر ــ بوسہ دیتے ہوئے فاطین نے کہا تھا اس نے بس مسکرا کر تعریف قبول کر لی۔ فاطین کے بابا نے اس کے سر پر پیار دیا تھا وہ بہت ہی شاندار پرسنیلٹی اور باغ و بہار طبیعت کے مالک تھے۔ زرمین اور نوشین بھی بے حد اچھی تھیں وہ ان لوگوں کے ساتھ بہت اچھا وقت گزار رہی تھی ہر دو منٹ بعد کوئی ایسی بات ہوتی جو اسے ہنسنے پر مجبور کر دیتی اور وہ ہنستی ہی چلی جاتی کھانا بھی بہت اچھے ماحول میں کھایا گیا تھا اسے اندازہ ہوا کہ یہاں آنا ناحق نہیں گیا ماں جی کے جانے سے وہ بہت تنہائی محسوس کرنے لگی تھی پھر عبدل بھی کچھ دنوں کے لیے گاؤں گیا ہوا تھا۔ کھانا کھانے کے بعد فاطین اسے اپنا اسٹوڈیو دکھانے لے گئی تھی وہ فائن آرٹس میں ماسٹرز کر رہی تھی اس کی بنائی ہوئی پینٹنگز دیکھ کر بہت متاثر ہوئی تھی اور اس کا برملا اظہار بھی کر دیا تھا فاطین اس کی بات سن کر ہنسنے لگی پھر بولی۔

"میرے پاس تمہارے لیے ایک سرپرائز ہے زینب!" اپنی بڑی بڑی آنکھیں پھیلا کر اس نے تجسس پھیلانا چاہا تو وہ مسکرا کر بولی۔

"اچھا... کیا؟"

"ادھر آؤ۔" وہ اسے ایک کونے میں لے گئی پھر اس نے ایک تصویر اٹھا کر زینب کے سامنے کر دی۔

"ارے... یہ تو میں ہوں۔" زینب کو خوشگوار سی حیرت ہوئی فاطین اپنے کارنامے پر خود ہی بہت خوش ہو رہی تھی۔

"ہاں بھئی یہ تم ہی ہو... میں نے بنائی ہے یہ تصویر۔" اس نے بتایا۔

"ایکچوئیلی تمہارے چہرے کے ایک ایک نقش کے بارے میں مجھے ولید نے بتایا تھا بس میں نے اندازے سے تصویر بنا دی۔" فاطین تصویر پر نظریں ٹکائے شاید تنقیدی جائزہ لے رہی تھی جبکہ اس کا ذہن پہلی بات میں اٹک گیا تھا۔

"میری اور ولید کی نیٹ فرینڈ شپ ہوئی تھی آہستہ آہستہ دوستی بڑھتی گئی پھر ملاقات ہوئی اور اب ہم بیسٹ فرینڈز بن چکے ہیں یونو ہم جب بھی ملتے تھے ولید سب سے زیادہ تمہارے بارے میں ہی باتیں کرتا تھا اور میں احمد کے بارے میں۔" وہ رکی پھر بولی۔

"زینب! تم پلیز ہماری فرینڈ شپ کو غلط مت سمجھنا۔ ہم لوگ صرف دوست ہیں اور احمد سمجھتا ہے کہ۔۔۔" وہ خاموش ہو کر ہونٹ چبانے لگی یکدم وہ بہت افسردہ نظر آنے لگی تھی زینب نے اس کا ہاتھ بہت پیار سے تھام لیا۔

"میں جانتی ہوں کہ تم دونوں صرف دوست ہو پلیز۔۔۔ پلیز تم روؤ مت۔" وہ گھبرا کر بولی۔

"اس کی وجہ یہ ہے کہ تم ولید کی محبت سے واقف ہو۔" وہ افسردگی سے ہنسی۔

"تو کیا احمد تمہاری محبت سے واقف نہیں ہے؟"

وہ احمد کو نہیں جانتی تھی مگر فاطین کے انداز سے جان گئی تھی فاطین نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا تو وہ بولی۔

"خیر تم فکر مت کرو میں ولید سے کہوں گی وہ احمد کو سمجھا۔۔۔"

"اب اس کی ضرورت نہیں ہے۔" فاطین نے اس کی بات کاٹ دی۔

"ہماری منگنی ٹوٹ چکی ہے۔"

"اوہ۔" زینب چپ سی رہ گئی جبکہ فاطین ہنستے ہوئے کھڑی ہو گئی۔ "میں بھی کیا قصہ لے کر بیٹھ گئی۔ احمد نہیں تو کوئی اور ہی سہی چلو باہر چلتے ہیں وہ ولید مجھے کوس رہا ہو گا کہ نجانے میں اس کی بیوی کو کہاں لے گئی۔" بعض اوقات انسان اندر کا حال چھپانے کے لیے ہنسی کا سہارا لیتا ہے اور اسے لگا کر فاطین بھی ایسا ہی کر رہی ہے ہر حال وہ اس کے ساتھ باہر آ گئی۔

"بہت خوش قسمت ہو تم زینب! کیونکہ تمہیں ولید جیسا ہزبینڈ ملا ہے مگر تم سے بھی زیادہ خوش قسمت ولید ہے کیونکہ اسے تم ملی ہو۔" کاریڈور سے گزر کر لونگ روم کی طرف جاتے ہوئے فاطین نے کہا تھا اور وہ یہ کمنٹس سن کر بہت زور سے ہنسی تھی ان کی واپسی بہت دیر سے ہوئی تھی راستہ بھر وہ منتظر ہی رہی کسی ستائشی جملے کی مگر۔۔۔ اور اس کی وجہ وہ خود بھی سمجھ نہیں پا رہی تھی یہ وہی ولید تو تھا جسے وہ بچہ سمجھتی تھی اور جس سے شادی نہ کرنے کے لیے اس نے بہت احتجاج کیا تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ کچن سے فارغ ہو کر بیڈ روم میں آئی تو ادھ کھلے دروازے سے آتی ولید کی آواز نے اسے ٹھٹھکنے پر مجبور کر دیا۔

"میں نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ تم اچھی خاصی ہو زینب کو چھوڑ کر تم سے شادی کر لیتا ہوں مگر تم نے کوئی رسپانس ہی نہیں دیا۔" زینب کا سر گول گول گھومنے لگا پیشانی پر کئی ایک سلوٹیں پڑ گئی تھیں۔ ولید کے بارے میں اس کی سوچ قدرے مثبت ہو گئی تھی مگر اب۔۔۔ دوسری طرف سے نجانے کیا کہا گیا تھا جس پر ولید بہت زور سے ہنسا تھا۔

"ارے نہیں بھئی۔ تمہاری خوب صورتی کا تو میں قائل ہوں یاد ہے اس دن ریسٹورینٹ میں وہ ساٹھ سال کا بابا کیسے پیچھے پڑ گیا تھا وہ تو شکر کرو وہاں میں آ گیا۔" گویا نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے۔ اس کا دل دھڑا دھڑ چیخنے لگا۔ وہ پھر ہنس رہا تھا۔

"سوچ لو مجھ سا شاندار بندہ تمہیں چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملے گا۔"

"تم اشارہ تو کرو میں کل ہی تم سے شادی کر لوں گا۔" زینب نے گھومتے سر کو سنبھالتے ہوئے دروازے کا سہارا لینا چاہا تو وہ کھلتا ہی چلا گیا وہ تیزی سے وہاں سے ہٹ گئی۔ ولید نے اسے تیزی سے جاتے دیکھا پھر مسکراہٹ دبا کر بولا۔

"طینا! میں تمہیں کچھ دیر بعد رنگ کرتا ہوں۔" فاطین کیوں، کیوں ہی کرتی رہی گئی اور اس نے ریسیور رکھ بھی دیا لاؤنج میں جھانکا پھر کچن میں۔ لیکن زیادہ تردد کرنا نہیں پڑا تھا کھلے ہوئے لکڑی کے منقش دروازے کے باہر وہ سیڑھیوں میں بیٹھی نظر آ گئی تھی۔ اتنی دور سے بھی اس کے چہرے سے جھانکتا تفکر وہ چکا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکان بکھرتی چلی گئی وہ واپس بیڈ روم کی طرف بڑھ گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"آخر یہ تم کرتی کیا پھر رہی ہو زینب!"

"ہیں۔۔۔ کیا کیا ہے میں نے؟" اس نے حیرت سے سر اٹھایا۔

"ولید شوہر ہے تمہارا؟" تہمینہ نے اسے باور کروایا تھا۔

"معلوم ہے۔" حلق میں جاتی چائے یکدم ہی بے حد کڑوی ہو گئی تھی بھابھی کچھ دیر خاموشی سے اسے دیکھتی رہیں پھر متانت سے بولیں۔

"معلوم ہے تو الٹی سیدھی حرکتیں کیوں کرتی ہو ایک بات بتاؤ زینب! آخر روز روز ولید سے جھگڑنے کا کیا مطلب ہے؟"

"اوہ تو آپ اس کی وکالت کرنے آئی ہیں۔"

"میں اس کی وکالت نہیں کر رہی زینب، صرف نہیں سمجھا رہی ہوں مجھے یقین ہو چلا ہے کہ اگر تم دونوں کے جھگڑوں کی یہی رفتار رہی تو یہ شادی جسے کچھ ایک مہینہ ہوا ہے ٹوٹنے میں ایک پل بھی نہیں لگے گا۔" وہ اسے تاریک پہلو دکھا رہی تھیں اور وہ تو پہلے ہی ہراساں تھی مزید دہل گئی۔

"خدا نہ کرے۔"

"انشاء اللہ ایسا نہیں ہو گا۔" بھابھی نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ "لیکن زینب اس کے لیے تمہیں اپنا رویہ بدلنا ہو گا۔"

"آپ کہنا کیا چاہ رہی ہیں بھابھی! اور غلطی میری نہیں ہے جھگڑے کی ابتدا ہمیشہ اس کی طرف سے ہوتی ہے۔" اس نے احتجاجاً کہا۔

"وہ ابتدا کرتا ہے تو تم تصفیہ کر لیا کرو۔ میرا جھگڑا بھی ہوتا ہے تمہارے بھائی کے ساتھ۔ مگر میں تمہاری طرح دو بدو جواب نہیں دیتی۔" وہ کچھ دیر سر جھکائے انگلیاں مروڑتی رہی پھر سر اٹھا کر بولی۔

"وہ بھی تو خاموش ہو سکتا ہے آخر کو چھوٹا ہے مجھ سے۔"

"بوم۔" وہ دھاڑیں پھر اس کی نقل اتار کر ہنسیں۔ "چھوٹا ہے مجھ سے۔ آخر کب تک تم عمر کا لحاظ لے کر بیٹھی رہو گی صرف دو سال چھوٹا ہے وہ۔ دس برس چھوٹا ہوتا تب بھی رتبہ اسی کا بڑا ہونا تھا۔ احمق نہ ہو تو۔ میں تمہیں وارن کر رہی ہوں زینب! تم اگر اسی چھوٹائی بڑائی کے چکر میں پڑی رہیں نا تو ضرور اپنا گھر برباد کر لو گی۔۔۔ احمق وقت گزر جائے تو کچھ ہاتھ نہیں آتا۔"

"خدا کے لیے بھابھی مجھے مت ڈرائیں۔" اس کی آنکھوں میں موتی چمکنے لگے۔

"یہی خوف کھائے جا رہا ہے مجھے پہلے وحید کو خدا نے چھین لیا اور اب ولید۔۔۔" اس کے کانوں میں وہ گفتگو سائرن کی طرف گونجنے لگی۔

بھابھی نے اسے روتے دیکھا تو بہت پیار سے اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا پھر اس کی پیشانی کو ہونٹوں سے چھو کر بولیں۔

"محبت کرنے لگی ہو نا اس سے۔"

"میں پہلے بھی اس سے محبت کرتی تھی مگر۔۔۔"

"مگر پہلے وہ تمہارا دیور تھا اب شوہر ہے۔" انہوں نے بات کاٹ دی۔ "سوچو ذرا کیا گزرتی ہو گی اس بیچارے کے دل پر جب وہ تمہیں اس حلیے میں دیکھتا ہو گا۔" آج وہ اسے آئینہ دکھانے کے موڈ میں تھیں۔

"میرے حلیے کو کچھ مت کہیں۔" وہ آنکھیں صاف کرتے ہوئے بولی اندر خفگی بھرا تھا۔

"وہ مجھے دیکھتا ہی نہیں ہے دل پر کیا خاک گزرے گی۔" بھابھی نے امڈتی مسکراہٹ کو بڑی مشکل سے روکا۔

"اسے تو بس اپنے آفس میں کام کرنے والی لڑکیاں نظر آتی ہیں یا پھر اپنی یونیورسٹی فیلوز کی شان میں قصیدے پڑھ سکتا ہے وہ۔ کبھی کبھی تو مجھے لگتا ہے میری طرح اسے بھی اس شادی کے لیے ماں جی نے مجبور کیا ہو گا ورنہ اس کا ایک سے بڑھ کر ایک معاشقہ مجھے ازبر ہے ہر قصہ مجھے ہی سناتا تھا۔ اس کی آنکھیں حسین ہیں تو اس کا کامپلیکشن نہایت خوب صورت ہے۔ فلانی ماہ جبین ہے تو لانی مہ سیما۔ میں جانتی ہوں اب بھی اسے وہی نظر آتی ہیں۔" اب کی بار بھابھی ہنسی روک نہیں پائیں ہنسیں تو پھر ہنستی ہی

چلی گئیں۔
"کیوں ہنس رہی ہیں بھابھی" اس نے جھنجھلا کر ٹوکا۔
"سنا ہے دن میں کم سے کم ایک گھنٹہ قہقہے لگانے سے صحت پر بہت اچھا اثر پڑتا ہے بس اسی لیے۔" وہ بے حال ہوتی جا رہی تھیں۔
"یہ شغل کسی اور وقت کے لیے اٹھا رکھیے۔"
"تم کیا کہہ رہی تھیں ولید تمہیں دیکھتا نہیں ہے۔" انہوں نے آنکھیں رگڑیں جو لبالب بھر گئی تھیں۔
"جب بیوی تمہاری جیسی سر جھاڑ منہ پہاڑ ہو گی تو شوہر بیچارا الانیوں فلانیوں کو ہی دیکھے گا نا۔"
"آپ ہر بار مجھے ہی غلط قرار کیوں دیتی ہیں؟"
"اس لیے کہ غلط تم ہی ہو۔"
"جی نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اسے کوئی اور پسند آ گئی ہے۔" بالآخر اس نے کہہ دیا۔
"ہیں کیا مطلب ....." بھابھی ایک دم سیدھی ہوئیں تو اس نے ساری بات بتا دی جسے سنتے ہی انہوں نے سر پیٹ لیا۔
"اتنی بڑی بات اور تم مجھے اب بتا رہی ہو۔ سچ سچ بتاؤ پچھلے ایک ہفتے سے اسی لیے یہاں آ کر بیٹھی ہوئی ہو نا۔" اس نے اثبات میں سر ہلا دیا تو وہ غصے سے بولیں۔
"تم سے بڑا احمق تو اس دنیا میں کوئی نہ ہو گا۔ اب اس سے پہلے کہ وہ سچ مچ دوسرا نکاح کرے تم فوراً اپنے گھر چلی جاؤ بلکہ میں ولید کو فون کر دیتی ہوں وہ تمہیں لے جائے گا۔" انہوں نے بات کو زیب داستان کے لیے بہت بڑھا دیا تھا زینب نے کچھ سوچ کر سر ہلا دیا۔
"آپ رہنے دیجیے میں ہی فون کر دیتی ہوں۔" وہ ٹیلی فون سیٹ اپنے قریب گھسیٹ کر بولی اور جانے سے قبل اسے شعیب بھائی اور بھابھی سے اپنے غلط رویے اور سخت لفظوں کے لیے معافی مانگنی تھی۔

☆ ☆ ☆

کار کی پرحدت فضا میں خاموشی گونج رہی تھی اور وہ مجسم کان بنی بیٹھی تھی شاید وہ کہے میں نے تمہیں مس کیا تھا ایک رات بھی سکون سے نہیں سو سکا کھانا کھاتے ہوئے بھی تم یاد آتی رہیں یہ سات دن میں نے بڑی مشکلوں سے کاٹے ہیں وغیرہ وغیرہ۔
مگر سارا راستہ وہ یوں سنجیدگی سے ونڈ اسکرین سے باہر بچھی سڑک پر نظریں گاڑے رہا تھا گویا اس سے بڑھ کر ضروری کام اور کوئی نہ ہو۔ اب تو وہ لوگ لاہور میں داخل ہو کر اپنی کالونی کی حدود میں بھی داخل ہو چکے تھے۔
"بدتمیز کہیں کا کیا میں نہیں جانتی اسے۔ اگر مجھے یاد کرتا رہا ہے تو کہہ کیوں نہیں دیتا۔ ہونہہ انا جو آڑے آتی ہے۔" وہ اندر ہی اندر جھنجھلاتی رہی تبھی گاڑی گیٹ کے سامنے رک گئی مگر وہ ٹھس انداز میں بیٹھی رہی۔ ولید نے کچھ پل اس کے اترنے کا انتظار کیا پھر حیرت سے اسے دیکھا وہ حد درجہ اطمینان سے بیٹھی تھی۔
"کیا ساری رات کار میں ہی گزارنی ہے۔" اس کے پوچھنے پر وہ ٹھٹھکی پھر خجل سی ہو کر اتر گئی۔
"گیٹ اچھی طرح بند کر لینا چوکیدار نوکری چھوڑ گیا ہے۔ میں کچھ دیر میں آؤں گا۔"
چابیاں اسے تھما کر وہ کار بھگا لے گیا۔ وہ اندر آئی کچھ دیر کمر سیدھی کی جو بیٹھے بیٹھے اکڑ گئی تھی پھر کپڑے تبدیل کیے اور اپنے لیے چائے بنا کر لاؤنج میں آ گئی ٹی وی آن کر کے وہ ولید کا انتظار کرنے لگی آج وہ ہر معاملہ نمٹا دینا چاہتی تھی وال پر سجے کلاک نے چھ بجنے کا اعلان کیا تو وہ صوفے پر لیٹ گئی پھر نجانے کب آنکھ لگ گئی۔ آنکھ کھلی تو ساڑھے دس بج رہے تھے وہ حیران ہوتی اٹھ بیٹھی ایسی بے سدھ ہو کر سوئی تھی کہ وقت گزرنے کا بھی علم نہ ہوا تھا۔ وہ ولید کو سوچ کر پریشان ہو گئی جو اب تک نہ آیا تھا۔ ساڑھے گیارہ بجے اس کی واپسی ہوئی۔
"یہ کوئی وقت ہے گھر آنے کا۔" اسے دیکھتے ہی وہ برس پڑی حالانکہ سوچ لیا تھا کہ غصہ نہیں کرے گی مگر

پھر بھی کوفت نے غصے میں مبتلا کر دیا۔
"تم اب تک میرے انتظار میں جاگ رہی ہو؟" ولید کے لہجے میں استعجاب استفہام تھا زینب سلگ کر رہ گئی۔
"نہیں موت کے فرشتے کے انتظار میں جاگ رہی تھی۔" کچھ جواب صرف سوچنے کے لیے ہوتے ہیں۔
"کھانا کھاؤ گے... لگا دوں۔"
"نہیں میں کھا کر آیا ہوں۔" وہ کمال رکھائی سے بولا۔
"اچھا چائے پیو گے۔" زینب نے غصے کے ابال کو اندر ہی دبایا ولید نے رخ موڑ کر اپنی مسکراہٹ چھپائی اور احسان کرنے والے انداز میں بولا۔
"دل تو نہیں چاہ رہا البتہ اگر تم پینا چاہ رہی ہو تو تمہارا ساتھ ضرور دوں گا۔" زینب سر ہلا کر کچن میں چلی گئی اور وہ بیڈ روم میں آ گیا اسے زینب کے رویے میں بڑی خوش گوار سی تبدیلی محسوس ہوئی تھی جو تیر اس نے چلایا تھا وہ نشانے پر لگا تھا وہ کپڑے تبدیل کر کے لاؤنج میں آ گیا پھر کچھ سوچ کر کچن میں، زینب برنر کے قریب کھڑی تھی اس کی پشت دروازے کی جانب تھی۔ وہ وہیں چوکھٹ سے شانہ ٹکا کر اسے دیکھنے لگا۔
"لمبی ہے غم کی شام مگر شام ہی تو ہے۔" اس کے لبوں نے بے آواز حرکت کی پھر کھل کر مسکرا دیے۔ بلیک کھدر کے سادہ سے سوٹ میں بھی اس کا سراپا بے حد دلکش لگ رہا تھا۔ شاید یہ محبت کا خاص اعجاز ہوتا ہے کہ دل میں بسنے والے ہر حال، ہر انداز میں اچھے لگتے ہیں۔ استحقاق کہیں اندر ہی اندر انگڑائیاں لینے لگا تھا کوئی خوش کن جملہ زبان کی نوک پر مچل اٹھا تھا اس نے نگاہ چرا لی مگر پھر جیسے بے بس ہو گیا۔ آج اتنے دنوں بعد اسے دیکھ کر دیکھتے رہنے کو جی چاہ رہا تھا وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا اس کے پیچھے جا رکا۔ ایک بے اختیاری سی اسے اپنے گھیرے میں لے رہی تھی۔ اس کی نظریں سیاہ بالوں سے جھانکتی صراحی دار گردن پر ٹھہر گئیں جہاں ننھا سا تل مثل ماہ مسکرا رہا تھا بس ایک پل تھا جو اسے اس چاند کے اپنا صرف اپنا ہونے کا یقین دلا گیا اس نے شہادت کی انگلی سے ریشمی پردہ ہٹا دیا اور ...
زینب کرنٹ کھا کر بہت تیزی سے مڑی تھی ولید اس کے بے حد نزدیک کھڑا تھا بس ایک ہی لمحہ تھا جو اس کا سب کچھ لے گیا۔ بے اختیاری سی بے اختیاری تھی اس کا ہاتھ اٹھا اور ولید کے گال پر نادیدہ نقش چھوڑ گیا اپنی اس جسارت پر وہ خود بھی حیران پریشان سی سن رہ گئی۔ ولید گال پر ہاتھ رکھے ہکا بکا اسے دیکھ رہا تھا۔
"کیا اسے اندازہ تھا کہ وہ کیا کر چکی ہے؟"
ولید کے اندر اشتعال کی تیز ترین لہر دوڑ کر چہرے پر سرخی رقم کر گئی وہ جبڑے مضبوطی سے ایک دوسرے پر جمائے، مٹھیاں بھینچے اسے غضب ناک نگاہوں سے دیکھ رہا تھا وہ ہونٹوں پر ہاتھ رکھے شلف سے لگی کھڑی تھی شرمندگی اور سراسیمگی جیسے اثرات نے اس کے دل پر سوکھے پتے جیسا لرزہ طاری کر دیا تھا چائے ابل کر مزید آگ کو بھڑکانے لگی زینب کو لگ رہا تھا کہ ابھی ولید کوئی چھری اٹھا کر اس کی شہ رگ کاٹ دے گا ورنہ "تھپڑوں کی بارش تو لازما" ہو گی مگر اس نے کچھ بھی ایسا نہیں کیا تھا بلکہ وہ مڑا تھا اور تیزی سے راستے میں آئی ہر چیز کو ٹھوکر مارتا باہر نکل گیا تھا۔
"ولید۔" وہ جیسے خوف سے نکل کر اس کے پیچھے بھاگی لیکن اس نے نہیں سنا اور گیٹ کھولتا ہوا باہر نکل گیا۔

☆ ☆ ☆

اس کی آنکھ کھلی تو لونگ روم کے کونوں کھدروں میں سے نکل کر بھائیں بھائیں سناٹا بول رہا تھا۔ ملگجے سے اجالے نے اسے احساس دلایا کہ وہ بہت دیر تک سوتی رہی ہے اس کا سر اس وقت بے حد بھاری ہو رہا تھا شاید روتے رہنے کا اثر تھا۔ ولید ساری رات گھر نہیں آیا تھا اور اس وقت گیارہ کا وقت تھا وہ بے دم ہو کر خود ہی کو کوسنے لگی ابھی پل فون کی گھنٹی نے اسے متوجہ کیا تھا کسی خوش گمانی کے زیر اثر اس نے جھپٹنے کے سے انداز میں ریسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا دوسری

طرف بھابھی تھیں جن کی آواز سنتے ہی وہ بے اختیار رونے لگی تھی وہ ایک آن میں گھبرا گئیں۔

"مجھے آپ بہت یاد آرہی ہیں۔" ان کے بار بار استفسار پر وہ یہی کہہ سکی۔

"اف میں سمجھی ولید نے سچ مچ دوسری شادی کر لی۔"

"ابھی تک کی تو نہیں ہے مگر اب شاید کر لے۔" اس کے دل میں گونج ابھری اور آنسو ایک تواتر سے بہنے لگے دوسری طرف بھابھی نجانے کون سی تسلیاں دے رہی تھیں۔

"بھابھی آپ یہاں آجائیں پلیز مجھے... مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔" اس نے کہا انہیں ساری حقیقت بتا کر وہ مزید شرمندہ نہیں ہو سکتی تھی معلوم جو تھا کہ ادھر سے بھی لعن طعن ہی ملے گی۔

"ارے ڈرنے کی کیا بات ہے بھئی ویسے میں نے تمہیں یہ بتانے کے لیے فون کیا تھا کہ میں اور شعیب کوئٹہ جا رہے ہیں میری امی کا آپریشن ہے نا... اچھا ولید کہاں ہے؟" انہوں نے رک کر پوچھا تو وہ پل بھر کو خود بھی چپ سی رہ گئی کیونکہ اس بات سے تو وہ خود بھی ناواقف تھی۔

"ولید گھر پر نہیں ہے۔"

"ہیں اتنی جلدی باہر چلا گیا ابھی ایک منٹ پہلے ہی تو وہ مجھ سے بات کر رہا تھا پھر لائن کٹ گئی۔" وہ حیران ہو رہی تھیں جبکہ زینب اپنی جگہ سے یوں اچھلی جیسے کرنٹ لگا ہو پھر تیزی سے بولی۔

"اپنی امی کو میری طرف سے پوچھیے گا بھابھی اور آپ لوگ اپنا خیال رکھیے گا اللہ حافظ۔" وہ پکارتی ہی رہ گئیں مگر اس نے ریسیور رکھ دیا۔ صوفے پر لاوارثوں کی طرح جھولتا دوپٹہ کندھوں پر ڈالا اور ولید اور اپنے مشترکہ بیڈ روم کی طرف آگئی دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھے اگلے کئی پل اسے اس خوف کی نذر کرنے پڑے تھے جو ارد گرد منڈلا رہا تھا دل الگ دھڑ دھڑا دھڑ کر رہا تھا اس نے اندر ہی اندر آیت الکرسی کا ورد شروع کیا اور نہایت احتیاط سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی ولید اوندھے منہ بیڈ پر لیٹا ہوا تھا زینب نے بے اختیار جھرجھری سی لی وہ اتنی ٹھنڈ میں بغیر شرٹ کے لیٹا ہوا تھا۔ قریب ہی سفید سنگ مرمر کی ایش ٹرے سگریٹ کے ٹکڑوں سے بھری پڑی تھی اسے دھچکا سا لگا مگر جلد ہی وہ اس کیفیت سے نکل آئی کیونکہ پچھلے دو ڈھائی ماہ اس نے دانستہ اس شخص سے بیگانہ ہو کر گزار دیے تھے اس نے اپنے دل کو بڑے پیار سے سہلایا اور تکلف تسلی دے کر اس کے قریب چلی آئی۔

"ولید۔" بہت ڈرتے ڈرتے اس نے دھیرے سے پکارا مگر جواب موصول نہ ہوا تو اس نے اپنا ہاتھ اس کے شانے پر رکھ دیا جسے بڑی بے دردی اور نفرت سے جھٹک دیا گیا تھا۔ ولید نے ٹانگیں بیڈ سے نیچے لٹکا دیں اور ساتھ ہی اخروٹی رنگ کی شرٹ پہن لی۔ زینب ابھی لفظ ہی ڈھونڈ رہی تھی جب وہ شرٹ کے بٹن بند کرتا ہوا اٹھا ایک پل میں اس کے دل میں گمان جاگا کہ وہ چلا جائے گا مگر اس نے دروازہ چوپٹ کھول دیا اور واپس آکر بیٹھ گیا ظاہر ہے اسے جانے کا حکم دیا جا رہا تھا۔

"میں جانتی ہوں ولید کہ تم مجھ سے بہت خفا ہو مگر پلیز ایک بار میری بات..."

"مجھے تمہاری کوئی بات نہیں سننی جسٹ گیٹ آؤٹ آف ہیئر۔" اس کی بات کاٹ کر وہ بولا انداز و آواز میں لہو منجمد کر دینے والی سرد مہری تھی وہ کبھی بھی اس سے اس انداز میں بات نہیں کرتا تھا زینب کو آج اس کے لہجے و انداز کی نرمی و محبت کا اندازہ ہو رہا تھا وہ اسے دیکھے گئی جو اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔ ہاتھ میں پانی کی بوتل تھی جس سے بڑے بڑے گھونٹ غالباً "غصہ کم کرنے کے لیے پیے جا رہے تھے۔

"مجھے اپنی غلطی کا احساس ہے کیا تم مجھے..." اس کی بات پھر قطع کر دی گئی مگر اس بار ولید نے کچھ بھی کہنے سے گریز کیا تھا بوتل سائیڈ ٹیبل پر پٹخ کر وہ دروازے کے قریب جا کر یوں کھڑا ہو گیا تھا جیسے اس کے جانے کا منتظر ہو۔ مارے بے بسی کے وہ رونے لگی

نچلا ہونٹ دانتوں تلے کچلا جا رہا تھا۔

"پلیز ولید صرف ایک بار میری بات سن لو۔" اس نے روتے ہوئے التجا کی۔

"مجھے تمہاری کوئی بات نہیں سننی۔" ولید نے ہر لفظ دانتوں تلے چباڈالا تھا۔

"مجھے تمہاری کسی بھی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے بہتر ہو گا کہ تم یہاں سے چلی جاؤ ورنہ شاید میں خود پر قابو نہ رکھ پاؤں۔" اس نے پہلی بار زینب کی طرف دیکھا اور اس کی روح تک لرز گئی دبے دبے تنبیہی لہجے میں کتنی درشتی اور برہمی تھی اور آنکھیں... آنکھیں بے حد سرخ ہو رہی تھیں گویا سارا غصہ اور نفرت وہیں سمٹ آئی ہو۔ زینب کے حلق میں کانٹے اٹک گئے اور پیشانی پر عرق چمکنے لگا اس نے کچھ کہنا چاہا مگر لفظ آواز میں ڈھل ہی نہ سکے دروازے کا ہینڈل چھوڑ کر ولید بڑے جارحانہ انداز میں اس کی طرف بڑھا وہ ہراساں ہو کر پیچھے ہٹی مگر اس سے بھی پہلے ولید نے اسے بازو سے پکڑ کر کمرے سے باہر دھکیل دیا وہ خزاں گزیدہ پتے کی طرح لڑکھڑا کر دیوار سے ٹکرائی اور جب تک سنبھلی دروازہ ایک زوردار چیخ مار کر خاموش ہو چکا تھا وہ کسی ہارے ہوئے جواری کی طرح بند دروازے پر نظروں سے دستک دیتی دیوار کے ساتھ لگی نیچے بیٹھتی چلی گئی وہ اب رو نہیں رہی تھی۔ اسے رونا آ بھی نہیں رہا تھا مگر دل تو لرزیدہ تھا نا جو چیخ چیخ کر زیاں کا احساس دلا رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ باہر نکلی تو فضا کی خاموشی چھٹ کر بادلوں کا روپ دھار چکی تھی۔ گہرے رنگ کے بادل آسمان کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک نہایت خباثت سے مسکرا رہے تھے یقیناً "اب شہر میں بارش کا غل مچنا تھا۔ وہ برآمدے میں لان سے منسلک ٹھنڈی یخ سیڑھیوں میں بیٹھ کر سامنے والی دیوار سے لپٹی بیل کو دیکھنے لگی جس کے اکا دکا کاسنی پھول ہوا کی یخ بستگی سے تھرتھرا رہے تھے۔ لان کی وہ حد جو پورچ کو لان سے الگ کرتی تھی علیک کی لمبی لمبی ٹہنیوں کو گود میں اٹھائے ساکت کھڑی تھی۔ اوس سے بھیگی گھاس بھی دبی دبی سی تھی جس وقت آسمان سے پہلا قطرہ اس زمردیں گھاس پر گرا تب ہی ایک گرم آنسو اس کے گال پر لکیر چھوڑ گیا تھا وہ انتہائی بے بسی کے عالم میں روتی ہی چلی گئی غلطی جب اپنی ہو تو انسان کسی اور کو الزام دے کر بھلا کیسے بری الذمہ ہو سکتا ہے۔

"میں ولید کو منالوں گی معافی مانگ لوں گی اس سے۔" وہ خود ہی کو تسلیاں دینے لگی پھر چھاجوں چھاج برستے مینہ اور ٹھنڈی یخ ہوا نے اسے وہاں سے اٹھنے پر مجبور کر دیا تھا اندر عبدل اپنی سرخ رضائی ارد گرد لپیٹے ٹی وی کے عین سامنے بیٹھا نہایت انہماک سے نجانے کون سی پنجابی فلم دیکھ رہا تھا وہ ولید کو دیکھ کرنا چاہتے ہوئے بھی وہیں دروازے میں رک گئی جو بہت عجلت بھرے انداز میں فون پر بات کر رہا تھا پھر اس نے ریسیور رکھا اور عبدل کے پاس جا کر نجانے کیا کہا تھا پھر اسی عجلت بھرے انداز میں اس کے قریب سے نہایت اجنبیت سے گزر کر باہر چلا گیا تھا۔

"عبدل! کہاں گئے ہیں تمہارے صاحب؟" اس نے بہت جھجکتے ہوئے پوچھا تھا مگر عبدل کی ساری دلچسپی فلم میں تھی۔

"ایئرپورٹ گئے ہیں جی۔"

"ایئرپورٹ؟" اس کا دھیان ماں جی کی طرف گیا تھا۔

"وہ جی پنڈی سے مہمان آرہے ہیں ان کو لینے گئے ہیں۔" عبدل نے والیم بڑھا دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"قمر بھائی کو یہاں لاہور میں کچھ آفیشل کام کے سلسلے میں آنا تھا میں نے سوچا کچھ میری آؤٹنگ بھی ہو جائے گی تبھی چلی آئی۔" ناشتا کرتے ہوئے شازمین نے بتایا تھا۔

"بہت اچھا کیا بھئی۔" ولید نے مسکرا کر کہا کپوں میں چائے انڈیلتے ہوئے زینب نے ذرا سی نگاہ اٹھا کر

ولید کو دیکھا وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھا قمر تو صبح ہی صبح اپنے کام کے سلسلے میں چلے گئے تھے جبکہ ولید نے محض شازمین کی خاطر آفس جانا کینسل کیا تھا اور اس بات کا اظہار دانستہ یا نادانستہ کر بھی دیا گیا تھا۔

آج پورے تین دن گزر گئے تھے ان دونوں کو آپس میں بات کیے اور اب شازمین کی آمد نے اسے بالکل ہی پابند کر دیا تھا پچھلے کچھ دن اس نے اپنے پرانے بیڈ روم میں گزارے تھے اور اب وہ ہنوز صوفے کو بیڈ بنائے ہوئے تھی ساری رات بیڈ خالی پڑا رہتا کیونکہ ولید اسٹڈی کو بیڈ روم بنائے ہوئے تھا اسے دوبارہ بات کرنے کا موقع ہی نہیں ملا کیونکہ شازمین کو سارا لاہور دوبارہ سے دیکھنے کا شوق ہوا تھا رات کو اول تو وہ بہت دیر سے آتا اور آتے ہی اسٹڈی میں گھس جاتا تھا اس دن بھی وہ کسی کام سے روم میں آئی تو ولید وارڈ روب کھولے ٹائی میچ کر رہا تھا۔ دروازہ کھلنے کی آواز پر اس نے گردن موڑ کر دیکھا پھر واپس گردن موڑ کر اپنے کام میں مگن ہو گیا تھا۔ زینب نے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر دیا مگر اب ہمت نہیں ہو رہی تھی اگلا قدم اٹھانے کی سو وہیں کھڑی نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے اسے دیکھتی رہی جو اب قد آدم آئینے کے سامنے کھڑا فٹافٹ ٹائی کی ناٹ لگا رہا تھا۔ زینب ہولے ہولے چلتی اس کے پیچھے آن رکی۔ شیشے میں اس لمبے چوڑے شخص کا عکس اس کے عکس کو چھپائے ہوئے تھا۔ چہرے پر ایسی سنجیدگی جو کم سے کم زینب کے لیے نئی اب ہرگز نہ رہی تھی۔ ولید اب بالوں میں برش کر رہا تھا برش رکھ کر اس نے پرفیوم کی طرف ہاتھ بڑھایا مگر اس سے پہلے ہی زینب نے پیچھے سے ہاتھ بڑھا کر بوتل اٹھالی اور اس کے اور آئینے کے بیچ حائل ہو گئی۔ کیمل کلر کی شرٹ پر لگے براؤن بٹنوں پر نظر جمائے بھی وہ ولید کے تاثرات جان سکتی تھی اس سے پہلے کہ وہ پرفیوم اسپرے کرتی ولید نے اس کے ہاتھ سے بوتل جھپٹ لی۔ زینب نے خائف ہو کر سوکھا حلق تر کیا۔

"محبت میں کیا معاف کرنے کی گنجائش نہیں ولید؟" ولید نے اسے بہت طنز بھری نظروں سے دیکھ کر پرفیوم پٹخا اور بیڈ پر بیٹھ کر جلدی جلدی جوتے پہننے لگا۔

"پلیز ولید... صرف ایک بار میری بات سن لو۔" اس کی آواز میں نمی سی گھل گئی تھی۔

"مجھے تمہاری کوئی بات نہیں سننی۔" نہایت روکھے انداز میں کہہ کر وہ اسٹڈی میں چلا گیا اور فوراً ہی فائل لے کر واپس آیا۔

"میں جانتی ہوں کہ میں ایسا کوئی حق نہیں رکھتی مگر کیا تم مجھے اس محبت کے واسطے بھی معاف نہیں کرو گے جو تمہیں مجھ سے تھی۔" اور بلا آخر اس نے اپنی ہتھیلیاں اس کے سامنے جوڑ دیں۔ وہ گڑگڑا رہی تھی مگر ولید کے اعصاب کے تناؤ میں چنداں فرق نہ آیا۔ چہرے پر سنجیدگی اور سرد مہری کھدک کے رہ گئی تھی۔ زینب کی آنکھوں سے برستے آنسو بھی اس کے لیے جیسے بارش سے زیادہ اہمیت نہ رکھتے تھے وہ اس کے چہرے پر اپنی آنکھیں گاڑے کھڑا تھا جن میں تازہ الاؤ کی سی تپش تھی اور جن کی حدت زینب نے اپنے اندر تک محسوس کی تھی تبھی تو اس کی پلکیں لرزنے لگی تھیں۔

"دیکھو ولید..."

"ولید ہمیں دیر ہو رہی ہے۔" تڑاخ سے دروازہ کھول کر شازمین اندر آئی تھی زینب نے تیزی سے آنکھیں رگڑ ڈالیں۔ پلکیں جھکاتے ہوئے اس نے ولید کی سرد مہری کو گہری دلفریب مسکراہٹ میں بدلتے دیکھا تھا۔

"میں بس آ ہی رہا تھا۔" ولید کی چہکتی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی تھی پھر شازمین کی کھنک دار ہنسی۔

"ارے کہیں میں مخل تو نہیں ہوئی۔"

"ارے نہیں یار! خیر چلو ہمیں دیر ہو رہی ہے۔"

"اوہ ہاں چلو۔ اچھا زینب آپا اللہ حافظ۔" بھاری جوتوں کے ساتھ ہائی ہیل کی ٹک ٹک پھر دروازہ بند ہونے کی آواز کہیں دور کار اسٹارٹ ہوئی اور سکوت چھا گیا کچھ دیر بعد زینب نے گردن موڑ کر دیکھا وہ دونوں کب کے جا چکے تھے اور اب وہ کمرے میں تنہا تھی۔

"زینب آپا۔" اس کے لبوں نے بے آواز حرکت کی تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ نہایت اطمینان سے چینل پر چینل بدل رہی تھی۔ ایک سکون تھا آزادی کا احساس تھا جو اسے اپنے گھیرے میں لیے ہوئے تھا ابھی کچھ دیر قبل اس نے عبدل سے ڈھیر سارے لطیفے سن کر قہقہے لگائے تھے پھر جب ہنستے ہنستے تھک گئی تھی تو اسے پکوڑے تیار کرنے کا آرڈر دے دیا تھا اور اب ٹی وی اسکرین پر نظریں جمائے وہ مسلسل ولید اور اس کے متوقع رویے کو سوچ کر دل ہی دل میں محظوظ ہو رہی تھی۔ پھر اس نے ولید کی کار کا مخصوص ہارن سنا تو چونکی ہو کر بیٹھ گئی مگر انداز ابھی بھی لاپروا سا تھا ولید اندر آیا اور آتے ہی عبدل کو آواز دی تھی۔ زینب کی چونکہ اس کی جانب پشت تھی اس لیے چہرے کے تاثرات جان نہ سکی البتہ آواز کی کرختگی نے اسے عجیب سا احساس دلایا تھا۔ ولید نے عبدل کو سگریٹ لانے کے لیے کہا تھا اور اس کے جانے کے بعد اس کے سر پر آ کھڑا ہوا تھا۔

"تم نے شازمین سے کیا کہا ہے؟" ہاتھ میں پکڑا کوٹ صوفے پر پھینک کر اس نے سینے پر بازو باندھ لیے زینب نے سر اٹھا کر اسے قدرے حیرت سے دیکھا۔

"میں نے شازمین سے کچھ بھی نہیں کہا ہے۔" ولید نے اسے مشکوک نظروں سے گھورا پھر لفظ چبا کر بولا۔

"کیا تم نے اس سے چلے جانے کے لیے نہیں کہا؟"

"نہیں۔" وہ اطمینان سے بولی۔ "میں نے صرف یہ کہا تھا کہ لاہور میں اس کے کچھ اور رشتے دار بھی مقیم ہیں۔" اس کا انداز سراسر خبر دینے والا تھا ولید سلگ کر رہ گیا۔

"تم..." وہ جانے کیا کہنے جا رہا تھا۔

"وہ صرف ہم لوگوں سے ملنے لاہور آئی تھی..."

"تصحیح کر لو ولید!" وہ ٹوک کر بولی۔ "شازمین ہم سے نہیں بلکہ صرف تم سے ملنے لاہور آئی تھی اور میرا خیال ہے دو ہفتے ملنے ملانے کے لیے کافی ہوتے ہیں اب اسے کچھ دن اپنے ماموں کے گھر قیام کرنا چاہیے۔" اس کا انداز بے حد دل جلانے والا تھا اور وہ واقعی جل گیا۔

"تم انتہائی کم عقل اور ال مینرڈ عورت ہو زینب۔"

"ہاں میں ہوں کم عقل اور ال مینرڈ بھی۔" اس کا غصہ بھی باہر آ گیا تھا۔

"ایک کام کرو مسٹر ولید! اپنی اسی زیادہ عقل والی اور ویل مینرڈ شازمین کو لے آؤ اس گھر میں پھر جی بھر کر اس کے ساتھ ہوٹلنگ کرنا، سینما جانا اور رات کو دو، دو ڈھائی، ڈھائی بجے واپس آنا۔ کوئی روک ٹوک نہیں کرے گا پھر تم جی بھر کر عیش کرتے رہنا۔"

"شٹ اپ۔" وہ دھاڑا تھا سارا اعتراض ہی اس لفظ عیش پر تھا پھر خود کلامی کے سے انداز میں جھنجلایا۔

"نجانے کس جاہل سے پالا پڑا ہے۔" وہ جو اس کے یوں دھاڑنے پر خائف سی ہو گئی تھی زیادہ دیر خاموش نہ رہ سکی۔

"اس جاہل سے شادی کرنے کے لیے میں نے نہیں کہا تھا وہ تم خود تھے جو..." ولید نے اس کی بات نہایت تیزی سے قطع کر دی۔

"جانتا ہوں وہ میری ہی حماقت تھی اور اپنی اس حماقت پر میں اب تک پچھتا رہا ہوں۔" اور زینب کی ساری خوش گمانی دھری کی دھری رہ گئی۔ ولید رخ موڑ چکا تھا وہ ایک جھٹکے سے اٹھی اور اس کے سامنے آ گئی۔

"بہت دیر تو ابھی بھی نہیں ہوئی پھر تم تو خود مختار ہو ولید قاسم! جو چاہو وہ کر سکتے ہو تو پھر چھوڑ کیوں نہیں دیتے مجھے۔ طلاق کیوں نہیں دے دیتے۔" وہ بہت زور سے بولی تھی مگر اس سے بھی زیادہ زور سے ولید کا آہنی ہاتھ اس کے گال پر پڑا تھا وہ جو تن کر کھڑی ہوئی تھی توازن برقرار نہ رکھ سکی۔ وہ کاؤچ پر گری تھی۔

اپنے لرزتے وجود کو سنبھالا دینے کی تو خیر کوئی کوشش نہ کی تھی البتہ وہ اسے دیکھے جا رہی تھی پتا نہیں حیرانگی سے یا دکھ سے۔

"بہت بکواس کرلی تم نے مگر اب ایک لفظ بھی کہا تو میں تمہیں قتل ہی کردوں گا۔"

وہ انگلی اٹھا کر بولا تھا اور پھر کچھ سمجھ میں نہ آیا تو ٹیبل کو ٹھوکر مارتا باہر نکل گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

کتنی ہی دیر بلا مقصد سڑکوں پر کار دوڑاتے رہنے کے باوجود بھی وہ اپنے دماغ میں اٹھتے دھویں کو کم نہیں کرپایا تھا۔ اصل پچھتاوا تو اب ہو رہا تھا۔ ایک اذیت ہی تو تھی جو اس کے اعصاب پر ہتھوڑے کی طرح برس رہی تھی جب وہ گھر سے نکلا تھا تب شام نے اپنا آنچل نہیں پھیلایا تھا اور اب سارا شہر رات کی تاریکی کو مات دینے کے لیے برقی قمقموں سے فروزاں ہو چکا تھا اس نے روڈ کے دوسری جانب بازاروں میں چلتے پھرتے لوگوں کو دیکھا جن کے چہرے آسودگی سے دمک رہے تھے اور کچھ اس جیسے بھی تو تھے اکتائے ہوئے یا جھنجھلائے ہوئے۔ اس نے ایک گہرا سانس کار کی خاموشی اور اکتا دینے والی فضا میں خارج کیا اور کچھ سوچ کر آڈیو پلیئر آن کردیا۔ ابرار الحق کا "پرتو" فل والیم میں گونجنے لگا تھا اس نے تپ کر والیم کم کیا پھر کار کے شیشے کھول دیے ٹھنڈی ہوا اس کے منہ سے ٹکرا کر بھاگنے لگی تھی۔ اس نے دوسری کیسٹ لگائی۔ عدنان سمیع اپنی خمار آلود آواز میں نہایت بھونڈا گانا گا رہا تھا اس نے پھر کیسٹ بدل دی۔ اب کی بار قدرے سکون تھا کیونکہ نصرت فتح علی کی آواز میں "آپ سے مل کر ہم" گونجنے لگا تھا۔

وہ قدرے ریلیکس انداز میں ڈرائیو کرنے لگا کبھی کبھی دل بھی عجیب حرکتیں کرتا ہے خود سے خود ہی باتیں اور بہلو گھڑ کر آپ کے سامنے رکھے جاتا ہے پھر آپ لاکھ چاہیں ان باتوں کو مان لینے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں رہ جاتا۔ اس کے ساتھ بھی یہی ہو رہا تھا۔

کچھ سوچ کر اس نے موبائل اٹھالیا۔ دوسری طرف مسلسل بیل کے باوجود فون ریسیو نہیں کیا جا رہا تھا مگر وہ مستقل مزاجی سے موبائل کان سے لگا کر بیٹھا رہا تھک ہار کر انگیج ٹون آنے لگی تو اس نے دوسری بار نمبر ملایا۔ تیسری بار ٹرائی کرتے ہوئے اس کی انگلیاں ساکت ہوئیں۔ نصرت فتح علی اب "کسے دا یار نہ وچھڑے" گا رہا تھا اس نے جھرجھری سی لے کر موبائل ڈیش بورڈ پر پٹخ دیا اور ہاتھ گرانے والے انداز میں آڈیو پلیئر آف کردیا تھا۔

بے سمت پریشانی جھنجھلاہٹ کا باعث بنتی ہے مگر وہ بے سمت تو نہ تھا اس کے باوجود جھنجھلایا ہوا تھا نجانے خود پر یا اس پر... اور بالآخر تھک کر اس نے کار اس سڑک پر ڈال دی جو اس کے گھر کو جاتی تھی۔ جہاں اس وقت وہ لڑکی تنہا تھی جس سے وہ بے حد و حساب محبت کرتا تھا۔ جس کی آنکھوں میں اسے آنسو اچھے نہیں لگتے تھے۔ جس کی ہنسی سے اسے عشق تھا۔ جس نے ہاتھ جوڑ کر اسے اس کی محبت کا واسطہ دیا تھا اور... اور جسے اس نے بہت زوردار تھپڑ مارا تھا۔

"پھول لے لیں صاحب جی!" سگنل کھل چکا تھا پچھلی گاڑیاں اسے آگے بڑھنے کے لیے ہارن دے رہی تھیں جب دس گیارہ سال کے لڑکے نے جھک کر لجاجت سے کہا تھا۔ پچھلی گاڑیوں کا شور بڑھتا جا رہا تھا۔ ولید قاسم نے والٹ سے روپے نکال کر اس بچے کے ہاتھ پر رکھ دیے۔

☼ ☼ ☼

اس کی توقع کے برخلاف گھر میں داخل ہوتے ہی خاموشی نے اس کا استقبال نہیں کیا تھا سب سے پہلے تو گیٹ پر کھڑے دلدار چوہدری نے سر تک ہاتھ لے جا کر اسے سلیوٹ کیا تھا۔

"کیسے ہو دلدار؟" سر کے اشارے سے سلام کا جواب دیتے ہوئے اس نے پوچھا۔

"اللہ میاں کا کرم ہے صاب۔" پوری بتیسی نکالے دلدار اسے کار لاک کرتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

"اور تمہاری بیوی اب کیسی ہے؟" اسے یاد آیا کہ وہ اپنی بیوی کی بیماری کی وجہ سے چھٹی لے کر گیا تھا دلدار نے مثبت انداز میں سر ہلایا پھر کچھ شرماتے ہوئے بولا۔

"آپ کو بہت، بہت مبارک ہو صاب۔"

"مبارک... وہ کس لیے؟" ولید حیران ہوا۔

"وہ جی... آپ چاچو بن گئے ہو۔"

"چاچو۔" وہ کچھ اور حیران ہوا پھر ایک دم بولا۔

"مگر تمہیں کس نے بتایا۔"

"میری بیوی نے۔"

"تمہاری بیوی نے؟" ولید کی حیرانگی کسی طور کم ہو ہی نہیں رہی تھی پھر جھنجھلا کر بولا۔

"لیکن میرے چاچو بننے کی خبر تمہاری بیوی کو کیسے مل گئی دلدار؟"

"وہ ایسے کہ اللہ میاں نے دلدار چوہدری کو پیاری سی بیٹی دی ہے۔" پیچھے سے آتے عبدل نے مشکل آسان کی پہلے تو ولید چپ سا رہ گیا پھر مسکرا کر بولا۔

"بہت مبارک ہو دلدار! یہ لو بچی کے لیے کچھ لے لینا۔" اس نے والٹ سے پانچ سو کا نوٹ نکال کر دلدار کے ہاتھ پر رکھ دیا پھر کار کی چابی عبدل کو پکڑاتے ہوئے بولا۔

"کچھ کھانے کا سامان ہے نکال لو۔" پھر کچھ یاد آنے پر بولا۔

"اور تم بھی تو گاؤں جا رہے تھے نا آج!"

"جی سر جی! پر اب نہیں جانا۔" بے نیازی سے کہہ کر وہ سامان نکالنے لگا۔

"کیوں؟"

"اندر آئیں جی بتاتا ہوں۔" وہ سامان اٹھا کر اندر کی طرف بڑھا ولید اس کے پیچھے تھا مگر اندر جا کر عبدل کو کچھ بھی بتانا نہیں پڑا منقش دروازہ کھلتے ہی سامنے موجود تخت آج پھر آباد تھا ماں جی کے ساتھ حیدر بھائی نوشابہ بھابی بیٹھے تھے دو ڈھائی سال کے دو بچے مائرہ اور معاویہ بھی تھے۔

"مجھے فون کردیا ہوتا تو میں آپ لوگوں کو لینے ایئرپورٹ آجاتا۔" ماں جی کے گلے میں بازو ڈالے وہ کہہ رہا تھا۔

"ہم نے سوچا تمہیں سرپرائز دے دیں۔" حیدر بھائی پستے چھیل رہے تھے پھر وہ وہیں بیٹھ کر ان لوگوں سے باتیں کرتا رہا جبکہ نظریں مسلسل اسے ڈھونڈ رہی تھیں کچھ دیر بعد وہ کچن سے برآمد ہوئی تھی بمعہ ٹرالی جس میں چائے کے ساتھ لوازمات سجے ہوئے تھے۔

"سوری یار ولید! تم لوگوں کی شادی میں تو ہم شریک نہیں ہوسکے البتہ مبارک تم اب قبول کرلو۔" وہ مسکراتے ہوئے دزدیدہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا جس نے اپنا سارا چہرہ دوپٹے میں چھپا رکھا تھا آنکھیں بے حد سرخ ہو رہی تھیں اس کے دل میں ایک بار پھر شرمندگی یہاں سے وہاں بکھر گئی۔

"ولید! تم زینب کو لے کر ڈاکٹر کے پاس نہیں گئے؟" نوشابہ کے اس سوال پر ولید نے گھبرا کر ایک نظر اس پر ڈالی تھی جو اس کے سامنے چائے کا کپ رکھ کر واپس اپنی جگہ پر جا بیٹھی تھی۔

"ڈاکٹر کے پاس جانے کی کچھ خاص ضرورت تو نہیں تھی۔ بس ہلکا سا فلو ہے خود ہی ٹھیک ہو جائے گا۔" اس سے بھی پہلے زینب نے بات بنائی تو وہ دل ہی دل میں شکر کرنے لگا۔

"ہلکے فلو نے یہ حشر کردیا ہے بھاری فلو کیا کرے گا۔" ماں جی نے گھر کا تو وہ مسکرانے لگی جبکہ ماں جی کہہ رہی تھیں۔

"تم نے میری بچی کا بالکل خیال نہیں رکھا ولید! دیکھو تو کتنی کمزور لگ رہی ہے۔" وہ سچ ہی کہہ رہی تھیں پھر رات دیر تک باتیں ہوتی رہیں اور وہ جو سوچ رہا تھا کہ تنہائی میسر آئے موقع ہی تلاش کرتا رہ گیا دو بجے کے قریب ماں جی نے ان سب کو ڈپٹ کر اٹھایا تو زینب بولی۔

"آج میں آپ کے پاس سوؤں گی۔" ماں جی نے نہال ہوتے ہوئے اسے بانہوں میں بھرلیا اور ولید اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے سوچ رہا تھا۔

"ماں جی بھی غلط ٹائم پر محبت جتاتی ہیں۔" کروٹیں

بدل بدل کر تھک گیا تو اٹھ بیٹھا خالی صوفہ منہ چڑا رہا تھا۔ گھڑی کی سوئیاں ساڑھے تین کے فگو پر ٹک ٹک ناچ رہی تھیں وہ کچھ سوچ کر کچن میں آگیا۔ کچھ دعائیں کتنی جلدی قبول ہو جاتی ہیں برنر کے قریب زینب کو کھڑا دیکھ کر اس کا دل اچھل کر خاموش ہوا تھا۔

"ایک کپ چائے مل سکتی ہے؟" وہیں دروازے میں کھڑے کھڑے اس نے کہا زینب نے گردن موڑ کر اس کی جانب نہیں دیکھا تھا وہ غالبا" پہلے سے یہی کام کر رہی تھی تبھی پین میں کچھ اور دودھ ڈال دیا۔ ولید نے اسے خاموشی سے کام کرتے دیکھا پھر نپے تلے قدموں سے اس کے قریب آگیا ہاتھ بڑھا کر پہلے برنر آف کیا پھر بنا کچھ کہے اس کا ہاتھ تھاما کچن کی لائیٹ آف کی اور سیڑھیاں چڑھ کر اپنے بیڈ روم میں آگیا لاک لگا کر وہ ایک پل کو رکا پھر اس کی طرف پلٹا وہ پلکیں جھکائے زمین میں جانے کیا کھوج رہی تھی ولید نے بڑھ کر اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ دیے۔

"کہو کیسے یقین آئے گا تمہیں میری محبت کا..... مر جاؤں، جان دے دوں اپنی، پھر مانو گی میری چاہت کو۔" اس کی جھکی پلکوں کو نظروں کے حصار میں لیے وہ پوچھ رہا تھا اور اس شکوے میں اپنائیت کا عنصر غالب تھا وہ جو اتنی دیر سے آنکھوں میں دھند سجائے کھڑی تھی خود سے کیا ہوا عہد بھول کر دو قدم آگے بڑھی اور اس کے سینے سے سر ٹکا کر بری طرح رو دی۔ ولید نے چند پل توقف کیا پھر بہت اطمینان اور پیار سے اس کے گرد اپنے بازوؤں کا حصار باندھ دیا تھا کوئی آپ کے سامنے اپنا غم اسی لیے بہاتا ہے کہ اس کے دل میں، آپ کے لیے اپنا غم چھپا لینے کا مان ہوتا ہے۔ اس کے مسکراتے لب زینب کے ریشمی بالوں کو چھونے لگے تھے۔

وہ روتی رہی حتی کہ سسکیاں، ہچکیوں میں بدل گئیں پھر جب اپنی بے اختیاری کا دھیان آیا تو شرمندہ سی ہو کر ایک طرف ہو گئی۔ ولید نے اسے گال رگڑتے دیکھا پھر مسکراہٹ دبا کر بولا۔

"میری بات کا جواب نہیں دیا تم نے۔ مر جاؤں پھر مانو گی۔"

"میں نے ایسا کچھ نہیں کہا۔" وہ وہاں سے ہٹنے لگی مگر ولید نے بازو سے پکڑ کر واپس اپنے سامنے کھڑا کر دیا۔

"تم تو کبھی بھی کچھ نہیں کہتیں کیونکہ تمہاری انا تمہیں کچھ کہنے ہی نہیں دیتی۔" اس کا سارا زور انا پر تھا زینب سلگ کر رہ گئی۔

"یہ سچ نہیں ہے۔" اس نے احتجاج کیا تو وہ تلخی سے ہنسا اور بیڈ پر جا بیٹھا۔

"یہی سچ ہے زینب بی بی! کہ تمہاری اس گردن کو انا کا کلف لگا ہوا ہے جو تمہیں بعد میں بھی روکتی رہی ہے ورنہ..... ورنہ میں نے کوئی غلط کام تو نہیں کیا تھا وہ حق تھا میرا۔" وہ اسے پچھلا قصہ یاد دلا رہا تھا زینب پھر سے رونے لگی وہ وہیں زمین پر دو زانو بیٹھ گئی تھی۔

"تم مجھ پر الزام لگا رہے ہو ولید! میں انا پسند تو کبھی بھی نہیں رہی۔" اس نے آنسوؤں پر قابو پانے کی خفیف سی کوشش کی۔

"مجھے لگا تھا کہ میری طرح تمہیں بھی اس شادی کے لیے مجبور کیا جا رہا ہے..."

"میرے اظہار کے باوجود؟" وہ اس کے سامنے بالکل اسی کے انداز میں بیٹھ گیا تھا۔

"ہاں تمہارے اظہار کے باوجود کیونکہ مجھے تمہاری باتیں صرف جھوٹ لگ رہی تھیں۔ ہمارا ساتھ کوئی دو چار روز کا تو تھا نہیں، ہم لوگ بہت عرصے سے ایک ساتھ تھے اور اس سے پہلے مجھے کبھی ایسا نہیں لگا تھا کہ ... کہ تم مجھ سے دوسری قسم کی محبت کرتے ہو۔" ولید کا قہقہہ بہت بے ساختہ تھا۔

"یہ دوسری قسم کی محبت کیا ہوتی ہے بھئی میں نے تو تم سے ہمیشہ ایک ہی قسم کی محبت کی تھی۔ سچی اور پکی ... اب تم ہی آنکھیں پڑھنے کے فن سے ناواقف ہو تو اس میں میرا کیا قصور" وہ بے حد شوخی سے اسے دیکھ رہا تھا زینب نے پلکیں اٹھا کر اس کی آنکھوں میں جھانکا اور تھکے تھکے سے انداز میں ہنس دی۔

"مجھے دنیا سے بہت ڈر لگتا تھا نا جانے ہماری شادی کو لے کر لوگوں نے کیسی کیسی باتیں بنائی ہوں گی۔" ولید کا دل چاہا اپنا سر پیٹ لے یہ لڑکی مرغے کی ایک ٹانگ چھوڑتی ہی نہ تھی۔

"دنیا والوں کے پاس اتنی فرصت نہیں ہوتی کہ ہر وقت ہمیں یا ہماری شادی پر ہی باتیں بناتے رہیں اور جب ہمارے مذہب نے ہمیں نہیں روکا تو بھاڑ میں جائے ساری دنیا..."

"صرف اپنے فائدے کے لیے مذہب کا سہارا لینا کہاں کی شرافت ہے؟ کبھی نماز تو تم نے ایک نہیں پڑھی۔" اس نے چوٹ کی تو وہ بغیر شرمندہ ہوئے ہنسنے لگا۔

"اب پڑھوں گا بلکہ شکرانے کے نفل بھی ادا کروں گا۔"

"اور تمہیں اپنے الفاظ واپس لینے ہوں گے کیونکہ انا پسند میں نہیں بلکہ تم ہو۔" ولید نے حیران ہو کر اسے دیکھا تو وہ بولی۔

"میرے انکار کو تم نے انا کا مسئلہ بنا لیا تھا تبھی تو شادی کے بعد ایک بار بھی مجھ سے ڈھنگ سے بات نہیں کی۔"

"کیا..... " وہ آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ "کیا ضروری ہے کہ ہر الزام میرے سر ہی آئے میں تو اسی رات ہر معاملہ نمٹا دینا چاہتا تھا۔ مگر تم تو میری شکل دیکھنے کی روادار نہ تھیں کجا کہ مجھ سے بات کرنا اور بعد میں جب میں نے خود پیش قدمی کرنی چاہی تو تم سے جوابا" تھپڑ کھانے کو ملا تھا۔" وہ نروٹھے پن سے بولا اور پہلی بار زینب نے شرمندہ ہو کر نظریں جھکانے کی بجائے بہت پیار سے اپنے شریک سفر کو دیکھا تھا۔

"اپنی اس حرکت کے لیے میں شرمندہ تھی اور ہوں بھی اور میں نے تم سے معافی بھی مانگی تھی پتا نہیں تم نے مجھے معاف کیا ہے یا نہیں... ولید! وہ بے اختیاری میں ہوا تھا یقین کرو میں نے تمہیں جان بوجھ کر نہیں مارا تھا اور... اور بدلہ تو تم لے ہی چکے ہو۔" اس نے کہتے ہوئے سر سے دوپٹہ ہٹا دیا۔ دائیں گال پر انگلیوں کے نشان موجود تھے ولید نے ہاتھ کی پشت سے

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کے معروف ناول

★ دل پھولوں کی بستی	نگہت عبداللہ	400/-
★ جو چلے تو جہاں سے گزر گئے	ماہا ملک	150/-
★ وہ جنبلی سی دیوانی سی	آسیہ سلیم قریشی	400/-
★ طائر لاہوتی	رفعت سراج	550/-
★ ایمان، امید اور محبت	عمیرہ احمد	180/-
اور		
★ خواتین کا گھریلو انسائیکلوپیڈیا		600/-

سول ایجنٹ
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37، اردو بازار کراچی

ان نشانات کو چھوا۔
"میں نے تمہیں بے اختیاری میں نہیں مارا تھا بلکہ جان بوجھ کر مارا اور وجہ بدلہ لینا قطعاً" نہیں تھی۔۔۔ تم اگر اب بھی میری زندگی سے نکلنے کی بات کرو گی تو میں تمہیں اس سے بھی زیادہ زور سے ماروں گا۔" وہ بہت اپنائیت و محبت سے بول رہا تھا مگر آخری بات سن کر زینب نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا ولید ہنسنے لگا پھر ٹیبل پر پڑا لائیٹر اٹھا کر سگریٹ سلگانے لگا مگر اس سے بھی پہلے زینب نے اس کے ہونٹوں کے بیچ دبا سگریٹ کھینچ لیا اور خفگی سے بولی۔
"میں اپنے گھر میں اس قسم کی فضولیات بالکل برداشت نہیں کروں گی۔"
"اچھا تو پھر کس قسم کی فضولیات برداشت کریں گی آپ؟" سینے پر بازو باندھ کر وہ شوخی سے اس کی طرف جھکا زینب اٹھ کھڑی ہوئی۔
"میں جا رہی ہوں۔ ماں جی کی آنکھ کھل گئی تو مجھے نہ پا کر پریشان ہوں گی۔" ولید نے اس کا ہاتھ کھینچ کر واپس بٹھا دیا۔
"پہلے میری آنکھوں میں جھانک کر بتاؤ تمہیں میری محبت پر یقین ہے یا نہیں۔" وہ ہٹ دھرمی سے اس کا ہاتھ تھامے بیٹھا تھا زینب نے بہت سنجیدگی سے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔
"ایسے شخص کی محبت پر تو میں یقین کر ہی نہیں سکتی جو کسی اور سے شادی کا ارادہ رکھتا ہو۔" ولید نے ہونٹوں پر آئی مسکراہٹ بڑی مشکل سے روکی۔
"ارادہ تو خیر میں ابھی بھی رکھتا ہوں بلکہ تم اجازت دو تو میں کل ہی دوسری شادی کر لوں"
"کر لو اور اپنی محبت کا یقین بھی اسی کو دلانا۔" ناراضگی سے کہتی ہاتھ چھڑوا کر وہ دروازے کی طرف بڑھ گئی مگر ولید کے سامنے آجانے کی وجہ سے اس کے قدموں کو وقفہ کرنا پڑا تھا۔ نجانے کیا ہوا تھا مگر زندگی کا رنگ ولید کی خواہش کے عین مطابق تھا۔
"شادی تو خیر میں کر ہی لوں گا البتہ محبت میں صرف تم سے کرتا ہوں اور یقین بھی تم ہی کو دلانا ہے۔" بند دروازے سے کمر ٹکائے وہ بہت شرارتی انداز میں اسے دیکھ رہا تھا۔
"مجھے جانے دو ولید!" دھڑ دھڑ کرتے دل کو سنبھالتے ہوئے وہ ہنوز سنجیدہ تھی "مجھے ابھی نیند نہیں آ رہی اور تم سے ابھی بہت ساری باتیں بھی کرنی ہیں۔"
"نیند نہ آنا تمہارا مسئلہ ہے پھر کچن کا رستہ تمہیں معلوم ہے لہٰذا اپنی مدد آپ کے تحت کام کرو۔" اس نے بے نیازی دکھائی۔
"اتنے دنوں سے اپنی مدد آپ ہی کر رہا تھا مگر اب ..."
"کل تک انتظار کرو۔" وہ تیزی سے کہہ کر لاک کھولنے لگی تھی ابھی تو اسے گجرے بھی پہنانے تھے۔
"اوہ تو یعنی چائے کے لیے بھی کل تک انتظار کرنا پڑے گا۔۔۔ دس از ناٹ فیئر۔" اس کی پر احتجاج آواز پر وہ پلٹی پھر اس کے بکھرے بالوں کو کچھ اور منتشر کر کے بولی۔
"لمبی ہے غم کی رات مگر رات ہی تو ہے۔" بہت معنی خیز انداز میں کہہ کر وہ تیزی سے باہر نکل گئی تھی اور اندر ولید قاسم بہت آسودگی سے مسکراتے ہوئے بیڈ پر گرنے کے انداز میں لیٹ گیا تھا اور اس رات آسمان پر ٹمٹماتے ستارے کچھ اور ٹمٹمانے لگے تھے اور ایک نے دوسرے سے پوچھا تھا۔
"محبت نے جیتنے کا فن کہاں سے سیکھا ہے؟" اور یہ سوال سن کر ادھوری راتوں کے چاند نے ان کی عقل پر ماتم کیا تھا مگر وہ اپنی نازک چاندنی کو وارفتہ نگاہوں سے تکنا نہیں بھولا تھا کبھی کبھی اپنی خوشیوں کو حاصل کرنے کے لیے جھکنا پڑتا ہے اور وہ جھکنا رائیگاں نہیں ہوتا۔

☼ ☼

درِ ثمین سلیم

چاہت کے رنگ

افسانہ

"اسفی! میں سخت بور ہو رہی ہوں۔" وہ اس کی کرسی کی پشت پر اپنی دونوں ہتھیلیاں جما کر بےزاری سے بولی۔

"کمپیوٹر کے کی بورڈ پہ تیزی سے انگلیاں چلاتے ہوئے اسفند نیازی کی لحہ بھر کو حرکت تھمی۔

"کوئی میگزین پڑھ لو۔" اس نے جھٹ سے مشورہ دے کر اپنے کام کو جاری رکھا۔

"موڈ نہیں ہے ناں!؟" زونائشہ نے نروٹھے لہجے میں کہا۔

"تو یار منزہ سے بحث ہی کر ڈالو.... کہ جولیا رابرٹ زیادہ اسمارٹ ہے یا ڈیمی مور' مائیکل جیکسن اچھا گاتا ہے یا زیکی مارٹن' میڈونا خوبصورت ہے یا برنی سپائز' مسکراتے ہوئے پوبی کیٹس کے تیس دانت نظر آتے ہیں یا.... چونتیس....." وہ اپنی مسکراہٹ دبائے خاصی سرعت سے بولے جا رہا تھا۔

"بی سیریس اسفی!"

زونائشہ نے جھنجلا کر اسفند کے ہاتھ پہ اپنا نازک سا ہاتھ مارا' تو وہ سب کچھ چھوڑ کر اس کی جانب پلٹا اور اپنی جاندار مسکراہٹ سمیت اس کی ڈارک براؤن آنکھوں میں جھانکتا ہوا دھیرے سے بولا۔

"سیریس ہی تو ہوں' اسی لیے تو تمہیں اپنانے کا فیصلہ کیا ہے۔"

اک دلنشیں سا رنگ زونائشہ کے چہرے پر ٹھہرا دفعتاً" وہ اس کی گہری نگاہوں سے خائف ہو کر بولی۔

"اسفی میں نے تم سے کہا تھا کہ میں بور ہو رہی ہوں۔"

"تو یار! میرے مفید مشورے پہ عمل کرو نا" اس نے دوبارہ مانیٹر کی اسکرین پہ نگاہیں جماتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے پھپھو کو مارکیٹ سے آنے دو ایسی شکایت کروں گی کہ یاد کرو گے۔" زونائشہ نے کڑے تیوروں سے دھمکی دی تو وہ واقعی ٹھٹک گیا۔

"دس از ناٹ فیئر زونا! بور تم ہو رہی ہو اس میں مجھ غریب کا کیا قصور ہے۔" وہ خاصی بےچارگی سے بولا۔

"بالکل ہے تمہارا قصور" اس نے مزہ لے کر اسفند

کی بات کو دوہرایا۔ تو وہ ایک سرد آہ بھر کر خاصی بے ساختگی سے گویا ہوا۔

"ہاں قصور تو واقعی میرا ہی ہے کہ ماما کے کہنے میں آکر تم جیسی پٹاخہ لڑکی سے منگنی کروالی۔"

"کیا کہا اسفند کے بچے!" ذونائشہ نے آنکھیں پھیلا کر ایک عدد دھمو کا اس کی پشت پہ رسید کیا۔

"اف ظالم حسینہ! ابھی سے میرا یہ حال ہے اور بعد میں تو۔۔۔"

"اسفی کیا زور سے لگا ہے۔" وہ سرعت سے گھوم کر اس کے سامنے کھڑی متفکرانہ لہجے میں استفسار کر رہی تھی۔

"ہاں بہت زور سے لگا ہے اور وہ بھی سیدھا دل پہ!" اسفند کے لہجے میں شرارت تھی۔

"اچھا اب اٹھو نا مجھے کہیں باہر لے کر چلو۔" اس نے مسکراتے ہوئے دوبارہ یاد دلایا۔

"مگر کہاں؟"

"کہیں بھی!"

"مگر میرا ابھی جہنم میں جانے کا قطعی موڈ نہیں ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے ایک بار پھر اسے ٹالنے کی کوشش کی۔

"اسفی میں سچ مچ تمہاری شکایت لگادوں گی پھپھو سے۔"

"اوکے یار اٹھ رہا ہوں۔ تم اپنی دھمکیوں سے بھری پٹاری تو بند کرو۔" اسفند نے کمپیوٹر آف کرتے ہوئے کہا اور واش روم میں چہرے پہ پانی کے چھینٹے مارنے کے بعد باہر آیا تو وہ اس کے بیڈ پہ بکھرے ہوئے کپڑوں کو خاصی ناگواری سے دیکھ رہی تھی۔

"اسفی! تمہارا کمرہ کتنا بے ترتیب ہو رہا ہے۔"

"تو تم ترتیب دے دو نا' آخر ایک نہ ایک دن تو یہ سب کچھ تمہیں کرنا ہی ہے۔" وہ تولیہ سے منہ صاف کرتے ہوئے مسکرایا۔

"مسٹر اسفند نیازی! کسی بھول میں مت رہیے گا مجھے ان پھٹیچر کاموں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" اس نے اپنے شیونگ کٹ بالوں کو جھٹکا دیا۔

"فور یور کائنڈ انفارمیشن مس ذونائشہ احسان! یہ پھٹیچر کام' یہاں کی عورت کے کیئرنگ رویوں کا اظہار ہوتے ہیں۔" اسفند نے یہاں کی عورت پہ زور دیا۔

"مگر تم مجھے یہاں کی عورتوں میں شمار مت کرو۔" ذونائشہ اپنے موقف پہ ڈٹی ہوئی تھی۔

"مانا کہ تمہاری پرورش پاکستان میں نہیں ہوئی مگر تمہیں آباد تو یہیں ہونا ہے ناں۔" وہ تولیہ کرسی پہ پھینک کر ڈریسنگ کے سامنے آکھڑا ہوا۔ اور بالوں میں برش کرنے لگا۔

"وہ تو ٹھیک ہے اسفی! مگر میری ان بکھیڑوں میں دلچسپی صفر ہے۔" ذونائشہ نے ایک بار پھر اپنی بات پہ زور دیا۔

"خیر یہ تو وقت ہی بتائے گا مائی ڈیئر!" وہ ہولے سے منہ میں بڑبڑایا۔ "اپنی وے تم تیار ہو تو چلیں۔" اسفند نے اپنا والٹ جینز کی پچھلی پاکٹ میں ڈالا اور کی چین موبائل اور سن گلاسز اٹھا کر بلیک جینز اور ڈارک پرپل شرٹ میں ملبوس ذونائشہ احسان کو دیکھا۔

"ہاں چلو۔" اس نے اپنے بالوں کو دونوں ہاتھوں کی انگلیوں سے سیٹ کرنے کے بعد اسفند نیازی کے ساتھ قدم بڑھا دیئے۔

☆ ☆ ☆

احسان وحید برسوں سے یورپ کے مختلف ممالک میں سفارتی عہدہ سنبھالے ہوئے تھے۔ ان کی نازو نعم میں پلی بڑھی ہوئی اکلوتی بیٹی ذونائشہ' اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد آج کل پاکستان اپنی پھپھو نسیم نیازی کے پاس آئی ہوئی تھی۔ نسیم بیگم کے شوہر کی وفات کے بعد سارا بزنس اسفند نے ہی سنبھال رکھا تھا۔ اسفند اور اس سے چھوٹی منزہ نسیم بیگم کی کل کائنات تھیں' گزشتہ برس سے دونوں خاندانوں کی باہمی رضامندی سے ذونائشہ اور اسفند کی منگنی ہو گئی تھی حالانکہ دونوں کے رہن سہن میں زمین آسمان کا فرق تھا مگر یہ بھی ان کی محبت میں رکاوٹ نہیں بن سکا۔

"السلام علیکم نانو!" اسفند لیونگ روم میں داخل ہوا۔ تو نانو کو تسبیح پڑھتے ہوئے پایا۔

"وعلیکم السلام' جیتے رہو۔ بیٹا اللہ تمہیں خوش رکھے۔" انہوں نے محبت پاش نظروں سے نواسے کو دیکھ کر دعا دی۔ تو وہ مسکراتا ہوا بریف کیس کرسی پر رکھ کر ان کے پاس ہی ٹک گیا۔

"مگر نانو۔۔۔ خوش رہنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔"

اسفند نے شاکی نظروں سے میگزین پڑھتی ہوئی ذونائشہ کو دیکھا۔

"اسفی میں سن رہی ہوں۔" ذونا نے میگزین سے نگاہیں ہٹاتے ہوئے اسے خشمناک نظروں سے گھورا۔

"سننے سے کچھ نہیں ہوتا' مجھے ایک کپ چائے بنا کر دو۔" اس نے دھونس بھرے لہجے میں حکم صادر کیا۔ تو نوٹس بناتی ہوئی منزہ بھی دھیرے سے مسکرائی۔

"اسفی تم جانتے تو ہو کہ مجھے چائے وائے نہیں بنانی آتی۔" ذونا کی جھنجھلاہٹ عروج پہ تھی۔

"تو آخر کب آئے گی تمہیں چائے بنانی۔" غصیلے لہجے میں استفسار کیا گیا۔

"پتہ نہیں۔" ذونائشہ نے میگزین کی ورق گردانی کرتے ہوئے لاپروائی سے جواب دیا۔

"ذونا کم آن یار آج ٹرائی کرو۔"

اسفند نے اپنے کمرے میں جانے کے لیے قدم بڑھا کر خاصی نرمی سے کہا تھا۔ جب کہ نانو خاموشی سے دونوں کی تکرار کو بغور سن رہی تھیں۔

"ایک تو مجھے یہ بات سمجھ نہیں آسکی کہ اتنے ڈھیر سارے نوکروں کے ہوتے ہوئے بھی یہاں کی عورتوں کو کچن کے تمام بکھیڑے خود ہینڈل کرنا پڑتے ہیں بس وہی تم جیسے مردوں کے پرانے خیالات کہ کچن گھر کی عورت ہی سنبھالے۔" اس کے چہرے کے بگڑتے زاویوں کو نظرانداز کیے تیز لہجے میں بول رہی تھی۔

"اسفی بھائی آپ چینج کریں۔ میں چائے بنا کر آپ کے کمرے میں لاتی ہوں۔" منزہ نے ذونا کی ناگواری بھانپ کر اپنے نوٹس اکٹھے کرتے ہوئے جھٹ سے کہا۔ تو اسفند نے تیکھی نظروں سے ذونائشہ کو دیکھا اور قدم اپنے کمرے کی جانب بڑھا دیے۔

آج اسفند کو پہلی بار احساس ہوا تھا کہ عورت کا خوبصورت ہونا اہم نہیں ہوتا بلکہ اس کا اہم ہونا ہی خوبصورت ہوتا ہے اور عورت کو اہم اور خوبصورت اس کے کیئرنگ رویے بناتے ہیں۔

☆ ☆ ☆

"بیٹی مکان اور گھر میں بہت فرق ہوتا ہے اینٹوں سے بنے ہوئے مکان کو عورت ہی اپنی محبت اور توجہ سے گھر کے روپ میں ڈھالتی ہے' اور ذونائشہ بیٹی! ایک مکان کو گھر بنانے کے لیے عورت کو تھوڑی بہت قربانی بھی دینی پڑتی ہے اور بیٹی یہ ذمہ داریاں اور یہ قربانیاں تو محبت کا اظہار ہوتی ہیں۔ خود سے وابستہ رشتوں سے' اور جب یہ اظہار عورت کی پہچان بن جائے تو مکان خود بخود گھر بن جاتا ہے۔ اب تم بھی گھر' گرہستی میں دلچسپی لو' منگنی ہو چکی ہے تمہاری۔ مگر اب تک تمہیں انڈا بھی فرائی کرنا نہ آیا۔ ذونائشہ بیٹی یہ ذمہ داری بوجھ نہیں ہوتی۔ شوہر اور اس سے وابستہ رشتوں سے چاہت کا اظہار ہوتی ہیں۔ اور ان چاہتوں کے رنگ پھیکے پڑ جائیں تو زندگی کی سارے رنگ منظر دھندلا جاتے ہیں۔"

"اف دادو آپ کی یہ مشکل باتیں میری سمجھ سے باہر ہیں۔" ذونائشہ اکتائے ہوئے لہجے میں ناخن فائل کرتے ہوئے بولی۔

"اے بیٹی یہی تو مشکل ہے کہ کام کی ساری باتیں تمہاری سمجھ سے باہر ہیں۔ نورین اور احسان نے تمہیں کچھ سمجھایا ہوتا تو سمجھ میں آتا نا۔"

وہ خاصے اکتائے ہوئے لہجے میں بولیں۔ اور مغرب کی نماز کی ادائیگی میں مصروف ہو گئیں۔

☆ ☆ ☆

کل سے اس کا موڈ خراب تھا ذونائشہ سے اس نے بات تک نہیں کی تھی۔

"اسفی تم ناراض ہو مجھ سے" وہ اس کے کمرے میں سر جھکائے کھڑی تھی۔

"کیا تمہیں میری ناراضگی کی پروا ہے؟" اس کا ترش و تلخ لہجہ ذونا کو تڑپا گیا۔

"پروا ہے اسفی اسی لیے تو پوچھ رہی ہوں۔" وہ روہانسے لہجے میں بولتی ہوئی اس کی قریبی کرسی پہ ٹک گئی۔

"ذونائشہ جس محبت کا تعلق صرف حسن سے ہو وہ زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکتا۔ اور میں تمہیں مکمل دیکھنا چاہتا ہوں۔ تمہارے کیئرنگ رویوں کو محسوس کرنا چاہتا ہوں، کیا تم میرے لیے اتنا بھی نہیں کر سکتیں؟" وہ ٹھہرے ٹھہرے سے لہجے میں بول رہا تھا۔

"اسفی ابھی مجھے کچھ وقت لگے گا۔ لیکن آئی پرامس میں سب کچھ سیکھ لوں گی۔"

"مگر کب؟"

"اتنی جلدی نہیں... لیکن تم اپنا موڈ تو ٹھیک کرو، کل سے تمہارا یہ غبارہ نما چہرہ دیکھ دیکھ کر مجھے رات نیند بھی نہیں آسکی۔" وہ نروٹھے سے لہجے میں بولی۔ تو وہ بھی اثبات میں سر ہلاتا ہوا مسکرا دیا۔

☆ ☆ ☆

ڈائننگ ٹیبل پہ سب اس کا انتظار کر رہے تھے۔ اس نے جلدی سے ریسٹ واچ باندھنے کے بعد آئینے میں اپنا آخری جائزہ لیا۔ اور بریف کیس اٹھا کر کمرے سے باہر نکل آیا۔

"سوری گائز... آج میں ناشتے میں آپ کا ساتھ نہیں دے سکا۔" اس نے کھڑے کھڑے چائے کے گھونٹ بھرے۔

"ارے بیٹا ایسی بھی کیا جلدی ہے، بیٹھ کر ناشتا تو کرلو۔" نسیم بیگم نے تنبیہہ کی۔

"مائی سویٹ ماما، آج میری میٹنگ ہے اور میں آدھا گھنٹہ لیٹ ہو چکا ہوں۔" اسفند نے دوبارہ ریسٹ واچ دیکھی۔

"بھائی پلیز آج مجھے ڈراپ کردیں میری گاڑی گیراج میں کھڑی ہے۔"

"سوری مائی ڈیئر سسٹر آج تو واقعی ٹائم نہیں ہے... اور تم نے گاڑی ڈرائیور سے کہہ کر ہی منگوانی ہوتی۔" وہ الٹا منزہ پہ برس پڑا۔

"کیسے منگواتی گل سنڈے ہے۔ اور مکینک نے سنڈے کا دن دے رکھا ہے۔" منزہ کی پریشانی دیدنی تھی۔

"تو پھر اپنی کسی فرینڈ سے رابطہ کرو وہ تمہیں پک کرے۔" اسفند نے چائے کا آخری گھونٹ بھر کر گویا اس کا مسئلہ حل کیا۔

"ٹھیک ہے۔ میں ایشاع سے رابطہ کرتی ہوں۔ وہ تو ویسے بھی لیٹ پہنچتی ہے۔" منزہ ٹشو سے ہاتھ صاف کرکے کرسی دھکیل کر ٹیلی فون کی جانب بڑھ آئی۔

"اوکے ماما نانو اینڈ جنگلی بلی۔" اس نے ذونائشہ کو مسکراتے ہوئے دیکھا۔

"مجھے آفس سے دیر ہو رہی ہے۔" وہ جانے کے لیے پلٹا تو جیسے نانو کو کچھ یاد آگیا۔

"اے اسفند بیٹا ذرا یہاں آؤ۔"

"جی نانو!" وہ سعادت مندی سے دوبارہ ان کی جانب چلا آیا۔

"تمہارے نانا ابا کی جو بہن تھیں نا۔" انہوں نے کہنا شروع کیا۔

"تھیں تو... لیکن انہیں فوت ہوئے بھی نو سال تین مہینے اور آٹھ دن ہو چکے ہیں۔" اسفند نے درمیان میں ٹانگ اڑائی۔ تو وہ جھنجلا گئیں۔

"اے اسفی! یہ مذاق چھوڑو اور میری بات سنو۔ تمہارے نانا ابا کی بہن کی نند کی بیٹی خوشاب سے آرہی ہے یہاں لاہور کے کسی انگریزی کالج میں داخلہ لینا چاہتی ہے رہائش کا مسئلہ تھا۔ میں نے کہا بھلا یہ بھی کوئی مسئلہ ہے یہاں اپنے گھر میں کون سی جگہ کی کمی ہے بے چاری پڑی رہے گی۔ کسی کمرے میں کیا ضرورت ہے ہاسٹل میں رہنے کی۔

آخر کو جوان جہاں ہے... اے اسفی سن رہے ہو میں میری بات!" نانو نے ساری تفصیل بتا کر جواب طلب نظروں سے اسے دیکھا۔

"جی نانو سن چکا ہوں، مگر اب تک سمجھ نہیں پایا کہ نانا ابا کی بہن کی نند کی بیٹی کی..."

"بس بس یہیں پہ رک جاؤ۔" ذونائشہ نے ہنستے ہوئے اسفند کو ٹوکا۔

"اور ہاں اسفی بھائی اس پینڈو عجوبے کو دوپہر دو بجے ریلوے اسٹیشن سے لانا مت بھولیے گا۔" منزہ فون سے فارغ ہو کر دوبارہ اپنی کرسی پہ آبیٹھی۔

"نانو اس کا حلیہ تو بتا دیں میں کیسے پہچانوں گا۔؟"

"نوری نام ہے اس کا۔"

"نانو نام سے کیا ہوتا ہے۔ حلیہ بتائیں۔"

"اب مجھے کیا پتا، چھوٹی سی تھی۔ جب دیکھا تھا۔ اب تو سنا ہے خوب قد نکالا ہے اس نے۔"

"ہائے نانو، آپ بھی سدا کی بھولی ہیں۔" منزہ نے کرپیٹ لیا۔

"اسفی بھائی آپ ذرا ذہن پہ زور دیں ناں کہ ایک پینڈو لڑکی کا حلیہ کیسا ہو سکتا ہے۔" منزہ نے جھنجلا کر اسفند کی جانب رخ موڑا۔

"ہاں... آرہا ہے۔" وہ آنکھیں میچ کر پرسوچ انداز میں بڑبڑایا۔ "گہرے پیلے رنگ کا سوٹ... ہرا پراندہ لال جرابیں، گولڈن شوز اور کالی چادر... بس ہو گیا وکمل!" منزہ نے جھٹ سے اس پینڈو لڑکی کا حلیہ لوکے کیا۔ تو وہ بھی مسکراتے ہوئے باہر نکل گیا۔

☆ ☆ ☆

میٹنگ ختم ہونے کے بعد جب وہ لنچ سے فارغ ہوا آفس میں لگی وال کلاک پونے دو بجا رہی تھی اسے جیسے ایک دم سے یاد آگیا۔ ارے دو بجے تو ریلوے اسٹیشن جانا ہے اس نے عجلت میں گاڑی کی چابی اٹھائی۔ سن گلاسز اور موبائل لے کر باہر نکلا۔

"صدیقی صاحب ذرا آفس دیکھ لیجئے گا۔ میں گھر جا رہا ہوں" اس نے منیجر صاحب کے کیبن میں جا کر کہا۔

☆ ☆ ☆

تپتی دھوپ میں ریلوے اسٹیشن پہ گہرے پیلے سوٹ میں ملبوس ہرے پراندے اور سرخ جرابوں والی لڑکی ڈھونڈتے ڈھونڈتے اس کا برا حال ہو رہا تھا۔

"نانو کہاں پھنسا دیا آپ نے؟" وہ جھنجلائے ہوئے اپنی نگاہیں سرگودھا سے آنے والی ٹرین کے مسافروں پہ لگائے ہوئے تھا۔

"ایکسکیوزمی! کیا آپ اسفند نیازی ہیں۔" اپنے عقب سے ایک شائستہ سی آواز پر اسفند نے رخ موڑا۔

اسکائی بلو سوٹ میں ملبوس نازک سے سینڈل پہنے سرپہ سوٹ کا ہم رنگ ڈوپٹہ جمائے اور لبوں پہ دھیمی سی مسکان سجائے وہ بیگ تھامے جانے کون تھی۔

"جج... جی میرا نام اسفند نیازی ہے مگر آپ۔"

"ارے نانو نے آپ کو نہیں بتایا کہ میں آج لاہور آرہی ہوں۔" اب کے مقابل لڑکی نے حیرانگی سے اسے دیکھا۔

"تو آپ ہیں نانا ابا کی بہن کی نند کی... مم میرا مطلب ہے کہ آپ ہی نوری ہیں۔" اسفند نے بوکھلائے لہجے میں تصدیق چاہی۔

"ارے آپ کو میرا نیک نیم کس نے بتایا۔" وہ آنکھوں میں حیرت سموئے قدرے خوش دلی سے بولی۔

"نیک نیم۔" اب کے اسفند کو حیرت کا جھٹکا لگا۔

"جی ہاں دراصل میرا نام نور العین ہے لیکن گاؤں میں سب مجھے پیار سے نوری کہتے ہیں۔ حال ہی میں سرگودھا کے پی اے ایف کالج سے میں نے انٹر کیا ہے۔ دراصل کینٹ کالج میں داخلہ میری زندگی کا خواب ہے اور اسی خواب کی تکمیل کے لیے میں لاہور آئی ہوں۔" وہ رسان سے بول رہی تھی۔

"انشاء اللہ آپ کا یہ خواب ضرور پورا ہو گا۔" اس نے نور کے معصوم سے چہرے کو دیکھ کر صدق دل سے کہا تو وہ دھیرے سے مسکرا دی۔

"چلیں اسفند بھائی!" اک دوستانہ سی مسکراہٹ کے ساتھ وہ اس کے قدم سے قدم ملا رہا تھا۔

"لاؤ یہ بیگ مجھے پکڑا دو۔" اسفند نے رک کر ہاتھ آگے بڑھایا۔

"تکلف مت کرو۔ تمہارے پاس شولڈر بیگ بھی تو ہے۔" اسفند نے اس کی ہچکچاہٹ کو محسوس کرتے ہوئے خود ہی بیگ اٹھالیا۔

☼ ☼ ☼

جب وہ دونوں گھر میں داخل ہوئے تو سب انہیں کا انتظار کر رہے تھے۔

"ان سے ملیں۔ یہ ہیں مس نورالعین' عرف نوری۔" اسفند نے باآواز بلند ـــ نور کی طرف اشارہ کیا۔

"ہائے ذونا.... یہ ہے... نوری؟" منزہ نے' دونائشہ کے کان میں بے ساختہ کہا۔ وہ بھی حیرت کا بت بنی اس تیکھے نقوش اور چھریرے بدن والی نازک سی لڑکی کو دیکھ رہی تھی۔

"السلام علیکم نانو!" وہ سب سے پہلے نانو کے پاس آئی اور جھک کر ان سے پیار لینا چاہا۔

"وعلیکم السلام بیٹی' خوش رہو۔ اتنی سی تھیں تم جب تمہیں دیکھا تھا اور اب ماشاءاللہ کیسا خوبصورت ناک نقشہ پایا ہے۔" نانو نے اسے خود سے لپٹا کر اس کا ماتھا چوما۔ تو وہ جھینپ گئی۔

"یہ تیری نسیم خالہ ہے۔" نانو نے اپنے پاس بیٹھی ہوئی نسیم بیگم کی طرف اشارہ کیا۔

"السلام علیکم خالہ جان۔"

"وعلیکم السلام.... بیٹی سفر میں کوئی پرابلم تو نہیں ہوئی۔" "بالکل بھی نہیں خالہ' ابا نے مجھے ٹرین میں بٹھادیا تھا۔ اور اسٹیشن پہ اسفند بھائی پہلے سے ہی موجود تھے۔" اس کا دھیما دھیما سا لہجہ ماحول میں رس گھول رہا تھا۔

"نور بیٹی یہ منزہ ہے اسفند سے چھوٹی اور یہ ذونائشہ ہے میرے احسان کی بیٹی اور اسفند کی منگ (منگیتر) ہے۔ آج کل ناروے سے یہاں چھٹیاں گزارنے آئی ہوئی ہے۔" نانو نے خوش دلی سے ان دونوں کا تعارف کروایا۔ تو نور خاصے تپاک سے ان دونوں سے ملی۔

"سنو! یہ بال تمہارے اپنے ہی ہیں ناں؟" منزہ نے اس کی لمبی اور بھاری سیاہ چوٹی کو بغور دیکھتے ہوئے اپنی حیرت کو زبان دی۔

"آئی تھنک بال کسی سے بھی ادھار نہیں لیے جاسکتے۔" نورالعین نے مسکراتے ہوئے بے ساختہ جواب دیا۔ تو منزہ کھسیا گئی۔

ذونا سے ہاتھ ملاتے ہوئے وہ دھیرے سے بولی۔

"نائیس ٹو میٹ یو ذونائشہ!" جواب میں ناچاہتے ہوئے بھی ذونا کو کہنا پڑا تھا۔

"ٹو یو....!"

جب کہ نانو اسے دوبارہ اپنے پاس بٹھائے گاؤں کی خیر خیریت پوچھنے میں مصروف ہوگئیں۔

"نور بیٹا میں نے تمہارا کمرہ سیٹ کروادیا ہے تم فریش ہوجاؤ میں تمہارے لیے کھانا لگواتی ہوں منزہ تم ذرا نور کو اس کا کمرہ دکھادو۔"

"او کے ماما چلیں نور...." منزہ نے نور کو چلنے کا اشارہ کیا۔ تو وہ بھی اپنا بیگ اور شولڈر بیگ لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اسفند کی نگاہیں ابھی تک نور کا تعاقب کر رہی تھیں۔

"ارے کہاں ہو" ذونائشہ نے ہولے سے اس کی آنکھوں کے آگے ہاتھ لہرایا۔

"نور کے بال کتنے خوبصورت اور لمبے ہیں۔" اسفند نے کھوئے ہوئے لہجے میں اس سے رائے لینی چاہیے۔

"اب اتنے بھی خوبصورت نہیں ہیں۔" ذونا نے خاصے جلے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ اسفند کی دھیمی مسکراہٹ نے گویا جلتی پہ تیل ڈالا۔

"خیر تو ہے تم بڑے متاثر ہو رہے ہو نور سے۔" اس کا کھوجتا ہوا لہجہ اسفند کے دل میں ٹھنڈک بن کر اترا۔

"اس کی شخصیت سے کیا۔ میں تو اس کے نام سے

بھی متاثر ہوا ہوں۔ واہ کیا نام ہے نورالعین ... یعنی آنکھوں کی ٹھنڈک۔" اسفند کا کھویا کھویا سا لہجہ ذونائشہ کے چاروں اطراف خطرے کی گھنٹیاں بجارہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"ذونا تم ابھی تک تیار نہیں ہوئیں۔" منزہ نے کمرے میں جھانکا۔

"بس ایک منٹ یار آرہی ہوں میرا اسکارف نہیں مل رہا تھا۔" وہ ریڈ شرٹ اور بلو جینز پہنے خاصے جھنجھلائے ہوئے لہجے میں بولی۔ اور آئینے میں اپنا تفصیلی جائزہ لیتے ہوئے دوبارہ منزہ سے مخاطب ہوئی۔

"وہ مس یونیورس تیار ہو چکی ہیں یا ابھی کوئی تیاری باقی ہے۔"

منزہ اس کا اشارہ سمجھ چکی تھی۔

"تم نور کی بات کر رہی ہو' وہ تو کب سے تیار ہو کر نانو ماما اور اسفی بھائی سے گپیں لڑا رہی ہے۔"

نانو اور پھپھو کی بات اور تھی مگر نور کا اسفند سے بے تکلف ہونا۔ ذونائشہ کو سرتاپا سلگا رہا تھا۔

"بھئی شکر ہے خدا کا تمہاری تیاری تو مکمل ہوئی۔" منزہ کے ساتھ ذونائشہ نے جب لیونگ روم میں قدم رکھا تو اسفند کے لہجے میں طنز اسے محسوس ہوا تھا ذونا نے بھرپور نظروں سے اس کی برابر والی کرسی پہ بیٹھی نور کو دیکھا۔

میرون ڈھیلی ڈھالی قمیص اور وائیٹ چوڑی دار پاجامے میں وہ اپنے گھنے اور لمبے بالوں کی ڈھیلی سی چوٹی بنائے خاصی پرکشش لگ رہی تھی۔

اسفند آج بڑے موڈ میں تھا۔ لاہور کا کونا کونا دکھانے کے بعد گاڑی اس نے مال روڈ کی طرف موڑ دی۔

"اسفی بھائی اب ہمیں چکن برگر بھی کھلائیں۔" منزہ کی فرمائش پہ اس نے گاڑی پارکنگ ایریا کی جانب بڑھائی۔

یوں رات دس بجے ان کی واپسی ہوئی۔

"واقعی لاہور لاہور ہے۔" نورالعین نے گھر میں قدم رکھتے ہی اپنی رائے دی۔

"تھینک یوں اسفند بھائی! آپ نے تو مجھے ایک ہی دن میں پورا لاہور گھمادیا۔" وہ تشکرانہ لہجے میں گویا ہوئی۔

"بھئی شکریہ وکریہ سے کام نہیں چلے گا مجھے ایک عدد چائے کا کپ چاہیے۔" اسفند نے فلور کشن پہ بیٹھتے ہوئے دوستانہ لہجے میں کہا۔

"نو پرابلم میں ابھی لائی" وہ مسکراتے ہوئے کچن کی جانب پلٹ گئی۔

"منزہ یار نانو اور ماما نظر نہیں آرہیں۔" اسفند نے متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھا۔

"نانو سو رہی ہیں اور ماما عشاء کی نماز پڑھ رہی ہیں۔" منزہ نے اپنے بیڈ روم کی جانب قدم بڑھاتے ہوئے اسفند کو بتایا تھا۔

☼ ☼ ☼

صبح ذونائشہ نے جب کچن میں قدم رکھا تو نورالعین کو پھپھو کے ساتھ مدد کرواتے ہوئے پایا۔

"نور بیٹا رہنے دو میں کرلوں گی۔"

"خالہ جان آئی سوئیر مجھے آپ کی مدد کروا کر اچھا لگ رہا ہے۔ وہاں خوشاب میں بھی ویک اینڈ پہ میں اماں کو کچھ نہیں کرنے دیتی تھی۔"

نور نے فرائی پین سے آملیٹ پلیٹ میں نکالتے ہوئے رسان سے کہا۔ اور ڈائننگ ٹیبل کی جانب رخ موڑا تو ذونا کو کھڑے دیکھ کر لمحہ بھر کو ٹھٹکی۔ اور پھر فوراً" اپنے ازلی لہجے میں کہا۔ "گڈ مارننگ ذونائشہ"

جواب میں اس نے ہولے سے اثبات میں سرہلایا۔

"ارے ذونائشہ بیٹا آج جلدی اٹھ گئیں۔" چولہے کے پاس کھڑی نسیم بیگم نے پلٹ کر حیرت سے اسے دیکھا۔ تو وہ واقعی شرمندہ ہوگئی۔

"جی پھپھو آج جلد ہی آنکھ کھل گئی۔"

"میں بھی کہوں کہ آج میری بیٹی اتنی جلدی کیسے اٹھ گئی۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے فریج سے

مکھن نکالتے ہوئے کہا۔
"گڈ مارننگ گائز!"
اسفند فریش لہجے میں داخل ہوا۔
"ارے... نور تم یہ سب کچھ کیوں کر رہی ہو۔" اسفند نے ڈائننگ ٹیبل پہ ناشتے کے برتن اور دیگر لوازمات سجاتی ہوئی نور کو دیکھا۔
"اسفی بھائی یہ بھی کوئی کام ہے بھلا۔"
"لیکن پھر بھی تم ہماری مہمان ہو۔"
وہ ذونائشہ کو مسلسل نظرانداز کرتے ہوئے کرسی گھسیٹ کر بیٹھ چکا تھا۔
"مہمان ہونے کا یہ مطلب تھوڑی ہے کہ انسان اکڑ کر بیٹھ جائے کہ جی ہم تو ٹھہرے مہمان للہذا ہم کسی کام کو ہاتھ نہیں لگائیں گے۔" وہ معصوم سے انداز میں بولی۔
تو اسفند کی کھلکھلاہٹ ذونا کو ایک آنکھ نہ بھائی۔
"ارے ذونائشہ بیٹا تم ابھی تک وہیں کھڑی ہو۔ آؤ ناں۔" نسیم بیگم ذونا سے مخاطب ہوئیں تو وہ دل گرفتہ سی چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ان کے برابر والی کرسی پہ ٹک گئی۔
"ماما منزہ جا چکی ہے یا اپنے کمرے میں ہے؟"
اس نے اپنے کپ میں چائے انڈیلتے ہوئے پوچھا۔
"منزہ تو کالج جا چکی ہے اور تمہاری نانو کی رات طبیعت کچھ خراب ہو گئی تھی دوا کھانے کے بعد سو رہی ہیں میں نے جگانا مناسب نہیں سمجھا۔" نسیم بیگم بیٹے کی جانب رخ موڑے بتا رہی تھیں۔
"ارے نور بیٹا! آجاؤ اب تم بھی' ناشتا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔"
"بس آ رہی ہوں... خالہ جان میں گلاس رکھنا بھول گئی تھی۔" اس نے ٹیبل پر گلاس رکھے۔ اور پھر ذونائشہ کے ساتھ والی چیئر پر آبیٹھی۔
بلیک اور وائیٹ کاٹن کے سوٹ میں بڑا سا ہم رنگ ڈوپٹہ شانوں پہ پھیلائے وہ خاصی فریش لگ رہی تھی۔
"ذونائشہ جانو... تم نے ابھی تک کچھ نہیں لیا۔"
"لے رہی ہوں پھپھو..." وہ ہولے سے بولتی ہوئی فلاسک سے اپنے کپ میں چائے انڈیلنے لگی۔
"ماما سچ سچ بتائیں۔ آج آملیٹ بناتے ہوئے کون سا نسخہ آزمایا ہے۔" اسفند نے دوبارہ اپنی پلیٹ میں آملیٹ نکالتے ہوئے پوچھا۔
"بھئی یہ تو نور ہی بتا سکتی ہے۔" نسیم بیگم نے خوش دلی سے نور کی طرف اشارہ کیا۔
"یعنی آملیٹ آج نور نے بنایا ہے. بھئی واقعی مان گیا میں تمہیں۔" اسفند نے کھلے دل سے سراہا تو ذونائشہ کو چائے میں بھی کڑواہٹ محسوس ہونے لگی۔
"اسفند بھائی آج مجھے ایڈمشین کے لیے جانا ہے' آپ پلیز مجھے ڈراپ کر دیجئے گا۔" نور نے اسفند کو اٹھتے ہوئے دیکھا تو جھٹ سے بولی تھی۔
"نو پرابلم میں فی الحال یہیں ہوں' تم اپنے ڈاکومنٹس لے آؤ۔" اس نے ٹشو سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے کہا۔
"ذونا بیٹا تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے ناں آج کچھ چپ چپ سی ہو۔" نسیم بیگم کا فکرمندانہ لہجہ اس کی آنکھیں بھگو گیا۔
"لگتا ہے آپ کی چہیتی کی آج نیند پوری نہیں ہوئی۔" اسفند کا تمسخرانہ لہجہ اسے کچھ کہنے سے پہلے ہی خاموش کروا گیا تھا۔
"تم مت بولو یہ میرا اور میری بیٹی کا معاملہ ہے۔" نسیم بیگم نے محبت سے چور لہجے میں کہتے ہوئے اسفند کو ٹوکا۔
"چلیں اسفند بھائی۔" وہ اپنے ڈاکومنٹس لیے پھر سے آن موجود ہوئی۔
"اوکے ماما! ہمیں اجازت دیں۔" اس نے جھک کر ماما سے پیار لیا۔
"اچھا بیٹا اللہ نگہبان۔"
وہ دونوں اکٹھے باہر نکلے تو ذونائشہ کی حالت عجیب ہونے لگی۔ اسفند کا اسے اگنور کرنا بات بے بات تمسخر اڑانا' اس کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا تھا۔
"اسفند میں تمہیں کبھی کسی اور کا ہونے نہیں دوں

گی۔" اس نے بھیگی پلکوں سمیت عہد کیا۔

☼ ☼ ☼

شام کو وہ آفس سے گھر پہنچا تو ذونائشہ پہلے ہی سے اس کے کمرے میں موجود تھی وہ اس کی آمد سے قطعی نافل' وارڈ روب میں ترتیب سے کپڑے رکھنے میں مصروف تھی۔
"یعنی تیر نشانے پر لگا ہے۔" وہ دروازے کی چوکھٹ میں کھڑا مسکرا رہا تھا۔
"ارے تم کب آئے..." وہ پلٹی تو نظر سیدھی اسفند پر پڑی۔
"جب تم نے دیکھا۔" وہ اسے بغور دیکھتا ہوا دھیرے سے مسکرایا۔ منزہ کے شلوار قمیص میں ملبوس' بالوں میں ڈھیر سارا تیل ڈالے وہ کتنی معصوم لگ رہی تھی۔
"یہ... یہ کیا حالت بنا رکھی ہے تم نے؟"
اسفند نے بمشکل اپنی حیرت کو زبان دی۔
"تمہیں لڑکیوں کے لمبے بال پسند ہیں ناں بس اب میں بال بڑھا رہی ہوں۔"
دفعتاً اسفند کو اس پہ ڈھیروں پیار آیا۔
"چائے بناؤں تمہارے لیے؟"
وہ پلکوں کی چلمن اٹھائے پوچھ رہی تھی' اور اسفند بے ہوش ہوتے ہوتے بچا۔
"کیا چائے اور تم... کیوں مذاق کر رہی ہو۔"
"بی سیریس اسفی! میں سچ مچ تم سے پوچھ رہی ہوں۔" وہ یقین دلانے والے لہجے میں بولی۔ تو وہ اپنی ہنسی دبائے واش روم کی جانب قدم بڑھاتے ہوئے دو ٹوک لہجے میں بولا۔
"تھینک یو مس ذونائشہ احسان' میں جوشاندہ پینے کے موڈ میں نہیں ہوں۔"
ذونائشہ کا جی چاہا کہ یہیں پھوٹ پھوٹ کر رو دے۔
رات وہ الارم لگا کر سوئی تھی۔ اور جب صبح صادق کے وقت اس نے لاؤنج میں قدم رکھا تو جائے نماز تہ کرتی ہوئی نسیم بیگم کی حیرت دیدنی تھی۔
"خیر تو ہے ذونا بیٹا! آج اتنی جلدی اٹھ گئیں۔"
"بس اب میں آپ کے ساتھ اٹھا کروں گی اور کچن میں آپ کی ہیلپ کروایا کروں گی۔" ذونائشہ نے مسکراتے ہوئے جائے نماز ان کے ہاتھ سے لے کر دوبارہ بچھا دی۔ نسیم بیگم کے لیے اس کی یہ تبدیلی خاصی حیران کن تھی۔ کیونکہ وہ جب سے پاکستان آئی تھی وہ اسے آج پہلی بار یوں نماز پڑھتے ہوئے دیکھ رہی تھیں۔
اسفند جب تیار ہو کر کچن میں آیا تو اندر کا منظر ہی کچھ اور تھا... نانو... نورالعین اور منزہ ڈائننگ ٹیبل پہ ناشتا کرنے میں مصروف جب کہ ذونائشہ چولہے کے پاس کھڑی آملیٹ بنانے میں مگن تھی۔
"ارے آؤ ناں اسفی بیٹا رک کیوں گئے؟"
ماما نے گرم گرم سلائس کی پلیٹ ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا۔
"اس کایا پلٹ پر حیران ہو رہے ہیں ناں؟" منزہ نے مسکراتی نظروں سے اسفند کو دیکھا جب کہ وہ کرسی دھکیل کر خاصی سنجیدگی سے گویا ہوا۔
"بائی داوے آج سورج کس طرف سے طلوع ہوا تھا؟"
"کیا مطلب ہے اسفی بھائی!" نور نے حیرانگی سے اسفند کے سپاٹ چہرے پر دیکھا۔
"بھئی سیدھی سی بات ہے ان محترمہ کو تو چائے بھی ڈھنگ سے بنانی نہیں آتی اور یہ آملیٹ بنا رہی ہیں۔" ذونائشہ کو اس کے لہجے کا تمسخر محسوس ہوا مگر اس نے خاموشی سے اپنے کام کو جاری رکھا...
"ارے اسفند بیٹا! ذونائشہ نے تو تمہارے لیے پراٹھا بھی بنا رکھا ہے۔" اب کے نانو نے پلیٹ میں رکھا ہوا پراٹھا اس کے آگے رکھ کر حیران کیا۔
"نانو... یہ... یہ پراٹھا ہے بھلا' آپ اسے پراٹھا کہہ کر پراٹھے کی توہین مت کریں۔ مجھے تو یہ کسی گمنام ملک کا نقشہ لگ رہا ہے۔" وہ پراٹھے کو آنکھوں کے قریب لا کر بغور معائنہ کر رہا تھا۔ اس کی بے ساختہ رائے پہ منزہ اور نور کھلکھلا کر ہنسیں تو ذونائشہ کی

آنکھوں سے متواتر آنسو گرنے لگے۔

"ارے منہ میں گھنگھنیاں ڈال رکھی ہیں کیا؟ اس گمنام ملک کے نقشے کا نام تو بتادو۔" اسفند کی تیز آواز دوبارہ اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

"اسفی خبردار... میری بیٹی کو تنگ مت کرو۔" نسیم بیگم نے تنبیہی لہجے میں اسفند کو گھورا تو وہ جز بز سا ہو کر پیچھے ہٹ گیا۔

"تنگ تو آپ کی چہیتی نے مجھے کر رکھا ہے۔"

"بہت تنگ ہو ناں مجھ سے، جا رہی ہوں میں کبھی واپس نہ آنے کے لیے۔" وہ رندھی ہوئی آواز میں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر لمبے لمبے ڈگ بھرتی ہوئی کچن عبور کر گئی۔

"اے اسفند بیٹا! ناراض کر دیا اسے اب جا کر مناؤ اسے۔ کیسے روتی ہوئی گئی ہے میری بچی!" نانو نے اسے خشمناک نظروں سے گھورتے ہوئے لتاڑا۔

"میں پوچھتی ہوں کیا ضرورت تھی اس معصوم کا دل توڑنے کی۔" اب کے نسیم بیگم کا غصیلا لہجہ اسے سر جھکانے پر مجبور کر گیا۔

"زیادتی آپ کی ہے بھائی!" منزہ کے ساتھ ساتھ نورالعین نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

"اور کیا اسفی بھائی! ذونائشہ بے چاری تو مجھ سے صبح ہی صبح آملیٹ کی ترکیب پوچھ رہی تھی۔"

"اتنی محبت سے تو کوئی زہر بھی پلائے تو وہ بھی پی لینا چاہیے۔ اب جا کر دیکھو تو سہی ذونا سچ مچ تو جانے کی تیاری نہیں کر رہی۔" نسیم بیگم کی دوہائی پہ وہ جھٹ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"پلیز ذونا اب بس بھی کرو... میں سوری کر رہا ہوں ناں۔" وہ التجا آمیز لہجے میں سوں سوں کرتی ذونائشہ سے مخاطب ہوا۔

"تمہارے سوری کرنے سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑنے والا سمجھے تم۔" وہ خاصی عجلت میں اپنے کپڑے بیگ میں ٹھونس رہی تھی۔ اسفند کے تیسری بار سوری کرنے پہ درشتگی سے بولی۔

"تو پھر کیسے پڑے گا فرق" وہ بے چارگی سے بولا۔

"شاید تمہاری نورالعین کو پڑ جائے۔" ذونائشہ کا انداز خاصا جلا کٹا تھا۔

ایک بے ساختہ مسکراہٹ نے اسفند نیازی کے لبوں کو چھوا۔

"احمق لڑکی وہ بھائی کہتی ہے مجھے۔ کیا سمجھیں؟"

"او نہوں بھائی کہتے ہوئے اس کی زبان کی لڑکھڑاہٹ تم نے سنی ہو تو ناں۔"

ذونائشہ نے خاصی بے دردی سے آنسو صاف کرتے ہوئے اسفند کو باور کرانا چاہا۔

"اتنی خوبصورت آنکھوں سے اتنی بے دردی۔"

وہ اس کی بات سنی ان سنی کر کے نرم لہجے میں اس کے ہاتھ ہٹاتے ہوئے بولا۔

"چھوڑو مجھے... اب میں یہاں ایک منٹ نہیں رکوں گی۔" وہ خاصے تیکھے لہجے میں اس کے ہاتھ جھٹکتے ہوئے بولی تو اسفند نے سرد آہ بھری۔

خلوص کے بندوں میں اک خامی ہے عدم
ستم ظریف بڑے جلد باز ہوتے ہیں

"سچ تو یہ ہے کہ تمہیں مجھ سے بالکل بھی محبت نہیں ہے۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بیگ کی زپ بند کرتے ہوئے ایک جھٹکے سے سیدھی ہوئی۔

حساب عمر کا اتنا سا گوشوارا ہے
تمہیں نکال کے دیکھا تو سب خسارہ ہے

اسفند اس کے بھیگے بھیگے سے چہرے پر نظریں جما کر ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔

"اور... اور وہ نورالعین وہ تو آئیڈیل ہے ناں تمہاری؟" ذونائشہ کا گرجتا ہوا لہجہ اسفند کو تپا گیا۔

"احمق لڑکی... بات یہ ہے کہ جب نور نے اس گھر میں قدم رکھا تو میں نے تمہاری آنکھوں میں رقابت کے سائے دیکھ کر پلان ترتیب دے ڈالا ذونا میں تمہیں صرف یہ احساس دلانا چاہتا تھا کہ یہ ذمہ داریاں بوجھ نہیں ہوتیں۔ محبت کا اظہار ہوتی ہیں اور جب تم محبت کو اظہار بنا کر میرے سامنے آئیں تو جانتی ہو مجھے تم پہ... کتنا پیار آیا تھا۔" آخری جملہ کہتے ہوئے اسفند کا لہجہ خاصا شوخ تھا۔

"تم بہت خراب ہو اسفی! بھلا یہ سب کرنے کی کیا ضرورت تھی۔" اس نے شاکی نظروں سے گھورا۔

"اگر میں یہ سب کچھ نہ کرتا تو تمہاری چاہت کے رنگ کیسے دیکھ پاتا۔" اسفند نے ہولے سے اس کی الجھی بکھری لٹ کو چھوا۔

"اچھا اب زیادہ رومینٹک ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ خجل سی باہر نکلنے کے پر تولنے لگی تو وہ ایکدم سے اس کے سامنے آگیا۔

سنو کہ اب گلاب دیں گے، گلاب لیں گے
محبتوں میں کوئی خسارہ نہیں چلے گا

"اسفی جس اسپیڈ سے تم دھڑا دھڑ شعر اگل رہے ہو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پریکٹس ہوتی رہی ہے۔" ذونائشہ کے بے ساختہ ریمارکس، دروازے کی اوٹ میں کھڑی منزہ اور نورالعین کو کھلکھلانے پہ مجبور کر گئے۔

"ارے تت... تم دونوں یہاں کھڑی کیا کر رہی ہو؟"

اسفند نے بوکھلائے لہجے میں استفسار کیا۔

"بھئی ہم تو ایک تازہ خبر سنانے آئے تھے۔"

وہ دونوں رازداری سے بولتے ہوئے آگے بڑھیں۔

"کون سی خبر؟" دوسری طرف متجسس ہو کر یک زبان پوچھا گیا۔

"ماموں اور ممانی کل رات پاکستان پہنچ رہے ہیں۔" منزہ نے جھٹ سے اطلاع دی۔

"مم... مگر کیوں؟" ذونائشہ نے بمشکل حیرت کا اظہار کیا۔ "ناکہ تم دونوں کے تمام جھگڑے نمٹا دیے جائیں" نانو نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے رسان سے کہا۔

"اے اسفی بیٹا! تو ذونائشہ کو رکھنا نہیں چاہتا اور ذونائشہ یہاں رکنا نہیں چاہتی۔ سو میں نے سوچا ہے کہ تم دونوں کے جھگڑے کو سرے سے ختم کر ڈالوں۔"

"کون سا جھگڑا کیسا جھگڑا کہاں کا جھگڑا نانو آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے بھلا ہم دونوں لڑے کب تھے۔ کیوں ذونا!" اسفند نے گم سم سی ذونائشہ کا کندھا ہلایا۔ تو وہ جیسے ہوش میں آگئی۔

"اور نہیں تو کیا، دادو ہم بھلا لڑ سکتے ہیں۔" ذونائشہ نے اپنے چھلکتے آنسوؤں کو جھٹ سے صاف کرتے ہوئے اسفند کی تائید کی۔

"نانو پلیز اب سمجھ بھی جائیں ناں۔" اسفند نے التجائیہ لہجے میں کہتے ہوئے ان کے گلے میں بانہیں ڈالیں۔

"اے خوب سمجھتی ہوں میں تم دونوں کو۔ اسی لیے تو احسان کو فون کیا ہے کہ پہلی فرصت میں لاہور پہنچو۔"

"تاکہ میں اپنی ذونائشہ کو ہمیشہ کے لیے اس گھر میں لے آؤں۔" دروازے کی چوکھٹ پر قدم رکھتی ہوئی نسیم بیگم نے نانو کی بات کو آگے بڑھایا تو سب کی ہنسی میں اسفند کا قہقہہ بلند ہوا۔

"ماما زندہ باد"

ذونائشہ لبوں پہ دھیمی مسکان سجائے اپنی چاہت کے رنگ سے زندگی کے منظر کو دھنگ رنگوں کی طرح سجا ہوا دیکھ رہی تھی۔

☆ ☆

ادارہ خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے بہنوں کے لیے خوبصورت تحفہ
خواتین کا گھریلو انسائیکلوپیڈیا
شائع ہو گیا ہے،
خوبصورت سرورق، آفسٹ چھپائی، مضبوط جلد،
قیمت 450 روپے
پتا ذیل سے خریدیں
• مکتبہ عمران ڈائجسٹ، اردو بازار کراچی
• احمد نیوز ایجنسی، فریئر مارکیٹ کراچی
• سلطان نیوز ایجنسی، اخبار مارکیٹ لاہور
• اشرف بک ایجنسی راولپنڈی • مہران نیوز ایجنسی حیدرآباد
بذریعہ ڈاک منگوانے کا پتا مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37 اردو بازار کراچی

سالگرہ نمبر

رابعہ کاشمیری

موسم گل سے گھر آئے

افسانہ

آج کئی سالوں بعد واپسی کا قصد کیا ہے تو میری آنکھوں نے اولین محبت کا خواب پھر سے دیکھنا شروع کر دیا ہے اور میں جو عرصہ فراموشی میں رہ کر یا خود کو یہ باور کرا چکا ہوں کہ میرے دل میں اب کوئی کسک، کوئی خواہش، کوئی طلب نہیں ہے تو آج مجھے اس یقین کی خود ہی نفی کرنا پڑ رہی ہے۔

بیتھرو ایئرپورٹ کے ایئر ٹکٹنگ کاؤنٹر سے باہر نکلنے کے بعد میرے ذہن نے دانستہ ماضی میں جھانکنا شروع کر دیا تھا۔ میرے بابا میرے یار دوست میرے چھوٹے سے محلے کی کشادہ لیکن پر ہجوم گلیاں پڑوسن خالہ، بوا معراج اور پھر اسی تسلسل میں چلتے چلتے میرے ذہن کی ریل ایک جگہ آ کر اٹک گئی تھی۔ میں نے خود کو ٹٹولا یوں جیسے کوئی Play کا بٹن دبایا ہے اور پھر جب دوبارہ سلسلہ جڑا تو صرف ایک ہی چہرہ تخیل کے پردے پر لہرا رہا تھا۔ علیحہ رحمان نٹ کھٹ شرارتی علیحہ! جسے سب علی کہتے تھے۔ میرے اکلوتے ماموں کی اکلوتی بیٹی اور میرے دل میں اترنے والا اولین خواب، میری آنکھوں میں ٹھہر جانے والی ایک تابناک چمک۔

کتنی عجیب بات ہے آج سالوں بعد بھی میں اس خواب صورت سے پیچھا نہیں چھڑا پایا، میں تو یونہی ایک عرصے سے اس خوش فہمی میں رہا کہ میری آنکھوں میں ٹھہر جانے والی تابناک چمک کب سے دھند کی لپیٹ میں ہے اور حقیقت کی گرد نے سارے نقش ایک ایک کر کے مٹا دیے ہیں لیکن ان لمحوں میں ساری خوش فہمیوں کی نفی ہو رہی تھی اور میں اپنی اس بے اختیار کیفیت پر حیران ہی نہیں بہت پریشان بھی تھا۔

میرے ارد گرد بہت سارے لوگوں کا ہجوم تھا، دیکھے ان دیکھے چہرے۔۔۔ کہیں معصوم ادا تو کہیں بے باک جلوے کہیں مومی بدن تو کہیں نقرئی ہنسی کی جلترنگ مگر کہیں بھی ہلکی سی شبیہہ اس چہرے کی نہیں تھی جو میری یادوں میں محفوظ تھا۔

یہ یادیں بڑی عجیب ہوتی ہیں بالکل آنسوؤں کی طرح آتی ہیں تو پھر آتی ہی چلی جاتی ہیں سمندر کی ان

تھک لہروں کی طرح یہ بھلا کب روکے سے رکتی ہیں۔ میں نے بے چینی سے آنکھیں مسلیں یہ میری آنکھوں میں جلن سی کیوں ہونے لگی تھی؟ میرے بے تکلف سنگی ساتھی اکثر کہتے ہیں۔

"یار! اللہ نے تمہیں اتنی خوب صورت آنکھوں کے ساتھ دنیا میں بھیج کر نازک دل لوگوں پر بڑا ظلم کیا ہے۔" اور کبھی جو وہ میری آنکھوں کو سرخ ہوتے دیکھ لیں تو ہاتھ جوڑ دیتے ہیں "او بھئی! پتا ہے اللہ نے تیرے ساتھ خاص سلوک کیا ہے مگر یہ انداز تو کسی کے لیے جان لیوا ثابت ہو سکتا ہے۔"

اور اس وقت اطمینان کے لیے یہ بات کافی تھی کہ میرے وہ ہم زبان۔۔ ہم مزاج میرے ساتھ نہ تھے اور میں چاہتا تو قدرے تنہا گوشے میں بیٹھ کر رو بھی سکتا تھا بہرحال ان لمحوں میں مجھے روکنے اور ٹوکنے والا کوئی نہیں تھا۔ ہوتا بھی تو میری بے بسی خود اس وقت میرے بس میں نہ تھی۔

کہر آلود شام میں اور میری تنہائی اور یادیں بڑا گہرا ربط تھا ان سب میں۔ قطرہ قطرہ نمکین پانی میرے دل پر گرنے لگا تھا۔

☼ ☼ ☼

بابا نے کہا تھا کہ میں عادل رحمان کی شادی میں چلا جاؤں اور مجھے بڑا عجیب لگا کہ میرے ماموں کے بیٹے کی شادی اور صرف ولیمہ ڈنر کا کارڈ میری ٹیبل پر رکھا ہے۔

کارڈ کے سنہری حروف میرا مذاق اڑا رہے تھے اور میں ایک دم اندر تک تلخیوں میں گھر گیا۔ "بابا جان کیا جانا ضروری ہے۔" مجھے خود اپنا لہجہ چٹختا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

"جانا تو پڑے گا بہت سارے کام ہمیں اپنے مزاج سے ہٹ کر دستور نبھانے کی خاطر کرنے پڑتے ہیں۔"

"صرف آپ کی خاطر۔۔ ورنہ مجھے ان نام نہاد رشتوں سے کوئی دلی رغبت محسوس نہیں ہوتی۔ پتا نہیں کیوں ہر رشتہ غرض اور تکلف میں لپٹا ہوا ہے۔"

میں ہر قسم کی بات بابا جان سے بلا جھجک کر لیا کرتا تھا
میری پیدائش کی بعد امی جان نے دنیا سے منہ موڑ لیا تھا امی کا میکہ بڑے بھائی کے دم سے تھا اور ان کا تعلق اس کلاس سے تھا جہاں رشتے ناتے دولت اور امارت کے پیمانے سے ناپے جاتے تھے گو کہ امی جان بھی اسی کلاس سے تعلق رکھتی تھیں مگر وہ سکون کی تلاش میں بابا جان کی زندگی میں اپنی خوشی سے آئی تھیں بابا جان محدود سا ایکسپورٹ کا بزنس کرتے تھے اور اپنے حالات سے بہت مطمئن تھے بابا جان کا گھر بھی شہر کے مہنگے علاقے میں نہیں تھا اور امی جان نے ہر طرف سے تسلی کر لینے کے بعد یہ فیصلہ کیا تھا۔
ماموں نے کافی اعتراضات اٹھائے تھے مگر اس وقت امی کی والدہ حیات تھیں یوں ان کی رضامندی سے یہ معاملہ خوش اسلوبی سے نمٹ گیا مگر اس کا انجام بے حد المیہ ہوا۔
امی جان ایک سال سے زیادہ محبت اور رفاقت کا عہد نہ نبھا سکیں بابا جان کے لیے یہ اتنا شدید ذہنی اور اعصابی جھٹکا تھا کہ وہ بہت عرصے تک گھر اور کاروبار سے غافل رہے آہستہ آہستہ سب کچھ معمول پر آتو گیا مگر زندگی میں کچھ کرنے کی لگن اور دلکشی نہ رہی جو شبانہ روز محنت پر اکساتی ہے۔
میری تربیت بورڈنگ میں ہوئی اور میری زندگی میں رشتوں ناتوں کا تصور ہی ختم ہوتا چلا گیا میں اپنی الگ سی دنیا میں مطمئن اور مگن تھا۔
امی جان کے بعد نہ کبھی ماموں کے گھر سے کوئی آیا اور نہ ہی کسی التفات کا مظاہرہ ماموں کی طرف سے ہوا۔ ماموں کی فیملی زیادہ تر ملک سے باہر رہتی کچھ ان کی مصروفیت اور کچھ میرا لائف اسٹائل کہ سالوں ہم کزنز نے ایک دوسرے کو نہیں دیکھا کبھی کسی خاندانی تقریب میں ماموں سے ملاقات ہو جاتی تو سرسری سلام ودعا کے بعد آگے بڑھ جاتے نہ انہوں نے کبھی ماموں والی محبت جتائی اور نہ میرے دل میں ایسا کوئی جذبہ جاگا۔ شاید رشتوں کی حرارت دونوں طرف سے ہو تو دل خود بخود ایک دوسرے کی محبت اور احساس کے لیے ہمکتا ہے۔
بہرحال یہ اس مصروف دور کا تقاضا تھا کہ ہم لوگ کسی خونی رشتے کا حق نہیں جتا سکتے تھے سب کی اپنی دنیا اور اپنی دلچسپیاں تھیں۔
کبھی کبھی مجھے اپنے اردگرد خالی پن کا احساس بہت شدت سے ہوتا تھا کوئی خالہ ہوتی تو شاید اس میں امی جان کی شبیہ تلاش کرتا۔ نہ پھوپھی نہ چچا جن کے ساتھ محبت جتاتے نہیں ہیں بلکہ ان سے محبت قانون فطرت ہوتی ہے اور لے دے کے ایک ماموں تھے جن کا بزنس دنیا کے ترقی یافتہ ممالک میں پھیلا ہوا تھا انہیں بھلا کب یاد رہ سکتا تھا کہ ان کا بھانجا اس فطری حرارت کی تلاش میں ہے جو جینز کے ذریعے منتقل ہوتی ہے۔
عادل رحمان کی شادی ملک سے باہر ہوئی تھی اور یہاں ولیمہ ڈنر کا اہتمام "عوام" کی پرزور اصرار پر ہو رہا تھا۔ میں ویسے بھی بی سی ایس کے ایگزیمز کے بعد فارغ تھا اس لیے فراغت کا کوئی اور بہتر مصرف تلاش کرنے کے بجائے اپنے اس حقیقی عم زاد کے ولیمے میں چلا آیا جسے میں شاید دوسری یا تیسری دفعہ دیکھ رہا تھا۔
اپنے حساب سے میں نے تیاری خوب کی تھی لیکن پی سی کے وی آئی پی ہال کی تیز اور چمکدار روشنی میں مجھے اپنا آپ ماند پڑتا محسوس ہو رہا تھا لیکن صد شکر کہ میرے اندر کسی قسم کا احساس کمتری نہیں تھا اس لیے میرا اعتماد بحال رہا۔ کزن کو اپنی خوشی سے پانچ ہزار سلامی میں دیتے ہوئے مجھے ہرگز یہ خیال نہیں آیا تھا کہ عادل رحمان کے لیے ان روپوں کی کیا حیثیت ہے۔
دولہا دلہن کی جوڑی بے مثال تھی۔۔۔ میں نے دلی مسرت کے ساتھ مبارک باد دی تو چاندی کی گھنٹیوں جیسی آواز نے میرا تعاقب کیا۔
"بائی داوے اپنا تعارف تو کروا کر جائیں۔" خوش آواز خوش لباس اور اس محفل کا سب سے شگفتہ اور دلکش چہرہ میں ٹھٹک گیا تھا اور نظر نے کہا اے دل تیرے بہک جانے کا سب سامان سامنے ہے۔ میری

نظر کا بے دریغ استعمال تھا یا کوئی اور وجہ کہ وہ اجلی صورت ایک مہین پردے کی آڑ میں ہو گئی جو ہال کی ڈیکوریشن میں استعمال ہوا تھا۔ اب اس کی آنکھیں سوال کر رہی تھیں "آپ کون"۔
"نور الحسن کہتے ہیں مجھے۔" میرا لہجہ خود بخود سرگوشی میں ڈھل گیا اور وہ قدرے تحیر سے مسکرائی پھر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ "تو آپ ہیں بابا کے بھانجے۔"
"جی آپ کی اکلوتی پھوپھی کا بیٹا لیکن آپ کو شاید سمجھانا پڑے گا کہ پھوپھی کس کو کہتے ہیں۔" میں نے اس کے چمکتے لب و رخسار پر بڑی بھرپور نظر ڈالی حالانکہ مجھے اپنی اس کیفیت پر عصہ بھی آ رہا تھا اور شاید اندر کہیں خفیف سی شرمندگی بھی تھی کہ میرے حواس میرے قابو میں کیوں نہیں ہیں۔ میری نظروں کے سامنے آنے والا یہ کوئی پہلا حسین چہرہ تو نہ تھا لیکن دل کی دھڑکنوں میں ہونے والی خوشگوار سی ہلچل بہت نئی اور بالکل اولین تھی۔
یہاں رنگ و بو کی محفل میں کسی کو کسی کی پروا نہیں تھی اس کے باوجود میں نے پلٹنا چاہا تو وہ جدید وضع کے گھیر دار سوٹ کی ایک ایک سلوٹ کو سمیٹتے ہوئے ساتھ ہو گئی۔
"نور الحسن۔۔۔ بہت مشکل نام ہے آپ کو نور کہہ سکتی ہوں۔"
"کب تک کہیں گی۔۔۔" مجھے شرارت سوجھی سارا قصور اس ہوش ربا ساتھ کا تھا۔
"کیا مطلب۔۔۔ آپ خفا سے لگتے ہیں حالانکہ میرا تو کوئی قصور نہیں میں تو چند دن پہلے ہی پاکستان آئی ہوں اور کل ہی تو میں پھوپھی جان کی تصویریں دیکھ رہی تھی ان کے کالج فنکشن کی۔ ابھی جب میں نے آپ کو دیکھا تو لگا کہ آپ ہی ان کے بیٹے ہوں گے۔ بہت ملتے ہیں آپ کے فیچرز اپنی ماما سے۔"
اس کا لہجہ ہر قسم کی بناوٹ اور ریا سے پاک تھا۔ اس کی آنکھوں میں اپنائیت کی بھرپور چمک تھی اور میں نے جو سوچا تھا کہ میرے ماموں کی بیٹی ان سے بھی دو ہاتھ آگے ہو گی اپنے خیال کی نفی کرتے ہوئے بغور اسے دیکھنے لگا۔
"علیحہ رحمان۔۔۔ نائس ٹو میٹ یو اور ویسے بھی خوب صورت لوگوں سے ضرور ملتا ہوں رب کائنات کے ذکر اور ثنا کا موقع مل جاتا ہے۔" میں نے قدرے توقف سے کہا۔
"اف اتنی مشکل بات۔۔۔" وہ شرما سی گئی تھی اور میرے دل نے اپنا آخری ہتھیار بھی ڈال دیا تھا۔
"کیا کرتے ہیں آپ۔۔۔" وہ اچھی میزبان ہونے کا ثبوت دینے لگی۔
"خواب دیکھتا ہوں۔"
"کیا کرتے ہیں۔۔۔" اس نے بے حد تعجب سے کہا اور میں ہنس پڑا۔ خونی رشتے کی قربت نے میرے اندر سرشاری سی بھر دی تھی اور مجھے خوشی اس بات کی تھی کہ ایک مضبوط حوالے اور واسطے نے اسے میرے ساتھ کچھ وقت گزارنے کے لیے اکسایا تھا۔ یہاں بہت سارے لوگ تھے جو اس کے التفات اور توجہ کے منتظر تھے کیونکہ وہ دولہا کی بہن تھی اور پھر اس کے کم سن حسن اور دلکش وجود میں اتنی کشش تھی کہ جو نظر بھی اس کی طرف اٹھتی وہ ستائش رشک اور حسد سے بھرپور ہوتی اور مجھے یہ سب جاننے میں ذرا بھی دیر نہیں لگی تھی۔
لوگوں کے چہرے پڑھ لینے کا ہنر مجھ میں یقینی طور پر موجود تھا جس کا میں عموماً فائدہ اٹھاتا تھا اور اس وقت بھی اپنی اس خوبی کے ہاتھوں علیحہ رحمان کا خاص مہمان بن گیا تھا۔ یہ بات میرا دل کہہ رہا تھا اور میں ہرگز اس کی خوش گمانی سے صرف نظر نہیں کرنا چاہتا تھا۔
"اور آپ کیا کرتی ہیں۔"
"کچھ خاص نہیں سینئر کیمبرج کا اسٹارٹ ہی بہت ٹف ہے اس لیے ساری ہابیز ختم ہو گئی ہیں۔"
"میرا خیال تھا آپ نے ابھی جونیئر کیمبرج بھی پاس آؤٹ نہیں کیا ہو گا۔" میں متبسم نگاہوں سے دیکھنے لگا۔
"بالکل غلط خیال تھا نیکسٹ منتھ میں اپنا ٹینتھ

ایئر سیلیبریٹ کروں گی آپ آئیں گے نا۔" اس کے انداز میں بچگانہ سا استفسار تھا جانے کیوں مجھے بے ساختہ ہنسی آگئی۔

"انیسواں سال حماقتوں کا آخری سال ہوتا ہے ویسے تم بلاؤ گی تو ضرور آؤں گا۔" میں نے فوراً ہی فیصلہ کر لیا تھا کہ آپ جناب کا تکلف ختم ہو جانا چاہیے۔

"تو آپ میرے ساتھ لاہور چلیں گے نا!" پُرشوق لہجے میں اصرار بھی تھا۔

"کیوں وہاں بسنت فیسٹیول میں شرکت کرنے کا پروگرام ہے۔"

"میں جب بھی پاکستان میں ہوتی ہوں اپنی سالگرہ کا فنکشن لاہور میں ہی ارینج کرواتی ہوں اس طرح ہم بسنت بھی انجوائے کر لیتے ہیں۔" اس نے خاصی دلچسپ اطلاع فراہم کی تھی مجھے پھر ہنسی ضبط کرنا پڑی۔ (نت نئے آئیڈیے بھی امیروں کے ذہن کی پیداوار ہوتے ہیں)

"تو اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے۔" اس نے خفگی سے مجھے گھورا اور میں نے اس ادا کو دل کے کسی گوشے میں دانستہ محفوظ کر لیا مجھے پتا تھا یہ وقت یہ قیمتی لمحے پھر کبھی نہیں آئیں گے۔ ماموں کا مصروف انداز ممانی کا سرد مہر رویہ اور ان کے بچّوں کی گوناگوں مصروفیات رشتہ داریاں نبھانے اور چند گنے چنے رشتہ داروں جو ہم رتبہ بھی نہیں تھے کو یاد رکھنے کی مہلت کہاں دیں گی۔

اس بروکن کلاس کا مسئلہ ہی یہی ہے کہ وہ دوستی کے لیے بھی اپنے جیسے لوگوں کو ہی منتخب کرتی ہے اور بے غرض تعلق واسطے کی گنجائش تو نکلتی ہی نہیں ہے۔ میرے بابا جان کے پاس اتنا تھا کہ ہم دونوں خوشحال زندگی گزار رہے تھے لیکن اتنا نہیں تھا کہ اس کلاس میں شمولیت کے لیے بے دریغ خرچ کرتے شاید اسی لیے ہمارے روابط بھی بہت محدود سے تھے اور آج یہاں ان کیلکولیٹڈ مائنڈ لوگوں کے درمیان مجھے اجنبیت بھی اسی لیے محسوس ہو رہی تھی۔

مجھ جیسا آرٹسٹک مزاج بندہ مجبوراً بھی اس ماحول کا حصہ نہیں بن سکتا تھا اور نہ ہی ذاتی خوشی کی تقریب کو بزنس پوائنٹ آف ویو سے ارینج کروا سکتا تھا لیکن ماموں نے معززین شہر کو مہمان بنا کر اپنے مفادات کی سلامتی کا بہتر طور انتظام کیا تھا اور یہ ان کی سمجھداری کا بھرپور ثبوت تھا۔

اور یہ کتنی غیر متوقع سی بات تھی کہ ان سارے لوگوں میں علیحہ رحمان ہی ایسی تھی جو بغیر کسی غرض کے محض اپنی ذاتی دلچسپی کی بناء پر میرے پاس بیٹھی بالکل عام سی باتیں کر رہی تھی اور اس لجاتی قربت نے میرے دل کی دنیا میں جو ہلچل مچا رکھی تھی میں اس پر لطف بھی محسوس کر رہا تھا اور سکون آفریں مسرت بھی۔

"آئیں نور... میں آپ کو اپنی فرینڈز سے ملواؤں دو فارنرز ہیں اسپیشلی میرے انویٹیشن پر ساتھ آئی ہیں اور انہیں یہاں کا سیٹ اپ بہت اچھا لگا ہے۔" وہ گھیر دار لہنگا سنبھالتے ہوئے کھڑی ہو گئی چنا ہوا طاؤسی رنگ دوپٹا دبیز قالین کو چھو رہا تھا اور وہ اس کی لمبائی چوڑائی سے بیزار چھوٹے چھوٹے قدم اٹھانے لگی اور پھر اپنی جیسی چنچل اور شوخ لڑکیوں کے گروپ کے پاس جا کر ٹھہر گئی۔

"فرینڈز! میٹ مائی کزن نور الحسن۔" اس نے کہا اور لڑکیوں نے اشتیاق کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے ہاتھ آگے بڑھا دیے اور میں نے اس سرکل کے مخصوص طور طریقوں کو مدنظر رکھتے ہوئے قدرے تکلف کے ساتھ ہاتھ ملانے کا فریضہ انجام دیا۔

علیحہ سب کا تعارف معہ سیاق و سباق کروا رہی تھی اور میں یقینی طور پر غیر حاضر تھا کیونکہ میری نظریں تو گولڈن براؤن ریشمی لٹوں میں ہی الجھی ہوئی تھیں۔

"اے مسٹر! وائس رونگ ودیو..." ایک چنچل حسینہ نے شاید میری چوری پکڑ لی تھی اور پھر اس کا فوری ایکشن بھی لیا تھا میں نے خود کو بھرپور سرزنش کی اور پوری توجہ کے ساتھ ان چاروں کی طرف مڑ گیا۔ میری آنکھوں کی چمک اور میرے چہرے کے تاثرات یقیناً

...ے تھے کہ علیحہ نے قدرے چونک کر مجھے سر تا ...ں دیکھا تھا اور پھر میں نے اس کی آنکھوں میں بڑا ...جھا سا تاثر ایک پل کے لیے ابھر کر معدوم ہو گیا تھا۔

"کیا کرتے ہیں آپ..." یہ سوال ایک بار پھر مجھ ...ے پوچھا گیا تھا پتا نہیں کیوں یہ سوال سب کے لیے ...نا اہم ہوتا ہے مجھے پتا تھا میں اپنی وضع قطع اور ...ندرے پُرغرور انداز کے باعث اسی بزنس کلاس کا ...نمائندہ لگ رہا ہوں لیکن اس کے باوجود یقین دلانے ...کے لیے کسی گروپ آف کمپنیز کا نام ساتھ لگانا ضروری ...تھا۔

"یہ خواب دیکھتے ہیں..." علیحہ نے جلد ہی میری ...مشکل آسان کی اور اردو اسپیکنگ لڑکیاں کھلکھلا ...کر ہنس پڑیں۔

"تمہاری فیملی گیدرنگز میں پہلے انہیں کبھی نہیں ...دیکھا کیا یہ ملک سے باہر ہوتے ہیں۔" خالصتاً لڑکیوں ...والی انوسٹی گیشن شروع ہو گئی تھی اور میں نے بیزار سا ...ہو کر علیحہ کو دیکھا۔

"زویا نو بزنس ٹاک کوئی اور بات کرو۔" وہ تو میری ...مزاج آشنا ہو گئی تھی میرے اندر ایک اور خوش فہمی ...نے سر اٹھایا۔

پھر ایک اور چہکتی ہوئی آواز آئی۔

"یار علی! تم نے کبھی اپنے کزن کی آنکھیں غور ...سے دیکھی ہیں لائک اے ڈائمنڈ۔" میں اس بے ...تکلفانہ تبصرے پر جھنجلا ہی گیا تھا اور علیحہ کی ہنسی ...کی جلترنگ نے سارے ماحول میں ترنم سا بکھیر دیا تھا۔

"آفٹر آل میرے کزن ہیں تمہیں نہیں لگتا ہماری ...فیملی کو اللہ نے ذرا فرصت سے بنایا ہے۔" وہ پُرشریر ...انداز میں مسکرائی تھی سفید نگوں کے آویزے چہرے کی ...شہابی رنگت کا بھرپور ساتھ دے رہے تھے اور میں نے ...نظریں چرا کر فی الفور یہاں سے نکلنے کا سوچا تھا۔ یہ ...غزال سا گل رنگ چہرہ اور اس پر ستم ادائیں مجھے لگا ...جیسے میں کسی مقناطیسی حصار میں مقید ہو رہا ہوں مجھے ...اپنے دل کی بے اختیاری سے بہت شکایت ہو چلی ...تھی۔ میں نے علیحہ کو ایک بار پہلے شاید عمر کے اس

دور میں دیکھا تھا جب وہ سرخ و سپید گالوں والی صحت مند سی بچی تھی جس کے سنہری بال ماتھے پر بکھر کر کشادہ پیشانی کی خوب صورتی میں اضافہ ہی کرتے تھے اور وہ اپنی بے حد سریلی آواز میں لہک لہک کر پوئم پڑھا کرتی تھی۔

اور آج وہ بچی نوخیز عمر کا سارا حسن اپنے اندر سمیٹے ایک بھرپور اور دلکش لڑکی کے روپ میں جب میرے سامنے آئی تو میں واقعتاً اپنے آپ میں نہ رہا تھا۔ میں نے سنا تھا نظر فیصلہ نہیں کرتی صرف آگاہ کرتی ہے اور پھر دل تائید کرتا ہے اور زندگی میں ایک بار ضرور انسان دل و نظر کے فیصلوں کی آگے بے بس ہوتا ہے اور مجھ پر بے بسی کا وہ وقت آ چکا تھا۔

میں حیران حیران سا اپنے دل کو رنگ و بو کی اس محفل میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ کر واپس آیا تھا۔

اور گھر پہنچ کر میں نے بابا جان سے کہا تھا کہ "کیا دولت اتنی بڑی دیوار ہے کہ اس کی وجہ سے ہم برسوں اپنے رشتے داروں سے بے خبر رہے" اور اس پر بابا جان کی آنکھوں میں عجیب سا حزن سمٹ آیا تھا۔

"بیٹا! اگر دولت کے ساتھ مادہ پرستی بھی ہو تو پھر سب کچھ ممکن ہوتا ہے تمہاری امی کو شاید اسی لیے اس ماحول سے بیزاریت اور اکتاہٹ سی ہو چلی تھی اور جب اس نے کبھی اس مصنوعی ماحول کا حصہ بننے کی کوشش نہیں کی تو میں کیوں اس کے مزاج کے خلاف کوئی بات کرتا۔" اور میں نے بابا جان کی اس بات کو سن کر خاموشی اختیار کر لی تھی شاید مزید سوال و جواب لاحاصل تھے اپنے ایک مخصوص مزاج اور طرز فکر سے ہٹ کر تو میں بھی نہیں سوچتا لیکن یہ بات دل کو کون سمجھاتا۔

میں علیحہ سے اجازت لے کر واپسی کے لیے اپنے قدموں کو مضبوط کر رہا تھا کہ وہ تقریباً بھاگتی ہوئی میرے پیچھے آئی تھی۔

"نور! کل فرینڈز کے ساتھ چھوٹی سی پکنک منانے کا پروگرام ہے اگر آپ کی کوئی مصروفیت نہ ہو تو ساتھ چلیں پتا نہیں کیوں مجھے یقین ہے آپ کے ساتھ

وقت بہت اچھا گزرے گا اور تو کسی کے پاس فرصت بھی نہیں ہے۔"

میں نے بغور اس کی طرف دیکھا اور اس نے نظریں جھکالیں پتا نہیں کیوں مجھے لگ رہا تھا جیسے وہ یہ حیلے بہانے میرے لیے کر رہی ہو صرف میرے لیے اور اس کی آنکھوں میں در آنے والے اصرار کا رنگ اس کے بھی دل کی خواہش ہو اور دل کی خواہش اتنی بے رحم اور انہونی کیوں ہوتی ہے۔

"اگر کہوں کہ ممکن نہیں ہے تمہارے ساتھ چلنا میں نے یونہی کہہ دیا۔

"تو میرا پورا پورا حق بنتا ہے کہ آپ سے ناراض ہو جاؤں۔" وہ نروٹھے لہجے میں بولی اور رخ پھیر لیا اور میں سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا کہ آخر وہ مجھے اتنی اہمیت عادتاً" دے رہی ہے یا پھر کوئی اور وجہ، لیکن مجھے گھر پہنچنے تک کوئی سرا ہاتھ نہیں آیا تھا البتہ میں اسے کہہ آیا تھا کہ "میں کل فون کر کے بتاؤں گا۔"

اور یہ میں ابھی بھی فیصلہ نہیں کر پایا تھا کہ مجھے کل کیا کرنا ہے۔ میرے اندر کوئی پوری قوت سے مجھے یہ احساس دلا رہا تھا کہ مجھے اپنے بڑھتے ہوئے قدموں کو یہیں روکنا ہو گا میں جس راہ پر قدم رکھ چکا ہوں وہ میری منزل کو نہیں جاتی مگر یہ دل اور اس کی نادانیاں جنہیں مصلحت پسندی اور حقیقت کی تلخیوں سے آگاہ کرنا نہایت مشکل تھا۔

ساری رات میں سو نہیں سکا تھا اگر آنکھ لگتی بھی تو ایک اجنبی سا خواب مجھے جگا دیتا اور اس بے آرام رات کے نتیجے میں صبح کا آغاز نہایت کسلمندی سے ہوا تھا سر بھاری اور آنکھیں متورم ہو رہی تھیں۔ بابا جان پریشان ہو چلے تھے کہ کہیں مجھے اندر ہی اندر بخار نہ ہو گیا ہو وہ مجھے ڈاکٹر کے پاس جانے کی تاکید کر رہے تھے اور میں کمبل میں گھس کر سونے کی کوشش کرنے لگا۔ مجھے پتا تھا یہ بے چینی یہ اضطراب بے سبب نہ تھا۔

دوپہر میں ماموں کے گھر کا فون ملایا تو پتا چلا کہ علیحہ بی بی کسی دوست کے گھر گئی ہیں ملازم نے تابعداری کا ثبوت دیتے ہوئے ڈائری میں سے دیکھ کر اس کا موبائل نمبر مجھے لکھوا دیا اور پھر کافی دیر سوچنے کے بعد جب میں نے یہ نمبر پریس کیا تو دوسری طرف وہی مترنم آواز میری سماعتوں میں رس گھولنے لگی۔

"نور۔۔۔" اس کے استفسار پر دھیرے سے کہا۔

"اوہ تو آپ ہیں، پھر کیا پروگرام ہیں جناب کے آ رہے ہیں نا آپ۔۔۔" وہ چہکی اور پھر دوسری طرف کی سے کوئی سرگوشی بھی کی تھی۔

"سوری علیحہ! آئی ایم ناٹ فیلنگ ویل۔" میرے لہجے سے شاید تھکن مترشح تھی وہ پریشان سی ہو گئی۔

"ارے بابا کیا ہوا۔۔۔ رات کو تو آپ بالکل ٹھیک تھے!"

۔۔۔ "فلو تو خیر رات کو بھی ہو رہا تھا اور اس وقت بستر سے باہر نکلنے کو بالکل بھی دل نہیں چاہ رہا اس لیے میں آپ لوگوں کے ساتھ نہیں چل سکوں گا" اور اس نے میری بات سن کر کچھ کہے بغیر ہی فون رکھ دیا تھا۔

ابھی تو دل میں ہلکی سی خلش محسوس ہوتی ہے بہت ممکن ہے کل اس کا محبت نام ہو جائے میں خود کو تھپک تھپک کر سلانے لگا کہ مجھے سکون کی اشد ضرورت محسوس ہو رہی تھی اور میرا اس کوشش میں کافی وقت گزر گیا تھا جب بابا جان نے آ کر مجھے اٹھایا ابھی بھی میں صرف غنودگی میں تھا اس لیے ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا اور اجنبی نظروں سے انہیں دیکھنے لگا۔

"بابا جان! ابھی سویا تھا اتنی مشکل سے نیند آئی تھی۔" ظاہر ہے اس وقت میں ان پر ہی غصہ کر سکتا تھا۔

"بیٹا! علیحہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ آئی ہے تمہاری خیریت پوچھنے۔"

انہوں نے خوشی سے چور لہجے میں کہا اور میرے لیے یہ اطلاع دھماکہ خیز تھی۔ انہیں یقیناً" علیحہ سے مل کر خوشی ہو رہی تھی اور میں ساکت سا بیٹھا رہ گیا مجھے علیحہ کی اس جسارت کو حماقت کہنا ٹھیک لگ رہا تھا۔ جب مجھے اس رستے پر نہیں چلنا تھا اور وہ کیوں میرے ارادے کو متزلزل کرنے کا عزم کر چکی تھی۔

بابا جان مجھے فوراً" اٹھنے کا کہہ کر باہر نکل گئے اور

میں سوچ ہی رہا تھا کہ کیا کروں حلیہ درست کروں یا ایسے ہی باہر نکل جاؤں کہ دروازے پر مدھم سی دستک کے بعد کسی نے اندر جھانکا اور میں کمبل ایک طرف کر کے سرعت سے بیڈ سے اتر گیا۔ اندر آنے والی علیحہ تھی۔

"آئی ایم سوری! آپ کو ڈسٹرب کیا۔ لیکن آپ کی خیریت پوچھنا بھی تو میرا فرض تھا نا!" وہ بے تکلفی سے سامنے والے سنگل صوفے پر بیٹھ گئی اور اطمینان سے چہرے تاثرات سے قطعاً" بے نیاز کمرے کا جائزہ لینے لگی میرے کمرے میں باذوق لوگوں کی دلچسپی کے لیے بہت ساری چیزیں تھیں۔

کلاسک لٹریچر، پینٹنگز، اردو ادب کی نایاب کتابیں اور نئے پرانے گانوں کا کلیکشن اور بھی بہت کچھ۔

میں لب بھینچے بغور اسے دیکھ رہا تھا اور وہ یوں مطمئن نظر آ رہی تھی جیسے برسوں سے اس گھر اور اس کمرے میں آنا جانا ہو۔

"آپ نے اپنی طبیعت اس ڈر سے تو خراب نہیں کر لی کہ میرے ساتھ جانا پڑے گا اور میں بولتی بھی تو بہت ہوں شاید اسی لیے آپ۔۔۔"

وہ متبسم لبوں کے ساتھ مجھے یوں دیکھنے لگی جیسے اندازہ لگانا چاہ رہی ہو کہ میری طبیعت کتنی خراب ہے اور پھر مجھے مسکراہٹ اس لیے ضبط کرنا مشکل ہو گئی تھی کہ وہ زیادہ دیر تک میری سرخ آنکھوں میں نہیں دیکھ سکی تھی۔

اسے زچ کرنے کا اسے پزل کرنے کا میرے پاس بس یہی راستہ تھا کہ میں اسے اپنی نظروں کے حصار میں قید کر لوں۔

"کیا مجھے آپ کے گھر نہیں آنا چاہیے تھا۔" وہ جھنجلا کر کھڑی ہو گئی۔

"میں نے کچھ کہا ہے کیا۔" میرا لہجہ خود بخود حدت آمیز ہو گیا تھا۔

"تو پھر آپ کو غصہ کیوں آ رہا ہے یہ میری پھوپھی کا گھر ہے میں تو دس دفعہ آپ کے گھر آؤں گی۔" وہ تیز لہجے میں بولی۔

"موسٹ ویلکم لیکن آنے سے پہلے ماموں جان کو ضرور بتانا یا پھر ممانی جان سے پوچھ لینا۔۔۔ اگر تم بار بار یہاں آئیں تو ہمیں تمہاری عادت ہو جائے گی اور میں نہیں چاہتا کہ تم ہماری عادت بن جاؤ۔" میری اس بات وہ بے حد خاموش نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔

"نور۔۔۔ بہت سارے کام میں صرف اپنی مرضی سے کرتی ہوں اور اپنی خوشی کے لیے مجھے کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔"

"یہ تمہاری جذباتیت ہے اور کچھ نہیں تم وہ سارے کام اپنی مرضی سے کر سکتی ہو جو تمہارے پیرنٹس کے نزدیک ناپسندیدہ ہیں، اینی وے تم ضرور آؤ لیکن آج جو سرپرائز دیا ہے تو بتاؤ اس وقت تمہاری تواضع کے لیے کیا کروں۔" میں نے خوشدلی سے کہا اور وہ مسکرا دی آنکھوں میں بڑے روشن ستارے چمکنے لگے تھے۔

"صرف مسکرا دیں۔" اس نے حاضر جوابی سے خوب کام لیا تھا کہ میں دو قدم چل کر اس کے پاس آ گیا۔

"تمہاری توجہ کے اس انداز کو کیا سمجھوں۔" میں نے سوچا ضرور مگر کہا نہیں کیونکہ اس کی پرورش جس ماحول اور جس ملک میں ہوئی تھی وہاں ایسی باتیں قابل توجہ نہیں صرف معمول کا حصہ ہوتی ہیں۔ کوئی اچھا لگ جائے تو اس سے دوستی کرنا اور پھر اس کے ساتھ کچھ وقت اچھا گزار لینا ایک معمول کی سرگرمی ہوتی ہے۔ میں نے اپنی روایتی مشرقی سوچ کو جھٹک کر اس کے لیے صرف اتنا سوچا کہ وہ جو مجھے اچھی لگتی ہے اتنی اچھی کہ اس کے لیے مجھے پہلی بار نیند نہیں آئی وہ میرے سامنے ہے اور میری خاطر اس گھر میں پہلی بار آئی ہے اسی لیے مجھے اس قیمتی وقت کو کسی مصلحت پسندی کے حوالے کرنے کے بجائے انجوائے کرنا چاہیے اور پھر میں نے پھر ایسا ہی کیا۔

میں وقتی طور پر سب کچھ بھول گیا اور صرف اتنا یاد رکھا کہ میرے ساتھ علیحہ ہے۔ میری ساری کسلمندی رفو چکر ہو چکی تھی رات گئے تک میں نے

اس کی سہیلیوں کے ساتھ کراچی کے گائیڈ کے فرائض انجام دیے کیونکہ بہت ساری جگہوں سے وہ بھی انجان تھی۔

میری چھٹی حس نے کہہ دیا تھا یہ ساتھ دائمی نہیں ہو سکتا پھر بھی میری آنکھوں کو خوش رنگ خواب سوجھ رہے تھے اور وہ بھی جانے کیوں میری قربت میں اتنی سرشار اور خوش تھی۔ میرے دماغ نے پھر مداخلت کی تھی کہ کہیں یہ انداز تکلم کہیں یہ شوخی اس کی عادت نہ ہو اور میں نے پرفسوں لمحوں میں اس مداخلت پر بالکل کان نہیں دھرے تھے۔

"نور...! مجھے یہ دن ہمیشہ یاد رہے گا۔" جاتے جاتے اس نے سرگوشی کی تھی اور میں "رہے گا" میں الجھ گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

اگلے ہفتے وہ لاہور جا رہی تھی اور جانے سے پہلے اس نے مجھے تاکید کی تھی کہ میں لاہور ضرور آؤں اور سالگرہ میں شرکت کروں۔

وہ اتنی ہی سادہ تھی یا پھر مجھے بیوقوف بنا رہی تھی میں سمجھ نہیں سکا تھا اس لیے اس کے اصرار پر صرف سر ہلا کر رہ گیا لاہور میں ان کا اپنا گھر تھا اس نے ایڈریس کی چٹ مجھے تھمائی اور بابا جان کی طرف مڑ گئی۔

"انکل! آپ کے بیٹے کو خود پر اتنا غرور کیوں ہے دیکھیں نا میرا دل رکھنے کے لیے اتنا بھی نہیں کہہ سکتے کہ آؤں گا۔"

"ارے بیٹا! اسے کیا پتا غرور کا سر نیچا ہوتا ہے۔" انہیں بھی اس کے ساتھ تفریح سوجھ رہی تھی میں نے فوراً" سے پیشتر انہیں گھورا۔

"چلے جانا نور...! محبتوں کی قدر کرنا سیکھو۔" یہ آج پہلی بار ایسا فرمان جاری ہوا تھا اور مجھے پتا تھا یہ سب علیحہ کی وقت بے وقت آمد کا کمال ہے اور اسے پتا نہیں کون سی کشش کھینچ کر لے آتی تھی کہ واپس جاتے ہوئے ضرور جتاتی کہ "ماما سے کہہ کر آئی ہوں طارق روڈ جا رہی ہوں اب طارق روڈ پر آپ لوگوں کا بھی گھر ہے تو میرا کیا قصور..." بابا جان نے ایک بار ٹوکا تھا تو وہ شانے اچکا کر رہ گئی تھی۔

"ارے انکل! ہمارے گھر میں سب کی اپنی روٹین ہے کوئی کسی سے سوال نہیں کرتا تو پھر میں کیوں بلاوجہ کی وضاحت کروں۔" وہ اطمینان سے کہتی اور بابا جان کسی گہری سوچ میں ڈوب جاتے مجھے پتا تھا ان لمحوں میں وہ کیا کچھ سوچ رہے ہوتے تھے۔

☆ ☆ ☆

میں نے علیحہ کی سالگرہ میں نہ جانے کا فیصلہ کر لیا تھا مجھے خود کو روکنا تھا اور اس کے لیے بہت ضروری تھا کہ میں اب اس کی کوئی بات نہ مانوں البتہ اس کو کوریئر سروس کے ذریعے پھول اور کارڈ بھجوانے سے میں خود کو نہیں روک سکا۔ وہ جو میری زندگی میں بہار کا عنوان تھی میں اسے اتنی آسانی سے تو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔

اور شاید جیسے ہی اسے پھول اور کارڈ موصول ہوئے تھے اس نے میرا نمبر ڈائل کر لیا تھا کیونکہ اس کا لہجہ بہت روہانسا ہو رہا تھا۔

"مجھے نہیں چاہیے یہ سب کچھ..."

"تو پھر..." میں اطمینان سے بیڈ پر نیم دراز ہو کر بولا۔

"پھر کیا آپ کیوں نہیں آئے کتنا انتظار کروایا آپ نے۔"

"دیکھو علی! اتنا سینٹی مینٹل ہونے کی ضرورت نہیں یہ تمہاری پرسنل گیدرنگ ہے۔"

"ڈونٹ سے مور! آپ نے ایک دم سے خود کو مجھ سے دور کر دیا ہے۔" وہ بات کاٹ کر انتہائی درشت لہجے میں بولی اور مجھے اس کا یہ انداز حیران کر گیا۔

"علی! ڈونٹ بی شاؤٹ تمہیں سمجھدار ہونے کے لیے کئی سال چاہئیں۔"

"آپ مجھے ڈانٹ کیوں رہے ہیں۔" اس نے فوراً" ہی احتجاج کیا تھا اور میں گہری سانس لے کر رہ

گیا۔ کیا تھی یہ لڑکی اور میں کتنا بے بس ہو گیا تھا۔

"تمہیں ڈانٹوں بھی نہیں غصہ بھی نہیں کروں ناراض بھی نہیں ہونے دیتی ہو تو پھر کیا چاہتی ہو تم۔"

"کچھ بھی نہیں..." اس نے کھٹ سے فون بند کر دیا تھا اور میں واقعتاً" اس سوچ میں پڑ گیا تھا کہ آخر یہ لڑکی چاہتی کیا ہے۔

وہ چند دن بعد واپس آ گئی البتہ اس کا منہ ہنوز پھولا ہوا تھا گولڈن براؤن بالوں کی لٹوں کو کانوں کے پیچھے اڑستے ہوئے وہ بابا جان سے پٹر پٹر بولے جاتی اور پھر اپنی مسکراہٹ لبوں میں چھپا کر مجھے دیکھنے لگتی اور میری جھنجلاہٹ اسے مزہ دینے لگتی۔

"ناراض ہوں میں آپ سے..." جاتے جاتے اس نے اطلاع دی اور میں نے شکر کے انداز میں چہرے پر ہاتھ پھیرا تو واپس پلٹ آئی۔

"نور! کیا آپ کو اتنا تنگ کرتی ہوں۔" وہ بالکل میرے سامنے کشن پر بیٹھ گئی۔

"تم مجھے کتنا تنگ کرتی ہو کاش تم اندازہ کر سکو۔" میں بھرپور شکایت کر رہا تھا۔

"نور آپ بہت برے ہیں میں کب تنگ کرتی ہوں بھلا۔" اب جھنجلانے کی باری اس کی تھی اور لطف اندوز میں ہو رہا تھا ایک واحد طریقہ تھا میرے پاس کہ میں اس کی شوخیوں پر بند باندھنے کے لیے اپنی پرشوق نظروں کا حصار کھینچ دوں۔

"علی! تم کب تک ہمیں تنگ کرنے آتی رہو گی۔"

"جب تک میں یہاں ہوں۔" اس نے سادگی سے کہا تھا اور میرا خواب چھن سے ٹوٹ گیا تھا۔

"علی! دس از ناٹ فیئر کہا تھا نا اپنا عادی مت بنانا مگر تم نے ذرا بھی جو ہمارا خیال کیا ہو بابا جان تمہیں کتنا مس کریں گے اور یہ جو تم کچن میں گھس کر الم غلم پکاتی ہو وہ سب کیسے بھلائیں گے۔"

"اور آپ... مجھے یاد نہیں کریں گے۔" اس کے دلکش چہرے پر بالکل انوکھا سا تاثر تھا میں نے بمشکل خود کو سنبھالا۔

"میں تمہیں بالکل یاد نہیں کروں گا بھلا یہ پاگل سی لڑکی مجھے کیسے یاد آ سکتی ہے۔" میرے لہجے میں شرارت ہی شرارت تھی اور وہ اپنی حسین آنکھوں میں ڈھیر ساری خفگی سمیٹ کر لے اٹھی۔

"ویسے علی ایک بات بتاؤ تم سے سب سے زیادہ پیار کون کرتا ہے ماموں یا ممانی۔"

"پاپا کو تو کسی سے بھی پیار کرنا نہیں آتا البتہ ماما کی میں زندگی ہوں۔"

"اور اگر تمہیں کوئی اور اپنی زندگی بنانا چاہے تو..." میں نے دھیرے سے کہا۔

"تو ماما اس کا جینا مشکل کر دیں گی۔" وہ شاید بات کی گہرائی تک نہیں پہنچی تھی جبھی اپنے بے ساختہ جملے پر خود ہی ہنس پڑی۔

"میری ماما میرے معاملے میں بہت پوزیسو ہیں۔" یہ سنجیدہ اطلاع تھی اور میں اپنے قدموں پر مضبوطی سے کھڑا ہو گیا۔ میں کمزور نہیں پڑنا چاہتا تھا اور یہ چھوئی موئی سی لڑکی مجھے بے حد کمزور کر چکی تھی لیکن مجھے خود کو بہت مضبوط بنانا تھا میں ممانی یا ماموں کی گڈ بک تو کیا بلکہ کسی بھی بک میں نہیں تھا پھر بھی میں نے خواب دیکھے تھے اور اب ان خوابوں کی کرچیاں تکلیف دینے لگی تھیں کیونکہ علیحہ واپس جا رہی تھی۔

جانے سے پہلے اس نے پورا دن بابا جان کے ساتھ میرے ساتھ گزارا تھا۔ میری خاموشی اسے بے حد کھل رہی تھی اور وہ حسب عادت بے تحاشا بول رہی تھی مگر آج لہجے میں وہ کھنک اور انداز میں وہ بے ساختگی نہیں تھی جس کے عادی ہمارے گھر کے در و دیوار بھی ہو گئے تھے۔

اس کے چہرے کا حزن اور اس کی آنکھوں میں ٹھہرا ہوا عجیب سا ملال مجھے بہت شدت سے محسوس ہو رہا تھا مگر مجھے بھی اور اب شاید اسے بھی ہجر کے اس درد کو تمام عمر جھیلنا تھا۔ بہار اپنے جوبن پر تھی اور میرے دل پر زرد موسموں کا قبضہ تھا۔ ہر آہٹ اس کے دور جانے کی اطلاع تھی اور میرے اندر اتنی سکت نہیں تھی کہ اسے نظر بھر کر دیکھ لوں اس نے میری رائٹنگ ٹیبل پر

رکھے پیڈ میں دو تین ایڈریس اور فون نمبر لکھے پھر کہا۔
"نور! آپ مجھے کال کریں گے نا!"
"نہیں۔" میں نے بے رحمی کے ساتھ کہا تو اس کی آنکھوں میں ڈھیر سارا درد سمٹ آیا اور پھر تھوڑی دیر بعد برسات کی جھڑی لگ گئی اس نے وہیں کھڑے کھڑے پیڈ کا صفحہ پھاڑا اور اس کے ڈھیر سارے ٹکڑے کر کے فضا میں اچھال دیے اور پھر تیز قدموں کے ساتھ باہر نکل گئی۔

وہ شام تک مجھ سے ناراض رہی اور میں نے بھی منانے کی کوشش نہیں کی کہ شاید یہ ہم دونوں کے حق میں بہتر تھا۔

بابا جان نے دلگرفتہ لہجے میں ڈھیر ساری دعائیں دے کر اسے رخصت کیا تھا اور جاتے جاتے وہ پلٹ کر میرے سامنے آئی۔

"نور! میں آپ کو بھول جاؤں گی آپ کو یاد کرنے کا کوئی فائدہ نہیں آپ بھلا کب میرے دوست ہوئے۔" اس کی آوز میں کوئی اور ہی تاثر تھا بے نام سا۔

"بابا جان میں علی کو چھوڑ کر آتا ہوں۔" میری نظریں جو کسی غیر مرئی نقطے پر مرکوز تھیں ایک دم متحرک ہوئیں اور میں کھڑا ہو گیا اور اس لمحے میں، میں نے اس کے زرد چہرے پر گلاب کے پھول کھلتے دیکھے تھے اور آنکھوں میں مشعلیں سی روشن ہو گئی تھیں۔

"اس نے کیوں میری ذات سے اپنی بے ارادہ خوشیاں وابستہ کر دی تھیں۔" یہی سب سوچتے ہوئے میں نے اس کے ساتھ مختصر سا سفر طے کیا تھا اور پھر دل پر جبر کر کے مسکراتے ہوئے خدا حافظ کہہ کر واپس آگیا تھا۔

☆ ☆ ☆

اور اس دن میں واپس نہیں آیا تھا دراصل وہیں کہیں رہ گیا تھا اور آج تک وہیں کہیں بھٹک رہا تھا۔

علیحہ چلی گئی اور میں نے خود کو اس وہم میں الجھا لیا کہ وہ تھی ہی نہیں، مجھے اس کی باتیں تنگ کرتیں، یادیں بے آرام کرتیں تو گاڑی لے کر نکل جاتا یا پھر دوستوں کے ساتھ بلاوجہ کی بحث شروع کر دیتا۔

رابطے کے ذریعے وہ خود بھاڑ کر گئی تھی اور مجھے اس سے رابطہ کرنا بھی نہیں تھا کہ یہ لاحاصل منزل کا بڑا کٹھن راستہ تھا۔

علیحہ میری زندگی کا اجالا نہیں بن سکتی تھی کیونکہ میں اپنے ماموں کا داماد نہیں بن سکتا تھا اور بالفرض اگر ایسی کوئی کوشش کی بھی جاتی تو سب سے پہلے مجھے اپنی عزت نفس کو خود اپنے پاؤں تلے روندنا پڑتا لیکن میں اپنی خودداری کو اپنی محبت سے عزیز تر رکھتا تھا اسی لیے خود بخود فیصلہ ہو گیا کہ مجھے کیا کرنا ہے۔

بی سی ایس کا رزلٹ بھی آگیا اور میں نے اسٹڈی ویزے پر ملک سے باہر نکلنے کی کوششیں شروع کر دیں چونکہ میری لگن اور میرے شوق کی راہ میں کوئی رکاوٹ زیادہ دیر تک نہیں ٹھہر سکی اور میں لندن پہنچ گیا۔ بابا جان اکیلے رہ گئے تھے۔

جانے سے پہلے میں بابا جان کی تاکید پر ہی ماموں کے گھر گیا انہوں نے حسب عادت سرسری انداز میں خیریت دریافت کی اور اپنے وسیع و عریض ڈرائنگ روم میں بیٹھے بارعب مہمانوں سے میرا تعارف کروایا انکم ٹیکس میں اعلا عہدے پر فائز ایک صاحب **علیحہ** کے لیے امیدوار تھے اور ماموں کے انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ انہیں اوکے کرنے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔ میں مزید ذہنی جھٹکوں سے بچنے کے لیے جلد ہی وہاں سے اٹھ آیا اور پھر سارے راستے میرے آگے دھند سی چھائی رہی اور آنکھوں میں سنگریزے چبھن دیتے رہے۔

ہم تیرے ہجر کا دکھ سہتے ہیں
اور اس حال میں خوش رہتے ہیں
نام تک تیرا نہیں لے سکتے
المیہ تو اسے کہتے ہیں

اور پھر ہجر کی شام یوں زندگی میں ٹھہری کہ موسم گل آتے جاتے رہے مگر دل ناداں نے خوش ہونا نہیں سیکھا مجھے خود پر حیرت بھی ہوتی تھی کہ میں جو خاصا سیماب فطرت ہوں اس معاملے میں اتنا مستقل مزاج

کیسے ثابت ہوا کہ آج چھ سال بعد بھی میرے تخیل میں صرف ایک چہرہ آباد تھا۔

چپ محبتوں کو کبھی زوال نہیں آتا اور نہ کوئی وہم انہیں تنگ کرتا ہے میری محبت بھی ایسی ہی تھی خاموش اور بے نیاز اور مجھے تو یہ وہم بھی نہیں ستاتا تھا کہ اگر **علیحہ** مجھے نہ ملی تو کیا ہو گا۔ حاصل، حصول کے ہر احساس سے بے نیاز میری محبت بہت عجیب سی تھی... یہ تو بس خود میرے لیے تھی، میرے پاس تھی۔

میری کوئی غرض مجھے اس تک جانے کی ترغیب نہیں دیتی تھی بلکہ میں ہر اس راستے سے کترا کر گزرا تھا جہاں پر اس کے ہونے کا ہلکا سا بھی گمان ہوتا۔ اس کے باوجود میرے دل میں اس کی یاد مانوس سی کسک ہمہ وقت سرسراتی رہتی۔

اب تک وہی خواب ہیں وہی میں
وہی میرے گلاب ہیں وہی میں
آنکھوں میں وہی ستارہ آنکھیں
وہی دل میں گلاب ہیں وہی میں

☆ ☆ ☆

میں نے بابا جان کو بتا دیا تھا کہ میں واپس آرہا ہوں اور وہ بے تحاشا خوشی سے معمور لہجے میں صرف اتنا کہہ سکے۔ "شکر ہے اللہ کا۔"

ماسٹرز کے بعد میں نے وہیں ایک کمپیوٹر فرم جوائن کر لی تھی اور بابا جان کو میرا یہ فیصلہ بالکل پسند نہیں آیا تھا وہ اب میری شادی اور اپنے پوتے پوتیوں کو کھلانے کے خواب دیکھ رہے تھے اور میں نے کہہ دیا تھا کہ ابھی میں کسی ذمہ داری کا متحمل نہیں ہو سکتا۔

میرا یہ جملہ شاید انہیں بہت محسوس ہوا تھا اس لیے انہوں نے چپ سادھ لی تھی اور پھر مجھے کچھ کہنا ہی چھوڑ دیا تھا کیونکہ ہر بار میں ان کو بہلانے کے لیے نت نئی کہانیاں تراش لیتا۔

اب میں انہیں کیا بتاتا کہ یہ دن رات کی مصروفیت دل کو بہلانے کا بہانہ ہے اور دل کو پتا نہیں کیوں اب تک قرار نہیں آیا تھا موسم گل جب بھی اپنے جوبن پر ہوتا یادوں کی کسک میرے جسم و جاں کو تھکانے لگتی۔ کیسی تھی وہ لڑکی کہ اس کے بعد دل میں کوئی اور صورت اتری ہی نہیں۔

لندن میں گزرے ماہ و سال نے مجھے بہت کچھ دیا تھا، میرے سامنے شاندار مستقبل تھا بابا جان کے سارے خواب شرمندہ تعبیر ہوئے تھے وہ مجھے بس جس مقام پر دیکھنا چاہتے تھے آج میں وہیں کھڑا تھا۔

ایک کامیاب زندگی کا عزم لے کر میں کراچی ایئرپورٹ پر اترا تو میرا خیال تھا کہ بابا جان میرے منتظر ہوں گے مگر بہت دیر تک مجھے کوئی شناسا چہرہ نظر نہیں آیا تو مجھے غصہ بھی بہت آیا اور کوفت بھی۔

"بابا جان کو یہ سزا تو نہیں دینی چاہیے تھی ٹھیک ہے کہ اتنے عرصے تک میں ان کو صرف باتوں سے بہلاتا رہا لیکن انہیں آج تو بھول جانا چاہیے تھا۔" میں اسی جھنجلاہٹ میں پارکنگ ایریا تک آیا نظریں ٹیکسی کی تلاش میں تھیں کہ ایک مانوس آواز میری سماعتوں سے ٹکرائی۔

"ہیلو... مسٹر نور الحسن..."

میں پلٹا اور ہفت آسمان مجھے اپنے سر پر گرتے ہوئے محسوس ہوئے۔ میں سالوں اس چہرے سے بھاگا تھا اور وقت کی ستم ظریفی کہ وہ مجھے بھگاتا ہوا وہیں لے آیا تھا جہاں سے میں چلا تھا۔ فرار کی ساری راہیں مسدود تھیں اور وہ مجھ سے کہہ رہی تھی۔

"مسٹر نور! میں آپ کو لینے آئی ہوں۔ اتنے حیران کیوں ہو رہے ہیں ایکچوئلی انکل کی طبیعت کچھ اپ سیٹ سی تھی اس لیے مجھے آنا پڑا۔"

وہ چمکتی بی ایم ڈبلیو کا دروازہ کھولے کھڑی تھی اور میرے تحیر میں کسی طور کمی نہیں آئی تھی اس نے خود ہی بیگیج ٹرالی خالی کی اور پھر مجھے اشارہ کیا۔

"صاحب اس سے زیادہ خدمت کیا کروں۔" وہ بے حد مسرور سی تھی اور میں یقینی طور پر الجھا ہوا تھا۔ ہر قسم کی آرائش سے محفوظ چہرے پر آج بھی اتنی ہی معصومیت اور الھڑپن تھا۔ گولڈن براؤن بال کافی لمبے ہو گئے تھے ڈھیلی سی چٹیا میں سے شریر لٹیں نکل کر

اس کے گالوں کو چوم رہی تھیں۔ بڑا سا دوپٹہ ڈھیلا سا کرتا بلیک جینز اور کینوس شوز... برسوں بعد وہ مجھے اسی سادہ سے حلیے میں مل رہی تھی جو اس کی بھرپور شخصیت کی انفرادیت بن گیا تھا۔

"علیحہ! بابا جان ٹھیک تو ہیں۔" اندر بیٹھا تو اے سی کی خنکی نے مجھے حواسوں میں لا کھڑا کیا۔ اوائل بہار کے دن تھے لیکن موسم خوب حدت لیے ہوئے تھے اسی لیے شہابی رنگت میں گھلی سرخیوں نے مجھے خوب بدحواس کیا تھا۔

"وہ ٹھیک ہیں لیکن چند دن پہلے انہیں موچ آگئی تھی ڈاکٹر نے انہیں موومنٹ سے منع کیا ہے میں آئی تو پتا چلا آپ تشریف لا رہے ہیں سو اب آپ کے سامنے ہوں..." وہ بہت بدل گئی تھی۔

"لیکن تم کب آئیں پاکستان..." میرا سکتہ ٹوٹا۔

"زیادہ دن نہیں ہوئے ایم فل کا تھیسس سبمٹ کروانے کے بعد فارغ تھی اس لیے پاکستان آگئی یہاں آکر پتا چلا کہ آپ بھی آنے والے ہیں۔" اس کے لہجے میں اب بھی وہی چہکار تھی میں نے عجیب سی کیفیت میں گھر کر آنکھیں موند لیں۔ اس غیر متوقع صورت حال نے مجھے شاک پہنچایا تھا لیکن دوسری طرف اس کا اطمینان، اس کی سرشاری بھی نظر انداز نہیں کی جا سکتی تھی بہت سارے سوال تھے جو نوک زبان پر مچل کر واپس ہو گئے تھے شاید آگہی کے لیے حوصلہ چٹان ہونا چاہیے اور مجھے تو ابھی خود کو نئے سرے سے مجتمع کرنا تھا۔

☼ ☼ ☼

"پاپا کہتے ہیں علیحہ میری خوش بخت بیٹی ہے۔ دراصل میری پیدائش کے بعد پاپا کا بزنس کامیابی کے نقطہ عروج تک بہت تیزی سے پہنچ گیا تھا اور میری خوش بختی یہ بھی ہے کہ میں نے جو سوچا جو چاہا وہ پورا ہو تا گیا۔ میں نے آسائشوں میں آنکھ کھولی اور زندگی کی ساری خوب صورتیوں کو انجوائے کیا۔

بھیا کا ولیمہ میری زندگی کا ایک اور خوب صورت دن تھا۔ میرے اردگرد شائستہ اطوار لوگوں کا بھی ہجوم تھا اور کچھ لوگ ایسے جن کی نظروں سے مجھے وحشت ہو رہی تھی مگر میری نگاہیں جانے کیوں اس ایک بندے پر فوکس ہو گئی تھیں وہ پھوپھی کا بیٹا نور الحسن تھا بے حد مشابہت تھی اس کی پھوپھی کے ساتھ اور میں بے ساختہ اس کو آواز دے بیٹھی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا تھا اور میرے اندر جیسے کوئی جگنو سا ٹھہر گیا تھا۔ میں نے بہت کوشش کی کہ میں اسے دوسرے لوگوں کی طرح نظر انداز کر کے آگے بڑھ جاؤں شاید میں اب تک ارادی اور غیر ارادی طور پر ایسا ہی کرتی آئی تھی لیکن اس بار میں ایسا نہیں کر سکی میرے قدم اس نے روک لیے تھے۔

اس کی نگاہوں کا عجیب سا تاثر، اس کے لہجے کا خفا سا انداز اور پتا نہیں کیا کچھ تھا جو مجھے اس کی طرف کھینچتا ہوا لے گیا۔

میرے دل نے پہلی بار جانا کہ کوئی اچھا کیسے لگتا ہے اور مجھے بھی وہ اچھا لگنے لگا تھا وہ میری پھوپھی کا بیٹا تھا اور مجھے اس بات سے کوئی غرض نہیں تھی کہ پھوپھی کی وفات کے بعد پھوپھا سے اور ان کے بیٹے سے ہمارے تعلقات نہ ہونے کے برابر ہیں مجھے اپنے گھر والوں کے رویوں سے کوئی غرض نہیں تھی اور ویسے بھی ہماری فیملی میں اس طرح کے معاملات کو موضوع بحث بنانے کا وقت اور حوصلہ ناپید تھا۔

مجھے محسوس ہوتا تھا کہ اس کی نگاہوں میں میرا عکس ہے لیکن وہ جان بوجھ کر مجھ سے گریزاں ہے۔ میرے پاس بہت تھوڑے دن تھے اور میں اسے زیادہ سے زیادہ جاننا چاہتی تھی وہ مجھے امیچیور سمجھتا تھا لیکن یہ اس کی غلط فہمی تھی میں جس ماحول میں پل کر بڑی ہوئی تھی وہاں آگہی عمر کی محتاج نہیں ہوتی میں نے زندگی کے بہت سے رنگ چھوٹی عمر سے ہی دیکھے تھے لیکن یہ رنگ سب سے الگ تھا۔

میرا سارا وقت نور الحسن کو سوچتے ہوئے گزرنے لگا تھا اس کی بے تحاشا چمکدار آنکھوں کا شہد جیسا رنگ میرے ذہن میں بس گیا تھا میں واپس امریکہ نہیں جانا

چاہتی میرا دل چاہتا تھا وہ مجھے روک لے وہ مجھ سے وہ سب کہہ دے جو اس کے دل میں ہے۔

میں اسے تنگ بھی کتنا کرتی تھی اور اتنی جلدی اس کے اور میرے درمیان اجنبیت ختم ہو گئی تھی مگر اس کے باوجود وہ مجھ پر کھلتا نہیں تھا۔

میرا دل چاہتا، اس سے کہوں یہ خول اتار دو تمہارے میرے درمیان محبت کی ایک قدر تو مشترک ہے۔ مگر میرے اندر بھی تو بڑا حوصلہ تھا مجھے یونہی تو خود پر ناز نہیں تھا میں ایک لمحے کی، ایک جذبے کی اسیر ضرور تھی مگر میرے اندر اپنے ہونے کا کروفر بھی بہت تھا میں اسے جھکانا نہیں چاہتی تھی لیکن میں خود کیسے جھکتی... بھلا وہ خالص مشرقی روایتی بندہ کیونکر مجھے دل کی سب سے اونچی مسند پر جگہ دیتا اگر میں اس کے سامنے بکھر جاتی۔

اور پھر وہ دن آگیا جب مجھے جانا تھا میں نے اس کی آنکھوں کے آئینوں میں وہ سب دیکھ لیا جو اس کے دل میں تھا مگر اس کی خاموشی میرا ضبط چھین رہی تھی۔ میں نہ چاہتے ہوئے بھی آنسو آنکھوں میں بھر لائی مگر اس ستم ایجاد نے میری خاطر اتنا بھی نہیں کیا کہ مجھ سے دوبارہ ملنے کا وعدہ تو کرتا... مجھے انتظار سونپ دیتا مگر کچھ تو کہتا لیکن بہت چپکے سے سارا وقت گزر گیا اور وہ درد کی صورت مستقل ٹھہر گیا۔

میں امریکہ آکر مصروف سے مصروف ترین ہو گئی میں نے خود کو بہت سارے کاموں میں الجھا لیا نور الحسن کی دوستی نے ایک اچھی عادت دی تھی کہ میں مطالعے کی دنیا میں گم ہو گئی۔ انگلش لٹریچر، اردو ادب کی دنیا اتنی وسیع تھی کہ مجھے پھر تنہائی محسوس نہیں ہوئی مجھے کسی دوست کی ضرورت نے تنگ نہیں کیا۔ ایک کے بعد ایک کامیابیاں میرے حصے میں آئیں لیکن میں کبھی مکمل خوش نہیں ہوئی۔ میری یہ خوشی اس خلش اس تھکن کی لپیٹ میں آجاتی۔

میں چاہتی تو کسی نہ کسی طرح اس سے رابطہ کر سکتی تھی لیکن مجھے اپنے ضبط اور اس کی کج ادائی کی حد دیکھنی تھی اور پھر دل کے اندر یہ خواہش بھی شدت سے موجود تھی کہ وہ مجھے ڈھونڈے وہ میری تلاش میں تھوڑا سا سرگرداں پھرے لیکن وقت کو ہر بار میرا ہی امتحان مقصود تھا۔

ماما جب بھی میری شادی کا ذکر چھیڑتیں میں پھر کسی یونیورسٹی میں ایڈمیشن لے لیتی پتا نہیں میں کس امید پر اس حقیقت سے بھاگ رہی تھی وقت میرے ہاتھ سے پھسل رہا تھا اور میں نے ماما پاپا کو باور کرا دیا تھا کہ میں ان کے ہاتھ نہیں آؤں گی اور شاید وہ تھک گئے تھے اس لیے تنگ آکر مجھے کہنا ہی چھوڑ دیا تھا کہ شادی کر لوں یا پاکستان آجاؤں۔

☼ ☼ ☼

"نور! ڈونٹ وری اباؤٹ می... آپ کو گھر چھوڑ کر چلی جاؤں گی آپ کو ذرا بھی تنگ نہیں کروں گی۔" میں نے سناٹے کو توڑنے کی کوشش کی اور وہ ذرا سا چونک کر مجھے اجنبی نظروں کے ساتھ دیکھنے لگا آج بھی آنکھوں کے کنارے سرخ سرخ سے تھے اور بھرے بھرے چہرے پر صحت کی چمک اور تازگی بھی تھی۔ میرا دل تیزی سے دھڑک اٹھا بہت مدت بعد دھڑکنیں اس ربط سے آشنا ہوئی تھیں۔

"علی! میں تمہیں بھول چکا تھا۔"

"جھوٹ بولتے ہیں آپ۔" میں خود کو ترش روی سے روک نہ سکی۔

"تو سچ کیا ہے... تمہارا میرا یہ ساتھ تو سچائی نہیں ہے تم مجھے چھوڑ کر واپس اپنے گھر چلی جاؤ گی سچ تو یہ ہے۔" وہ جانے کیا کہنا چاہ رہا تھا اور میں نے ایک گہری سانس لے کر گاڑی گھر کے دروازے پر روک دی۔

وہ آج بھی ویسا ہی تھا اور میں مزید یہاں رک کر خود ترسی، بے بسی کا شکار نہیں ہونا چاہتی تھی اس لیے انکل سے اجازت لے کر گھر آگئی حالانکہ انہوں نے بہت روکا تھا لیکن میں جانتی تھی وہ اتنے سالوں بعد بیٹے سے ملے ہیں تو انہیں بھی اس سے بہت سی باتیں کرنا ہوں گی میں جب بھی پاکستان آتی تھی ان سے ضرور ملتی تھی اس گھر میں آنا چھوٹے چھوٹے کام کرنا،

انکل کے لیے اچھی سی ڈش بنانا پاکستان میں میرے معمول کا حصہ تھا اور وہ مجھ سے صرف نورالحسن کی باتیں ہی کیا کرتے تھے اور مجھے لگتا تھا میں شاید یہی سننے آتی ہوں۔

☼ ☼ ☼

نورالحسن کو پاکستان آئے ہوئے ایک ہفتہ ہو چکا تھا اور یہ سارا وقت میں نے بہت مصروفیت کے عالم میں گزارا تھا۔ میں امریکہ میں ایک انٹرنیشنل این۔جی۔او سے وابستہ تھی اور جب پاکستان آتی تو اس حوالے سے بہت سارے کام مجھے یہاں آکر کرنے پڑتے سو آج کل بھی ایڈز پروجیکٹ پر کام کر رہی تھی۔ شدید قسم کی ذہنی مصروفیت کے باوجود بارہا مجھے خیال آیا کہ نورالحسن نے مجھے فون کیوں نہیں کیا اور پھر اس خیال نے مجھے اتنا زچ کیا کہ میں نے بھی اس کے گھر جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ بڑی روایتی سی کشمکش محسوس ہونے لگی تھی جب اسے میری پرواہ نہیں تو میں کیوں اپنی جان ہلکان کروں اور جب میں نے فیصلہ کر لیا کہ اب وہ میرے راستے میں بھی آجائے تو پلٹ کر نہیں دیکھوں گی تب وہ میرے سامنے آگیا۔

وہ ماما' پاپا سے ملنے آیا تھا اور مجھ سے مڈبھیڑ لان میں ہوئی تھی۔ ماما گھر پر نہیں تھیں اور پاپا کے لہجے میں' میں نے پہلی بار گرم جوشی سی محسوس کی تھی وہ جانے کیوں اس کی قابلیت کا امتحان لے رہے تھے اور میں نے زیادہ بور ہو کر میگزین میں سر گھسالیا۔

تھوڑی دیر کے بعد پاپا کھڑے ہو گئے ڈرائیور آچکا تھا۔ اور انہیں کہیں جانا تھا انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں نورالحسن کو کمپنی دوں۔

وہ چلے گئے تو نورالحسن کی ساری توجہ میری طرف مرکوز ہو گئی اور میں ہنوز بے نیاز تھی۔

"میں چلا جاؤں... یا...." وہ اکھڑپن سے بولا اور میرا ضبط چیخنے لگا۔

"مرضی ہے آپ کی... آپ مجھ سے ملنے تو نہیں آئے ہیں اگر ماما کا انتظار کرنا چاہتے تو...."

"علی! تم زیادتی کر رہی ہو۔" وہی مقناطیسی آنکھیں مجھے حصار میں لینے لگیں۔

"میرا نام علیحدہ ہے۔" میں نے احتجاج کیا۔

"معلوم ہے مجھے اور یہ ناراضی کیوں اور کس خوشی میں ہے۔"

"ایک ہفتہ ہو گیا ہے آپ کو۔" بالآخر مجھ سے رہا نہیں گیا اور پھر میں نے اس بے حس انسان کو بے تحاشا ہنستے دیکھا تو میری آنکھوں میں آنسو آگئے۔

"اوہ... تو یہ بات ہے بھئی! مجھے کیا پتا کہ تم اپنی سسرال میں ہو یا یہاں پر اور آج تو میں اسی امید پر چلا آیا تھا کہ شاید تم سے ملاقات ہو جائے اس دن تم نے کچھ بتایا ہی نہیں اور نہ اپنے گھر کا نمبر دیا فوراً" ہی چلی آئیں۔"

"نور! میرا گھر یہی ہے۔" میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا تو تب بھی اس کے چہرے کا تاثر نہیں بدلا۔

"تو کیا تمہارے ہزبینڈ کہیں اور رہتے ہیں یا ماموں نے انہیں یہیں رکھ لیا۔" وہ رسان سے بولا تو میں اس کی اس بات پر جھنجلا کر رہ گئی تھی بھلا یہی خیال اس کے ذہن میں کیونکر آیا کہ میں شادی شدہ ہو چکی ہوں وہ مجھ سے کوئی اور بات بھی پوچھ سکتا تھا۔ وہ مجھ سے صرف یہی توقع کیوں کر رہا تھا کہ میں شادی کر کے اپنے سسرال میں مزے سے رہ رہی ہوں گی۔ میری جھنجلاہٹ سوا ہو گئی تھی کیونکہ اس کی آنکھوں میں اب بھی یہ ہی سوال تھا۔

"نور... شادی کبھی بھی میری Priority نہیں رہی۔ میں اپنی بیچلر لائف سے بہت مطمئن ہوں اور بہت سارے کام اپنی مرضی اور خوشی سے کر رہی ہوں۔" میں نے بے حد تحمل اور متانت سے کہا تو وہ بے یقینی سے مجھے دیکھنے لگا۔ "بیچلر لائف مگر ماموں جان نے تو کچھ اور ہی بتایا تھا۔"

"ماموں جان نے بتایا تھا میں نے تو نہیں اور شادی تو مجھے کرنی ہے یہ کسی دوسرے کا ہیڈک نہیں۔"

"واٹ نان سینس! یہ کیا ہر بات تم کسی دوسرے کا ہیڈک ... کہہ کر بری الذمہ ہو جاتی ہو بہرحال

پیرنٹس کو اولاد کے لیے فیصلے کرنے کا پورا حق اور اختیار ہوتا ہے۔"

"اس صورت میں۔ جب پیرنٹس نے اپنی اولاد کے لیے بہت کچھ سیکری فائس کیا ہو۔ اپنا وقت' اپنی خواہشات' اپنے ارادے' لیکن اگر صرف انہیں دنیا میں لانے کے ذمہ دار ہوں اور ان کی تربیت میں محبت سے زیادہ دولت اور آسائش کو اہم factor قرار دے کر بری الذمہ ہو جائیں تو بہت سارے فیصلے جو صرف اپنی ذات سے وابستہ ہوں خود کرنے پڑتے ہیں۔" میں بے اختیار اس کے سامنے اتنا سارا بول کر شرمندہ بھی ہو گئی بہرحال وقت بہت سارا گزر چکا تھا اور وقت نے مجھے بہت متحمل مزاج بنا دیا تھا میں اب بہت سوچ سمجھ کر بولتی تھی لیکن نورالحسن کے سامنے تو جیسے خود پر اختیار ہی ختم ہو گیا تھا جیسے ماضی حال سے ہم آہنگ ہو گیا تھا۔

"علی تم اتنی سمجھ دار کب سے ہو گئی ہو۔" اس کے لبوں پر تبسم اور آنکھوں میں بڑی انوکھی سی چمک تھی جانی... انجانی سی.... ایک دم سے ہی میری ساری جھنجلاہٹ سرشاری میں بدلنے لگی۔

"میں پہلے بھی سمجھ دار تھی' آپ نے کبھی توجہ ہی نہیں دی۔"

"اور توجہ دے دیتا تو....."

"تو میں آپ کا سر توڑ دیتی۔" میرا یہ لہجہ یہ برجستگی خود میرے لیے بھی نئی نئی سی تھی۔

"اس دفعہ برتھ ڈے کہاں سیلبریٹ کرنے کا ارادہ ہے۔" تھینک گاڈ کہ اسے میرا برتھ ڈے یاد تھا۔

"میں اب برتھ ڈے سیلبریٹ نہیں کرتی..... بس وہی آخری سیلبریشن تھی۔" میں نے جتانے والے انداز میں کہا لیکن میں اسے یہ نہیں بتا سکی کہ تمہارے بعد مجھے اپنی ذاتی خوشیاں کبھی اہم نہیں لگیں۔ ہاں البتہ میں یہ کوشش ضرور کرتی ہوں کہ اپنی ذات سے کسی دوسرے کو فائدہ پہنچا سکوں اور کسی ضرورت مند کی ضرورت پوری کر کے اپنی سالگرہ کو یادگار بنا سکوں۔

"دراصل پاپا میرا برتھ ڈے فنکشن بہت اہتمام سے کرتے تھے اور اس کے لیے لاکھوں میں خرچ کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے (یہ ان کی مجھ سے والہانہ محبت ہی تو ہے۔) ایک دم ہی مجھے لگا کہ یہ فنکشن تو صرف وقت اور پیسے کا زیاں ہے اور میں خود ہی اس زیاں کو روک کر کارآمد بنا سکتی ہوں اور پھر میں نے سوچا کہ جب اللہ نے مجھے اتنی فیاضی سے نوازا ہے تو مجھے اپنی حیثیت کے مطابق ہی کسی کی مدد بھی کرنی چاہیے اور اب میں ہر سال اپنی سالگرہ کے موقع پر کسی بے گھر کو اس کا اپنا گھر بنانے میں مدد دیتی ہوں۔ اب میرے پاس خوش ہونے کے کئی بہانے ہیں مگر...."

نورالحسن کی گہری جانچتی نگاہیں مجھ پر جمی ہوئی تھیں' میں گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔ "آجائیں ڈائننگ ہال میں...." آخر اپنے مہمان کی تواضع بھی تو کرنا پڑتی ہے اور پھر اسی تواضع کے دوران ماما بھی آگئیں۔ فارمل سے انداز میں ملنے کے بعد انہوں نے عادتاً" انٹرویو شروع کیا تو ان کا لہجہ آہستہ آہستہ بدلنے لگا۔

دراصل اب ان کے سامنے صرف ان کی نند کا بیٹا نہیں تھا بلکہ ایک لائق فائق' ڈیسنٹ کمپیوٹر انجینئر و پروگرامر کا بائیو ڈیٹا تھا جس کے پاس انویسٹمنٹ کے لیے سرمایہ بھی تھا' برطانیہ کا تجربہ بھی۔

ماما کو تو اس کی نئے ماڈل کی کرولا نے بھی بہت ایمپریس کیا تھا اور میں جانے کیوں دل ہی دل میں ہنس پڑی۔

میں نے اس شخص سے جو میری زندگی میں آج بھی بہت اہمیت رکھتا تھا' کچھ بھی نہیں پوچھا تھا۔ میں تو اسی بی ایس کے اسٹوڈنٹ سے ملی تھی جس نے میری سوچوں کو نئے رخ پر ڈال دیا تھا جس کو یاد کرتے ہوئے میں اتنا بدل گئی کہ اس کی زندگی کے چھوٹے چھوٹے اصول میری زندگی کا جزو بن گئے۔ اس نے کہا تھا "وہ سالگرہ کو وقت اور پیسے کا زیاں سمجھتا ہے" اگر آپ اس موقع پر خوش ہونا چاہتے ہیں تو ان سارے لوگوں کو

کھلانا پلانے کا کیا فائدہ جن کی اشتہا کب کی ختم ہو چکی جو آل ریڈی اچھا کھانا افورڈ کر سکتے ہیں۔"

وہ کہتا تھا "زندگی میں اہم اقدار و روایت ہوتی ہیں۔۔۔ عزت ہوتی ہے نہ کہ محبت۔۔۔ محبت کبھی نہیں مرتی' ہر حال میں زندہ رہتی ہے مگر عزت نازک آبگینہ ہے اور عزت نفس اس سے بڑھ کر۔۔۔"

اور اب وہ کہہ رہا تھا کہ "وہ پاکستان مستقل آگیا ہے' اس لیے کہ اس کے ملک اور مٹی کا اس کی قابلیت اور دولت پر حق' پہلا ہے۔" اور میں نے اس کی یہ بات بھی ساری باتوں کی طرح پلو سے باندھ لی تھی۔ ماما اسے ڈنر تک رکنے کے لیے کہہ کر کمرے میں چلی گئی تھیں اور ایک بار پھر ہم دونوں اکیلے رہ گئے تھے اور ہمارے درمیان خاموشی کلام کرنے لگی تھی۔

"چلو ذرا لانگ ڈرائیو ہو جائے اور تمہارے اتنے سالوں کی روداد بھی تو سنی ہے۔" اس نے خاموشی کو توڑا اور میں ساری ناراضی بھلا کر اس کے ساتھ ہولی۔

☆ ☆ ☆

حساب عمر کا اتنا سا گوشوارہ ہے
تمہیں نکال کے دیکھا تو سب خسارہ ہے

مجھے نیند نہیں آرہی تھی اور بابا کو شاید میری بے چینی کا علم ہو گیا تھا۔ وہ میرے پاس چلے آئے' ناروں سے سجے آسمان تلے بیٹھ کر وہ مجھ سے چھوٹی چھوٹی باتیں کرنے لگے۔ برآمدے سے آگے چھوٹے سے لان میں ڈھیروں پھول کھلے ہوئے تھے اور ان کی خوشبو سے پورا ماحول معطر معطر سا ہو رہا تھا' اولین موسم کے ان معطر پھولوں کی خوشبو اور بابا کے نرم لہجے نے کبھی خوب مجھے ٹرانس میں لیا تھا کہ میں نے انہیں وہ سب بھی بتا دیا تھا جو میں خود سے بھی چھپایا کرتا تھا۔ انہیں بالکل بھی حیرت نہیں ہوئی تھی' وہ دھیمے سے مسکرا کر مجھے دیکھنے لگے۔

"نور! تمہیں نہیں لگتا کہ علیحہ۔۔۔ میرا مطلب ہے ہر بار پاکستان آتی ہے اور شادی کے ذکر کو ٹال دیتی ہے۔"

"بابا! اس کا مطلب یہ تھوڑی ہے کہ وہ میرا انتظار کر رہی ہے۔۔۔" میں ہنس پڑا۔

"تو پھر اس کا کیا مطلب ہے۔۔۔" وہ لطف اندوز ہو رہے تھے' میں شاکی نظروں سے انہیں دیکھنے لگا۔

"یہ میں آپ کو اس سے پوچھ کر بتاؤں گا۔۔۔ چلیے' اب اندر چلیں' رات کافی ہو گئی ہے اور مجھے بھی نیند آرہی ہے۔" میں اب بابا کی نظروں سے بھاگنا چاہ رہا تھا اور پھر پورا ہفتہ میں ان کی نظروں سے چھپتا رہا۔ علیحہ کو دیکھ کر میں خود کو فوری طور پر کمپیوٹر میں مصروف کر لیتا اور علیحہ پہلے کی طرح کچن میں گھس کر بوا معراج کی شامت لے آتی۔

بابا کو یکدم ہی گھر میں کچھ تبدیلیاں لانے کی سوجھی اور مزے کی بات وہ سارے کام علیحہ کی مرضی سے کر رہے تھے اور میں سب کچھ جانتے ہوئے بھی انجان بنا ہوا تھا۔ پتا نہیں بابا کیا سوچ رہے تھے' میں کیا سوچ رہا تھا اور علیحہ۔۔۔ جانے وہ کچھ سوچ بھی رہی تھی یا نہیں۔

کبھی کبھی دل چاہتا پوچھوں تو سہی۔۔۔ "تم کس کا انتظار کر رہی ہو' تم کیا سوچ رہی ہو۔" مگر پھر جانے کیا چیز درمیان حائل ہو جاتی۔

نہ یہ کوئی خوف تھا نہ کسی قسم کی جھجک۔۔۔ لیکن ایک اضطراب ضرور تھا' ایک بے اعتباری سی اب بھی تھی۔ میں ماموں کی گڈ بک میں نہیں تھا کیونکہ میری امی ان کی گڈ بک میں نہیں تھیں۔ میں ذاتی حیثیت میں تو بہت کچھ تھا مگر میں کسی انڈسٹریلسٹ یا مل اونر کا بیٹا نہیں تھا۔

ساری باتیں ایک طرف لیکن ماموں نے ہمیشہ دوستی میں بھی اپنا مفاد مدنظر رکھا تھا اور وہ اپنے ہم پلہ لوگوں کو ہی اہمیت دیتے تھے۔ میرے بابا ان کے ہم پلہ نہیں تھے اور میں بابا کی آنکھوں کی امید کو ختم ہوتے نہیں دیکھ سکتا تھا اور نہ ہی ان کا جھکا ہوا سر میرے کسی خواب کی تعبیر ہو سکتا تھا۔

بابا اور علیحہ ڈھیر ساری شاپنگ کے بعد لوٹے تو بہت مسرور تھے۔ میری غیر موجودگی میں دونوں کی دوستی

مضبوط ہو گئی تھی' اس کا ثبوت ان کی تازہ سرگرمیاں تھیں۔

"تو جناب! آج کیا کچھ خریدا گیا۔۔۔" میں بکھرے ہوئے لاؤنج میں بیٹھنے کے لیے جگہ ڈھونڈنے لگا۔

"پتا نہیں کیا کچھ خریدا ہے لیکن آپ یہ بتائیے آفس پسند آگیا۔۔۔"

"ہم بھی تو نہیں مگر آجائے گا۔ دراصل کچھ مشکل سے ہی پسند آتا ہے مجھے۔"

"ہاں وہ تو مجھے معلوم ہے لیکن ذرا جلدی کریں' میں نے امریکا ریزیگنیشن بھجوا دیا ہے اور آج کل میں جاب لیس ہوں۔۔۔ سر! مجھے جاب کی اشد ضرورت ہے۔" وہ ہتھیلیوں کے کٹورے میں چہرہ رکھ کر شرارت سے مسکرا دی۔

"بائی دا وے کیا جاب کریں گی آپ میرے پاس میم!" میں بھی اسی کے انداز میں بولا۔

"سر! میں سارے کام کر سکتی ہوں۔" وہ کورنش بجالائی اور میں بے بس ہونے لگا۔

"میرے سارے کام کرو گی۔۔۔"

"آپ کو کیا لگتا ہے نہیں کروں گی۔۔۔"

"لگتا تو بہت کچھ ہے مگر۔۔۔"

"مگر کیا نور!۔۔۔ کیا۔۔۔ آپ کو مجھ پر ذرا سا بھی بھروسہ نہیں ہے۔" یہ گفتگو کس رخ پر چل نکلی تھی میں کشمکش میں پڑ گیا۔

"تم پر تو ہے' شاید خود پر نہیں ہے علی!" وہ آنکھوں میں ڈھیر سارا اضطراب سموئے مجھے اس مقام پر لے آئی تھی جہاں سے میں خود بھی بہت بھاگا تھا۔

"میں ہارنا نہیں چاہتا۔۔۔ میں تمہیں۔۔۔ ایک اچھی دوست کو کھونا نہیں چاہتا۔" میرے جملے خود بخود بے ربط ہو گئے تھے اور اس کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔

"نور۔۔۔! آپ بہت بزدل ہیں۔۔۔ اتنا بزدل انسان میرا دوست نہیں ہو سکتا۔۔۔ نہیں ہو سکتا۔" وہ کہہ کر رکی نہیں تھی اور بھاگتی ہوئی مین گیٹ عبور کر گئی تھی۔ یہ سب کچھ کیا ہو گیا تھا اور کیا کہہ گئی تھی' میرے اردگرد ہنستا کھلکھلاتا ماحول یکدم بدل گیا تھا اور میں ہمیشہ کی طرح کمرے میں گھس گیا' جانتا تھا بابا کی سوالیہ نظروں سے بچ نہیں سکوں گا۔

دو دن بعد علیحہ کی سالگرہ تھی اور یہ دو دن میرے لیے کسی آزمائش سے کم نہیں تھے۔ ہر لمحہ مجھے اس سے دور کر رہا تھا اور وہ مجھے کہہ رہی تھی "بزدل۔۔۔ کم ہمت۔۔۔ بزدل۔۔۔ بزدل۔"

اور میں نے تھک ہار کر اعتراف کر لیا تھا کہ میں بزدل ہوں مگر میری بزدلی ہی میرا مان ہے۔

اور پھر صرف دو دن بعد کمپیوٹر پر میں اس کے لیے خود کارڈ ڈیزائن کر رہا تھا۔

ہر سال میں ایک کارڈ ڈیزائن کر کے فائل کر لیا کرتا تھا لیکن اس بار میرے دل کے اندر کوئی چیخا تھا کہ یہ سارا گریز۔۔۔ یہ خود ساختہ فرار لاحاصل ہے۔

حاصل تو وہ محبت ہے جو تم دونوں کے درمیان زنجیر ہے پھر کیوں محبت سے بھاگتے ہو' محبت سے بھاگنے والے روگی ہو جاتے ہیں اور تمہیں اپنی زندگی جینا ہے اور اس زندگی سے وابستہ اور بھی زندگیاں ہیں' تم زندگی سے بھاگتے ہو اور زندگی کو تم سے بہت محبت ہے' محبت سے مت بھاگو۔

اور بڑا خوبصورت تھا وہ لمحہ جب مجھ پر اچانک ہی ادراک ہوا تھا کہ محبت سے بھاگنا سراسر خود فریبی ہے۔۔۔ وہ اپنی زندگی' میں اپنی زندگی جیتا رہا۔ تب بھی محبت تو باقی رہے گی پھر بے اعتباری کا خدشہ کیونکر۔۔۔!

☆ ☆ ☆

تمہیں کتنا چاہتے ہیں
کبھی تم نے یہ بھی سوچا
کہ تمہارے دل گرفتہ
تمہیں کتنا چاہتے ہیں
تمہیں زندگی سے بڑھ کر
جو عزیز ہم نے جانا
سو کوئی تو سبب ہوگا
کبھی تم نے یہ بھی سوچا؟
یہ جو چارہ گر ہمارے

کوئی ساعت رفاقت
سرِشام مانگتے تھے
انہیں کیا خبر کہ ہم نے
تمہیں سونپ دی ہیں راتیں
تمہیں دان کی ہیں آنکھیں

میں نے ہینڈ میڈ کارڈ کو دس بار سے زائد پڑھا تھا پھر بھی میری نظریں سیراب نہیں ہو رہی تھیں اور میرے دل کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب میرے لیے ہے۔

میں یہ خوشی کس سے شیئر کرتی کہ میرا اپنا تو بس وہی تھا، اس لیے موبائل کے نمبر پریس کیے اور پھر اپنی دھڑکنوں کو اعتدال پر لانے لگی۔

"تھینکس نور!" میری آواز میں لرزش تھی اور دوسری طرف گہرے سکوت کا عالم.....

"علی! تم گھر آؤ نا..... تمہاری برتھ ڈے بھی سیلبریٹ کرنی ہے..... بابا بھی ویٹ کر رہے ہیں۔" سکوت ٹوٹا اور میرے اندر ہلچل سی مچ گئی۔

"میں آ رہی ہوں..... لیکن اس سے پہلے مجھے ماما کو ایک بات بتانی ہے۔" میں نے فون بند کیا اور بھاگتی ہوئی ماما کے کمرے میں آ گئی۔ وہ ایزی چیئر پر جھولتے ہوئے کسی میگزین کا مطالعہ کر رہی تھیں۔

"ماما! ایک بات کہنی ہے اگر آپ کے پاس وقت ہو۔" میں ان کے سامنے کشن پر بیٹھ گئی۔

"ہاں..... ہاں بولو نا، میں فارغ ہی ہوں۔"

"ماما! اگر نور کے بابا آئی مین انکل جمال، آپ کے پاس آئیں گے..... میرے لیے..... آپ انہیں انکار مت کیجئے گا۔" بولڈنیس اور مجبوری اپنی جگہ لیکن یہ بات کرتے ہوئے میں نگاہیں نہ اٹھا سکی۔

"تو کیا وہ تمہارا پروپوزل لانے والے ہیں....." وہ حیران ہو گئیں۔

"جی ماما!" اور میں انہیں یہ نہ بتا سکی کہ وہ تو بہت دنوں سے تیار بیٹھے تھے بس میں ہی بار بار منع کر رہی تھی۔

"ماما! ہی از نائس مین....." میں ان کے تاثرات جاننا چاہ رہی تھی۔

"آئی نو بیٹا! کیا آپ کی انڈر اسٹینڈنگ ہے اس کے ساتھ۔"

"ماما..... بس وہ مجھے اچھا لگتا ہے اور میں اس کے ساتھ خوش رہ سکتی ہوں۔" یہ اعتراف تو مجھے کبھی نہ کبھی کسی کے سامنے تو کرنا ہی تھا تو پھر ماما کے سامنے کیوں نہیں.....

"ٹھیک ہے بیٹا! مجھے یقین ہے تمہارے پاپا کو بھی اعتراض نہیں ہو گا کیونکہ یہ تمہارا فیصلہ ہے اور تم کوئی فیصلہ سوچے سمجھے بغیر نہیں کرو گی یہ مجھے معلوم ہے۔ نور الحسن کا فیوچر برائٹ ہے اور پھر میں تمہیں مزید وقت ضائع کرنے کی پرمیشن نہیں دوں گی۔" وہ مسکرانے لگی تھیں۔

اور مجھے یقین ہو چلا تھا کہ اب منزل دور نہیں اور پتا نہیں کیوں اس منزل تک پہنچنے کے لیے نور نے اتنے دن لگا دیے۔ میں نے سوچا اور پھر تھوڑی دیر بعد میری گاڑی ان راستوں پر دوڑ رہی تھی جو صرف میرے لیے تھے اور مجھے اپنی طرف بلا رہے تھے۔

مین گیٹ کھلا ہوا تھا اور میں بے دھڑک اندر داخل ہو گئی۔ برآمدے میں بابا جان سے رک کر پیار لیا اور قدم نور کے کمرے کی طرف موڑ لیے مگر اگلے ہی لمحے وہ دروازہ کھول کر باہر آ گیا۔

"آداب عرض....." اس کے لبوں پر بڑا شریر سا تبسم بکھرا ہوا تھا۔

"آداب.....! بزدل لوگ....." میں بڑبڑائی اور لاؤنج میں چلی آئی۔

"چیلنج مت کرو..... بہادری دکھانے کی کوشش کی تو تم ناراض ہو جاؤ گی۔" مجھے اپنے بالوں پر پھوار سی پڑتی محسوس ہوئی، اس کے ہاتھ میں فرنچ پرفیوم تھا اور وہ بالکل میرے عقب میں کھڑا اپنی مدہم سی سرگوشی سے میرے حواس مختل کر چکا تھا۔ میں نے دو قدم پیچھے ہٹ کر خود کو سنبھالا اور لڑنے کے لیے کوئی اچھی سی وجہ سوچنے لگی، آخر اس جادوئی ماحول کا اثر بھی کم کرنا تھا۔

وہ دونوں بازو سینے پر باندھ کر مجھے یوں دیکھنے لگا جیسے

پہلی بار دیکھا ہو۔

"نور.....! میں کنفیوز ہو رہی ہوں، آپ اس طرح کیوں دیکھ رہے ہیں۔" میں نے ہار مان لی اور وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

"ثابت کرنا چاہ رہا ہوں کون بزدل ہے....."

"آپ سے کم ہوں....."

"تسلیم جناب..... اور کوئی شکایت....." وہ ذرا سا سر کو خم دے کر مسکرایا۔

"شکایتیں تو بہت سی ہیں لیکن آج کا دن میرے لیے بہت اہم ہے، اس لیے تھوڑی سی مہلت دے دیتی ہوں۔" میں نے شان بے نیازی سے کہا۔

"مجھے لگتا ہے یہ دن میرے لیے بہت اہم ہے۔" وہی مدہم سرگوشی۔

"سب کہنے کی باتیں ہیں۔" میں اب ان نظروں سے بھاگنا چاہ رہی تھی۔

"کیا سننا چاہ رہی ہو تم..... ہاں..... کیا؟ یہی کہ ڈر لگتا تھا تمہیں پا کر کھو نہ دوں۔ بے یقینی سی تھی کہ تم نہ ملیں تو پھر کس کا انتظار کروں گا، انتظار ختم ہو جائے گا تو پھر کیا کروں گا....." وہ عین میرے مقابل کھڑا میرے سارے سوالوں کے جواب دے رہا تھا جو نہ چاہتے ہوئے بھی میرے ذہن میں آ جاتے تھے کہ وہ مجھ سے کیوں بھاگتا ہے۔

"اوکے..... اوکے..... میں مزید کچھ نہیں سن سکتی۔ چلیں جلدی سے میرا گفٹ نکالیں اور کیک بھی..... مجھے لگ رہا ہے آپ باتوں باتوں میں دونوں چیزیں گول کر گئے ہیں۔" میں نے فرار میں ہی عافیت جانی اور وہ میرے ساتھ ہو گیا۔

"میرے کمرے میں چلو ابھی تمہاری تسلی کر دیتے ہیں۔"

اور پھر جیسے ہی میں نے دروازہ کھول کر اندر قدم رکھا تو میری چیخ سی نکل گئی۔ میرے اوپر ڈھیر سارے گلابوں کی بوچھاڑ ہوئی تھی اور میرے قدموں تلے سارے رنگوں کے پھول تھے۔ تازہ پھولوں کی خوشبو سے پورا کمرہ مہک رہا تھا اور جگہ جگہ کارڈ چسپاں تھے۔

چھوٹے بڑے..... جن پر میرا نام لکھا تھا اور بھی بہت سی چیزیں تھیں جو میری نگاہوں کو تحیر میں ڈال رہی تھیں۔ روشن دیے، مہکا ہوا ماحول، اس طرح سالگرہ منانے کا تو کبھی میں نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔

میرے ساتھ بابا، بوا معراج، نور اور حبیب خان بھی اندر چلے آئے تھے۔ "یہ نور اور حبیب خان کا کارنامہ ہے۔" بابا نے کیک سینٹرل ٹیبل پر رکھا اور کینڈل روشن کرنے لگے۔

اندرونی مسرت سے میرا چہرہ تمتما رہا تھا اور نور میرے قریب آ گیا۔ "تمہیں یہ کمرہ پسند ہے نا، اس کمرے کی ہر چیز تمہارے نام کی۔"

"اور کمرے کا مالک....." مجھے شرارت سوجھی۔

"وہ بھی....." زیرِ لب تبسم اور آنکھوں کی چمک نے مجھے ادھر ادھر دیکھنے پر مجبور کر دیا تھا۔

"آؤ بیٹی! حبیب کے صبر کا امتحان مت لو، اسے کیک بہت پسند ہے۔" بابا نے کہا تو سب ہنس پڑے اور میں مسرتوں کے اس ہجوم میں اپنی زندگی کو بہت پرسکون اور مطمئن دیکھ رہی تھی۔

☆ ☆

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کے معروف ناول

★ دِل پھولوں کی بستی	نگہت عبداللہ	400/-
★ جو چلے تو جہاں سے گزر گئے	ناہا ملک	150/-
★ وہ جنبلی سی دیوانی سی	آسیہ سلیم قریشی	400/-
★ طائر لاہوتی	رفعت سراج	550/-
★ ایمان اُمید اور محبت	عمیرہ احمد	180/-
اور		
★ خواتین کا گھریلو انسائیکلوپیڈیا		600/-

خوبصورت سرورق، آفسٹ پیپر، خوبصورت چھپائی، دیدہ زیب مضبوط جلد
شائع ہو گئے ہیں
سول ایجنٹ مکتبۂ عمران ڈائجسٹ، 37، اُردو بازار کراچی

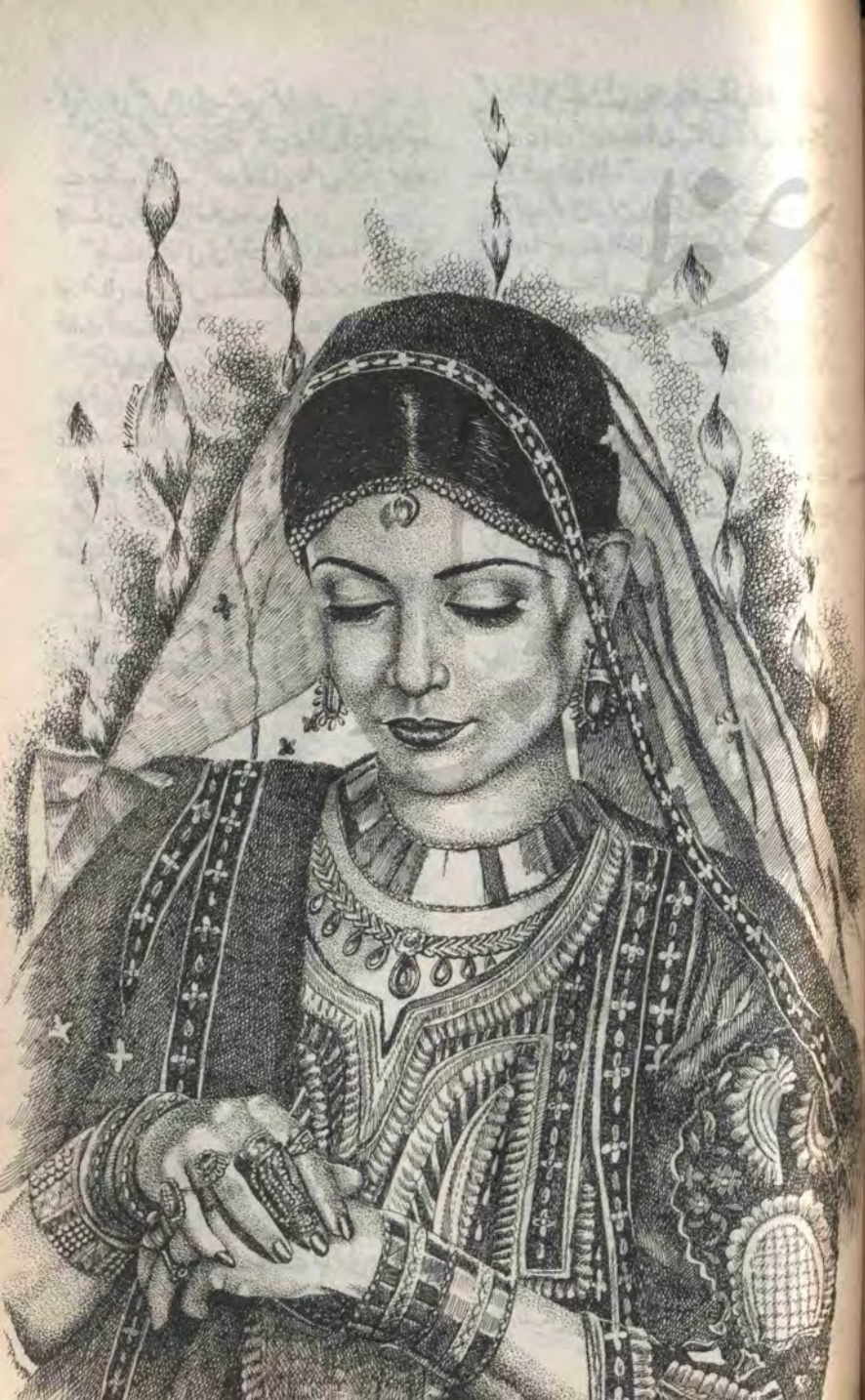

سالگرہ نمبر

سیما بنتِ عاصم

جب محبت کا در کھلا

ناولٹ

"غضب خدا کا، مہنگائی دیکھو آسمان سے باتیں کر رہی ہے، ہم ایسے غریبوں کا کلیجہ نوچنے کو، ہر ماہ تنخواہ ہاتھ میں لینے کی گناہگار ہوتی ہوں بس، پنشن سے تو گھر کے بل بھی نہیں بھرے جاتے، اس پر مزید یہ فضول کے خرچ، پچھلے مہینے بجلی کا بل بے حساب آیا، پینشن کے علاوہ آدھی تنخواہ بھی اسی کی نذر ہو گئی، اس ماہ سوچا تھا بجٹ برابر رہے گا تو یہ نئی افتاد تمام کی تمام بچت منہ چڑا چکی ہے، اور ایسے میں یہ بلائے ناگہانی کی مانند وارد ہو رہی ہیں، ساری زندگی تو غریب بھائی، بھاوج کی یاد نہ آئی، بس خبریں ہی سنتے رہتے تھے کہ محترمہ آئی ہوئی ہیں، مگر سسرال میں پڑاؤ ڈال کر رکھتی تھیں کبھی اس جانب رخ نہ کیا، ہاں جی شرمندگی کا باعث تھے ہم ایسے غریب۔"

وہ گھنٹہ بھر سے امی جی کی بڑبڑاہٹیں سن رہے تھے اور بالآخر اخبار چھوڑ کر آنا ہی پڑا۔

"امی جی، آپ کیوں فکر مند ہوا کرتی ہیں، سب کچھ ہو جائے گا۔" انہوں نے امی جی کے گھٹنے تھام کر تسلی دینی چاہی تھی مگر وہ مزید بدک اٹھیں۔

"ایسے کیسے ہو جائے گا سب کچھ، آسمان سے من و سلویٰ اترے گا کیا، ایک نہ دو پورے پانچ افراد کا مہینہ بھر قیام، اب کیسے بھول گئیں نند صاحبہ اپنا سسرال، غریب بھائی کے گھر دھرنا مارنے کا خیال کیوں کر آ گیا۔"

"امی جی مہمان اللہ کی رحمت ہوا کرتے ہیں، اس کی رحمتوں سے منہ موڑنا کفران نعمت ہے۔"

"جانے دو بیٹا، خوب جانتی ہوں میں ان کے اغراض و مقاصد، بیٹیوں کا ریوڑ ہے ریوڑ، ایک نہ دو پوری پانچ، بمشکل ایک کو کھپا پائی ہیں اب تک بڑا زعم تھا شوہر کی افسری کا، اب ان کی ریٹائرمنٹ کے بعد سنا ہے خاصے خستہ حالات ہیں، نام و نمود برقرار رکھنے کی خاطر تمام جمع جتھا جوڑ کر بیٹی کو جہیز دے دیا اور ابھی تو چار پہاڑ سینے پر دھرے ہیں، ہم نے ساری زندگی صبر شکر کر کے گزاری، اللہ پہ توکل رکھا اور بے کار کے اسراف کو کبھی اپنا شیوہ نہ بنایا۔"

"اور ابھی کچھ دیر قبل آپ اپنے تمام اصولوں کی

نفی کر رہی تھیں امی جی۔" وہ مسکرائے۔

"تم کچھ بھی کہو زین بیٹا، لیکن میرا دل ان کی جانب سے صاف نہیں۔" اک ٹھنڈی سانس بھر کر سروتہ چلانے کی رفتار میں اضافہ ہوا۔

"جانے دیجئے امی جی، وقت سدا ایک سا نہیں رہتا اور انسانی رویے اس بدلتے وقت کے بموجب تغیر کا شکار ہوا کرتے ہیں۔"

"تم کیا جانو زین بیٹا، اس نند نے ساس بہشتی کے ہمراہ مل کر میرے کلیجے پر کیسے کیسے آرے چلائے تھے، مجھے وہ وقت نہیں بھولتا حتیٰ کہ بیاہنے کے بعد بھی اس عورت نے میرا ناطقہ بند رکھا اور شاید آج تک رکھتی اگر ہمیشہ کے لیے اسلام آباد نہ سدھار گئی ہوتی۔"

"امی جی گزری باتوں کو دہرانے سے کیا حاصل؟"

"اک اک بات میرے دل پر لکھی ہوئی ہے، جو ناانصافیاں میرے ساتھ روا رکھی گئیں۔"

"امی جی معاف کر دیا کیجئے معاف کر دینے ہی میں بڑائی ہے۔"

"تم باپ بیٹا تو بس چاروں شانے چت کر ڈالتے ہو، اگر مجھے ان سے کوئی عداوت ہوتی تو بھلا ان کی جرات ہوتی یہ لمبا گز بھر کا خصوصی نامہ لکھ بھیجنے کی خدا گواہ ہے کہ ان کی تمامتر ناانصافیوں کے باوجود ہمیشہ ان سے مثبت سلوک روا رکھا۔"

"تو اب بھی اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کیجئے ناں۔"

"وہ تو ٹھیک ہے بیٹا، مگر گھر کا بجٹ۔"

"اس کی فکر جانے دیجئے، میں کوشش کروں گا کچھ ایڈوانس پکڑ لینے کی۔"

"نہ بیٹا پھر اگلے کئی ماہ اس ایڈوانس کو برابر کرنے کے لیے تنگی اٹھانی پڑے گی تم فکر نہ کرو، اللہ مسبب الاسباب ہے، اصل فکر تو مجھے ان کی آرام طلبی اور تعیش پسندی کی ہے، اب میری بوڑھی ہڈیوں میں اتنا دم کہاں، گھر کے کام مارے باندھے کیا کرتی ہوں اور ان سب کے نخرے الامان، بڑی والیاں دو تو بالکل ماں کی پر تو تھیں عادت میں، جانے ٹرین میں سفر کرنا کیسے گوارا کر لیا، ننگے فرش پر پاؤں دھرنے کی روادار تک نہ تھیں، خیر بوگی نمبر یاد ہے ناں تمہیں، آفس سے چھٹی لے کر ضرور پہنچ جانا۔"

"آپ فکر ہی نہ کریں امی جی مجھے یاد ہے۔"

"اور اسٹور سے اضافی بستر نکال کر چھت پر دھوپ لگوانے کے لیے ڈال دیے۔"

"بالکل، یہ کام تو میں نے کل ہی کر ڈالا تھا اور بیڈ کی چادر بھی بدل ڈالی تھی، مہمانوں کے لیے کمرہ بھی تیار کر دیا تھا۔"

"ٹھیک ہے، سودا سلف بھی لا دینا، لسٹ بنوا لینا مجھ سے ضروری اشیاء کی، ہمت کر کے کباب کوفتے وغیرہ بنا کر پہلے ہی فریز کر دوں گی بریانی کے لیے یخنی بھی تیار کرنی ہے، اور ہاں بڑھیا والے چاول بھی لکھ لینا یاد سے۔"

"ٹھیک ہے امی جی۔" انہوں نے سعادتمندی سے سر ہلایا۔

"اور سنو تم ان لڑکیوں سے ضرورت سے زیادہ بات نہ کرنا یہ یاد رہے۔"

"لاحول ولا قوۃ۔" اس بار وہ کانوں کو ہاتھ لگاتے بھاگتے نظر آئے۔

☆ ☆ ☆

"کراچی کا موسم، سبحان اللہ، ادھر اسلام آباد میں ابھی سے لہو کو جما دینے والی ٹھٹھرتی سردی کا راج ہے، چہار سو کہر کی چادر، اتنی مصیبتیں اٹھانی پڑتی ہیں کہ بس کیا بتائیں؟"

یہ شزا تھی پھوپھی جان کی سب سے جونیئر دختر، جن کی حرکات و سکنات میں اب تک بچپن واضح تھا، تیزی و طراری کے تمام ریکارڈ توڑتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔

"نہ بتائیں، ہمیں سب معلوم ہے اسلام آباد کے موسموں کے بارے میں خاصی معلومات ہیں ہماری، آپ نے کبھی انوائیٹ نہیں کیا، تب بھی بائی چانس دو چار چکر لگ ہی چکے ہیں ہمارے اسلام آباد۔"

"ہائے اللہ زین بھائی، یوں تو نہ کہیں بھلا ہمارے گھر آنے کے لیے آپ کو انویٹیشن کی ضرورت تھی، اور یہ کیا کیا آپ نے چار مرتبہ آپ اسلام آباد گئے مگر ہمارے گھر کبھی جھانکا تک نہیں" لمبی لمبی پلکیں جھپکاتی معصومیت کا پیکر یہ روا تھی، جو سراسر شزا کی ضد نظر آتی تھی۔

"نہ۔۔۔نہ۔۔۔چار مرتبہ نہیں دو مرتبہ، مگر چاروں ہو گئے کہ دو چکر آنے کے اور دو جانے کے۔" زین کا شوخ ہونا امی جی کو ایک آنکھ نہ بھا رہا تھا۔

"جانے دیجئے بہانے بازی یوں کہئے کہ ہمارے غریب خانے پر آنا آپ کو گوارا ہی نہ تھا۔" یہ زویا تھی، جو غالباً" سینئر ہونے کی باعث خاصی بردباری کا مظاہرہ کرتی چلی آئی تھیں، لب کشائی پر مجبور ہوئیں تو لہجہ تیکھا تھا زین نے کچھ کہنا چاہا تھا کہ امی کی نظروں نے خبردار کا الارم بجایا وہ لب بھینچ کر رہ گئے۔

"چھوڑیے یہ فضول کی بحث، کیا خیال ہے بلقیس اب کھانا لگا دوں تم سب تھکی ہوئی ہو، کھانا کھا کر آرام کرنا، بریانی دم دے دی ہے، صرف چند کباب تلنے ہیں، رائتہ سلاد سب تیار ہے۔"

"بھابی جان بلاوجہ اتنا تکلف کیا آپ نے، ہم سب مہمان ہیں کیا؟ اور انھو بچیو، جا کر کھانا لگاؤ سب۔"

"رہنے دو بلقیس، بچیاں تھکی ہوئی ہیں اتنا لمبا سفر کیا ہے، پہلے ہی وہ بچی، نیہا میرے ساتھ لگی رہی، میرے تو روز کے کام ہیں یہ، بیچاری آتے ہی کچن میں گھس گئی، میں نے تو بس پوہنی نام کو کام کیا ہے۔"

"کوئی بات نہیں بھابی جان، بچیاں کام کرتی ہوئی ہی اچھی لگتی ہیں۔ اور یہ تو اپنا گھر ہے" انہوں نے خلوص سے کہا تو جہاں آرا انہیں تکتی ہی رہ گئیں، نہ جانے کہاں جا سویا تھا ان کا نخرہ، بناوٹ، سادہ سا چہرہ ہمیشہ کی مانند میک اپ کی آلائشوں سے پرنہ تھا، انداز میں تمکنت نہ لہجے میں زعم، وہ پہلی ہی نظر میں انہیں خاصی بدلی ہوئی سی محسوس ہوئی تھیں۔

اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ان سب نے مل کر دسترخوان چن دیا، وہ لاکھ ہمتیں مجتمع کرنے پر بھی میٹھا تیار نہ کر پائی تھیں، نیہا نے پل بھر میں ٹرائفل تیار کر بھی لیا، اور ٹرائفل بھی ایسا کہ زین انگلیاں چاٹتے رہ گئے مگر ستائشی جملے امی کے ڈر سے ہضم کر گئے، اور کھانے کے بعد حسب عادت انہیں نیند نے آلیا۔

☆ ☆ ☆

"ایک تو جوڑوں کا درد چین لینے نہیں دیتا، بازار سے سودا سلف زین لا دیا کرتا ہے، لسٹ بنا دیتی ہوں، مگر چھان پھٹک کر، بھاؤ تاؤ کر کے سودا لانا وہ کیا جانے، کبھی سبزی ناکارہ ہوتی ہے، کبھی گوشت بے کار، گھر کے دھندے مارے باندھے نمٹاتی ہوں، سچ اب تو ہمتیں ٹوٹتی جاتی ہیں۔"

"بھابی جان، ان تمام مسائل کا حل تو یہی ہے کہ بس اب بسم اللہ کر کے زین بیٹے کے سر پر سہرا سجا دیجئے اور کونے میں بیٹھ کر اللہ اللہ کر کے وقت گزار لیے۔" انہوں نے آس و نراش کی کیفیت میں انہیں تکا تھا مگر جہاں آرا نظریں چرا گئیں۔

"میرا بس چلے تو گھڑی کی چوتھائی میں یہ نیک کام سر انجام دے ڈالوں، مگر مجبور ہوں۔" وہ فقط ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گئیں تو بلقیس نے انہیں اکسایا۔

"مجبوری کیسی بھابی جان، خیر سے زین بر سر روزگار ہے، صورت شکل میں لاکھوں میں ایک، شرافت، اعلیٰ خاندان بھی کچھ تو ہے۔"

"بلقیس اب تم سے کیا چھپانا کئی لڑکیاں میں دیکھ چکی ہوں زین بیٹے کے لیے، مگر مناسب لوگ نہیں ملتے، کہیں بے حد لالچی، کہیں خاندان نامناسب، شکل و صورت تو خیر اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی ہے نہ ہی میرا معیار اتنا اعلیٰ ہے، بس زین کے حساب سے جوڑی مناسب رہے۔"

"تو آپ نے زین کو ہی ٹٹولا ہوتا، کیا معلوم اسی کی نظر میں کوئی ہو، بلاوجہ کے جھنجھٹ سے جان چھوٹ جائے گی آپ کی۔"

"نہ بلقیس، خدا سب کو ایسی سعادتمند اولاد سے نوازے، اس نے تمام تر ذمہ داری مجھے سونپ رکھی

ہے، مگر کوئی سبیل تو بنے آخر، سچ مجھ میں تو ہمت نہیں بہو کی تلاش میں در، در مارے پھرنے کی۔"

"آس پاس ہی کہیں نظریں دوڑائی ہوتیں بھائی جان رشتے داروں میں..."

"جانے دو بلقیس معمولی درجے کے کلرک تھے تمہارے بھائی صاحب، غربت کی کڑی دھوپ تلے میں نے کیسا وقت گزارا یہ میں ہی جانتی ہوں، اور اب خیر سے بیٹا جوان ہو گیا ہے اور مناسب روزگار میسر آگیا ہے تو جانے کون کون سے دور پار کے رشتے دار آتے ہیں رشتے داری نبھانے، مگر میرا دل تو صاف نہیں ہے، گزرے وقت کی اک اک بات تحریر ہے میرے دل پر، زین کے لیے تو میں غیروں میں ہی لڑکی تلاشوں گی، تاکہ قسمت سے اگر وہ بھی میرے ساتھ ناانصافی روا رکھے، تو اسے غیر سمجھ کر دل کو تسلی تو دے سکوں۔" انہوں نے حقیقت بیان کی تھی مگر بلقیس بیگم کٹ کر رہ گئیں، مانو گھڑوں پانی پڑ گیا ان پر۔

"جناب آج شام کی چائے ملے گی کہ نہیں۔" صدیقی صاحب اخبار تھامے چلے آئے، جہاں آرا نے ناگواری سے اخبار کو تکا تھا۔

"ابھی تک مکمل نہیں ہو سکا اس موئے اخبار کا مطالعہ، بہن اتنی دور سے آئی ہے ڈھنگ سے خیریت تک نہیں معلوم کی ہے آپ نے اب تک۔"

"جانے بھی دیجیے بھائی جان، آپ تو غیروں کا سا تکلف برتتی ہیں۔" وہ کافی دیر بعد شرمساری کی کھوہ سے نکلنے میں کامیاب ہو سکیں۔

"اب تمہیں کیا بتاؤں، ساری عمر ان کا یہ موا مطالعہ یونہی میرا خون جلاتا رہا ہے، منتظر ہی رہا کرتی تھی کہ کب ان کا روئے مبارک اخبار یا کتاب کی اوٹ سے طلوع ہو اور میں عرض مدعا کر سکوں، عمر گزر گئی مگر ان کا جنون برقرار ہے، صبح کا باسی اخبار رات گئے تک چاٹنے میں جانے کیا لطف حاصل ہوا کرتا ہے انہیں۔" وہ انتہائی بیزار نظر آتی تھیں۔

"اچھا جناب یہ لیجیے تہ کیے دیتے ہیں اخبار کو، اب تو چائے پلوا دیجیے۔" صدیقی صاحب نے اخبار لپیٹ کر چشمہ اپنی واسکٹ کی جیب میں اٹکا لیا۔

"بھائی صاحب، بچیاں کچن میں مصروف ہیں، چائے بھی بس آتی ہی ہو گی۔"

"ہائیں بلقیس، بچیاں جاگ گئیں اتنی جلدی، تم نے جگایا ہو گا کچھ دیر تو آرام کرنے دیتیں سفر کی تھکی ہوئی تھیں۔" جہاں آرا ٹھٹک گئیں۔

"بھائی جان بچیاں سوئی کب تھیں، انہیں عادت نہیں ہے دوپہر میں آرام کرنے کی، کچن سمیٹ رہی تھیں، ماشاء اللہ چار چار ہیں منٹوں میں مل جل کر کام کر لیا کرتی ہیں۔"

"کیا غضب کیا بلقیس، میں تو سمجھ رہی تھی بچیاں دیر سے سو کر اٹھیں گی، تو چائے بنا ڈالوں گی سچ افسوس ہو رہا ہے مجھے، ڈانٹ ڈپٹ کر ہی آرام کرنے پر مجبور کر دینا تھا۔" انہیں سچ مچ افسوس ہوا۔

"آرام کرنے کے لیے ساری رات پڑی ہے، میں نے کہا تھا کہ کچن سمیٹ کر بس شاور لے لینا پھر شام کے کھانے کی تیاری کرنی ہے اب جب تک بچیاں ادھر ہیں آپ کو کسی قسم کی فکر کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی کوئی مہمانداری چلے گی، بس جو کچھ دال دلیہ آپ پکائیں مل جل کر کھا لیں گے..."

"خدا نہ کرے بلقیس، اب ایسے بھی گئے گزرے نہیں ہیں کہ ہمہ وقت دال، دلیے پر ہی گزارا ہو ہمارا۔"

"بیگم صاحبہ، بلقیس نے محاورتاً" دال دلیے کا استعمال کیا ہے، عقل استعمال کیا کیجیے۔"

"نہ میری عقل تو کھوپڑی کے کونے میں پڑی زنگ کھا رہی ہے، اتنی ہی تو کوڑھ مغز ہوں میں۔" انہوں نے ناگواری سے کہہ کر پاندان کھول لیا۔

زویا ہاتھ لے کر تولیے سے بال رگڑتی آئی تھی اور اپنے بیگ سے ہیئر برش نکال کر دراز بالوں میں پھیرنا شروع کر دیا، جہاں آرا نے اک ستائشی نظر اس کے گھٹنوں کو چھوتے دراز بالوں پر ڈالی تھی، جن سے موتیوں کی لڑیاں ٹوٹ ٹوٹ کر اس کی پشت تر کر گئی تھیں، مگر وہ کمال بے نیازی سے زلفیں جھٹک کر

"خیر سے ماسٹرز کیا ہے زویا نے اور مطالعے میں تو بھائی صاحب سے بھی چار ہاتھ آگے ہے، اس کا کمرہ کتابوں سے بھرا ہے، ریک پر ڈریسنگ پر، بیڈ پر تکیے کے نیچے ہر جگہ کتابیں ہی کتابیں، کم بولتی ہے زیادہ سوچتی ہے، مجھے سب سے زیادہ اسی کی فکر کھائے جاتی ہے، نیہا کے بعد اسی کا نمبر ہے، مگر بچیوں کو زیادہ پڑھانے سے بھی مسائل پیدا ہوتے ہیں، پھر حسب خواہش رشتہ ملنا مزید مشکل ہو جاتا ہے، اسی لیے نیہا کو میں نے بی اے سے زائد نہ پڑھنے دیا، خود اسے بھی گھرداری کا بے حد شوق ہے کئی قسم کے کورسز کر رکھے ہیں، کوکنگ بھی اچھی کرتی ہے اور اب ردا شہزا کو بھی بی اے سے زیادہ نہیں پڑھاؤں گی۔" وہ نہایت تفاخر سے بیٹیوں کی شان میں مدح سرائی کر رہی تھیں اور جہاں آرا بلاوجہ ہی چھالیہ کترتی رہیں، حتیٰ کہ نیہا چائے کی ٹرے تھامے چلی آئی۔

"بقیہ بچیوں کو بھی بلا لو زویا بیٹی۔"

"ممانی جان، ردا ہاتھ لے رہی ہے اور شہزا دو گھنٹے سے قبل ٹی وی کے سامنے سے نہیں اٹھے گی کارٹون آ رہا ہے اس کا پسندیدہ اس لیے اسے وہیں چائے دے آئی ہوں۔" زویا نے ان کے استفسار پر جواب دیا تھا۔

"سخت عاجز ہوں میں، اس لڑکی کی بچکانہ حرکتوں سے۔" بلقیس نے بڑبڑا کر چائے کا کپ ہونٹوں سے لگا لیا۔

"بچی ہی تو ہے امی جان، میٹرک کیے دن ہی کتنے گزرے ہیں ابھی۔" نیہا نے اس کی سائیڈ لی تو لہجہ محبت سے چور تھا۔

زویا نے اخبار اٹھا کر مطالعہ شروع کیا اور پھر کچھ دیر بعد اس کے اور صدیقی صاحب کے مابین سیاسی گفتگو چھڑی ہوئی تھی، صدیقی صاحب کو اس کی علمیت کا قائل ہونا پڑا، اور ان کی بحث اس وقت تھمی جب نیہا نے رات کا کھانا تیار ہو جانے کا مژدہ سنایا۔

☆ ☆ ☆

آج کے
مشہور و معروف سلسلہ نگار
ایم۔ اے۔ راحت
کا مقبول ترین سلسلہ
ترکش
اب کتابی صورت میں
چھپ کر تیار ہے،
مکمل سلسلہ 6 حصے
پہلا حصہ ——— /50 روپے
دوسرا حصہ ——— /50 〃
تیسرا حصہ ——— /50 〃
چوتھا حصہ ——— /50 〃
پانچواں حصہ ——— /50 〃
چھٹا حصہ ——— /50 〃
6 مکمل حصوں کی قیمت /300 روپے
ڈاک خرچ فی حصہ /16 روپے
مکمل 6 حصے منگوانے پر ڈاک خرچ فری
منگوانے کا پتا:
• مکتبۂ عمران ڈائجسٹ
37، اردو بازار، کراچی
فون: 2216361-7735021
• لاہور اکیڈمی
سرکلر روڈ لاہور فون: 7521690

"اچھی سی اک گاڑی ہو' لڑکی اس میں پیاری ہو اور... اور۔" کاشان کنپٹی پر انگلی مار کر مزید یاد کرنے لگا' تو وہ ہنس دیے۔

"ابھی تک حل نہیں ہو سکا تمہارا پرابلم۔"

"حل ہو جاتا تو تم سے مخفی رہتا بھلا' سب سے پہلے اپنی شادی مبارک کا کارڈ لے کر تمہارے در خانہ پر حاضری دیتا۔" وہ میز سے کودا اور گھوم کر ان کے سامنے کرسی پر آبیٹھا۔

"دھیرج میرے بھائی' صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔"

"جب پھل کھانے کا وقت آئے گا تو یقیناً" دانتوں سے محروم ہو جائیں گے آپ کے یہ بھائی' لاٹھی ٹیک کر چل رہے ہوں گے اور چندیا پر فقط چند بال رہ جائیں گے' یار یہ مائیں بیٹوں کی شریک حیات ڈھونڈنے کے معاملے میں اتنی کچی کیوں ہوا کرتی ہیں۔"

"کبھی تمہارے اس پرابلم کو بھی ڈسکس کریں گے' فی الوقت تو ٹی بریک ختم ہونے کو ہے' اور مجھے ذرا کام ہے۔" زین نے اس کے دکھڑے سے جان چھڑانے کے لیے اک ضخیم فائل کھول کر اس میں غرق ہونا چاہا۔

"ہائے۔"

میرے سخن کا قرینہ ڈبو گیا مجھ کو
کہ جس کو حال سنایا اسے فسانہ لگا

"اڑالو میرے بھائی میری ناکام حسرتوں کا مذاق' اندھیرے میں سایہ بھی ساتھ چھوڑ دیتا ہے تم تو پھر تم ہو' دوستی کا شرمناک رخ ہے یہ' دامن بچانا۔" اس نے مصنوعی آہ و فغاں کی۔

"سنو' تمہیں صرف اک اچھا سامع درکار ہے جو پچاس مرتبہ کے سنائے گئے قصے کو ایک مرتبہ پھر بنا ماتھے پر شکن لائے سن سکے' حسب مقدور خراج تحسین پیش کر سکے اور مقام آہ و فغاں پر تمہارے ہمراہ دامن نہیں تو رومال ہی تر کر سکے۔"

"اگر تم بھی میری ہی مانند عمر کا بتیسواں سال شہنائی کا عذاب جھیلتے گزار رہے ہوتے تو پھر حضرت تم سے پوچھتا روز میری مانند سر کے سفید بالوں کی گنتی کر کے آتے' اماں سے ریجیکٹ شدہ لڑکی کی خامیاں سن کر اپنی بسورتی قسمت کو کوستے' نہ جانے ہم ایسے گھبرو جوان ماؤں کی نظر میں بچے ہی کیوں رہتے ہیں' جن کے لیے چاند چہرہ ستارہ آنکھوں والی حور تلاش کرتے ہوئے وہ سروں میں چاندی اتار دیتی ہیں تب بھی سولہ کے سن کی الہڑ دوشیزہ کی متلاشی رہا کرتی ہیں جو ظاہری ہی نہیں باطنی بھی ہر خامی سے مبرا ہو' حسن و جمال کا شاہکار' اعلیٰ حسب و نسب سے تعلق رکھنے والی' غرضیکہ ان کے معیار کے پیمانے میں صدفی صد فٹ آجانے والی ملکہ حسن' اب بتایئے اتنی ڈھیر ساری خوبیاں کبھی مجسم ہو سکی ہیں۔" زین کے لاکھ پہلو بچانے پر بھی وہ پرانا دکھڑا رونے بیٹھ گیا۔

"تم ہی بتاؤ میں کیا کروں؟"

"اماں کو سمجھانے کی کوشش کرو۔" انہیں فی الوقت یہی حل سوجھا۔

"ان کو سمجھانا جوئے شیر لانے یا پتھر سے سر پھوڑنے کے مترادف ہے' ہر روز وہ میرا دل جلانے کو آٹھ دس تصاویر لے کر بیٹھی ان میں کیڑے چنتی نظر آتی ہیں مزید یہ کہ انہیں میری تائید بھی درکار ہوا کرتی ہے' اپنے چندے آفتاب چندے ماہتاب سپوت کے شایان شان آج تک کوئی لڑکی انہیں نہ نظر آسکی۔" وہ کراہا تھا۔

"تم ایسا کرو آنکھیں بند کر کے ان کی منتخب کردہ کسی بھی لڑکی پر انگلی رکھ دو۔"

"خطرناک نتائج کے طور پر' لڑکی سے پٹنے کی ذمہ داری تم قبول کرو گے۔"

"لاحول ولا قوۃ' میں نے تصویر پر انگلی رکھنے کی بات کی تھی۔" وہ جھلا اٹھے۔

"یہ تو وہی بات ہوئی۔

ہم آہ بھی بھرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

اس نے عادت کے مطابق شعر داغا تو زین نے کسی خیال سے چونک کر دریافت کیا۔

"آخر تمہارا اپنا بھی تو کوئی معیار ہوگا؟ تمہیں کس قسم کی لڑکی پسند ہے۔"

"خدارا مجھ سے لڑکیوں کے بارے میں نہ دریافت کرو کہ لڑکی تو آج تک مجھے کوئی بھی بری نہیں لگی۔"

☼ ☼ ☼

"بچیوں کی شادی کا معاملہ بے حد گمبھیر ہوا کرتا ہے مناسب بر کی تلاش یا عدم دستیابی بھی اک مسئلہ ہے' ماہا کے لیے مناسب بر دیکھ کر ہی میں نے ہامی بھری تھی' گھر میں کسی کے پیٹ میں تو نہیں گھسی بیٹھی تھی یا شاید غلطی میری ہی تھی' نو دولتیوں کو ہم مرتبہ سمجھ کر بیٹی بیاہ دی' مگر ان کے رنگ ڈھنگ ہر طرح سے انہیں ...ثابت کرتے تھے' بلا کے لالچی ثابت ہوئے' حلق تک بھر کر دینے کے باوجود بہانے بہانے سے فرمائشیں کرتے رہنا ان کا وطیرہ ہے اب پہلے جیسے حالات بھی نہیں رہے ان کی ریٹائرمنٹ کے بعد اپنا اسٹیٹس برقرار رکھنا مشکل ہے' مزید چار بچیوں کا بوجھ۔

"ردا' شنزا تو خیر ابھی کم عمر ہیں مگر مجھے زوبیا کی فکر کھائے جاتی ہے' ماہا کے تجربے ہی نے ثابت کر دیا کہ ...غیر ہی رہتا ہے شاید اسی لیے اپنوں کی قدر ہوئی مگر ...میں کوتاہی ہماری بھی تھی' لاکھوں کا کاروبار دیکھ کر ...بیاہ دیا' لڑکے میں خود سے کوئی صلاحیت ہی نہیں ...گھریلو چپقلش کے سبب علیحدہ گھر لے تو لیا' مگر ...گزارا مشکل ہے' میٹرک پاس کو تو ڈھنگ کی ...ملنے سے رہی اب وہ کاروبار کے لیے رقم بھی مجھ ...سے طلب کرتا ہے تم سے کیا چھپانا مکان بھی خود ہی ...کر دیا اور سستے مکان پر اس نے ہامی بھی نہیں ...' انہیں اسٹینڈرڈ قائم رکھنے کا بخار ہے' مگر اپنی ...حرکتیں بھی نہیں چھوڑ سکتے۔" انہوں نے اپنے ...زخم جہاں آرا کے سامنے کھول کر رکھ دیے تھے ...اتنی شقی القلب بھی نہ تھیں کہ انہیں تسلی کے ...بھی نہ بول پاتیں۔

"سب نصیبوں کے کھیل ہیں بلقیس' جب اور ...نصیب ٹکرا جائے۔ آنکھوں پر پٹی بندھ جاتی ہے والدین۔کے" انہوں نے ٹھنڈی سانس بھری تھی۔

"بس یوں سمجھ لو' کچھ کوتاہیاں ہماری بھی تھیں' دولت کو معیار بنایا تھا سو ٹھوکر تو کھانی تھی' خاندان' شرافت' حسب نسب کچھ بھی تو نہ دیکھا اور پھر ناز و نعم میں پلی ہوئی بچی تھی کبھی تنکا بھی دوہرا نہ کیا تھا ان کے گھر روایتی مڈل کلاس کے طور طریقے تھے' بہوؤں کو نوکرانی سمجھ کر کام لینا' سو رنجشیں بڑھتی ہی چلی گئیں شاید ماہا میں امور خانہ داری کی سوجھ بوجھ ہوتی تو علیحدہ گھر لینے کی نوبت نہ آتی' نہ ہی کاروبار سے خارج کیا جاتا مگر ہمارے نصیب۔" ان کے ڈھکے چھپے اشاروں کو وہ خوب سمجھتی تھیں' مگر اپنے دل کو نہ آمادہ پاتی تھیں۔

گزشتہ دنوں اپنی اک پڑوسن کے توسط سے چند لڑکیاں زین کے لیے دیکھی تھیں اور اب وہ اس معاملے کو نمٹانے میں دیر نہ کرنا چاہتی تھیں' خصوصاً" بلقیس۔کے سامنے انہوں نے تذکرہ کرنا زیادہ لازمی سمجھا۔

"بالکل بھابی جان' نیک کام میں دیر کیسی' بسم اللہ کیجیے۔" بلقیس بیگم کے لہجے نے ان کے لفظوں کا ساتھ نہ دیا۔

☼ ☼ ☼

"پھر کیا ہوا ؟" ردا' شنزا نے بے قراری سے دریافت کیا۔

"ہونا کیا تھا بڑی دیر تک میں شیر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے اسے گھورتا رہا' شیر بھی جواباً" مجھے گھورتا رہا اور پھر گھورنے کا سلسلہ نہ جانے کتنا دراز ہوتا کہ مجھے یاد آیا کہ میں کہاں کھڑا ہوں' لہٰذا مجبوراً" مجھے اگلے پنجرے کا رخ کرنا پڑا۔"

"وہاٹ... تو آپ اس شیر کی بات کر رہے تھے' نان سینس۔" شنزا کا منہ لٹک گیا۔

"ارے جناب تو کیا وہ والا شیر' شیر نہیں ہوتا" زین مزے لے رہا تھا۔

"جانے دیجیے سارا سسپنس غارت کر دیا" شنزا

منہ پھلا کر بیٹھ گئی۔

"لیجئے جناب' یہ تو مائنڈ کر گئیں' اب آپ ہی ایک کپ چائے مابدولت کو پیش کر دیجئے۔"

"زین بھائی آپ اتنی مشکل اردو کیوں بولا کرتے ہیں۔"

"جناب آپ انگلش میڈیم میں پڑھنے والے لوگوں کا یہ ہی تو المیہ ہوا کرتا ہے' انگریزی میں کھانا' انگریزی میں سونا اور انگریزی ہی میں رونا۔"

"اب ایسی بھی بات نہیں' اردو سے اتنی بھی انجان نہیں ہوں میں' آفٹر آل یہ ہماری مادری زبان ہے۔"

"اچھا یہ بات ہے تو ذرا میرے نام کے ہجے کر کے سناؤ۔"

"واہ' یہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے' اتنا آسان تو نام ہے آپ کا زین۔" وہ کنپٹی پر انگلی رکھ کر ہجے ترتیب دینے لگی۔

"زین نہیں' زین العابدین ہے میرا پورا نام' ذرا اس کے ہجے کر کے بتاؤ۔"

"اس سے لاکھ درجہ بہتر ہے کہ میں آپ کے لیے چائے بنا لاؤں" ردا ہار مان کر اٹھ کھڑی ہوئی تو وہ مسکرا دیے۔

"اس روز جیسی نہ بنا لانا' جو شاندے کا نعم البدل' یعنی کہ آلٹرنیٹ۔"

"اتنی بھی کمزور نہیں ہے میری اردو آخر زویا آپی جیسی علامہ کے زیر سایہ رہتے ہیں تھوڑے بہت اردو کے چھینٹے تو ہم پر بھی پڑ ہی جاتے ہیں۔"

"اب آپ پھر ردا کا امتحان لینے نہ بیٹھ جایئے گا' ورنہ یہ دوبارہ فیل ہو جائے گی۔" شزا اپنے اٹاری کے ساتھ مصروف ہو چکی تھی تاہم اس کے کان ادھر ہی لگے ہوئے تھے ردا کے جانے کے بعد وہ مشاقی سے اسے کھیلتے ہوئے دیکھنے لگے۔

شزا اور ردا میں صرف ایک ہی سال کا فرق تھا' مگر دونوں ہم عمر ہی نظر آتی تھیں' شزا میں حماقت کی حد تک معصومیت تھی' جینز شرٹ نہایت دھڑلے سے پہنا کرتی' جبکہ ردا سادگی و سمجھ داری کا پیکر تھی' تاہم یہ کہنے میں کوئی مبالغہ نہ تھا کہ شکل و صورت کے معاملے میں بلقیس بیگم کی تمام ہی بچیاں اعلیٰ تھیں' جامہ زیب اور تہذیب یافتہ بھی' زویا کے مزاج کا وہ اب تک تعین یوں نہ کر پائے تھے کہ وہ انتہائی کم بلکہ ضرورتاً" ہی لب کشائی کیا کرتی خاصا لیا دیا سا انداز رکھتی صدیقی صاحب کے ساتھ اس کی محفل خوب جما کرتی اور ان کی نشست خاصی عالمانہ گفتگو پر مبنی ہوا کرتی جو کہ دیگر کے لیے اکتاہٹ کا باعث بنتی' سب ہی بہانوں سے ٹل جایا کرتے تھے' نیہا نے آتے کے ساتھ ہی کچن سنبھالنے کے جو فرائض اپنائے تھے اب تک ان پر قائم تھی اور نہایت ذمہ داری و خوش اسلوبی سے انہیں انجام دے رہی تھی' بلقیس بیگم اور جہاں آرا جو باتوں میں مشغول ہوتیں تو انہیں وقت گزرنے کا احساس ہی نہ ہوا کرتا ایسے میں زین ان سب کو مقدور بھر کمپنی دینے کی کوشش کرتے' مگر زویا کے مزاج کے سبب اس سے ضرورتاً" ہی مخاطب ہوا کرتے' نیہا اکثر مصروف رہتی جبکہ ردا' شزا سے ان کی خوب گھٹا کرتی' عمروں میں زائد تضاد کے باعث مخصوص جھجک مانع نہ رہا کرتی اور نہ ہی امی جی کا حکم آڑے آتا' وہ بچوں کی مانند ان سے کھیلتے بھی تھے' ردا اپنے ہمراہ کمپیوٹر کی ڈھیروں کتابیں اٹھا لائی تھی وہ مقدور بھر اس کی مدد بھی کر دیا کرتے۔

نیہا نے چمچہ کپ پر بجایا تو وہ چونک اٹھے' وہ چائے کا کپ لیے مسکرا رہی تھی اور زین کو محسوس ہوا آس پاس ڈھیروں کلیاں کھل اٹھی ہوں۔

"شکریہ' دوسروں کی ضروریات کی بابت خوب علم ہو جایا کرتا ہے آپ کو۔" انہوں نے فی الفور چائے کی چسکی لی۔

"اس وقت تو مجھ سے ردا نے کہا تھا' اس میں میرا کوئی کمال نہیں۔"

"کیا دیگر کاموں کے لیے بھی آپ ردا کے حکم کی منتظر رہا کرتی ہیں' اگر نہیں تو سراسر آپ کا کمال ہوا ناں۔"

"وہ سب میرے فرائض میں شامل ہے؟"

"فرائض کی بجا طور پر ادائیگی بھی ذمہ دار لوگ کیا کرتے ہیں۔"

"یہ تعریف ہے یا محض کمنٹس۔"

"جو چاہے سمجھ لیجئے۔!"

"شکریہ۔" وہ ایک بار پھر مسکرائی اور زین کو سارا ماحول ہی باغ و بہار محسوس ہونے لگا۔

☆ ☆ ☆

اس روز تعطیل تھی اور گھر میں خلاف معمول کچھ چہل پہل سی تھی' وہ قدرے تاخیر سے بیدار ہوئے مگر استفسار کیے بغیر نہ رہ سکے۔

"لو جی' یہ تو وہی بات ہوئی جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے۔" نیہا ہنس دی تھی۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ آپ کو معلوم ہی نہیں کہ آپ کے لیے لڑکیاں دیکھنے کا سلسلہ جاری ہے۔" ردا نے ان کی مشکل آسان کی۔

"کیوں تم لوگوں نے کبھی لڑکیاں نہیں دیکھیں کیا؟" وہ بدمزہ سے ہو گئے۔

"ہمارا مطلب ہے آپ کی شادی کے لیے آپ کے شایان شان لڑکیاں تلاش کرنے کا۔"

"مگر شادی تو مجھے ایک ہی لڑکی سے کرنی ہے پھر اتنے تردد کی ضرورت۔" انہوں نے درزدیدہ نگاہوں سے نیہا کو دیکھا جو بے نیازی سے جھک کر سینڈل کا اسٹریپ باندھ رہی تھی دراز بالوں کی موٹی سی چوٹی آگے ڈھلک کر جھول رہی تھی چہرے پر فطری شگفتگی تھی۔

"جناب ڈھیر ساری لڑکیوں میں سے ایک نگینہ چننا بھی تو دشوار ہے۔"

"تو اس کے لیے دیگر کے احساسات مجروح کرنے بھی لازمی ہیں کیا' بلاوجہ انتخاب کے نام پر لڑکیوں کی دل آزاری کر کے گناہ کمانا' نان سینس۔"

"زین تمہارا دماغ تو درست ہے' کس قسم کی باتیں کر رہے ہو تم۔" امی جی کو خطرے کی گھنٹیاں بجتی نظر آ رہی تھیں' جانے کہاں سے وہ ان کی گفتگو سن رہی تھیں۔

"نہ... امی جی' میرا یہ مطلب نہیں ہے" وہ گڑبڑا اٹھے۔

"تمہارا مطلب و مقصد کچھ بھی ہو' مگر تمہارے لیے کوئی لڑکی پسند کر کے بلقیس کی موجودگی ہی میں' میں کوئی رسم کرنے کے لیے عجلت کا مظاہرہ کر رہی ہوں' وگرنہ اتنی دور سے وہ بیچاری دوبارہ کیسے آ سکے گی۔" امی جی نے جانے انہیں کیا جتانا چاہا تھا' وہ سعادتمندی سے سر ہلا کر باتھ روم کا رخ کر گئے تاہم دل پر اک بوجھ سا آ دھرا تھا۔

"کیا امی جی کی قریب کی نظر اتنی کمزور ہے؟" وہ سر جھٹک کر رہ گئے۔

☆ ☆ ☆

"اب بھی وقت ہے جہاں آرا سوچ لیجئے۔"

"بس سب کچھ سوچ لیا' سمجھ لیا میں نے' آپ بلاوجہ مجھے مجبور نہ کیجئے۔" وہ نہ جانے کیوں ہٹ دھرمی پر اتری ہوئی تھیں۔

"بیگم! اپنا مارتا ہے چھاؤں میں ڈالتا ہے۔"

"اے میاں' جب مار ہی ڈالا تو چھاؤں میں ڈالے کہ دھوپ میں' کیا فرق پڑتا ہے۔"

"بیگم بہن در پہ سوالی بن کر آئے تو اسے خالی لوٹانا بھلا لگتا ہے کیا؟"

"یاد کیجئے وہ وقت جب مصروفیت کا بہانہ کر کے دروازے سے لوٹا دیا کرتی تھیں ہمیں' غریب بھائی کا دوسروں سے تعارف کرواتے حیا جو آتی تھی انہیں اور پھر دوبارہ بھی ہم نے ان کی دہلیز پر قدم نہ رکھا' تو انہوں نے بھی پلٹ کر ہمیں نہ پوچھا' سسرال کے باحیثیت لوگوں سے مل کر چلی جاتی تھیں ہم تو بس اڑتی اڑتی ہی ان کے آنے کی خبریں سنا کرتے تھے' اب کاروبار خسارے کی نذر ہو گیا میاں جی بیمار اور بیٹیاں منہ کو آ گئیں تو غریب بھائی کی یاد آئی۔" وہ آج بچیوں سمیت اپنے عزیزوں سے ملاقات کو نکلی تھیں اسی لیے جہاں

آرا بیگم کو کھل کر بولنے کا موقع میسر آگیا۔

"وہ اپنی غلطیوں پر پشیمان ہے، ٹھوکر کھا کر ہی سہی اتنا کافی نہیں ہے کیا؟ معاف کر دینے میں عظمت ہے بیگم۔"

"تو سمجھ لیجئے کہ میں ہی باظرف نہیں ہوں۔ مجھ سے نہیں بھولتا ہے وہ وقت۔"

"چلو نہ کرو انہیں معاف، مگر بچیوں میں تو کوئی کھوٹ نہیں یہ تو مانو گی ناں!"

"بالکل، ہیرا بچیاں ہیں، صد شکر کہ ماں کا پرتو نہیں ہیں، ماہا کی مانند آپ کو یاد ہیں ماہا کے نخرے، میرا خیال تھا کہ بقیہ بھی اسی کا عکس ہوں گی، مگر مجھے اعتراف ہے 'نیہا' نے جس اپنے پن سے سارا گھر سنبھال رکھا ہے ذرا غرور نہیں تعلیم یا دولت کا، زویا بھی ٹھیک ہی ہے اور دونوں چھوٹیاں تو بس، شکل دیکھ کر ہی پیار آتا ہے، مگر مجھ سے وہ نہ کہیے جو میرے بس میں نہیں ہے، وہ مہمان ہیں اخلاق نبھانا اور حقوق میزبانی کی ادائیگی میرا فرض ہے مگر اس سے زیادہ کچھ نہیں۔"

"چلئے نہیں تو نہ سہی، مگر زین کے معاملے میں اتنی عجلت کا مظاہرہ مناسب نہیں ہے۔"

"مگر اب تاخیر کی وجہ بھی کیا ہے آخر، سچ پوچھو تو ایک لڑکی تو مجھے بری طرح بھا گئی ہے، پھر نیک کام میں دیر کیسی۔" وہ بیان نہ کر سکیں کہ ان کے دل کو کچھ سے کیوں لگے ہیں، بلقیس بیگم کی تمام بچیاں خوش شکل تھیں بیٹا ہٹ دھرمی پہ اتر آتا تو کیا کر پاتیں۔

"بیگم شکل و صورت کے علاوہ بھی کچھ اوصاف ہوا کرتے ہیں، جو کہ ناگزیر ہیں۔"

"پڑوسن آپا کے بیان کے مطابق لڑکی تعلیم یافتہ ہے، سگھڑ سلیقہ مند اور شکل و صورت تو میں دیکھ ہی چکی ہوں۔"

"شکل و صورت کے علاوہ دوسرے اوصاف تو پڑوسن کے بیان کردہ ہیں ناں آپ کے آزمودہ تو نہیں۔"

"یہ بھی خوب رخ بدلا آپ نے، یعنی پہلے تو مجھے اپنی بھانجیوں کے لیے رضامند کرنے کی کوشش اور پھر میری منتخب کردہ لڑکی میں کیڑے نکالنے بیٹھ گئے، مگر یاد رکھیے زین میرا بیٹا ہے اور اس کا اچھا برا میں خوب سمجھتی ہوں اور آپ جو چاہتے ہیں وہ کسی قیمت پر نہ ہو گا یہ بات لکھ کر رکھ لیجئے۔"

"لاحول ولا قوۃ، بیگم خوب ہیں آپ بھی جو دل میں آئے کیجئے ہواؤں سے لڑتی ہیں اور بات کو اپنی مرضی کا رخ دینا خوب آتا ہے، توبہ، توبہ۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے اٹھ گئے تو جہاں آرا نے بھی جھلا کر پاندان کھول لیا۔

☆ ☆ ☆

"یعنی کہ یہ تو وہی معاملہ ہوا کہ چپڑی ہوئی اور وہ بھی دو عدد۔" کاشان کھل کر ہنسا۔

"تمہیں مذاق سوجھا ہے اور میری جان پر بنی ہے۔" زین نے بھی کھل کر برا منایا۔

"خوش قسمت ہو پیارے بھائی، جو یہ دن دیکھنا نصیب میں درج تھا ورنہ یہ مائیں بیٹوں کو جانے کہاں کا مہاراج سمجھتی ہیں کہ ان کے لائق کوئی حور پری بھی نظروں میں نہیں سماتی ہے، خالہ جان کی عظمت کو سلام کرنے میں ضرور حاضر ہو جاؤں گا۔"

"تم انسان نہیں گدھے ہو پورے، کوئی ترکیب نکالو یار۔"

"تم کر میں اتنا ہی مستند پلانر ہوتا تو اب تک خود اپنے سر پر سہرا نہ بندھوا چکا ہوتا۔"

"تف ہے تم پہ اور تمہاری دوستی پہ۔"

"میرے بھائی شادی ہو جانے سے بڑھ کر اور کیا خوش قسمتی ہو گی، تمہاری پسند سے نہ سہی اماں کی پسند ہی سے سہی۔"

"تم ایک بار اسے دیکھ تو لو ساری تاویلیں بھلا دو گے بھول جاؤ گے۔"

"یہ نیک کام تو میں تمہارے کہے بغیر بھی ضرور کروں گا کہ آخر ہے کون وہ پری وش جس نے ہمارے یار کا دل چرا لیا اور پھر بقول تمہارے وہ حلق سے دل میں اترنے کا فن بھی جانتی ہیں تو ایک کپ چائے کے ذریعے بھی آزمائش کرنی لازمی ہے۔"

"گویا میری بات پہ اعتبار نہیں تمہیں۔"

"کیوں نہیں ہے بالکل ہے، مگر بھائی جان کے۔"

"کاشان تمہیں خدا کا واسطہ کچھ اول فول نہ بک دینا، میری ریپوٹیشن کا معاملہ ہے یار۔"

"ہائیں یعنی کہ تم خاک ہو رہے ہو اور انہیں خبر ہی نہیں، یہی معاملہ ہے ناں۔"

"بات ابھی صرف پسندیدگی کی حد تک ہے اور اس جانب کے تاثرات سے میں لاعلم ہوں۔"

"او ون وے ٹریفک پھر تو تم آنکھیں بند کر کے سر تسلیم خم کر دو۔"

"مجھے تم سے یہی توقع تھی خودکشی کرنے کا اور کوئی طریقہ بیان کرو۔"

"بھائی میرے، بات صرف نظر کی پسندیدگی اور وہ بھی یکطرفہ تک ہی محدود ہے ناں، تو یوں سمجھ لو کہ محترمہ ہی تمہیں قبول کرنے سے انکار کر دیں تب بھی تو تمہیں اماں کی منتخب کردہ لڑکی کو قبول کرنا ہو گا، سو قربانی دے کر محبت کی لازوال داستان رقم کر ڈالو۔"

"تم پہلے وہ عینک اتارو جو صرف تصویر کا تاریک پہلو تمہیں دکھا رہی ہے۔"

"گویا وہ معاملہ ہے کہ۔

نہ وہ انکار کرتا ہے نہ وہ اقرار کرتا ہے
ہمیں پھر بھی گماں ہے وہ ہمی سے پیار کرتا ہے

"تمہیں اور کچھ نہیں آتا سوائے ان بے تکے اشعار اور بے ڈھنگے مشوروں کے، میں ہی بیوقوف ہوں جو تمہیں اپنی داستان الم سنا کر مشورہ کرنے بیٹھ گیا۔"

"حالانکہ اس سے لاکھ درجہا بہتر تھا کہ تم بخوشی سر پر سہرا بندھوا لیتے، اور اگر تمہاری جگہ میں ہوتا تو یقیناً" سر تسلیم خم کرنے میں تامل نہ کرتا، سایوں کے پیچھے بھاگنا بیوقوفی ہی تو ہے اور پھر اگر وہ تمہاری پسند ہو تو اماں کو رضامند کرنے کے لیے مزید مسائل کا سامنا کرنا ہو گا ڈھیر سارے مسائل کی بجائے ایک ہی مسئلے سے سر ٹکراؤ تو بہتر ہے اور پھر وہ اماں ہیں تمہارا برا تو نہ چاہیں گی۔"

"تم کیا جانو محبت ایسے بہلاووں کو نہیں مانتی۔" انہوں نے مایوسی سے سر ہلایا۔

☆ ☆ ☆

"مجھے تو کچھ عجیب سے لوگ نظر آتے ہیں نو دولتیے اور بد تہذیب قسم کے۔" زویا سے جانے کس نے رائے طلب کی تھی اور اس نے عادت کے مطابق نہایت کھرے الفاظ میں جواب دیا تھا۔

"نہ جانے ممانی جان کو اتنی جلدی کیوں پڑی ہے، حالانکہ زین بھائی کے لیے بہتر سے بہتر لڑکی میسر آسکتی ہے۔" یہ روا تھی۔

"وہ خود خاصا سلجھا ہوا اور سمجھ دار سا لڑکا جبکہ لڑکی کسی طور مناسب نہیں ہے، صرف شکلا" ہی نہیں بقیہ اوصاف میں بھی زین کی ضد نظر آتی ہے۔"

"آپ نے دیکھا تھا آلی کھانے کے بعد سب نے ہاتھ پلیٹوں ہی میں دھو لیے، نہ اٹھنے بیٹھنے کی تمیز تھی نہ بول چال کا طریقہ، کھانے کے بعد کسی نے ہاتھ دھو کر قمیص کے دامن سے صاف کر لیے تو کسی نے آستین سے منہ صاف کر لیا، طویل العمر خواتین نے بھی اپنی عمر و مقام کو نظر انداز کر کے ڈریسنگ کر رکھی تھی۔"

"خیر جانے دو، تم سب اپنی رائے محفوظ ہی رکھنا، بھابی جان جانیں اور ان کی اولاد، اگر ہم نے اپنے تجزیے انہیں سنانے شروع کر دیے تو جانے وہ کیا رائے قائم کریں۔"

"امی آپ کو کیا ضرورت تھی بلاوجہ اشاروں کنایوں میں زین بھائی کے لیے اظہار پسندیدگی کی، ضروری تو نہیں کہ ہم نے ایک بار ٹھوکر کھائی تو بار بار ہی نقصان اٹھائیں۔" زویا نے ماں سے کہا۔

"سوچا تھا بھائی، بھاوج اپنے ہیں، کچھ تو میری بچیوں کا خیال کریں گے، مگر بھابھی جان نے تو میرے زخموں پر نمک پاشی کا پورا اہتمام کر ڈالا، مجھے ذلیل کرنے کے لیے میرے ہی سامنے دوسروں کی لڑکی منتخب کر کے اب رسم کی تیاری کر رہی ہیں۔" بلقیس بیگم نے

ٹھنڈی سانس بھری تھی۔

"میرا خیال تھا زویا نہیں تو فیہا کے لیے تو انہیں تیار کر ہی لوں گی' کیا کمی ہے میری بچیوں میں مگر بھابی جان کا دل اب تک صاف نہیں ہے' میری تمام تر پشیمانیوں کے باوجود' خیر اللہ جو کرتا ہے بہتر ہی کرتا ہے' سچ جاتی فیہا زین کے ساتھ۔" اس کے دل کو اک دھکا سا لگا۔

کیا وہ اتنی ہی ارزاں تھی کہ مجبوریوں کی داستان پشیمانی کے ہمراہ سنا کر اس کے لیے بھیک مانگی جائے یا پھر بن مانگے یونہی کسی کی جھولی میں ڈالنے کی کوشش کی جائے' انہوں نے چوٹ کھائی تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ دنیا میں اچھے لوگوں کا کال ہی پڑ گیا ہے' شاید امی ٹھیک ہی کہہ رہی تھیں' اللہ جو کرتا ہے بہتر ہی کرتا ہے' اگرچہ اس کے دل کو اک عجیب سے احساس نے گھیر رکھا تھا' اس کی مسکراتی پیغام دیتیں نظروں کے مفہوم سے وہ ناآشنا تو نہ تھی اور اب بھی وہ اک عجیب سی بے بسی و جھنجھلاہٹ کا شکار تھی' مگر صد شکر کہ اس راہ پر ابھی اس کا پہلا قدم تھا پلٹنے کا رستہ اتنا دشوار نہ تھا کم از کم اسے تو یونہی لگتا تھا۔

☆ ☆ ☆

"آداب خالہ جان۔"

"بسم اللہ آؤ بیٹا' آج چاند کہاں سے طلوع ہوا ہے۔" جہاں آرا کاشان کو دیکھ کر نہال ہی تو ہوا تھیں۔

"چاند تو اپنی جگہ پر ہی ہے' سنا تھا کہ سورج مغرب سے طلوع ہوا تھا۔" وہ بھی ان کے قریب ہی تخت پر پھیل کر بیٹھ گیا۔

"بس تیری یہی باتیں تو دل خوش کر دیا کرتی ہیں کچھ دن نہ آئے تو یاد آنے لگتا ہے۔"

"گویا آپ مجھے مسخرہ سمجھتی ہیں۔" وہ ان کا پاندان کھول کر ٹٹولنے لگا۔

"ہے خبردار جو پاندان کو چھوا ہو تو' پچھلی مرتبہ پاؤ بھر سونف چھالیہ پھانک گئے تھے باتوں باتوں میں۔" انہوں نے چیل کی مانند پاندان جھپٹا۔

"واہ ابھی تو واری صدقے جا رہی تھیں' خوب دیکھ لیے آپ کی محبت کے مظاہرے۔ اور اب ذرا سے سونف چھالیہ پر اتنی غیریت۔" وہ نروٹھے پن سے ہاتھوں کا تکیہ بنا کر نیم دراز ہو گیا۔

"میرے چاند میرا سب کچھ تمہارا ہے' مگر اس پاندان کو نہ چھیڑا کرو۔"

"واہ کیا آپ کو بھی شاعری سے شغف ہو چلا ہے' کم بیش اسی قسم کے الفاظ پروین شاکر نے اپنی کسی نظم میں استعمال کیے تھے۔"

"اے اس موئی شاعری کا تو نام بھی نہ لینا میرے سامنے' کیا بھلا رنگ روپ ہے زویا کا' مگر کتابیں پڑھ پڑھ کر اتنی موٹی عینک لگ چکی ہے آنکھوں پر۔"

"عینک تو علمیت و قابلیت کی نشاندہی کرتی ہے خالہ جان اگر قبل از وقت ہی لگ جائے کم از کم میرا تو آئیڈیل ہیں معنک لڑکیاں۔"

"تمہاری تو منطق ہی نرالی ہوا کرتی ہے ہمیشہ' لڑکیوں میں نزاکت' سلیقہ بھلا لگتا ہے نہ کہ یہ موئی عینک۔ خیر یہ بتاؤ چائے پیو گے؟"

"یہ بھی کوئی پوچھنے والی بات ہے' ویسے حضرت زین کہاں ہیں اب تک کہیں سے بھی نمودار ہونے کے آثار پیدا نہیں ہو سکے۔"

"نہ جانے کہاں اوائی توائی گھومنے نکل جاتا ہے یہ لڑکا آفس سے لوٹ کر' بلاوجہ ہی منہ لٹکائے پھر رہا ہے۔" ان کی بات پر کاشان کو اپنی آمد کا مقصد یاد آیا مگر وہ انجان کر غالباً" چائے کے لیے کہنے گئی تھیں۔

"آپ نے وجہ تو دریافت کی ہوتی منہ کے لٹکنے کی۔" وہ لوٹیں تو کاشان نے انہیں چھیڑا۔

"اے بیٹا' میں کوئی اس کی سہیلی تو ہوں نہیں' ہو گی کوئی چھوٹی موٹی مشکل حل ہو جائے گی انشاء اللہ' ماشاء اللہ بہت بھرا پرا گھرانہ تلاش کیا ہے اس کے لیے' لڑکی بھی خوب صورت ہے' سب کچھ بھول بھال جائے گا۔"

"خالہ جان آپ نے اس کی رضا تو معلوم کی ہوتی۔"

"نہ بچے' ہماری بھی شادی ہوئی تو ہماری رضا کس نے معلوم کی تھی' وہ میرا بیٹا ہے میری منشاء کے خلاف تو کبھی سر نہ اٹھائے گا۔" ان کے مان بھرے لہجے پر کاشان کا بھی اپنا اعتماد پانی ہوتا محسوس ہو رہا تھا زین تو پھر بھی ان کا بیٹا تھا۔

"انشاء اللہ جلد ہی منگنی کی تاریخ مقرر ہو جائے گی گھر والوں کو لانا نہ بھولنا' میں تو اس دن کی آس لے کر جی رہی ہوں جب میرے پوتے پوتیوں کی قلقاریاں اس گھر میں گونجیں گی۔" وہ جاگتی آنکھوں سے خواب دیکھ رہی تھیں جب زویا کی آمد پر چونکیں۔

کاشان نے ان کی نظروں کے تعاقب میں مڑ کر دیکھا اور پل بھر کے لیے گویا کائنات تھم کر رہ گئی' خواب کبھی یوں بھی مجسم ہو کر سامنے آجایا کرتے ہیں' وہ جو کوئی بھی تھی' پل بھر ہی میں ان کے تمام تر احساسات سلب کر گئی' گندمی رنگت والی سیاہ پلکیں جھپکتی جہاں آرا سے مخاطب تھی مگر کاشان اس وقت صرف اپنی ہارٹ بیٹس شمار کر رہا تھا' انہوں نے بارہا یونہی تخیل میں سجی مورت کو ہر چہرے میں کھوجا تھا مگر دل کی دھڑکنوں نے آج تک تصدیق نہ کی تھی اور آج یونہی اچانک پل بھر میں انتہائی غیر متوقع طور پر ان کی تلاش گویا ختم ہو گئی تھی' وہ جہاں آرا سے جانے کیا کچھ کہہ کر مڑی تھی اور پھر کائنات اپنی مخصوص ڈھب پر چل پڑی۔

"یہ زویا تھی' میری بھتیجی" کاشان نے شکر کیا کہ اس کی موجودگی میں انہیں تعارف کی رسم نبھانے کا خیال نہیں آیا وگرنہ وہ تو کچھ کہنے سننے کے لائق ہی نہ تھے اس سے۔

☆ ☆ ☆

"کل تمہاری امی جی سے ملاقات ہوئی تھی' کیا بنا پھر؟" زین نے اگلے روز بے قراری سے کہا۔

"بننا کیا تھا' وہی معاملہ ہوا کہ شکار ڈھونڈنے آئے تھے شکار ہو کے چلے؟"

"کیا مطلب؟" زین نے ہونقوں کی مانند اس کا چہرہ دیکھا۔

"تم سب سے پہلے یہ بتاؤ کہ ہونے والی بھابھی جان کا نام کیا ہے؟"

"معلوم نہیں' مگر سنا ہے کہ خاصی خوب صورت ہیں مگر مجھے۔"

"میری جان میں نے تمہارے "من بھائی" بھابی جان کی بابت دریافت کیا ہے۔"

"اوہ اچھا! فیہا' مگر کیوں۔"

"صد شکر' وگرنہ آج میں تمہیں اپنے ہاتھوں قتل کر کے رقابت کی اک اور داستان رقم کرتا۔"

"تم ہمیشہ کڑے وقتوں ہی میں لایعنی باتیں کیوں بگھارا کرتے ہو۔" وہ جھلا اٹھے۔

"بھائی میری جان پر بنی ہے' تمہیں اپنے مسئلے کی پڑی ہے' جناب آپ کے پاس آپشن تو ہے مگر یہاں ٹھہرائے جانے کے صدقی صد چانسز کے ہمراہ گھر والوں کو تیار کرنے کا کڑا مرحلہ بھی طے کرنا ہے۔"

"تمہارا مسئلہ مجھ جیسا گمبھیر نہیں ہو سکتا۔"

"اور اگر میں کہوں کہ اس تک پہنچنے کا رستہ تمہارے گھر پر اختتام پذیر ہوتا ہے تو۔"

"کیا۔۔۔ کون مگر۔" زین چونکے مگر اس کی گزشتہ گفتگو کے مفہوم و اسرار کھلتے چلے گئے۔

"زویا۔۔۔" وہ مسکرایا۔

"اوہ' یعنی کہ بغل میں بچہ اور شہر بھر میں ڈھنڈورا۔"

"نہیں اس کے لیے اچھی سی مثال تلاش کرو۔"

"ابھی پالا نہیں پڑا ہے ناں' ہٹلر کی جانشین ہیں محترمہ' ہمہ وقت ہیلمٹ پہن کر رکھنا ہو گا؟"

"سر عزیز کی خیر مناؤ تم' اپنی تو موجاں ہو گئیں۔"

"یہ مرحلہ اتنا آسان بھی نہ ہو گا یہ یاد رکھنا۔"

"تو تم کس مرض کی دوا ہو آخر۔"

"اور تم تو آزمائش کے وقت دغا دے گئے ناں۔"

"ایک بات کہوں' خالہ جان کو بہت اعتماد ہے تم پر ان کا مان نہ توڑو والدین کی حکم عدولی تو یوں بھی مناسب نہیں۔"

"اللہ تم پر یہ وقت لائے اور میرا خیال ہے کہ رب نے ایسے ہی کڑے وقت سے دوچار کرنے کے لیے تمہیں پکڑا ہے۔"

"منہ اچھا نہیں تو بات اچھی کر لیا کرو۔" کاشان نے دل بھر کر برا منایا۔

"ویسے میری سعد تمندی ہی نے مجھے اس عمر تک پہنچایا ہے۔" اس نے مزید کہا۔

☼ ☼ ☼

"امی جی اتنا ہیوی اماؤنٹ، میرا مطلب ہے اتنی بڑی رقم صرف منگنی کی تقریب کے لیے۔" وہ حیران ہی تو رہ گئے۔

"اے بیٹا میری تمام خوشیوں کا مرکز تم ہی تو ہو اب اللہ نے یہ دن دکھایا ہے تو اپنے ارمان بھی نہ نکالوں۔"

"مگر اس کے لیے شادی کی رسم بھی تو باقی ہے، منگنی کی تقریب سادگی سے بھی منعقد کی جاسکتی ہے۔"

"کیوں کر لوں سادگی سے، خیر سے بڑے گھر میں رشتہ جوڑا ہے تو ان کے مقام و مرتبے کے مطابق ہی تو ہر کام کرنا پڑے گا جب ہاتھی پالتے ہیں تو دروازے بھی تو بڑے رکھنے پڑتے ہیں۔" زین نے خاصے اچنبھے سے انہیں تکا تھا۔

"امی جی آپ کی زبان سے تو ہمیشہ ہی میں نے کفایت اور چادر کے مطابق پیر پھیلانے کی باتیں سنی ہیں آپ اتنی اجنبی باتیں کیوں کر رہی ہیں۔"

"بیٹا خاندان میں ناک قائم رکھنے کے لیے بھی بہت کچھ کرنا پڑتا ہے اور سو جھمیلے ہوتے ہیں، تم کیا جانو؟"

"چند روز قبل تک تو آپ صرف مہمانوں کی آمد پر ہی متفکر تھیں اور اب اتنے بڑے اماؤنٹ کے انتظام کا کس اطمینان سے فرما رہی ہیں۔"

"اے بیٹا تم اتنی حجت بازی کب سے کرنے لگے، خیر اگر تمہارے بس کا نہیں تو میں کوئی اور انتظام کر لوں گی۔ چار لوگ اکٹھے ہوں گے اور پھر وہ اعلیٰ مزاجوں کی مالک بھی موجود ہیں، کوئی کمی بیشی رہ گئی تو سو سو باتیں بنائیں گی۔"

"امی جی، آپ کچھ زیادہ ہی بدگمان نہیں ہیں پھوپھی جان سے، میرا مطلب ہے ٹھیک ٹھاک تو ہے ان کا مزاج۔"

"ان کا مزاج وقت نے بدلا ہے، چوٹ کھائی ہے تو سبق ملا اب زخموں پر پھاہے رکھنے کے لیے ہم یاد آئے۔"

"تو ایسے میں ہمیں چاہیے کہ اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہیں دل سے معاف بھی کر دیں۔"

"اے بیٹا ان کی خاطر داری میں یا اخلاق نبھانے میں میں نے کوئی کسر اٹھا رکھی ہے بھلا۔"

"مگر آپ دل سے انہیں معاف نہ کر سکی ہیں ناں وگرنہ۔" وہ لب بھینچ کر رہ گئے۔

"وگرنہ کیا؟ سر آنکھوں پر بٹھالوں انہیں، قدموں تلے دل بچھادوں یا پھر ان کی بیٹی بیاہ ڈالوں۔"

"امی جی کیا مضائقہ تھا اگر آپ ان کا مان سلامت رکھ لیتیں، اپنوں کا زیادہ حق ہوا کرتا ہے غیروں سے۔"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو میرا فیصلہ غلط ہے، میں نے تمہارے لیے غلط چناؤ کیا، بلقیس بیگم اپنے اوپر چاندی کا ورق سجا کر آجائیں تو میں آنکھیں بند کر کے اعتبار کر لوں، ان کی سابقہ غلطیوں کی معافی نہیں ہے، اور میرے دل میں اتنی گنجائش ہی نہیں۔"

"امی جی معاف کر دینے میں عظمت ہے۔"

"تو اس کے لیے ضروری ہے کہ ان سے رشتہ جوڑوں؟"

"نہ سہی، مگر آپ انہیں معاف تو کر ہی سکتی ہیں، رب کو بھی ناپسند ہے دل میں کینہ رکھنا۔" امی جی ٹھنڈی سانس بھر کر خاموشی سے پاندان کھول کر بیٹھ گئیں یعنی کہ اب بحث کی گنجائش نہ تھی، مگر جانے انہیں ایسی کیا عجلت تھی غالباً بلقیس بیگم کے سامنے سرخروئی کے شوق نے انہیں عجلت پر اکسا رکھا تھا وہ فی الفور رسم کی خواہاں تھیں مگر صرف ایک ہی نشست نے سسرال والوں کے خیالات و اصلیت ان پر واضح کر

ڈالی تھی وہ دل بھر کر مایوس ہوئے تھے، اک چہرہ بار بار ان کے چشم تصور میں اپنی چھب دکھلاتا، احساس زیاں بڑھ جاتا اور اب اک خلش بھی ہمراہ ہو چلی تھی، نہ جانے کیوں وہ اب اپنے آپ کو مایوس و دلگرفتہ سے پاتے تھے۔

☼ ☼ ☼

اور ان کی بقیہ امیدیں منگنی والے روز دم توڑ گئیں، وہ جن کی امارت کی تعریفیں سن سن کر ان کے کان پک چکے تھے، خاصے بدتہذیب سے ثابت ہوئے، اگرچہ امی جی نے اپنی جانب سے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی، ان کی حسب فرمائش رقم کا انتظام کرنے میں انہیں جو پاپڑ بیلنے پڑے وہ اک علیحدہ کہانی تھی، مگر امی جی کے تمام تر ارمان، دھرے کے دھرے رہ گئے نہ ان کا چاؤ سے خریدا گیا قیمتی جوڑا کسی کو بھایا، نہ دیگر اشیاء کسی کے ماتھے کے بل درست کر سکیں منگنی کی انگوٹھی کی تو بیشتر نے ہاتھوں میں تھام کر وزن کی جانچ بھی کی تھی، شاید وہ دیگر حقائق سے بھی لاعلم رہتے اگر پھوپھی جان وزیبا نیہا کی گفتگو اس رات نہ سن لیتے، غالباً وہ لاؤنج کے صوفے پر انہیں دراز دیکھ کر سوتا ہوا سمجھ بیٹھی تھیں۔

"جانے ممانی جان کو کونسی ادا بھا گئی ہے اوہ مائی گاڈ کس قدر بدتہذیب لوگ ہیں۔" یہ زیبا تھی۔

"بالکل سمدھیانے والوں کی کتنی عزت کی جاتی ہے اور کسی نے ٹھیک سے ہمیں بیٹھنے تک کو نہیں کہا، نہ کھانے کے لیے پوچھا گیا خود ہی بے شرموں کی مانند لقمے زہر مار کرنے بیٹھ گئے نان سینس۔"

"ممانی جان کا انتخاب ایسے لوگ کیونکر ٹھہرے، ساری زندگی کا معاملہ تھا کچھ تو سوچ سمجھ لیتیں، جب خاندان والے اتنے بدتہذیب ہیں تو محترمہ کے مزاج جانے کیسے ہوں گے؟"

"بھابی جان نے کتنے چاؤ سے جوڑا خریدا تھا بھری محفل میں تنقید کی ہے ساس صاحبہ نے اس کے کلر اور بناوٹ پر، یہی نہیں اس سے لاکھ درجہا قیمتی لباس دلہن کو پہنا کر فخریہ اس کی قیمت کا اعلان کیا گیا بس نہ چل رہا تھا کہ چلتے وقت ان کی تمام چیزیں ساتھ کر دیتے۔"

"سچ بے حد سبکی محسوس ہو رہی تھی، ممانی جان کا خیال نہ ہوتا تو اسی وقت اٹھ کر آجاتی۔"

"اور تو اور کھانے پر کیسی عجیب افراتفری تھی قسم قسم کی اشیاء مگر سلیقہ دکھانے کی تہذیب ندارد، لگتا ہے ذات پات کی جانچ بھی نہیں کی ممانی جان نے، خاصے نو دولتیے سے محسوس ہو رہے تھے ان کی زبان ہی سے محسوس ہو رہا تھا۔"

"خیر... خیر اب ان تمام باتوں کو پی کر بیٹھ جانا، اگرچہ بھابی جان بھی خاصی شرمندہ سی محسوس ہو رہی ہیں مگر ضروری نہیں کہ انہیں جتایا بھی جائے۔"

"بالکل ہم تو یوں بھی چند روز کے مہمان ہیں اب، مگر مجھے تو بے چارے زین پر ترس آرہا ہے کتنا سلجھا ہوا لڑکا ہے مگر..." یہ مایوسانہ کلمات زیبا کے تھے اور اس کے بعد وہ سب غالباً "چینج کے لیے چل دی تھیں اور زین کو محسوس ہوا اس کا وجود گہری پاتال میں اترتا جا رہا ہے ذلت و شرمساری کی پاتال میں، کہیں کچھ تھا جو بہت غلط تھا، مگر اس کا انجام کیا ہوگا؟

☼ ☼ ☼

"پورے ڈھائی تولہ کی تو صرف انگوٹھی خریدی ہے زین کے لیے، آپ نے انگوٹھی کا ناپ بھی نہیں دیا مگر جناب ہم اڑتی چڑیا کے پر گن لیتے ہیں دیکھ لیجئے کیسی فٹ بیٹھی ہے۔" بیچ چلی کے جانشین یہ بڑے سالے صاحب تھے، کاشان بڑی دیر سے سعد تمندی سے سر ہلا رہا تھا۔

"تو پھر بتائیے جناب اڑتی چڑیا کے کل کتنے پر ہوا کرتے ہیں؟"

"میاں صاحبزادے آپ کا تعارف نہیں حاصل ہو سکا اب تک؟" یہ پہلا جملہ تھا جس کی حدود شائستگی سے جا کر ملتی تھیں۔

"جی یہ میرے کولیگ بھی ہیں اور..."

"ہائیں کولیگ..." ان سب پر مشترکہ حیرت کا دورہ

پڑا۔

"میرا مطلب ہے، میرے ساتھ کام کرتے ہیں۔"

"اوہ۔۔۔ اچھا۔۔۔ اچھا مگر اب دھول ڈالو جی کام وام پر، خاصا بڑا کاروبار ہے ہمارا فینسی لائٹس کا اور تمہارے جیسا پڑھا لکھا بندہ چاہیے بھی ہمیں، منہ مانگا معاوضہ دوں گا، بڑی الجھنیں ہوتی ہیں کاروبار میں، باہر کا بندہ رکھ لو تو ڈنڈی مار جاتا ہے کئی بار لوگ بدلے مگر سارے بے ایمان۔"

"تو اس سے آپ کا اڑتی چڑیا کے پر گن لینے والا وصف کہاں جا کر سو جاتا ہے۔" کاشان نے پھر لقمہ دیا۔

"اب ایسی بھی بات نہیں، وہ مردود منیجر پانچ لاکھ کا غبن کر کے بھاگنے کے چکر میں تھا موقع پر جا کر پکڑا میں نے، اور جیل میں سڑوایا وہ علیحدہ۔" یہ نری گپ تھی ان کا لہجہ چغلی کھا رہا تھا جھوٹ کی۔

"حال ہی میں اک اور بہن کو بھگتایا ہے، جناب پورے دو لاکھ کا تو صرف زیور دیا تھا جہیز میں۔"

"پھر تو خاصی وزنی ہو گئی ہوں گی محترمہ، یقیناً" کرین بھی دینی پڑی ہو گی۔" کاشان کی زبان کو کہاں چین تھا مگر وہ ایک بار پھر ہانکنے کے موڈ میں آ گئے تھے۔

"قسمت سے لوگ بھی اچھے مل گئے، جانے کتنی تعداد میں تو بھینسوں کے باڑے ہیں ان کے اپنے، منوں کے حساب سے روزانہ دودھ کی سیل ہوا کرتی ہے، خیر بری تو وہ بھی ہمارے معیار کے مطابق نہ لا سکے، مگر مہر ہم نے تگڑا بند ھوایا، اور وہ بھی عند المطلب، ایسے ہی وقتوں میں تو معلوم ہوا کرتا ہے کون کتنے پانی میں ہے، بھری بارات میں بریف کیس بھر کر ہمارے حوالے کر دیا پانچ لاکھ کا۔"

"پھر تو ازالہ ہو گیا ہو گا منیجر کے غبن کا۔" کاشان مسلسل زین کی گھوریوں کو نظر انداز کر رہا تھا۔

"کون سا منیجر۔۔۔"

"جانے دیجئے اس کے تذکرے کو، اب تو ہمارا منیجر یہ زین بنے گا، اماں نے خاصی تعریفیں کی تھیں کہ پڑھا لکھا بچہ ہے، اس کی تعلیم کام آئے گی، وگرنہ جی ملازمت پیشہ لوگ ہمارے معیار پر کہاں پورے اترتے ہیں، ایک بار شادی ہو لینے دو سارا گھر بھر جائے گا جہیز سے، بڑی کو تو فلیٹ دیا تھا مگر زین کے لیے تو بنگلہ پکا ہے پکا، ساری زندگی بیٹھ کر کھائے گا تو بھی ختم نہ ہو گا ۔۔۔"

"کیا ختم نہ ہو گا، جہیز۔ مگر بھائی پیارے، جہیز کھانے کے لیے بھی ہوتا ہے؟ یا آپ بچی ہوئی دیگیں ہمراہ کریں گے۔"

"او نہیں بھئی پیسہ دوں گا جتنا یہ مانگے گا، یہ سمجھو کہ اب پانچوں انگلیاں گھی میں رہیں گی۔"

"ہائیں پھر یہ قلم کس طرح پکڑ سکے گا۔؟" اسے نئی فکر لاحق ہوئی۔

"قلم تو ہماری سات پشتوں میں کسی نے آج تک نہیں پکڑا، جناب ہم جدی پشتی رئیس لوگ ہیں۔" اس بار وہ برا مان بیٹھے "چھوڑیں جی اس قصے کو یہ بتائیں کھانا پسند آیا آپ کو۔"

"لیں جی آپ اس کھانے کی بات کر رہے ہیں، میں نے بڑی کی شادی میں چار گائیں ذبح کروائی تھیں، ڈیڑھ ہزار لوگوں کی تقریب تھی، جناب گوشت دے کر پکوانے کا یہی تو فائدہ ہوتا ہے بوٹیوں کا کال نہیں پڑتا، چاول سے دوگنا گوشت ہونا چاہیے بریانی میں۔"

"بجا فرمایا آپ کی صحت گواہی دے رہی ہے کہ ماشاء اللہ کھانے کے معاملے میں بڑے خوش قسمت ہیں، جناب۔"

"بس جی اللہ کا کرم ہے، مگر یہ سارے سمجھ بوجھ والے لوگوں کے کام ہوا کرتے ہیں۔" وہ نہال ہی تو ہو اٹھے۔

☼ ☼ ☼

"بھائی صاحب، آپ ہی مشورہ دیجئے، میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔"

"بلقیس بہن، بے فکر ہو جاؤ، خاصے دیکھے بھالے لوگ ہیں ہمارے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے، مگر رشتہ مانگنے کے یہ طریقے ہوا

کرتے ہیں بھلا، بھری محفل میں مجھے پکڑ کر بیٹھ گئیں محترمہ، جانے کب اور کیسے زویا بھا گئی انہیں۔"

"جو معاملات اوپر سطح ہو چکے ہوتے ہیں وہ یونہی آناً "فاناً" دنیا میں بھی طے ہوا کرتے ہیں، ماشاء اللہ اپنی زویا بیٹی میں کیا کمی ہے بھلا اور سچ کہوں تو ساری محفل ہی ہماری بھانجیوں کے دم سے سجی تھی تقریباً" سب ہی نے ان کی تہذیب تعلیم و صورت کی تعریف کی تھی اور انتظامات یوں سنبھالے کہ ذرا غیریت کا احساس نہ ہونے دیا، وگرنہ جہاں آرا کے بس کا کہاں تھا اتنا کام۔"

"وہ تو خیر ان کا فرض بنتا تھا زین ان سب کا بھی کچھ لگتا ہے، اور اللہ کی مہربانی ہے ساری ہمارا کیا وصف۔"

"ہم کچھ بھی کہو، مگر تمہاری بچیوں کے قدم بہت بھاگوان ہیں، جہاں آرا کتنے عرصے سے پریشان تھیں زین کے رشتے کے لیے وہ فکر بھی تمام ہوئی، اور تم جو بوجھ لے کر آئی تھیں اس کا سبب بھی اللہ بنا رہا ہے تو نیک کام میں تاخیر کیسی۔"

"بھائی صاحب میرے ہاتھ پیر پھولے جا رہے ہیں، بھلا یہاں رکھا ہے اسلام آباد، دور کی شادی نمٹانی آسان کھیل ہوتا ہے بھلا۔"

"یہ درد سری تو ان لوگوں کی ہے ناں، آپ کو تو اپنے گھر سے بیٹی رخصت کرنی ہے اور دوری کی تم فکر نہ کرو، میں یہاں موجود تو ہوں، تم سے کم تو نہیں ہے زویا میرے لیے، اور اگر چاہو تو میرا گھر حاضر ہے تمام تظلمات یہیں پر ہو جائیں گے اگر تم چاہو تو۔"

"وہ تو ٹھیک ہے مگر یہ کام یوں آناً "فاناً" تو نہیں ہوا کرتے ناں، سوچنے سمجھنے کے لیے بڑا وقت درکار ہوا کرتا ہے۔"

"میرا مشورہ مانگ رہی ہو تو سوچنے سمجھنے میں وقت ضائع نہ کرو، کاشان دیکھا بھالا بچہ ہے میرا، مزاج کا ذرا تیز ہے مگر نہایت شریف النفس، اس کے والدین سے بھی قریبی تعلقات ہیں ہمارے گھرانے کے، تعلیم یافتہ مہذب خاندان ہے اور بھلا کیا چاہیے، میں ہر قسم کی گارنٹی دینے کو تیار ہوں، باقی سب تو تصیبوں کے کھیل ہوا کرتے ہیں مگر ظاہری طور پر جتنی خوبیاں اچھے رشتے میں ہوا کرتی ہیں کاشان میں موجود ہیں۔"

اور ان کی گارنٹی کے بعد بھلا کیا شبہ رہ جاتا تھا۔

"بھائی صاحب وہ فی الفور منگنی پر مصر ہیں، اور ابھی ان سے مشورہ بھی باقی ہے۔"

"تو ٹیلی فون کس دن کے لیے ایجاد ہوا ہے، بلکہ بہتر ہے کہ بھائی صاحب کو یہیں پر بلا لو، وہ بھی اطمینان کریں اپنا، اور یہ معاملہ یہیں پکا کر جاؤ تو بہتر ہے۔"

"کیسی باتیں کرتے ہیں بھائی صاحب بھلا آپ کی ذمہ داری سے بڑھ کر ہمارے لیے کیا ہے، آنکھیں بند کر کے ہاں کہوں گی اب، زویا آپ کی بھی تو بچی ہے۔"

"تو پھر آج رات ہی بات کر لیتے ہیں بھائی صاحب سے، اور ان کی ہامی پر فی الفور تاریخ دے ڈالو، اب تاخیر مناسب نہیں ہے، کیوں جہاں آرا۔۔۔" صدیقی صاحب نے بڑی دیر سے سن بیٹھی جہاں آرا کو جان بوجھ کر مخاطب کیا، نگران کے تو کاٹو تو لہو نہیں بدن میں۔

☼ ☼ ☼

"ہیلو آپ زین جی بات کر رہے ہیں ناں" خاصا اٹھلا کر دریافت کیا گیا تھا۔

"جی۔۔۔ مگر آپ کون صاحبہ بول رہی ہیں۔۔۔"

"میں جی، بتول آپ نے پہچانا نہیں۔۔۔"

"ہائیں۔۔۔" وہ دنگ ہی تو رہ گئے۔

"کیا بات ہے جی، آپ کو خوشی نہیں ہوئی میرے فون سے۔۔۔"

"جی بالکل۔۔۔ سلام کرنے کو جی چاہتا ہے آپ کی جراتوں کو۔" وہ کلس کر رہ گئے۔

"پہلے، تو کئی روز میں آپ کے فون کا انتظار کرتی رہی، مگر پھر سوچا مجھے خود ہی دھیان دلانا چاہیے۔ منگنی کے بعد تو آپس میں بات چیت سے وہ ہوتی ہے ناں، کیا کہتے ہیں اسے انڈر سٹینڈنگ۔"

"جی بجا فرمایا۔" وہ بمشکل غصہ ضبط کر رہے تھے۔

"اور معلوم ہے وہ پڑوسن ہے ناں ہماری، اس کی بیٹی ارم چڑیل کی جب سے منگنی ہوئی تھی اتراتی پھرتی

تھی، بڑے ٹھسے سے منگیتر کے ساتھ روز شام کو سج سنور کے گاڑی میں بیٹھ کر سیر کے لیے جاتی تھی، میں نے بھی سوچ رکھا تھا' ایک بار میری منگنی ہو جائے گن گن کر بدلے لوں گی اس کمینی سے۔"

"خاصے دل خوش کرنے والے خیالات ہیں ماشاء اللہ۔"

"شکریہ، تو پھر آپ کب آرہے ہیں ہمارے گھر۔"

"جی... مگر کس خوشی میں۔"

"حق... ہاہ... ابھی بتایا تو ہے، ساتھ مل کر بیٹھیں گے سیر و یر کا پروگرام بنائیں گے اور کس لیے۔"

"مگر آپ کے گھر والوں کو اعتراض نہ ہو گا..."

"اعتراض کی اس میں کیا بات ہے، یہ مڈل کلاسیوں کے نخرے ہوتے ہیں جی، منگنی کے بعد تو راہ رسم بڑھانی چاہیے اسٹینڈرڈ والے لوگ ایسی باتوں کا برا نہیں مانتے۔" اور ان سب کا اسٹینڈرڈ تو وہ ملاحظہ فرما ہی چکے تھے۔

"تو پھر جی، میں انتظار کروں...؟"

"اس وقت تو میں مصروف ہوں۔

"لعنت بھیجیں جی، اس چند ہزار کی نوکری پر، بھائی جی کہہ رہے تھے کہ آپ کو کاروبار میں شامل کر لیں گے بھلا نوکری پیشہ لوگوں کی بھی کوئی زندگی ہے۔" اس نے نخوت سے کہا تھا۔

"ان کی پیشکش ابھی میں نے قبول نہیں کی ہے۔"

"تو قبول کر لیں ناں جی، جب ہمیں قبول کر لیا تو یہ تو پھر ہماری نوکری ہے۔" ادھر سے شرمانے کی کوشش کی گئی تھی اور ان کی طبیعت آمادہ ہی نہ ہو پا رہی تھی کوئی شرارت بھرا جملہ ادا کر دینے کو' اک بار سا محسوس ہو رہا تھا اور یوں دھڑلے سے اس کا فون کر دینا خاصا ناگوار بھی گزرا تھا اس سے لاکھ درجہا زائد اس کی آفر' بمشکل اس جان کو آئی بلا کو ٹالا' اور پھر سر تھام کر دیر تک بیٹھے رہے' جانے یہ نیا کیوں کر پار لگے گی' وہ یہی سوچتے رہے۔

☼ ☼ ☼

"آج تو رخ روشن پر خاصی شادابی ہے؟" انہوں نے دل سے اٹھتی ٹیسوں کو بمشکل دباتے ہوئے کاشان کو چھیڑا تھا۔

"قبولیت کی سند جو بخش دی گئی ہے اس چاند سے مکھڑے کو۔"

"مائی ڈیئر یہ اصطلاح خواتین کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔"

"اردو سے خاصا شغف ہو چلا ہے تمہیں بھی' اگرچہ قافیہ تنگ ہو جانے والے حالات سے گزر رہے ہو۔" وہ اس کے پل پل سے باخبر رہا کرتا تھا۔

"کچھ سمجھ نہیں آتا کہ کہاں جا کر پھنس گیا ہوں' واللہ میرے لیے بہت مشکلات کھڑی ہو چکی ہیں' اب وہ محترمہ دن میں پانچ مرتبہ میرے فون کی خواہاں ہیں' یہی نہیں ملاقات پر بھی مصر ہیں۔"

"پھر تو جناب خوش قسمت ہیں آپ' ہماری تو پوری تنخواہ ہی کام میں آجائے گی اسلام آباد کال کرنے سے' اور پھر جانے رسپانس کیسا ملے؟"

"تم کچھ بھی کہو' مگر یہ چھوٹی چھوٹی باتیں لڑکیوں کے وقار کو پامال کیا کرتی ہیں' کم از کم مجھے تو پسند نہیں ہے یہ زبردستی کا عشق اپنے اوپر لادنا اور پھر مقابل کو بھی اس کا اعتبار فراہم کرنا' یہ میرے مزاج کے منافی ہے۔"

"اب گلے پڑا ڈھول تو بجانا ہی پڑے گا۔"

"کاشان یہ زبردستی کے معاملات تو نہیں ہوا کرتے ناں"

"بات سنو' تمہیں اعتراض ہے ناں' تو صاف منع کر دو تاکہ آئندہ محترمہ محتاط رہیں' اور یہ کہ انہیں اپنے مزاج کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرو۔"

"کیا کیا بدلوں یار وہاں تو سارا سیٹ اپ ہی بگڑا ہوا ہے' تم ہی نے اکسایا تھا مجھے سعادتمندی پر..."

"تو تمہارا کیا خیال ہے کہ اب میں فون پر بات کروں بھائی جان سے زین بن کر۔"

"تم کبھی ڈھنگ کا مشورہ نہ دینا' میری جان پر بنی ہے تمہیں مذاق سوجھا ہے۔"

"ویسے یار یہ منگنی ایسا بندھن ہوتا ہے مزاج میں جولانی آہی جاتی ہے' خود میرا دل کئی بار مچلتا ہے' تمہارے گھر کے چکر لگانے کو۔"

"اپنے دل کو قابو میں رکھو' کہیں جوتوں سے تواضع نہ ہو جائے' میں زویا کا مزاج اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"جناب ان کے مزاج کی سختی و رعونت ختم نہ کر ڈالی تو ہمارا بھی نام نہیں' ویسے محترمہ خوش تو ہیں ناں۔"

"پھوپھا جان نے بذات خود اس کی رضا حاصل کی تھی' اور اس جیسی لڑکیاں اتنی آسانی سے اپنی فیلنگز عیاں نہیں کیا کرتی ہیں تاہم پھوپھا جان کو تو اس نے 'یس' ہی کہا تھا' بیچاری ساری زندگی خمیازہ بھگتے گی اب۔"

"تم اپنی فکر کرو' مجھے تو اس پر رحم آتا ہے جس کے پلے پڑنے والے ہو۔" کاشان کہاں کسی کا ادھار رکھتا تھا۔

"تم تو بس ہجر فراق کے اشعار یاد کرو' عنقریب ان سب کی روانگی متوقع ہے۔"

"اس عارضی جدائی کے اختتام پر وصل کی خوش کن گھڑیاں بھی تو منتظر ہیں ہماری۔" وہ مسکرایا تو زین کو اس پر جی بھر کے رشک آیا۔

☼ ☼ ☼

"تو آپ جا رہی ہیں...؟"

"جی ہاں بالکل' جانا تو تھا ہی ایک نہ ایک روز۔"

اور کاش میں تمہیں روکنے کا استحقاق رکھتا۔

"اور اگر میں کہوں چند روز اور رک جائیے تو..."

"تو بھی جانا تو پڑے گا' چند روز بعد سہی۔"

"بعض اوقات تقدیر ہمارے سامنے سے منہ چڑاتی کیوں گزر جاتی ہے ہم اسے چھونے کا استحقاق رکھتے ہوئے بھی نارسائی کا عذاب جھیلتے ہیں۔"

"زویا کی صحبت کا اثر ہے فلسفہ بولنے لگے ہیں۔" ان کے اندر اک ٹیس سی اٹھی مگر اس نے مذاق میں اڑا دی۔

"کاش زویا کی قسمت بھی چرا لیتا کتنے خوش قسمت ہوتے ہیں ناں جو کسی کی محبتوں کا محور و مرکز ٹھہرتے ہیں اور اس سے بھی زیادہ خوش نصیب وہ جو محبتوں کو پا لیا کرتے ہیں' نارسائی کا دکھ نہیں جھیلتے۔"

"کچھ جذبے مخفی رکھنا ہی بہتر ہوا کرتا ہے اس صورت میں جب اظہار بے معنی ہو جائے۔" اس نے ہولے سے کہا تھا اور زین نے واضح طور پر اس کی کشادہ آنکھوں میں نمی کی تہہ محسوس کی۔

"وقت کا پنچھی اب اپنی اڑان بھر چکا ہے اور ایسے میں اظہار بے وقعت سہی مگر میں تمہیں تمہاری اہمیت جتانا چاہوں تو کیا کروں' تم نے حلق سے دل تک کا سفر بخوبی طے کیا تھا اور..."

"اور بس' میں جانتی ہوں یہی ہے میری حیثیت و اہمیت' بن مانگی خیرات کی مانند' جسے عطا کرنے والے انہیں سونپنا چاہتے تھے جنہیں میری طلب ہی نہ تھی اور اب تم نے بھی واضح کر دیا کہ میری خدمت گزاریوں میں خلوص نہیں کھوٹ تھا' میں نے تمہیں ان چاہی مراد کی مانند فتح کرنا چاہا تھا ڈھونگ رچایا تھا سرخرو ہونے کے لیے' سو ٹھکرایا جانا تو میرا مقدر بننا ہی تھا اور اب اگر تم نمک پاشی بھی نہ کرو تو کیا کرو۔"

وہ بری طرح ہرٹ ہوئی تھی زین کو اپنے لفظوں کی سنگینی کا ادراک اس وقت ہوا جب وہ ملامت کے ڈونگرے اس پر برسا کر چلی گئی' کتنا غلط سمجھا تھا اس نے زین کو' مگر امی جی کی شقی القلبی اور کم ظرفی کے بعد وہ یہی توقع رکھ سکتی تھی' اس کے دل پر اک بوجھ سا آپڑا احساس زیاں دوگنا ہو گیا' مگر اب لفظ لوٹائے نہ جا سکتے تھے اور کیا وہ اس کی دل آزاری پر کبھی اپنے آپ کو معاف کر پاتے۔

☼ ☼ ☼

جانے کیوں وہ اس کے لوٹ جانے کے بعد اپنے آپ کو آزردہ سا پانے لگے' اک خلش کے جس احساس نے عرصے سے انہیں گھیر رکھا تھا اب دوچند ہو گیا تھا' اس معصوم سی لڑکی کی دل آزاری کا احساس

انہیں مارے ڈالتا' احساس جرم اور پھر پشیمانی کا شدید احساس' مگر لفظ انہیں بے مایہ کر گئے تھے بھلا کیا سوچتی ہو گی وہ ان کے بارے میں' گھر میں عجیب سے سناٹے گونجا کرتے' دل میں اک یاسیت نے گھیراؤ کر رکھا تھا کاشان حسین لمحات کا منتظر تھا' پھوپھی جان لوٹتے سے قدرے شانت تھیں' رب نے از خود انہیں سرخرو کر دیا تھا امی جی پشیمان تھیں بھی تو اظہار نہ کیا تھا' گزشتہ دنوں میں انہیں جتنا آرام ملا تھا وہ پل پل اسے یاد کیا کرتی تھیں اگرچہ دل سے قائل ہو چکی تھیں مگر اظہار میں انا آڑے آتی تھی۔

وہ فون کی گھنٹی سے بیزار رہا کرتے بعض اوقات ریسیو کر کے نہ دیتے' ان محترمہ کی لایعنی و بے محل گفتگو جی بھر کے آزار میں مبتلا کیا کرتی تھی انواع اقسام کے تقاضے شدت اختیار کرتے جاتے اور اس روز وہ اپنے اوپر سے قابو ہی کھو بیٹھے۔

"دیکھیے محترمہ' اس نام نہاد رشتے کے سبب جتنا کچھ میں برداشت کر چکا ہوں وہی میری بساط سے باہر تھا اور اب خدارا مجھے مجبور نہ کیجئے کہ میں اخلاقیات کا دامن ہاتھ سے چھوڑ بیٹھوں' آپ کے خیالات و نظریات آپ ہی کو مبارک ہوں مگر انہیں مجھ پر لاگو کرنے کی کوشش نہ ہی کریں تو بہتر ہے۔"

"ہائے اللہ... زین جی آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔" ان کی شائستگی تو بتول صاحبہ کے سر سے گزرنی ہی تھی۔

"محترمہ یہ فون وغیرہ کے سلسلے مجھے قطعی پسند نہیں ہیں اور نہ ہی بلاوجہ کی انڈر اسٹینڈنگ قائم کرنے کا کوئی شوق ہے مجھے اگر بد قسمتی سے آپ ہمارے گھر آ ہی گئیں تو تب کی تب دیکھی جائے گی۔"

"زین جی آپ ہماری انسلٹ کر رہے ہیں..." انہیں شدید صدمے کے احساس نے گھیر لیا تھا۔

"جن حالات سے میں گزر رہا ہوں آپ کو گڑھا کھود کر دفن کر دینے کا بھی استحقاق رکھتا ہوں اب تو۔" اور اس بار وہ واقعی برا مان گئیں خاصا تنتنا کر فون بند کیا گیا تھا اور اک طمانیت سی ان کے اندر اترتی چلی گئی۔

☆ ☆ ☆

وہ آفس سے لوٹے تو امی جی کی حالت ناگفتہ بہ تھی' وہ پریشان ہی تو ہو اٹھے' بکھری بکھری سی تھیں وہ' اور انہیں سامنے پا کر ڈھے ہی گئیں زین نے بمشکل انہیں سنبھالا تھا پانی کے چھینٹے دیے' دیر تک ہتھیلیاں' تلوے سہلاتے رہے وہ کافی دیر بعد سنبھلی تھیں' اور پھر پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔

"منگنی ختم کر گئے وہ بے غیرت لوگ مگر میری حد سے زیادہ تذلیل بھی کی ہماری مفلسی کو جواز بنایا ہے انہوں نے' ہم سے لاکھ درجہا بہتر لوگ مل گئے تو ہم تو مفلس نظر آتے ہی انہیں' مل گئے پھر اپنے جیسے کوئی نو دولتیے' مگر میری ذلت کا کیا استحقاق رکھتے تھے' میرے بڑھاپے کا بھی خیال نہ کیا' مگر شاید میں اس سے زیادہ بے توقیری کی مستحق تھی' کفران نعمت کیا تھا معصوم پھول جیسی بچیوں کو ٹھکرا کر' دل میں کینہ پال کر رکھنے کا گناہ بھی کیا تھا رب نے سزا تو دینی ہی تھی۔" وہ شدت سے رو پڑیں۔

"امی جی جانے دیجئے کم ظرف لوگ تھے وہ' رب کے ہر کام میں انسان کی بہتری ہوا کرتی ہے۔" وہ اور بھلا کیا کہہ سکتے تھے۔

"زین بیٹا لائق نفرین ہوں میں' بلقیس مان لے کر آئی تھیں اپنائیت کا' مگر میں نے غیروں کو فوقیت دی اور غیر اپنے سے بڑھ کر نہیں ہو سکتے' بھلا کوئی اور میری اتنی تذلیل کر سکتا تھا۔"

"امی جی چھوڑیں اس قصے کو' جو ہوا اچھا ہی ہوا۔"

"نہ بیٹا اچھا نہیں ہوا' برا ہوا بے حد برا ہوا' اب تو معذرت کے لائق بھی نہیں رہی میں۔" امی کا ملال بڑھتا۔

☆ ☆ ☆

"خیر تو ہے' چہرہ مبارک پر بارہ کیوں بج رہے ہیں۔"

"زخموں پر نمک پاشی خوب کیا کرتے ہو' جیسے تمہیں علم ہی نہیں ہے۔"

"مشکل پرسوگواریت کا لیبل چپکا کر زخموں کی تشہیر کرتے پھرو گے تو جس کے ہاتھ میں جو ہو گا وہی چھڑے گا ناں۔"

"کم از کم بے محل مذاق میری جان جلاتا ہے' تم پرہیز ہی کیا کرو۔"

"پرہیز تو میں ڈاکٹر کی ہدایت پر ہی کیا کرتا ہوں' مگر اس سوگواریت کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی' تمہارے لیے تو شادیانے بجانے کا مقام ہے میرے یار۔"

"اک پھانس سی دل میں اٹک کر رہ گئی ہے۔" انہوں نے سرد آہ بھری۔

"منگنی کے ٹوٹنے سے قبل دو چار ملاقاتوں سے محترمہ کی کشفی ہی کر دیتے تو بہتر تھا۔"

"تم اچھی طرح سمجھتے ہو پھر انجان کیوں بنتے ہو۔"

"اک بات کہوں' تمہیں سعادتمندی کا مشورہ دے کر میں بھی بہت پچھتایا تھا' اس سے بہتر تو یہ تھا کہ تمہیں گھر سے بھاگ جانے کا مشورہ دے دیتا' مگر شاید یہ میری بے لوث دعاؤں کا ہی نتیجہ ہے کہ رب نے تمہیں بری گھڑیوں سے بچایا۔"

"مجھے اب بھی تمہاری دعاؤں ہی کی ضرورت ہے۔"

"صرف دعائیں ہی نہیں' ہمارا تمام تر تعاون تمہارے ساتھ ہے تم میدان عمل میں اترو تو سہی۔"

"کس منہ سے..."

"آں... آں... تمہارا یہی منہ کافی ہے' انشاء اللہ سند قبولیت بخشی جائے گی' بلکہ بخشی جا چکی اب تو صرف معذرت کی کمی ہے۔"

"کاشان یار' امی جی تائب ہو چکی ہیں مگر خائف بھی ہیں..."

"زیادتی کو محسوس کر کے معذرت طلب کرنا شرمندگی کا نہیں اعلیٰ ظرفی کا مقام ہوا کرتا ہے۔"

"کہیں پھوپھی جان سوچیں کہ..."

"ان کے سوچنے کی فکر چھوڑو انہیں میں سنبھال لوں گا' تم صرف ان کی دختر کی پروا کرو' یار خوش شکل لڑکیوں کا یہ المیہ بھی تو ہوتا ہے انہیں جلد ہی دوسرے لے اڑتے ہیں۔"

"خدا نہ کرے یار بد دعائیں تو نہ دو۔"

"تو پھر نیک کام میں دیر نہیں کرنی چاہیے' جلدی سے ٹکٹ کٹاؤ۔ اور ایک بات کہوں جن کے دل میں محبت ہوا کرتی ہے وہ زیادہ دیر عناد نہیں رکھا کرتے' قصور تمہارا ہے معذرت بھی تمہیں ہی کرنی پڑے گی' مگر اپنے جذبوں پر اعتماد رکھ کر قدم اٹھاؤ' خلوص دل سے جس شے کی طلب کی جائے اس کا حصول مشکل نہیں ہوا کرتا اور اگر تب بھی مسئلہ حل نہ ہوا تو تمہارا یہ یار کس دن کام آئے گا محترمہ کے کان اینٹھ دیے تو میرا نام نہیں آخر عزیز از جان سالی ہیں جناب۔"

کاشان کا بخشا ہوا اعتماد ان کے اندر طمانیت بھرتا چلا گیا اور سچ ہی تو کہتا تھا وہ۔

"محبت کرنے والے دلوں میں عناد کی جگہ نہیں رکھتے۔" انہیں یقین تھا آگے کا رستہ شفاف ثابت ہو گا اور ان کے لیے سہل بھی۔

☆ ☆

شگفتہ محمود کی مرتب کردہ
"خاتون کا دسترخوان" اور "کرن دسترخوان"
کے بعد
خوبصورت رنگین تصاویر کے ساتھ پہلی بار چینی
کھانوں کی مکمل کتاب
چائنیز کھانے
قیمت 150/ روپے
ڈاک خرچ 16/ روپے
منگوانے کا پتا
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37۔ اردو بازار کراچی

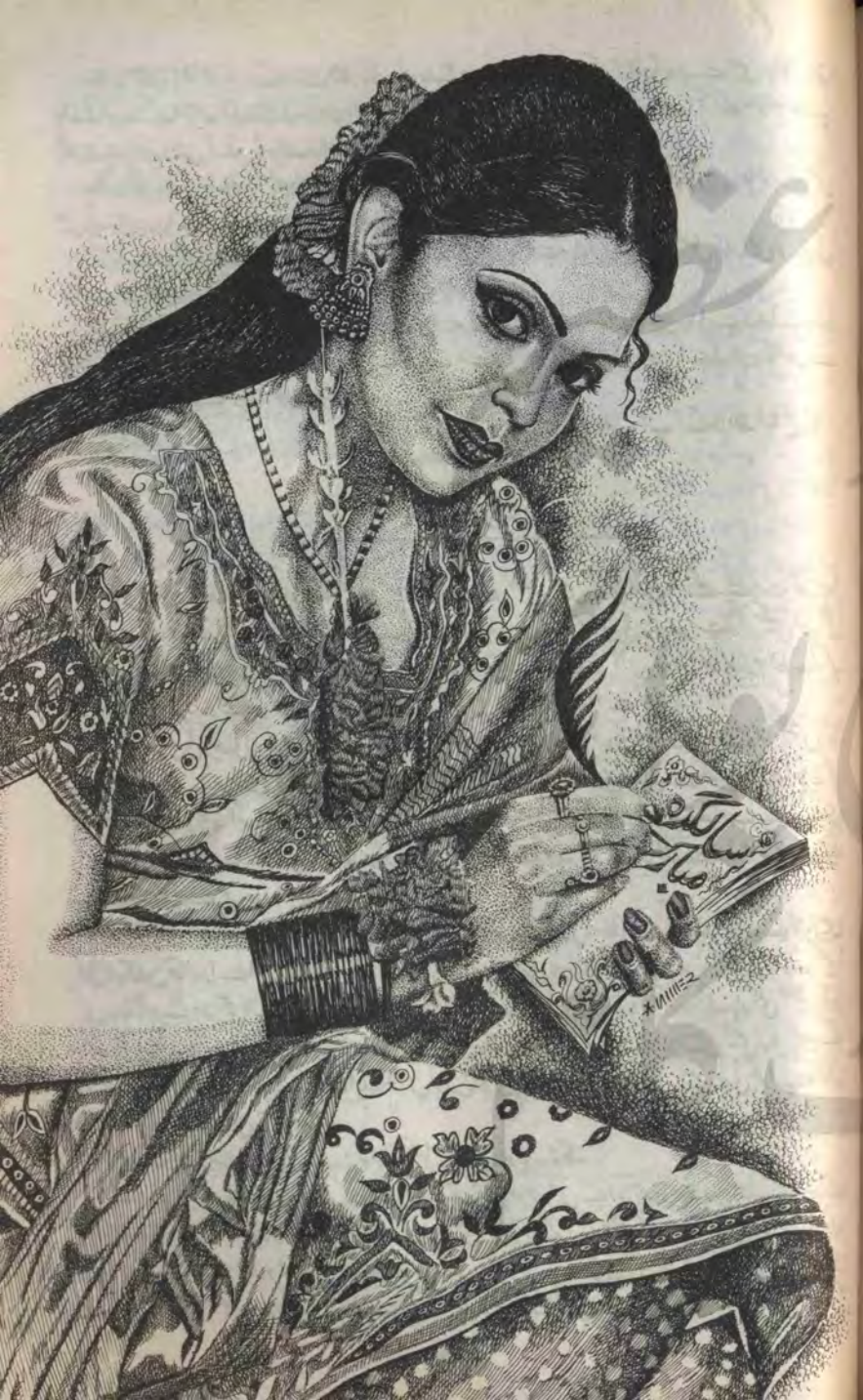

سالگرہ نمبر

نمرہ بخاری

گرداب آرزو

جہاں آرا ہجرت کر کے پاکستان آگئیں' ان کے شوہر عبداللہ اور بیٹی کو ان کی آنکھوں کے سامنے شہید کر دیا گیا' اب وہ اپنے تین بیٹوں اکرام اللہ' امان اللہ' ثناء اللہ اور اپنی دو بیٹیوں فاطمہ اور سلمیٰ کے ساتھ رہتی تھیں' اکرام اللہ اور احسان اللہ شادی شدہ تھے۔ فاطمہ کی شادی ملتان میں کر دی' سلمیٰ شادی شدہ تھیں' لیکن اپنی اماں کے پاس رہتی تھیں کیونکہ ان کے شوہر اعلا تعلیم کے لیے ولایت گئے ہوئے تھے۔ حبیبہ کا ایک بیٹا سالار اور بیٹی عالیہ جہاں آرا کے پاس رہتے تھے ان کے والد لاپتا تھے۔ سب سے چھوٹا بیٹا ثناء اللہ جو کہ کنوارا تھا اور کوئی کام نہیں کرتا تھا ایک غریب خاندان کی لڑکی رشنا میں دلچسپی لیتا ہے اور ان کی مالی امداد کرتا ہے۔

احمد دین اور حیات بی بی ملتان کے ایک گنجان آباد علاقے میں دو کمروں کے مکان میں رہتے ہیں۔ احمد دین اپنے یتیم بھتیجے قادر کو اپنے پاس لے آتا ہے' حیات بی بی کی دور پار کی بھتیجی عاشو ان کے پاس رہتی ہے۔ حیات بی بی ان دونوں کے ساتھ ظالمانہ سلوک کرتی ہیں' قادر تنگ آکر حیات بی بی کا زیور اور روپے لے کر فرار ہو جاتا ہے۔

سلمیٰ کے گھر بچی کی ولادت ہوئی تو بہت خوشی منائی گئی اور اس خوشی کے موقع پر سلمیٰ کے بھائی اکرام اللہ نے سلمیٰ کی بیٹی کو اپنے بیٹے عقیل کے لیے مانگ لیا اور فاطمہ نے اپنے بیٹے اختر کے لیے عالیہ کو اماں جان سے مانگ لیا۔ قادر کو ایک نامور گلوکار استاد بخشی اپنا بیٹا بنا کر اپنے ساتھ لے جاتے ہیں' ثناء اللہ رشنا کی ماں سے سچ جھوٹ بول کر رشنا سے شادی کر لیتا ہے اور شادی کے اخراجات کے لیے اپنے بڑے بھائی احسان اللہ کے روپے چرا لیتا ہے' ثناء اللہ کی شادی گھر والے قبول نہیں کرتے۔

زریاب سوما میں دلچسپی لیتا ہے' استاد بخشی کے انتقال کے بعد زریاب گھر بدل لیتا ہے اماں اور نور کو بھی اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔

سالار، عثمان، اختر اور ان کے دوست شکار کے لیے جاتے ہیں۔ سالار طبیعت کی خرابی کی وجہ سے نہیں جاتا، ساتھ والے کمرے سے اختر اور ایک لڑکی کی آوازوں پہ سالار کی آنکھ کھل جاتی ہے، عثمان کے آنے کے بعد اختر سارا الزام سالار پہ لگا دیتا ہے لاہور واپس آنے پر ثناء اللہ سالار کو اپنے گھر لے جاتے ہیں۔

عاشو کو بیگم نے پالا پوسا اور تعلیم دلوائی اور ہاسٹل میں بھیج کر باہر ملک اپنے بیٹوں کے پاس چلی جاتی ہیں۔ عاشو نے ہاسٹل میں ٹی۔وی پر زریاب کا پروگرام دیکھا تو اسے لگا یہ چہرہ جانا پہچانا ہے۔

اختر عالیہ سے شادی سے انکار کر دیتا ہے سالار کا طیبہ سے نکاح ہو جاتا ہے سالار کو لائلپور (فیصل آباد) میں نوکری مل جاتی ہے اور وہ عالیہ اور نانی کو بھی اپنے ساتھ جانے کے لیے تیار کر لیتا ہے۔

ثمینہ عاشو کو اپنے پاس بلا لیتی ہے۔ زریاب سوما سے بیزار ہونے لگتا ہے لیکن سوما اسے یقین دلاتی ہے کہ وہ اسے بہت چاہتی ہے۔ زریاب اور حیدر کی ملاقات ہو جاتی ہے زریاب بہت خوش ہوتا ہے اور حیدر کو بتاتا ہے کہ ان ہنگاموں سے اس کا دل اچاٹ ہو گیا ہے اور وہ سکون چاہتا ہے۔

(اب آپ آگے ملاحظہ فرمائیں)

۳۲

بتیسویں قسط

اماں جان کا خط جو کہ سالار کے نام تھا، موصول ہوا۔ وہ لکھتی تھیں کہ فی الحال تم مجھے لینے مت آؤ، میرا خیال ہے پہلے میرے پیارے بیٹے حفیظ کو میرے گھر میں آنا چاہیے تاکہ ہم اس کی کچھ خدمت تو کر سکیں اور بھی کافی کچھ لکھا تھا جس وقت پوسٹ مین خط ڈال کر گیا سالار تو باپ کے ساتھ آفس گیا ہوا تھا، ملازم خط لے کر اندر آیا، بیرونی طرف والے برآمدے میں دیبا ہی کھڑی تھی، اس نے لا کر یہ خط اسے تھما دیا۔

دیبا اپنی دادی کی لکھائی یا گھر کے کسی اور فرد کی تحریر بھلا کہاں پہچانتی تھی مگر وہی فطرت میں باپ والا تجسس تھا، کچن میں آ کر لفافے پر جہاں جہاں گوند لگی تھی وہاں سے ہلکا سا گیلا کیا اور بڑی صفائی سے کھول لیا۔ خط پڑھ کر طبیعت باغ باغ ہو گئی۔ اگر باپ گھر پر ہوتا تو فوراً "یہ خوشخبری اسے سناتی مگر وہ تو سالار اور حفیظ صاحب کے جاتے ہی کہیں نکل کھڑے ہوئے تھے، اس نے خط تہ کر کے اسی طرح لفافے کو بند کیا، کچھ دیر خشک ہونے میں لگی پھر چپکے سے سالار کے کمرے میں جا کر اس کی میز پر رکھ دیا۔

تینوں لڑکیاں بھی باہر گئی ہوئی تھیں۔ اس وقت کسی کے آجانے کا فوری امکان نہیں تھا۔ رضوانہ کے کالج میں کوئی فنکشن تھا اور اسے اس کے لیے شاپنگ کرنا تھی۔ وہ تینوں تیار ہو رہی تھیں۔ تب دیبا بھی وہاں موجود تھی، کسی نے جھوٹے منہ بھی اسے ساتھ چلنے کو نہیں کہا تھا، حالانکہ اس کا بڑا جی چاہ رہا تھا اگر وہ ایک بار بھی کہتیں تو یہ ساتھ چل پڑتی۔ دل ہی دل میں انہیں کوسنوں سے نوازتی، بظاہر وہ بڑے نارمل سے انداز میں بیٹھی رہی، ان کے جانے کے بعد غصہ ٹھنڈا کرنے کے لیے ایک گلاس اورنج جوس پیا پھر بھی طبیعت بحال نہیں ہوئی مگر اب جو اماں جان کا خط ملا تو وہ پڑھ کر ہلکی پھلکی ہو گئی۔

"اچھا ہے بڑھیا یہاں نہ ہی آئے ورنہ تو سارا کھیل خراب ہو جائے گا۔"

ایک بات سیما اور عالیہ دونوں کے لیے حیران کن تھی، اس مرتبہ اس نے اپنا جھکاؤ سالار کی بجائے ان دونوں کی جانب زیادہ رکھا تھا۔ سالار سے ہنس کر بات ضرور کر لیتی مگر اس کے آگے پیچھے نہیں رہتی تھی، جبکہ ان دونوں اور خاص کر عالیہ سے بہناپا جوڑتے تو تھکتی ہی نہ تھی، جبکہ عالیہ اس سے اول روز کی طرح آج بھی بیزار تھی۔ یہی حال سالار اور سیما کا تھا۔ یہ لوگ ان کے جانے کے منتظر تھے، جبکہ انہیں دیکھ کر تو لگتا تھا مستقل یہیں رہنے کا

ارادہ ہے۔

حفیظ صاحب آفس سے لوٹتے تو ثناء اللہ ان کے کمرے میں گھس جاتے، پتا نہیں کیا باتیں ہوتی رہتی تھیں ان میں، حالانکہ دونوں کے مزاج میں زمین آسمان کا فرق تھا۔

"پتا نہیں ابا جان کس طرح ثناء ماموں کو برداشت کر لیتے ہیں۔" سالار یہ بات بے زاری کے عالم میں کئی بار کہہ چکا تھا۔

پہلے تو انہیں اماں جان کی طرف سے خط کا انتظار تھا کہ وہ اپنا پروگرام لکھیں اور سالار انہیں لینے کے لیے لاہور جائے۔ سیما کا ارادہ تھا کہ جب وہ نانی اماں کو لینے جائے گا تب وہ بھی اس کے ساتھ واپس چلی جائے گی مگر اب جو خط اماں جان نے لکھا وہ اپنی جگہ درست بھی تھا مگر انہیں پڑھ کر اداسی بھی ہوئی تھی۔ کتنے دن ہو گئے نانی جان سے دور ہوئے۔ عالیہ کی اداسی سب سے بڑھ کر تھی۔

ثناء اللہ نے حفیظ صاحب کو قائل کر لیا تھا کہ انہیں ایک بار رزاق صاحب کو خط لکھ کر یہ احساس ضرور دلا دینا چاہیے کہ اب عالیہ اور سالار لاوارث نہیں، ان کا باپ ان کے سر پر موجود ہے اور وہ ان کے لیے وہی فیصلہ کرے گا جو انہیں مناسب لگے گا۔

ثناء اللہ کی موجودگی میں ہی انہوں نے رزاق صاحب اور فاطمہ بیگم کے نام خط لکھا۔ مضمون ثناء اللہ کا ہی بنایا ہوا تھا۔ عالیہ کا رشتہ لوٹانے کے بارے میں بظاہر کچھ نہیں لکھا گیا مگر پڑھنے والا سمجھ ہی سکتا تھا کہ سارا غصہ تو اسی بات کا ہے۔ انہوں نے لکھا تھا۔

خاندان میں رشتہ طے ہونے پر تو انہیں کوئی اعتراض نہیں مگر وہ ایک باپ کی حیثیت سے دیکھ بھال، پسند ناپسند کا پورا حق رکھتے ہیں۔ ان کا بیٹا پڑھا لکھا، سمجھ دار شریف لڑکا ہونے کے ساتھ ساتھ فیکٹری کا مالک بھی ہے۔ اس کے لیے رشتوں کی کوئی کمی نہیں۔ وہ مروت میں اپنے بچے کی زندگی داؤ پر نہیں لگا سکتے۔ امید ہے آپ کو اعتراض نہیں ہو گا۔ یوں بھی رشتے قائم کر کے ختم کر دینا آپ لوگوں کے لیے کوئی بڑی بات نہیں ہے۔

خط کیا تھا دھماکہ تھا۔ رزاق صاحب اور فاطمہ بیگم تو پریشان ہوئے ہی تھے مگر طیبہ کی تو بری حالت تھی۔ بے شک سالار اب اس سے اکھڑا اکھڑا رہتا تھا مگر طیبہ کے دل میں اس کی محبت اسی طرح تھی اور وہ اسے ہی کافی سمجھتی تھی کہ سالار کے نام تو ہے مگر یہ خط اسے تعلق کو توڑتا ہوا محسوس ہوا تھا۔

کتنی مجبور ہوتی ہیں ہم لڑکیاں۔ بار بار اس کی پلکیں بھیگنے لگتی تھیں۔ گھر والوں سے کیفیت چھپانے کو وہ اپنے کمرے میں آ بیٹھی تھی مگر اس کا یوں تنہائی میں پناہ ڈھونڈنا والدین کو اس کی کیفیت بتا رہا تھا۔

کچھ روز پہلے سلمٰی کا خط موصول ہوا تھا، سالار اور عالیہ کے والد کے مل جانے کی خوشخبری دی گئی تھی مگر یہ تو ان کے گمان میں بھی نہ تھا کہ حفیظ بھائی اس طرح کا خط لکھیں گے۔ رزاق اور فاطمہ بیگم تو خود ان کے پاس لائلپور جانے کا پروگرام بنائے بیٹھے تھے مگر ان کے اس انداز میں لکھے خط نے سارے ارادے مٹی میں ملا دیے۔

یہ ٹھیک کہ عالیہ کے ساتھ بہت زیادتی ہوئی ہے مگر حفیظ بھائی ہم سے مل تو لیتے، اس کے بعد ہو چاہتے فیصلہ کرتے۔

اختر سے تو اب ملاقات ہوئے بھی کتنے ماہ ہو چکے تھے، اس کے ہاتھوں زخمی ہونے والا چل بسا تھا اور یہ موت اختر کو قاتل بنا گئی تھی۔ کتنا صدمہ تھا یہ اس شریف اور پڑھے لکھے خاندان کے لیے، عثمان اور ڈاکٹر صاحب تو کئی روز گھر سے نکلنے سے ہی کتراتے رہے۔ بہنوں کا الگ رو رو کر برا حال ہوا تھا مگر اختر کے آگے وہی کچھ آیا تھا جو اس نے بویا تھا۔ کبھی والدین کی نصیحت پر کان نہیں دھرا، جوانی کے نشے میں وہ ساری دنیا کو قدموں تلے روندنے کے خواب دیکھتا رہا۔ اور تقدیر نے ایسا وار کیا کہ اب دھر لیے جانے کا خوف اسے گھر سے دور کیے ہوئے تھا، نجانے

کہاں مارا مارا پھرتا تھا۔ یہ لوگ اس کے ماں باپ، بہن بھائی تھے اس کا یوں منہ چھپانا انہیں خون کے آنسو رلاتا تھا۔

فاطمہ نماز پڑھتیں تو خدا کے حضور رو رو کر اس کے لیے دعا کرتیں۔ طیبہ اور آسیہ چھپ چھپ کر آنسو بہاتیں اور ڈاکٹر صاحب پہلے کی نسبت بہت کمزور اور تھکے تھکے رہنے لگے تھے۔ کچھ ایسا ہی حال عثمان کا بھی تھا۔ اس کی بات بات پر ہنسی، چھیڑ چھاڑ سب ختم ہو گئی تھی۔ وہ بھی خاموش اور اکتایا ہوا دکھائی دیتا تھا۔

ایسے میں حفیظ صاحب کا یہ خط ایک ٹوٹے ہوئے خاندان کو مزید بکھیر دینے کے مترادف تھا۔

سب اپنی اپنی جگہ خاموش تھے۔ ان میں سے کسی کے پاس کہنے کو کچھ بھی نہیں رہا تھا، بس ایک خوف ہر دل میں تھا۔ اگر انہوں نے نکاح توڑ ڈالا پھر..... اور اس پھر کے آگے کوئی سوچنا نہیں چاہتا تھا۔

رات کو آسیہ دودھ کا گلاس لے کر عثمان کے کمرے میں آئی تھی، روزانہ یہ کام طیبہ ہی کرتی تھی، آسیہ تو گھر میں چھوٹی اور لاڈلی تھی، اس نے کوئی بھی کام کبھی اپنی ذمہ داری محسوس کر کے نہیں کیا تھا۔ اسے دیکھ کر عثمان کچھ حیران ہوا اور بولا۔

"طیبہ کہاں ہے؟"

"ان کی طبیعت ٹھیک نہیں اور مجھے آپ سے ایک ضروری بات بھی کرنا تھی۔" وہ عثمان کے جواب کا انتظار کیے بغیر کرسی بیڈ کے قریب لا کر بیٹھ گئی۔ عثمان پوری طرح اس کی جانب متوجہ تھا۔

"عثمان بھائی! طیبہ باجی بہت اداس ہیں۔ انہوں نے دوپہر کو کھانا بھی نہیں کھایا اور اب بھی چند نوالے زبردستی کھلائے ہیں میں نے۔ آپ سب تو مجھے بے وقوف اور چھوٹی بچی سمجھتے ہیں مگر میں نہ تو اتنی ناسمجھ ہوں اور نہ ہی اتنی چھوٹی ہوں۔"

"تم بات کرو آسیہ! میں سن رہا ہوں۔"

"میں نے بہت سوچا ہے بھائی اور میں اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ ہم اس سلسلے میں سالار بھائی سے براہ راست بات کریں۔ دیکھیں ناں، انہوں نے یہ نکاح اس وقت کیا تھا جب عالیہ باجی کا رشتہ اختر بھائی سے ختم ہو چکا تھا، اس لیے میں سوچتی ہوں کہ اگر ہم اب بھی ان سے بات کریں تو شاید بہتری کی صورت نظر آنے لگے۔"

عثمان نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ اسے سالار کا وہ روپ یاد آ گیا تھا جو اس نے گاؤں میں دیکھا تھا۔ بظاہر وہ کتنا شریف اور معصوم دکھائی دیتا تھا مگر موقع ملتے ہی ہوس کا پجاری بن بیٹھا تھا۔ عثمان اسی وجہ سے اس کے نکاح میں طیبہ کو دینے کے خلاف تھا مگر اب جبکہ نکاح ہو چکا تھا تو اسے ختم کر دینا بہت ہی بدنامی کی بات تھی مگر وہ اپنے اور سالار کے موجودہ تعلقات کی بنیاد پر اس سے کوئی بات کر بھی نہیں سکتا تھا۔ اس کے اور سالار کے درمیان وہ دوستانہ روابط اب رہے بھی نہیں تھے۔

اسے خاموش دیکھ کر آسیہ کہنے لگی۔

"آپ! سالار بھائی کے نام خط لکھ سکتے ہیں، انہیں بتا سکتے ہیں کہ اختر بھائی تو ہم سے بھی نہیں ملتے۔ آپ ان کے کیے کی سزا طیبہ باجی کو نہ دیں۔"

"آسیہ! تم ٹھیک کہہ رہی ہو مگر سالار کے ساتھ اب میرے تعلقات دوستانہ نوعیت کے نہیں رہے۔ وہ میری بات پر دھیان نہیں دے گا۔"

کچھ دیر کے لیے خاموشی چھا گئی جسے عثمان نے توڑا اور بولا۔

"اگر ہم سالار کی بجائے عالیہ کو خط لکھ دیں، کیا خیال ہے۔" آسیہ نے نفی میں سر ہلا دیا اور بولی۔

"نہیں بھائی جان! ہم نے سنا تھا یہ رشتہ جب ختم ہوا عالیہ باجی بہت بیمار ہوگئی تھیں۔ ظاہر ہے ان کے لیے کوئی معمولی بات تو نہ تھی۔ یقیناً" انہیں بہت سبکی کا احساس بھی ہوا ہوگا۔ ممکن ہے وہ اب تک سنبھلے نہ پائی ہوں اور اسی وجہ سے ان کے والد نے یہ فیصلہ کیا ہو۔"

"واقعی تم ٹھیک کہتی ہو۔" عثمان کچھ چکرا کر بولا تھا۔

"ایک بات ذہن میں آتی ہے بھائی جان! اگر ہم اس سلسلے میں سیما باجی یا سلمیٰ خالہ سے بات کریں تو وہ سالار بھائی اور عالیہ باجی کو سمجھا سکتے ہیں۔ یہ دونوں بہن بھائی خالہ اور سیما باجی کی بہت مانتے ہیں۔"

"ہاں آسیہ! یہ تو تم نے ٹھیک کہا۔" عثمان کی آنکھوں میں امید کی روشنی چمکنے لگی۔ دودھ کا گلاس اٹھا کر ہونٹوں سے لگا لیا۔ ایک گھونٹ بھرا اور بولا۔

"آسیہ! میں تمہیں اتنا عقل مند نہیں سمجھتا تھا۔"

"صرف آپ ہی نہیں گھر کے ہر فرد کے خیال میں، میں احمق اور کم عقل لڑکی ہوں۔ صرف کورس کی کتابوں میں سر کھپا سکتی ہوں اور مجھے دنیا کی کوئی خبر ہے نہ ہوش۔"

"تم یہیں بیٹھو، میں تمہارے سامنے ہی خالہ کو خط لکھتا ہوں۔"

دونوں نے مشورہ کرنے کے بعد مضمون بنایا اور عثمان نے سلمیٰ خالہ کے نام خط لکھ دیا، اسی خط میں سیما سے بھی التجا کی گئی تھی کہ وہ طیبہ کے سلسلے میں عالیہ اور سالار کو ہموار کرنے کی کوشش کرے۔

خط لکھ کر عثمان نے جیب میں ڈال لیا اور بولا "میں صبح ہی پوسٹ کردوں گا۔"

جب یہ خط سلمیٰ کو ملا سیما تو اس وقت لاہور میں تھی۔ خط میں جو کچھ لکھا تھا وہ سلمیٰ کے لیے انتہائی پریشان کن تھا۔

یہ معصوم اور بے قصور لڑکیاں انہیں کس بات کی سزا مل رہی ہے۔ پہلے اختر نے عالیہ کو ٹھکرا دیا اور اب یہی کچھ حفیظ بھائی طیبہ کے ساتھ کرنے جا رہے ہیں۔ آخر ان بچیوں کو کس جرم کی سزا مل رہی ہے۔ ساری عمر یہ داغ ان کے ماتھے پر رہیں گے اور ان کی اجلی شخصیتیں ماند پڑ جائیں گی۔

وہ بے حد پریشان ہو رہی تھیں، کچھ دیر تو سر تھامے بیٹھی رہیں، انہیں اب رہ رہ کر سالار پر غصہ آرہا تھا۔ باپ کیا ملا یہ اس قدر بدل گیا کتنا غلط فیصلہ کر بیٹھا حفیظ صاحب نے خود سے ہی تو یہ سب نہیں کرلیا ہوگا۔ یقیناً" سالار کا مشورہ شامل ہوگا کیا عالیہ اور سیما نے بھی اس کو نہیں سمجھایا، یہ دونوں لڑکیاں بہت حساس دل کی مالک ہیں اور پھر طیبہ جیسی پیاری لڑکی کے ساتھ ایسا کرنا تو کسی پتھر دل کو ہی گوارہ ہوگا۔

وہ کتنی دیر خط ہاتھ میں لیے ایک ایک پہلو پر غور کرتی رہیں، جب سمجھ میں کچھ نہیں آیا تو اماں جان کے پاس چلی آئیں۔

اماں جان بیٹی کو دیکھ کر خوش ہوئیں مگر جو بات اس نے بتائی وہ تو ان کے لیے کسی دھچکے سے کم نہیں تھی۔

"ہائے کیا کرنے چلے ہیں یہ لوگ، سالار نے یہ کیوں نہیں سوچا۔ خدا نے جو کیا بہتر کیا ہے، اگر اختر جیسے بے راہ رو کے ساتھ عالیہ کا نکاح ہو جاتا تو کس قدر پریشانی اٹھانی پڑتی۔"

"میری تو اپنی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا اماں جان!"

"بس تم میرا ٹکٹ کٹاؤ، میں آج شام ہی لاہور جاتی ہوں۔"

"اوہو اماں جان! آپ کو اکیلے بھلا کیسے بھیجا جا سکتا ہے۔"

"اے سلمیٰ! میاں تمہارا تو کراچی گیا ہوا ہے، آٹھ دس روز سے پہلے کیا ہی واپسی ہوگی۔ تم چلو میرے ساتھ۔"

"ٹھیک ہے اماں جان! مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ ایڈریس تو ہے ناں آپ کے پاس۔"

"اے ہاں ادھر ہی کہیں میز کی درازوں میں دیکھ لو، توبہ میرے اللہ یہ کیا ہوگیا ہے میری اولاد کو۔ دل میں ایک دوسرے کے لیے ذرا بھی محبت احترام نہیں رہا۔"

"آپ زیادہ فکر نہ کریں اماں! سب ٹھیک ہو جائے گا۔" سلمیٰ اپنی پریشانی چھپا کر انہیں دلاسا دینے لگیں۔

سلمیٰ نے ایڈریس تلاش کرنے کے بعد اماں جان کے کپڑے اور ضرورت کی دوسری اشیاء بیگ میں رکھیں پھر کسی خیال سے چونک کر بولیں۔

"اماں جان! آپ بھائی جان اور بھابھی سے کیا کہیں گی۔ یوں اچانک لاہور جانے کا فیصلہ کیوں کیا۔"

"بس کچھ بھی کہہ دوں گی، تم مجھے اس وقت پریشان نہ کرو۔" ایک ہاتھ سے پیشانی مسلتی ہوئیں وہ بہت ہی پریشان دکھائی دے رہی تھیں۔

دونوں خواتین نے اکیلے سفر مناسب نہیں سمجھا کہ لاہور شہر ان کے لیے اجنبی تھا، دوسرا ٹرین کو انہیں رات میں وہاں پہنچانا تھا۔ سلمیٰ نے اپنے چودہ پندرہ سالہ ملازم لڑکے کو بھی ساتھ جانے کے لیے تیار کرلیا۔

موجو اچھا خاصا ہوشیار لڑکا تھا، اس کی وجہ سے سفر میں بھی آرام رہا اور اسٹیشن پر اتر کر سواری کے لیے بھی مشکل پیش نہیں آئی جس وقت یہ حفیظ صاحب کے بنگلے پر پہنچے رات کے نو بج رہے تھے۔ موسم میں اچھی خاصی خنکی تھی اور ایسی ہی خنکی ان دونوں کے اندر تک اتری ہوئی تھی۔ سفر بھی خاموشی سے کٹا تھا اور اب بھی وہ دونوں خاموش اور اپنی اپنی سوچ میں گم تھیں۔

"پتا نہیں حفیظ اب کس مزاج کے ہو چکے ہیں، دولت نے ان کی شخصیت پر کیا اثرات چھوڑے ہیں، وہ ہماری بات سنیں گے بھی یا نہیں۔" بس ایسی ہی سوچوں میں دونوں گھری ہوئی تھیں۔

بنگلہ ان کی توقع سے زیادہ اچھا اور وسیع تھا۔ گیٹ پر موجود چوکیدار نے انہیں گیٹ کے قریب ٹھہرنے کو کہا اور پھر اندر اطلاع دی۔ یہ اطلاع موصول کرنے والا سالار تھا اور وہ اتنا حیرت زدہ ہوا کہ تقریباً" دوڑتا ہوا گیٹ تک آیا۔ دل میں دھڑکا بھی تھا۔ ایسا کیا ہوا جو نانی جان اکیلی چلی آئیں۔ گیٹ پر آکر ان کے ساتھ سلمیٰ خالہ اور موجو کو دیکھا مگر تسلی تب بھی نہیں ہوئی۔ وہ نانی سے لپٹ گیا اور بولا۔

"خیر تو ہے آپ یوں اچانک بغیر کسی اطلاع کے۔"

"بس بیٹا دل چاہا چلے آئے۔" انہوں نے گیٹ پر ہی شروع ہو جانا مناسب نہیں سمجھا۔

وہ انہیں اپنے کمرے میں ہی لے آیا اور تسلی سے بٹھانے کے بعد بولا۔

"میرا دل نہیں مانتا کہ آپ دونوں اچانک بغیر کسی اہم وجہ کے چلی آئی ہیں، سچ بتائیں خیریت تو ہے نا۔"

"ہاں بیٹا! خیریت ہی ہے تمہارے لیے اداس تھی سلمیٰ کہنے لگی ایڈریس تو موجود ہے چلے چلتے ہیں، موجو کو ساتھ لیا اور آگئے۔"

"بہت اچھا کیا آپ نے ہم تینوں بھی بہت اداس ہو رہے تھے آپ دونوں کے لیے۔"

"کہاں ہیں بچیاں اور حفیظ میاں کدھر ہیں۔"

"ابا جان کو تو آج کل شاء ماموں نے اپنے قبضے میں لے رکھا ہے۔ تقریباً" ایک ہفتہ ہوگیا ہے، ہم تو ان سے بات کرنے کو ترس گئے ہیں۔"

"کیا شاء اللہ یہاں آیا ہوا ہے۔" دونوں کی حیرت یقینی تھی۔

"جی ہاں، نا صرف ماموں صاحب بلکہ ان کی صاحبزادی بھی یہیں براجمان ہیں اور خوش اخلاقی کے سارے

ریکارڈ توڑے ہوئے ہیں۔ ہم تو خیر کیا متاثر ہوں گے مگر ابا جان ان محترمہ کی ذہانت اور خوش مزاجی کے گن گاتے نہیں تھکتے۔ آپ دونوں آگئی ہیں اب ان دونوں کی زبردستی کی محبتوں اور اپنائیت کے مظاہروں سے بھی ہماری جان چھوٹے گی۔"

"اے بچے! کیا کہہ رہے ہو، تمہاری اپنے باپ سے بات ہی نہیں ہوتی۔ حفیظ میاں ان دونوں کے قبضے میں ہیں۔" نانی حیرت سے بولیں۔

"جی نانی اماں! میں سچ کہتا ہوں۔ صبح آفس ان کے ساتھ جاتا ہوں، راستے میں وہ ان دونوں کی ہی باتیں کرتے رہتے ہیں اور آفس میں تو بس جو بات ہوتی ہے وہ آفس ہی سے متعلق ہوتی ہے۔ گھر آتے ہی یہ باپ بیٹی قبضہ جما لیتے ہیں۔"

"بات کچھ کچھ سمجھ میں آرہی ہے سلمیٰ۔" اماں جان کے سر سے ایک بوجھ اترنے لگا تھا، ورنہ تو اب تک یہی سوچ ان کا دل برا کیے ہوئے تھی کہ سالار نے اتنا بڑا فیصلہ کرلیا اور انہیں خبر تک نہ کی۔ میری گود میں پلنے والا میرا ہی بچہ باپ کے پاس جاتے ہی مجھے بھول گیا مگر اب قرار سا آگیا۔ انہوں نے اپنے قدموں میں کارپٹ پر بیٹھے سالار کی پیشانی چوم لی اور بولیں۔

"میں صدقے، میں واری، میرے بچے پریشان رہے اور مجھے خبر ہی نہ ہوئی۔ کہاں ہے میری عالیہ اور سیما، انہیں تو بلاؤ۔ بچیاں یہاں آگئیں اور میں تو بالکل تنہا ہو کر رہ گئی، ترس گئی ان کی صورتیں دیکھنے کو۔"

"جی ابھی بلواتا ہوں۔ پہلے میں آپ دونوں کو جی بھر کے دیکھ تو لوں۔ سچ نانی جان! زندگی میں سب کچھ ہے مگر آپ نہیں ہیں تو کچھ مزا نہیں ہے اور خالہ تیار رہیے صبح میں نے آپ کے ہاتھ کے بنے کوفتے ضرور کھانے ہیں۔ میں رضوانہ سے بھی کئی بار تعریف کرچکا ہوں۔"

"رضوانہ کون۔" ادھر ماتھا ٹھنکا۔

"بس یوں سمجھیے اللہ میاں نے مجھے ایک اور بہن دے دی ہے۔ ابا جان کی بھانجی ہوتی ہے، یتیم ہے۔ انہوں نے بیٹی بنا کر پالا ہے۔"

"ننھی کی بیٹی ہوگی۔ ہائے ہائے تو کیا ننھی اب دنیا میں نہیں۔" دونوں چونکیں اور بہت حیران اور افسردہ دکھائی دینے لگیں۔

"پتا نہیں آپ لوگ ہماری پھپھو کو کیا کہہ کر بلاتے تھے، بہرحال ہیں یہ ہماری پھوپھو زاد۔"

سالار لڑکیوں کو بلانے کے لیے اٹھا تو نظر کونے میں دروازے سے ذرا سا ہٹ کر چپ چاپ کھڑے موجو پر پڑی۔

"ارے موجو! تم کھڑے کیوں ہو، یہاں تم بھی میرے مہمان ہو۔ آؤ تمہیں کچن دکھاتا ہوں، ملازمہ وہاں موجود ہوگی اسے حکم کرنا تمہاری مرضی کے مطابق کھانا بنا دے گی۔" وہ ایسا ہی تھا۔ ملازموں سے بھی بے تکلف اور ہر کسی کا دوست موجو کے شانے پر ہاتھ رکھ کر ساتھ لے گیا۔

"میرا بچہ، میرا اتنا نیک دل بیٹا، کسی کا برا چاہ ہی نہیں سکتا۔ میں تو سمجھ گئی یہ سب ثناء کا کیا دھرا ہے۔"

"مگر اماں! ثناء بھائی....."

"ارے تم نہیں جانتیں اسے مگر مجھے اب کچھ عرصے میں اس کی فطرت کا اچھی طرح اندازہ ہوچکا ہے۔"

"اماں! یہ ثناء اللہ بھائی کو یہاں کا ایڈریس کیسے معلوم ہوگیا۔"

"یہ بھی میری ہی عقل پر پتھر پڑ گئے تھے۔" ابھی ان میں یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ باہر سے لڑکیوں کے ہنسنے، بولنے اور قدموں کی آوازیں آنے لگیں۔ ذرا دیر کے بعد تینوں لڑکیاں اور سالار کمرے میں موجود تھے۔

عالیہ بھاگ کر اماں جان کے گلے لگ گئی اور وہ بھی بیتابی سے اس کا منہ سر چومنے لگیں۔ سیما اپنی ماں سے لپٹی ہوئی تھی ذرا دیر کے بعد عالیہ خالہ سے اور سیما نانی سے مل رہی تھی۔ یہ مل چکیں تو رضوانہ نے بڑھ کر سلام کیا۔ جواب میں دونوں نے اسے بھی بہت محبت اور دعاؤں سے لپٹایا۔

"تمہیں کیا معلوم تمہاری امی سے میری کتنی دوستی تھی۔" سلمیٰ خالہ نے محبت سے کہا۔

"نانی اماں! میں نے آپ کو بہت یاد کیا۔" عالیہ کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

"بس اب تو نانی جان آگئی ہیں، ہم نے انہیں جانے تھوڑی دینا ہے اور خالہ! آپ بھی فی الحال جانے کا پروگرام بھول جائیں۔" سالار کے کہنے پر سیما نے اثبات میں سر ہلایا اور بولی۔

"ہاں امی! اتنا مزا آتا ہے کہ بتا نہیں سکتی۔ بس وہ موٹی دبانے آگر مزا کرکرا کردیا ہے۔ ہر بات میں ٹانگ اڑاتی ہے، گھر کی مالکہ بنی بیٹھی ہے۔"

"اب میں آگئی ہوں فکر نہ کرو۔" نانی جان کو ایک دم سے جلال آگیا۔

اتنے دنوں کے بعد مل کر یہ سب بہت خوش تھے اور خوب اونچی آواز میں ہنس بول رہے تھے۔ آواز دبا کے کانوں میں بھی پڑی تھی۔ تجسس سے مجبور ہوئی۔ آخر کون آگیا ہے، جو لڑکیاں بھی اتنی آواز کے ساتھ ہنس رہی ہیں۔ وہ اٹھ کر سالار کے کمرے کی طرف آئی، اندر جانے کی بجائے پہلے باہر ہی کھڑے ہو کر سن گن لینے کی کوشش کی اور جلد ہی اندازہ بھی ہوگیا۔

"اوہو، یہ مصیبتیں کیوں نازل ہوگئیں۔" اس نے سخت جھلاہٹ کے عالم میں پیشانی پر ہاتھ مارا اور بہت خراب موڈ کے ساتھ واپس ہوئی۔

ابا کچھ دیر پہلے ہی حفیظ انکل کے ساتھ باہر نکلے تھے۔ وہ کمرے میں آکر ادھر سے ادھر ٹہل کر اپنی پریشانی اور غصہ ٹھنڈا کرنے لگی۔

ادھر کمرے میں رونق اتری ہوئی تھی۔ عالیہ، نانی سے کہہ رہی تھی۔

"ابھی کچھ دن پہلے میں نے کچنار گوشت بنایا تھا اور اس روز میں نے آپ کو بہت یاد کیا۔ آپ کو میرے ہاتھ کا بنا کچنار گوشت پسند بھی تو بہت ہے۔ اب آپ آگئی ہیں پھر کسی روز بناؤں گی۔"

"میری بچی کے ہاتھ میں تو لذت ہی بہت ہے، جو بھی بناتی ہے مزے کا بنتا ہے۔" وہ عالیہ کا سر اپنے ساتھ لگائے پیار سے سہلا رہی تھیں۔

"نانی اماں! آپ کو پتا ہی نہیں، یہاں آکر عالیہ باجی کتنی ماڈرن ہوگئی ہیں۔ ایسے خوبصورت کپڑے سلوا کر دیے ہیں سالار بھائی نے، ہم دونوں کو کہ آپ دیکھتیں تو حیران رہ جاتیں۔"

"اب اٹھ جاؤ تم لوگ اور ان سے کھانے پینے کا بھی پوچھ لو۔"

"نہیں، تم دونوں بیٹھو۔ سالار بھائی! میں انتظام کرتی ہوں۔" رضوانہ نے بڑے خلوص سے کہا تھا مگر یہ دونوں بھی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

نانی بولیں۔ "اس وقت کسی اہتمام میں مت پڑنا، رات کو سادہ کھانا ہی ٹھیک رہتا ہے۔ بس جو کچھ پکا ہوا ہے، ٹھیک ہے۔"

"سادہ کھانا۔" سیما ہنس پڑی اور بولی۔ "جس روز سے ماموں اور دبا صاحبہ تشریف لائے ہیں ہم تو سادہ کھانا کھانے کو ترس گئے ہیں۔ روزانہ ہی مرغ بھونے جاتے ہیں، کباب بریانی تو کبھی سری پائے اور کبھی کلیجی۔ بس ہر روز ان کی فرمائش پر کھانا بنتا ہے۔ دال سبزی خواب ہو کر رہ گئے ہیں۔"

"اچھا آج کیا بنا ہے۔" سلمیٰ نے ہنس کر بیٹی سے پوچھا۔

"دوپہر میں پسندے بنائے گئے تھے' رات کو انہوں نے بریانی بنانے کے لیے ملازمہ کو کہا تھا' اب تک تو کھانا تیار ہی ہوگا۔"

"بچیوں یہاں آکر کیا کچن دیکھنا چھوڑ دیا' سب کچھ ملازموں کو سونپ رکھا ہے۔" نانی جان کو یہ بات پسند نہیں آئی۔

"نہیں' نانی جان! یہ تو جب سے ماموں اور دیبا آئے ہیں تب سے ہم نے کچن میں جانا کم کر دیا ہے۔ اپنے کمرے میں ہی رہتے ہیں کچن میں جائیں یا لان میں دیبا جھٹ سے پہنچ جاتی ہے۔ خوامخواہ ہی فری ہونے کی کوشش کرتی ہے' بس اس لیے اب ہم صرف ناشتا ہی خود تیار کرتے ہیں۔"

"شاباش ہے تم تینوں پر' اپنا گھر خود ہی اس کے سپرد کر دیا کہ لو بی بی عیش کرو۔"

"میں تو انہیں بہت سمجھاتی ہوں نانی جان! مگر یہ تو اب ماموں جان کے پاس بھی نہیں بیٹھتیں۔" رضوانہ کے کہنے پر نانی نے تاسف سے ان دونوں کو دیکھا پھر بولیں۔

"میں تو بڑے وقت پر پہنچ گئی' تم لوگ تو میرے اندازوں سے بڑھ کر احمق ہو۔"

"چلو جاؤ باورچی خانے میں اور اپنی نگرانی میں کھانا پکواؤ۔"

ثناء اللہ اور حفیظ صاحب واپس آئے' دیبا بھاگ کر باپ کے کمرے میں گئی اور انہیں اماں جان اور سلمیٰ کی آمد کی اطلاع دی۔

"اوہو' یہ ایسے نازک وقت میں کیسے پہنچ گئیں۔"

"ابا! جب سے آئی ہیں میں تو سامنے ہی نہیں گئی۔ آپ کی اماں کی زبان سے میں بڑا گھبراتی ہوں۔ آپ کے ساتھ ہی سلام کرنے جاؤں گی۔"

"چلیے جاتے ہیں سلام کو بھی' اتنی جلدی کیا ہے۔" وہ بیٹھ گئے۔ دیبا بھی ان کے قریب بیڈ پر ٹک گئی۔

حفیظ میاں کی آمد کی اطلاع پا کر اماں جان ملنے کے لیے اٹھنے لگیں مگر سالار نے روک دیا اور بولا۔

"آپ بیٹھیے نانی جان! میں ابا کو اطلاع کرتا ہوں' آپ بڑی ہیں پھر مہمان ہیں۔ انہیں خود آپ سے ملنے کے لیے آنا چاہیے۔" دونوں خواتین کو سالار کا اس قدر احساس کرنا بہت اچھا لگا۔ وہ حفیظ صاحب کو ان کی آمد کی اطلاع کرنے چلا گیا۔

وہ بے حد حیران ہوئے اور بولے۔

"یوں اچانک بغیر کسی اطلاع کے وہ کیسے آگئیں۔"

"مجھ سے اور عالیہ سے بہت محبت کرتی ہیں' نانی جان اداس ہو رہی تھیں چلی آئیں۔"

انہوں نے کچھ نہیں کہا' سلام کرنے کو ساتھ ہو لیے۔

وہ احترام اور محبت سے ملے لیکن اگر ثناء اللہ نے کان نہ بھرے ہوئے تب ان کی ملاقات بہت ہی جذباتی رنگ لیے ہوئے ہوتی۔ نانی اور سلمیٰ خالہ کو انہیں دیکھ کر حبیبہ یاد آگئیں اور وہ آنسوؤں پر قابو نہ رکھ سکیں۔ دونوں رونے لگیں اور اب حفیظ صاحب بھی جذباتی ہو گئے۔

"آداب عرض کرتا ہوں اماں جان!" ثناء اللہ اور دیبا اکٹھے کمرے میں داخل ہوئے تھے۔

"او ثناء اللہ' کیسے ہو۔" آنسو پونچھ کر اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"السلام علیکم دادی جان! یہاں آنے کا ایک فائدہ تو ہوا' آپ سے ملاقات ہو گئی۔" دیبا آگے بڑھ کر زبردستی گلے لگ گئی۔

"سالار! تم نے ہمیں بتایا ہی نہیں کہ اماں جان اور سلمیٰ آنے والی ہیں۔" ثناء کے انداز میں گلہ تھا۔

"بس ماموں میں سرپرائز دینا چاہتا تھا۔" اس نے یہ نہیں بتایا کہ ہم خود لاعلم تھے۔

اب یہاں سب ہی موجود تھے مگر بول صرف یہ باپ بیٹی ہی رہے تھے اور باقی سب صرف ان کے سوالوں کے جواب ہی دے رہے تھے۔

حفیظ صاحب چینج کرنے کے لیے اٹھ کر گئے تو اماں جان ثناء اللہ سے بولیں۔

"ہفتہ ڈیڑھ ہفتہ سے بہنوئی کے گھر میں پڑے ہوئے ہو' یہ بھلا کہاں کی شرافت ہے میاں۔"

"لیجیے اماں جان! یہ بھی آپ نے خوب ہی کہی۔ ارے ہم تو اپنے بچے کے گھر میں آئے ہیں اور جب تک جی چاہے گا رہیں گے۔" سالار نے ان کی بات سن کر اخلاق نبھانے کے لیے بھی کچھ کہنا ضروری نہیں سمجھا۔

"ویسے اماں جان! آپ سے جب میری ملاقات ہوئی تب تک تو آپ کا آنے کا کوئی پروگرام نہیں تھا' یکایک کیا سوجھی۔"

"تب تو تم نے بھی مجھ سے کوئی ذکر نہیں کیا تھا' حالانکہ تم تو اگلے دن ہی چلے آئے تھے اور یکایک سوجھنے کی بھی تم نے خوب ہی کہی۔ بھئی تم اور تمہاری بیٹی جہاں پہنچ جاؤ وہاں پھر کوئی انہونی جنم لینے لگتی ہے۔ بس اسی لیے مجھے آنا پڑا۔"

"کیا مطلب' میں سمجھا نہیں۔" وہ بڑی معصوم سی ہنسی ہنس کر پوچھنے لگے۔

"تمہیں سمجھانا میرا کام نہیں۔" وہ رکھائی سے گویا ہوئیں۔

"کمال کرتی ہیں آپ بھی اماں جان! دیکھیے' ہم بھائی صاحب سے کتنے سالوں کے بعد مل رہے ہیں ایسے موقع پر رنجشوں کو ہوا دینا کوئی اچھی بات تھوڑا ہی ہے۔ یہاں پر گھل مل کر پیار و محبت کے ساتھ وقت کاٹیے۔"

"ارے میرے بچوں کی زندگیوں سے کھیلنے والے تم مجھے سمجھانے چلے ہو' کان کھول کر سن لو' میں تمہاری سازشیں کامیاب نہیں ہونے دوں گی۔"

اب کے سالار چونکا۔

"ہو نہ ہو بات کچھ ضرور ہے۔ یہ ماموں حضرت کچھ ایسا کر چکے ہیں جو بہت خطرناک ہے اور نانی اماں کی اچانک آمد ضرور کوئی خاص مقصد لیے ہوئے ہے۔"

"آؤ دیبا بیٹا اس وقت تمہاری دادی کسی کے بہکاوے میں آگئی ہیں' ہم پھر کسی وقت ان کے پاس بیٹھیں گے۔" وہ بیٹی کا ہاتھ پکڑ کر کمرے سے باہر نکلے۔ اماں جان سیما سے بولیں۔

"ذرا باہر جا کر دیکھو' یہ حفیظ کے کمرے میں تو نہیں جا رہے۔ جہاں تک ممکن ہو حفیظ میاں کو ان کے سائے سے بھی بچائے رکھو اور بچیوں تم دونوں اٹھ کر کھانا لگاؤ۔" انہوں نے رضوانہ اور عالیہ کو مخاطب کیا۔ ان تینوں کے جاتے ہی سالار بولا۔

"خدا کے لیے نانی جان! بتائیں تو ہوا کیا ہے۔"

"ابھی کرنے کی بات نہیں' کھانا کھا کر رات کو اطمینان سے بیٹھیں گے پھر بتاؤں گی۔"

"ابھی کیوں نہیں۔"

"ضد مت کرو بچے' لمبی بات ہے۔" نانی اماں نے تسلی دی۔

☼ ☼ ☼

"زریاب کا رویہ کراچی جا کر کیسا رہا' اپنے کام سے انصاف تو کیا اس نے۔" سرابی سوما سے اس کے متعلق

رپورٹ مانگ رہا تھا۔

"ہاں اپنے کام سے وہ پورا انصاف کرتا ہے اس سلسلے میں آپ اسے سرزنش نہیں کر سکتے۔"

"تم بہت بجھی بجھی سی ہو۔"

"بس یونہی تھک گئی ہوں۔" وہ ٹالنے کے انداز میں کہہ کر یوں رسٹ واچ دیکھنے لگی جیسے اسے کہیں جانے کی جلدی ہو۔

"کہیں یہ تھکن زریاب کے رویوں کی وجہ سے تو نہیں۔" سرابی نے اپنی عقابی نگاہوں سے اسے کھوجا۔

"نہیں۔" اس نے سخت الجھن محسوس کرتے ہوئے مختصراً کہا۔

"یاد رکھو سوما! تم تنظیم کی پابند ہو۔ میں سمجھتا ہوں زریاب کا تم سے فاصلہ رکھنا' بے زار رہنا تمہارے لیے بہت اچھا ہے۔ یہ جو محبت کی خرافات ہے' یہ ہم افورڈ نہیں کر سکتے۔ تمہیں اگر زریاب کے قریب رہنے کو کہا تھا تو اس لیے کہ یہ تنظیم کے مفاد میں تھا۔ اب وہ کام مکمل ہو چکا ہے' اس لیے مزید ضرورت نہیں۔"

"تو کیا آپ نے زریاب کو مجھ سے دور رہنے کے لیے کہا ہے۔"

"تو نو' ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ وہ خود ہی پیچھے ہٹ گیا ہے' جی بھر گیا ہے اس کا۔ بھئی میں نے تو یہی دیکھا ہے مرد کسی بھی خطے کا ہو' ایک سی فطرت رکھتا ہے یا شاید تم عورتوں میں اتنی خصوصیات ہوتی ہی نہیں ہیں کہ کسی مرد کو تاعمر اپنا اسیر بنا کر رکھ سکو۔" سوما کے اندر ابال سا اٹھا مگر نظر انداز کر وہ بے تاثر ہی بیٹھی رہی۔

"اب تم! زریاب کا خیال اپنے دل سے نکال دو اور صرف اپنے کام پر دھیان دو' اپنے چہرے سے یہ تھکن اور اداسی دور کرو۔ ابھی اور بہت سے لوگ باقی ہیں جو تمہاری اک نگاہ کے منتظر ہیں۔ تم سن رہی ہو میں کیا کہہ رہا ہوں۔"

"ہاں' میں سن رہی ہوں۔"

"دیکھو اس میں تمہاری بھلائی ہے۔"

"میں اپنا برا بھلا خوب اچھی طرح جانتی ہوں۔" وہ چبا چبا کر بولی تھی۔

"نہیں یہ تمہاری غلط فہمی ہے' تم اپنا اچھا برا بالکل نہیں جانتیں۔ احمق' نادان لڑکی۔"

"میں نہ احمق ہوں اور نہ ہی نادان۔ میں سب کو دکھا دوں گی کہ میں کس قدر زور آور ہوں۔ اپنے قیدی کو خود اپنے ہاتھوں رہائی دے دوں ناممکن۔ جسے ایک بار میرے دل نے اپنا مان لیا اب اسے میں نے اپنا قیدی بنا لیا ہے۔ وہ لاکھ اس حصار سے نکلنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارے مگر نکل نہیں سکتا۔"

"تم کیا کرو گی بے وقوف۔" سرابی نے جیسے اسے طیش دلانے کو دوبارہ یہ لفظ اس کے لیے استعمال کیا تھا۔

وہ جھٹکے سے اٹھی پھر اس کی جانب پلٹ کر بولی۔

"یہ تو وقت بتائے گا کہ میں کیا کچھ کر سکتی ہوں' یہ تو آپ بھی جانتے ہیں کہ میں بے حد ضدی لڑکی ہوں۔"

"مگر میں تمہیں منع کر رہا ہوں۔ یاد رکھو سوما! تمہیں شادی کرنے کی اجازت ہی نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے' اگر میں شادی نہیں کر سکتی تو پھر وہ بھی نہیں کر سکتا' کسی سے بھی نہیں کر سکتا' اسے پابند رہنا ہوگا۔ میں تنظیم کی پابند ہوں اور اسے میرے حکم کے آگے سر جھکانا ہوگا۔"

سرابی نے سر جھٹکا' برا سا منہ بنا کر یوں دیکھا جیسے وہ پاگل ہو گئی ہو اور کمرے سے چلا گیا مگر سوما اک فیصلے پر پہنچ کر کسی چٹان کی مانند کھڑی تھی۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

☆ ☆

بقیہ: سروے

ہم محبت کے لیے وقت نہیں نکال سکتے تو نفرت کرنے کے لیے ہمیں اتنی فراغت کہاں سے اور کیونکر میسر آجاتی ہے؟

۴۔ اب تک میں نے جتنا لکھا اور جو لکھا سب مجھے پسند ہے۔ کیونکہ ایسی کوئی تحریر میں آج تک مکمل ہی نہیں کر پائی جو میرے دل کو نہ لگی ہو۔ کوئی افسانہ یا ناول شروع کرنے سے پہلے اور قلم سنبھالنے کے بعد میں سینکڑوں دفعہ تنقیدی جائزہ لیتی ہوں کسی بھی مقام پر اگر میرا دل نا مطمئن ہو جائے تو میں تحریر ادھوری چھوڑ دیتی ہوں جو کہانی خود مجھے پسند نہ آئے وہ میں قارئین کے سامنے کیسے پیش کر سکتی ہوں' اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اب تک شائع ہونے والی تمام تحریروں کو قارئین نے پسند کیا۔ لیکن ایک تحریر کا ہی بتانا ہے تو مجھے اپنا طویل مکمل ناول "میں تارا تارا جاگوں تیرے نام" جو عید نمبر میں شائع ہوا بہت پسند ہے۔ اب کیوں پسند ہے اس بارے میں لکھنا شروع کروں گی تو صفحے کے صفحے سیاہ کر دوں گی بہتر ہے اس ذکر کو رہنے ہی دیا جائے۔

شہنیلا صدیقی

۱۔ اپنے بارے میں میں نے خود تو کبھی غور نہ کیا تھا لیکن میری دوستوں کو میری آنکھوں میں خدا جانے کیا کچھ نظر آتا ہے اور میری ہنسی جسے لوگ نا صرف پسند کرتے ہیں بلکہ اب تک میں اتنے خوب صورت کمنٹس سن چکی ہوں کہ اب تو مجھے بھی یقین ہو چلا ہے کہ میری ہنسی واقعی کھنکتی ہوئی ہے (کیوں سمیعہ' میرا' رومیلہ اور شافعہ میں نے کچھ غلط یا کم تو نہیں کہا) مجھے اپنی بہت سی عادتیں ناپسند ہیں اگر یہ سوال پوچھا جاتا تو جواب دینا آسان ہوتا کیونکہ اچھی عادتیں کم ہی ہیں ہاں محبت بہت اور شدید کرتی ہوں توقعات وابستہ کر لیتی ہوں توقعات ٹوٹ بھی جائیں تو معاف کر

دیتی ہوں' جس سے محبت کرتی ہوں تو پھر دل کی گہرائیوں سے کرتی ہوں۔

۲۔ "کرن ڈائجسٹ" بہترین ڈائجسٹ ہے۔ اس میں لکھنے والی تمام مصنفین مجھے عزیز ہیں اور میں انہیں دل سے سراہتی ہوں۔ خاص کر نور بانو مجوب اور سعدیہ عزیز دونوں مختلف انداز کی مالک ہیں۔ نور بانو کا گھریلو اور روایتی انداز اور سعدیہ کا فلسفیانہ انداز فکر جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ زندگی کے بارے میں کتنی گہری اور شفاف سوچ رکھتی ہیں۔ ان کے لیے میری دعا ہے کہ وہ بہت لکھیں اور لازوال لکھیں۔

۳۔ انسان کی عمر میں جہاں اضافہ ہوتا ہے وہاں اس کی زندگی کا ایک سال کم ہوتا ہے لیکن "کرن ڈائجسٹ" کے لیے خوشی کی بات یہ ہے کہ یہ اپنی سالگرہ پر اپنی عمر اور زندگی میں واقعی ایک سال کی گرہ لگا رہا ہے سو کرن کو سالگرہ مبارک ہو۔

۴۔ مجھے اپنا مکمل ناول جو کرن ہی میں اپریل ۲۰۰۱ء میں شائع ہوا تھا "محبت اس کی آنکھیں" پسند ہے۔ فارغ وقت اور خوب صورت موڈ میں یہ ناول میرے احساسات کو اور بھی اچھا کر دیتا ہے۔

آخر میں ایک بار پھر کرن کے لیے ڈھیروں دعائیں اور مبارک باد۔

عطیہ عمر

۱۔ خود تعریفی، خود پسندی اور غرور انسانی شخصیت کے لیے زہر ہلاہل سے کم نہیں اور اللہ اور اس کے رسولؐ کے نزدیک ناپسندیدہ ترین عادات میں سے شمار ہوتی ہیں۔ معاذ اللہ کہ دل میں اس طرح کا کوئی خیال پیدا ہو اور پھر شکل و صورت جیسی فانی چیز پر کیا اترانا۔ جس میں خود انسان کا ذرہ برابر کمال نہیں ہوتا۔ سب اسی خالق و مالک کی دین ہے۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہر قسم کی معذوری سے بچا کر رکھا ہے آئندہ بھی بچائے۔ آمین بچپن اور نوجوانی میں رنگ، آنکھیں اور بال اکثر لوگ سراہتے تھے۔ تو امی کہا کرتیں "عورت کے چہرے اور آنکھ میں حیا کا رنگ نہ ہو تو تمام تر حسن و خوب صورتی بے کار ہے اور میں اپنی بیٹیوں میں اسی حسن میں اضافے کی دعا کرتی ہوں۔"

کوشش کرتی ہوں کہ میری عادات میرے اردگرد کے لوگوں کے لیے مسئلہ نہ بنیں میری ایک عادت جو میرے خیال میں اچھی ہے کہ میں کینہ نہیں رکھتی اور حسد اور غرور سے بچتی ہوں۔ (اللہ آئندہ بھی بچائے رکھے۔ آمین)

۲۔ میری پسندیدہ مصنفین کی فہرست لمبی ہے۔ خواتین، شعاع اور کرن کی سب رائٹرز بہت اچھا لکھتی ہیں اور دلوں میں گھر کر لیتی ہیں اس وقت جن کے نام یاد آ رہے ہیں عنیزہ سید، فارحہ ارشد، عمیرہ احمد، رفعت سراج، شمو بخاری، ساجدہ حبیب اور آسیہ رزاقی، جب سے میں نے ڈائجسٹ پڑھنے شروع کیے، ان میں سے بیشتر مصنفین لکھ رہی تھیں۔ میں نے بعد میں لکھنا شروع کیا ۱۹۹۹ء کے اواخر سے تو اب ان رائٹرز سے ان کی ایک مداح کا یہی پیغام ہے کہ آپ ایسی ہی خوب صورت تحریریں لکھتی رہیں جو آپ کی پہچان ہیں اور دعا ہے کہ آپ خوش رہیں اور آپ کا رب آپ سے خوش رہے۔ آمین ثم آمین۔

۳۔ گئے دنوں کی باتیں بھلا کر
نئے سال میں محبت کا نصاب لکھنا
کم ہو جائیں جس سے عداوتیں
کوئی ایسا حساب تم لکھنا

۴۔ آپ کا مرتب کردہ سروے تو کسی سخت گیر ممتحن کے پرچہ سوالات سے بھی بڑھ کر ہے۔ اپنے منہ میاں مٹھو کا محاورہ سچ ثابت کرنا۔ بہت مشکل ہے اور ویسے بھی میں خود کو ابھی مصنفین کی فہرست میں شمار نہیں کرتی اور نہ ہی میں صرف پسندیدہ اور مشہور مصنفہ بننے کے لیے لکھتی ہوں۔ میری یہ خواہش ہوتی ہے کہ میری کسی تحریر سے کوئی ایک بھی بہن کوئی پیغام اخذ کرے اور کسی اچھی بات پر عمل کرے تاکہ میرے نامہ سیاہ میں ایک نیکی کا اندراج ہو سکے (آمین ثم آمین) کرن میں ایک ناولٹ شائع ہوا تھا غالباً "نومبر ۲۰۰۱ء میں "ذات کا سومنات" میں سمجھتی ہوں کہ اچھا لکھنے کی جانب وہ ناولٹ میری ایک اہم کوشش ہے باقی اس سلسلے میں قارئین ہی بہتر سمجھ سکتے ہیں۔

روحیلہ خان

۱۔ آج تک میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ میری شخصیت کی ظاہری خوبی ہے کیا؟ جسے لوگ پسند کرتے ہیں کچھ لوگوں کی آنکھوں کی تعریف سنتے ہیں تو کسی کے بالوں کی، کسی کے لانبے قد کی تو کسی کے خوب صورت ہونٹوں کی، ہماری آنکھیں چھوٹی، بال چھوٹے اور قد بھی بانس جیسا لمبا نہیں ہے لیکن اتنا ضرور ہے کہ عام طور پر لوگ تعریف کر دیتے ہیں کہ تم اچھی ہو۔ میرا خیال ہے کہ اب اتنا ہی کافی ہے کہ خدا تعالیٰ نے پورے ہاتھ پیر دیے ہیں صحت دی، دماغ دیا اور کسی حد تک شکل بھی ٹھیک ٹھاک دی ہے اس کا شکر ادا کرتی ہوں۔

یہ بھی بڑا مشکل سوال ہے کہ مجھے اپنی کونسی عادت پسند ہے ایک بہت بڑی عادت تو یہ ہے کہ ہر ایک کے مسئلے کے لیے خود بھی لگ جاتے ہیں۔ اکثر لوگ کام نکلوا کر بالکل بھول جاتے ہیں کہ روحیلہ بی بی ہمارے کسی کام آئی تھیں پھر گھر والے مذاق اڑاتے ہیں، (ایسے اب عادی ہو گئے ہیں) دراصل کام بھی ایسا ہی ہے اب کیا کر سکتے ہیں۔ ہر ایک کے کام آتے ہیں۔ صدق دل سے اچھا برا تاؤ کرتے ہیں ہمت بندھاتے ہیں لوگ دعا کروانے کے لیے فون کرتے ہیں۔ ایک بار ایک آرٹسٹ نے ہمیں کہا تھا "روحیلہ تم بہت مذہبی ہو گئی" اور تھوڑے دنوں بعد موصوف کا فون آ گیا کہ میرے لیے دعا کرنا۔ بہرحال شاید یہ ہی اچھی عادت ہے کہ اگر کوئی کام نکلوانے کے بعد ہمیں بھول جائے تو اوپر والا تو یاد رکھتا ہی ہے اور سب سے زیادہ ضروری یہ ہی ہے۔

۲۔ خواتین ہو، شعاع ہو یا کرن یہ تو بات طے ہے کہ تینوں پرچوں میں لکھنے والی مصنفین کا ایک مقام ہے اور یہ لوگ غیر معیاری تحریر شائع نہیں کرتے تمام قاری بہنوں کی طرح میں بھی عمیرہ احمد، راحت جبیں، نگہت عبداللہ اور بہت سی دوسری رائٹرز کو پسند کرتی ہوں۔ عمیرہ تلخ حقیقتوں کو بیان کرنے میں مہارت رکھتی ہیں لیکن کبھی کبھار نہایت خشکی سے تلخ بات کر جاتی ہیں جو ان کے مزاج سے مختلف محسوس ہوتا ہے لہٰذا انہیں یہ ہی پیغام دینا ہے کہ زبردست طریقے سے یوں ہی لکھا کریں لیکن "امبر بیل" کی طرح بہت زیادہ قنوطیت سے پرہیز کریں۔ باقی یہ کہ مجھے ہر اس رائٹر کی تحریر اچھی لگی ہے جو کسی پیغام سے بھرپور ہو میرا خیال ہے کہ پیار محبت اپنی جگہ درست ہے لیکن اس کے رنگوں کو اتنا شوخ نہیں دکھانا چاہیے کہ ہماری کم عمر پڑھنے والی لڑکیاں ان رنگوں میں کھو جائیں اور پھر مائیں لکھنے والی خواتین کو الزام دیں۔

۳۔ میری دعا ہے کہ کرن خوب ترقی کرے گو کہ اس نے کم عرصے میں نام، مقام بنا لیا ہے مجھے امید ہے کہ یہ ترقی کی اور منازل طے کر کے بام عروج پر پہنچے ویل ڈن کرن۔

۴۔ خواتین ڈائجسٹ میں مارچ ۲۰۰۱ء میں شائع ہونے والا ناولٹ "محبتوں کو امر کر لیں" میرے خیال میں ایک اچھی بامقصد تحریر تھی جسے قاری بہنوں نے بھی پسند کیا تھا۔

عظمیٰ منیر عالم

پہلے سوال کا جواب دینے سے پہلے "کرن" کو اس کی سالگرہ کی آمد پر بہت بہت مبارکباد اس دعا کے ساتھ کہ آنے والے سال اس کے لیے بے بہا کامیابیوں کی نوید لے کر آئیں۔

۱۔ اگر سوال میں برائی بتانے کی فرمائش ہوتی تو یقیناً" میں آنکھیں بند کر کے ایک طویل لسٹ پیش کر سکتی تھی۔

لیکن اب ایک تو خوبی اور اوپر سے جو لوگوں کو پسند بھی ہو یعنی کہ "بہت ہی خوبی" اس کا تو دور دور تک کوئی نشان نہیں مل رہا۔

ہاں ایک بات اور آج کل کے اس مکینیکل دور میں جو کچھ اب لوگوں کی پسند رہ گیا ہے وہ سب میری ڈکشنری میں تو کہیں بھی خوبی کی تعریف میں نہیں آتا اور تھوڑا سا مسئلہ مجھے لفظ "لوگ" کے ساتھ بھی ہے۔ جس طرح کے لوگ ہم سب بنتے جا رہے ہیں وہ سب بھی لوگوں کی تعریف میں نہیں آتا۔ ہاں البتہ دوستوں کی بات اور ہے۔

اور میری بہت پیاری دوست گل رخ نے ایم اے فائنل کے دوران ایک مرتبہ فرینڈز کی گیدرنگ میں، میرے بارے میں یہ کہا تھا کہ میں بہت Selfless ہوں تو شاید.....!

میری وہ عادت جو مجھے بہت سا اندرونی حوصلہ بخشتی ہے وہ ہے۔ اللہ کے ہاں ہمیشہ نیک گمان رکھنا۔ کڑے امتحانوں میں سے گزرنا، ٹوٹنا، اور ٹوٹ کر بکھرنے کے باوجود ہر مرتبہ نیلگوں آسمان کی وسعتوں میں پھر اسی سے رجوع کرنا اس ایمان کے ساتھ کہ جس نے امتحان

کے لیے اگر منتخب کیا تھا تو اس میں سے پار گزرنے کا حوصلہ بھی عطا کیا۔

۴۔ کوئی فارمل پیغام تو نہیں البتہ ایک بات کہنی ہے جو میں پہلے اپنے آپ تک اور پھر سب تک پہنچانا چاہوں گی دراصل ہم لوگ، ہمارا میڈیا، معاشرہ، ہمارے رویے، رشتے کچھ اتنے زیادہ ماڈرنزم اور کمرشلائزیشن کا شکار ہو چکے ہیں کہ ہم لوگ بولڈنیس اور کانفیڈنیس کو Tolerance کے ساتھ کنفیوژ کرنے لگے ہیں۔ ہم سمجھنے لگے ہیں کہ اگر ہمارے ہاں کہیں بھی کوئی بھی بھولے سے ہی سہی برداشت اور صبر کا مظاہرہ کر لیتا ہے تو وہ یقیناً" بہت بری طرح سے بولڈنیس اور کانفیڈنیس کی کمی کا شکار ہے۔ حقیقتاً" ان دونوں رویوں کے درمیان بہت واضح، مکمل اور قابل غور فرق موجود ہے۔ بس ہمیں اپنی کوششوں سے اسی شعور کو اجاگر کرنا ہے۔

۳۔ سالگرہ کے حوالے سے آج کل شاندار تقریبات، فنکشنز اور پر اہتمام پارٹیز اب لازم و ملزوم ٹھہرنے لگی ہیں۔ اس سب کے ساتھ ساتھ اگر گزر جانے والے سال کو قطعی غیر جانبداری سے ایک تنقیدی جائزے کے تکلیف دہ مراحل سے گزار لینے کا حوصلہ پیدا کر لیا جائے تو یقیناً" اس دلچسپ رسم کو بھی کسی حد تک مقصدیت کے دائرہ میں لایا جا سکتا ہے۔

۴۔ میں نے ابھی تک خاصا کم لکھا ہے بلکہ شاید اتنا کم کہ اگر کبھی خود اپنی کوئی تحریر تلاشنی پڑ گئی تو یقیناً" ایک عدد مائکرو اسکوپ کی ضرورت پڑے گی۔ تو پھر ایسے میں پسندیدہ تحریر تو......!

ہاں البتہ انشاء اللہ مستقبل قریب کے لیے ایسی کوئی امید ضرور کی جا سکتی ہے۔

انیلا شمیم کرن

ا۔ ویسے تو یہ ضروری نہیں ہے کہ آپ کی جس خصوصیت کو چار لوگ پسند کر رہے ہوں۔ پانچواں بھی اسے پسند کرے۔ کیونکہ پسند اور ناپسند کے معاملے میں ہر ایک کا اپنا اپنا معیار ہوتا ہے۔ لیکن پھر بھی میری جس خوبی یا خصوصیت سے نسبتاً" زیادہ لوگ متاثر ہوتے ہیں۔ وہ میری سادہ مزاجی اور اپنائیت ہے۔ مجھ سے بہت کم فارمل رہا جاتا ہے۔ ہر کسی پر خلوص نچھاور کرنے کی عادت غالباً" مجھ میں پیدائشی طور پر پائی جاتی ہے۔ خود مجھے اپنا محنتی ہونا اچھا لگتا ہے۔

۲۔ ساتھی مصنفین میں سے میرا پیغام بشریٰ سعید کے نام ہے۔ بشریٰ جی! آپ بہت خوب لکھتی ہیں۔ سنجیدہ اور مزاح دونوں لکھنے میں آپ کا جواب نہیں۔ آپ کا لکھا ہوا ناول "میں تارا تارا جاگوں تیرے نام" جو کہ دسمبر ۲۰۰۲ء کے کرن میں شائع ہوا تھا۔ میرے فیورٹ ترین ناولز میں سے ایک ہے۔ میں نے اسے کئی بار پڑھا اور ہر بار نئے سرے سے محظوظ ہوئی۔ آپ اکثر لکھا کیجیے۔ آپ کی تحریروں کا انتظار رہتا ہے۔

۳۔ سالگرہ کے حوالے سے مجھے خلیل اللہ فاروقی کی ایک نظم بہت پسند ہے اور میں جس دوست کو بھی اس کی سالگرہ پروش کروں۔ اس کے نام لکھے گئے کارڈ پر یہ نظم ضرور لکھتی ہوں۔ نظم چونکہ لمبی ہے۔ اس لیے اس کا تھوڑا سا حصہ ہی یہاں لکھ رہی ہوں۔

ہم تو صرف دعا گو لوگ
خاک و مہر کا کیا سنجوگ
پاس رہیں یا دور رہیں
وحشت سے رنجور رہیں
محفل تو آباد ہے نا
آج تمہاری سالگرہ ہے
دیکھو ہم کو یاد ہے نا

۴۔ میرے تو ابھی تک صرف دو ہی ناول شائع ہوئے ہیں اور ان دونوں میں سے مجھے اپنا پہلا ناول "بے خبر میں نہ تو" زیادہ پسند ہے جو اکتوبر اور نومبر ۲۰۰۲ء کے کرن میں دو حصوں میں شائع ہوا تھا۔

رخشی طیب

...میرے خیال میں جلد ہی لوگوں میں گھل مل ...نہیں جاتی اس لیے لوگ پہلی نظر میں مغرور جان لیتے ...ہیں لیکن ملنے کے بعد اکثریت کی رائے یہ ہوتی ہے ...کہ خوش اخلاق و مزاج رکھتی ہوں۔ بہرحال لوگ زیادہ ...بہتر سمجھتے ہوں گے۔

...میری عادتوں میں ایک عادت دوسروں کی طنزیہ ...باتوں کو درگزر کرنا اور برداشت کرنا سو یہ عادت مجھے ...پسند ہے لیکن میری اس کمزوری سے لوگ فائدہ ...اٹھاتے ہیں یا ہرٹ کرتے ہیں بہرحال ایک اچھی ...عادت رکھنا اللہ کی دین ہے اس کا شکر ہے۔

...ساتھی مصنفین تو زور شور سے قیامت کا سماں ...برپا کر رہی ہیں ان میں سے ایک نبیلہ ابر راجہ آج کل ...نظر نہیں آ رہی ہیں کیا زبردست اسلوب تحریر ہے اور ...دل کو چھو لینے والے مقناطیسی الفاظ اور بھرپور جملے ان ...کی تحریروں کا حصہ ہیں۔ ان کی ہر تحریر تقریباً" بڑے ...شوق و دلچسپی سے پڑھتی ہوں نبیلہ کے لیے ایک پیغام ...ہے کہ آپ کیسے ایک موضوع ہی پر مختلف انداز سے ...اٹھا لیتی ہیں۔ یہ آسان بات تو نہیں مثلاً" ہیرو یا ...ہیروئین کا ایک دوسرے سے نفرت کرتے رہنا، مجبوری میں نکاح ہونا، اس کو نہ ماننا اور ڈراپ سین پر پیچ اپ ہونا۔

۳۔ اپنے ہوش سنبھالنے کے ساتھ ہی خواتین اور اس کے بعد کرن کو اپنا بہترین ساتھی پایا۔ یہ خواتین کا زیور ہی تو ہے۔ جو خریدنے میں اتنا سستا اور برتنے میں انمول اور خوب صورت ہے محمود ریاض صاحب کی کاوشوں سے بنائے ہوئے گلدستہ کے پھولوں کی خوشبو سدا مہکتی رہے اور ہر سال کرن اس ماہ تاب سے چمکتا دمکتا رہے آمین۔

۴۔ جو لکھا وہ کچھ بھی تو قابل تعریف نہیں لیکن میری پہلی تحریر "خالی ڈبے" مجھے بہت پسند ہے اس میں میں نے ماحول کی مناسبت سے جملے بندی کی تھی میں کافی حد تک اپنی اس کاوش سے مطمئن ہوں۔

عشنا کوثر سردار

بے نگاہ آنکھوں سے دیکھتے ہیں پر۔ چہرہ
بے ...ہاتھوں سے
ان ...لفظوں پر انگلیاں گھماتے ہیں
یا سوالنامے کو دیکھتے ہی جاتے ہیں
حاشیے لگاتے ہیں
دائرے بناتے ہیں
یا سوالنامے کو دیکھتے ہی جاتے ہیں

آہ...! کرن ہم مصنفین کو خاصی مشکل میں ڈال دیا ہے؟ دوسروں کا تو پتہ نہیں لیکن خود اپنی کیفیت اسی طالب علم سی محسوس کر رہی ہوں جو کمرہ امتحان میں بیٹھا مشکل سے سوالنامے کو بغور دیکھتے ہوئے خود کو تیار کر رہا ہو کہ کون سا سوال پہلے حل کرے لیکن میرا خیال ہے ایسا ممکن نہیں ہمیں سوالنامے کو ہر صورت حل کرنا ہے۔

ا۔ آپ کی شخصیت کی کون سی ظاہری خوبی ہے جسے لوگ پسند کرتے ہیں اور خود آپ کو اپنی کون سی عادت پسند ہے؟ ہوں دو حصوں پر مشتمل یہ سوال خاصا دقیق اور پیچیدہ نوعیت کا حامل ہے۔

کیا کہوں ؟ کہ بے شمار، بے حساب لاتعداد اور انگنت خوبیاں سامنے آتی چلی جارہی ہیں۔ اتنی کہ جگہ کم پڑ جائے گی۔ مگر خوبیاں ختم نہیں ہوں گی۔ مگر بات دوسروں کی کی گئی ہے۔

لوگوں کا خیال ہے سوفٹ اسپوکن ہوں۔

خود اپنی عادت جو مجھے بہت پسند ہے۔ میں بہت زیادہ محبت کرنے والی، خیال رکھنے والی ہوں بہت خلوص سے ملتی ہوں۔ دل سے ملتی ہوں۔ ورنہ نہیں ملتی بہت سے لوگ رکھ رکھاؤ کو ملتے ہیں۔ دکھاوے کو ملتے ہیں۔ دلوں میں میل رکھتے ہیں اور بظاہر چہروں پر چہرے لگائے اپنے اندر کی بھرپور نفی کرتے ہیں۔ مجھے یہ پسند نہیں۔ بہت حد تک بیزار ہوں اور یہی عادت کہہ سکتی ہوں بہت اچھی بھی ہے۔

۲۔ اپنی ساتھی مصنفین کے نام خصوصی پیغام! یا پھر ان کی تحریر کے حوالے سے جو میں کہنا چاہتی ہوں!

دراصل نصیحتیں کرنا ایک دقیق فعل ہے اور اسے سننا، اور جھیلنا اس سے کہیں زیادہ دقیق۔ بس اتنا کہوں گی کہ جن ہاتھوں میں قلم ہے وہ ہاتھ بہت زیادہ خوش نصیب ہیں یہ وصف کوئی معمولی نہیں۔ قدرت نے بہت خاص لوگوں کو یہ وصف عطا کیا۔ تخلیقی عمل آسان نہیں دل و دماغ دونوں انوالو ہوتے ہیں اس میں اور ایسی نادر صلاحیتیں شاذونادر ہی کسی کے پاس ہوتی ہیں۔ خدا نے آپ کے ہاتھ میں قلم تھمایا ہے آپ کو ایک اہم منصب پر فائز کیا ہے سو اپنے مقصد کو پہچانیے اور اپنے قلم کے تقدس کو بحال رکھیے۔

بطور خاص خواتین رائیٹرز جو بشمول خواتین اور لڑکیوں کے لیے ادب لکھتی ہیں۔ برائے مہربانی لڑکیوں کے تقدس کا احساس کیجیے۔ لڑکیوں کے کردار کو مضبوط دکھائیے۔ ٹھیک ہے مرد حکمران ہے۔ مگر لڑکی کے وقار کی نفی مت کیجیے۔ میں نے اکثر دیکھا ہے کہ لڑکیاں یا خواتین لکھتے وقت لڑکی کی کردار نگاری میں زمین آسمان کے قلابے تو ملا جاتی ہیں۔ مگر لڑکی یا عورت کے کردار کو بے حد محکوم کر دیتی ہیں۔ لڑکیوں پر تشدد دکھانا انہیں پاؤں پر گرتے ہوئے دکھانا قابل مزمت ہے۔ اپنے تقدس کی نفی کرنا ٹھیک نہیں۔ ٹھیک ہے فطری جذبے اپنی جگہ اہمیت رکھتے ہیں۔ مگر نسوانی وقار سے زیادہ کوئی شے اہم نہیں۔ لکھنے والی خواتین پر یہ ذمے داری زیادہ عائد ہوتی ہے۔ آپ بیٹی بہن اور ماں ہیں اپنے رتبے اپنے تقدس کا احساس کیجیے اور دوسروں کو بھی دلائیے۔ مزید برآں یہ کہ سب اچھا لکھ رہی ہیں۔ بہت اچھا لکھ رہی ہیں۔ میں تو ابھی خود طفل مکتب ہوں۔ بس یہ ہے کہ منفی کرداروں کا خاتمہ کیجیے۔ پڑھنے والوں کو مثبت سوچ دیجیے۔ سب اچھا نہیں ہے۔ آپ بھی جانتے ہیں میں بھی جانتی ہوں۔ مگر سب کچھ برا بھی نہیں ہے۔ دنیا رنگوں سے بھری پڑی ہے۔ ظلم، تشدد، منفی سوچوں اور ردعمل سے ہٹ کر بھی کچھ ہے۔ جو ہم سب مل کر پیش کر سکتے ہیں۔ پڑھنے والوں کے سامنے لاسکتے ہیں۔ نصیحتوں کی پٹاری بند

۳۔ سالگرہ کے حوالے سے کوئی خوب صورت جملہ، بات، کوئی شعر یا پیغام، یہ سب کچھ بتانا ہے یا فقط ایک!

کرن کی برتھ ڈے کے حوالے سے مجھے اپنے دوست خلیل اللہ فاروقی نظم بھی یاد آرہی ہے۔

جلتی شمعیں، روشن چہرے
کامنی لڑیاں، نازک سہرے
نرگس، بیلا، موتیا، لالہ
جوہی، چمپا اور بنفشہ
ہر کوئی یارو شاد ہے نا
آج تمہاری سالگرہ ہے
دیکھو ہم کو یاد ہے نا!

ڈیئر کرن سالگرہ مبارک ہو تمہیں۔

۴۔ اب تک جو لکھا اس میں اپنی پسندیدہ تحریر! تو لکھنے والے کو اپنا سبھی کچھ لکھا اچھا لگتا ہے۔

(سروے کا باقی حصہ آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

مجھے سب سے یاد ذرا ذرا

ایشا مریم

لمحہ لمحہ گزر جانے والا وقت یادیں ڈھل رہا ہے اور یادیں خوش نما ہوں تو اس کے رنگ آنکھوں میں بسے رہ جاتے ہیں۔ یوں گل رنگی، خوش نظری بن جاتی ہے۔ اچھی یادیں یوں بھی سرمایہ ہوتی ہیں۔ کتاب میں رکھے گلاب کی طرح۔ جس کی خوشبو ورق ورق میں بس جاتی ہے۔ ان خطوں کی طرح، جس کے لفظ مٹ گئے ہوں۔ تحریر اپنی دھندلاہٹ کے ساتھ پھر بھی سطر پر موجود ہو۔ کسی نرم مسکراہٹ کی طرح جو ان کہی بات پر لبوں سے ابھری ہو۔ اور معدوم ہو گئی ہو۔ ایسی ہی کوئی یاد.... آپ کی زندگی کے خوبصورت سفر میں بھی، کسی واقعہ کی صورت، در آئی ہو۔ ہمیں لکھیے ہم شائع کریں گے تاکہ اس خوبصورت سفر میں ہماری اور بھی قاری ہمنیں شریک سفر ہوں۔

ذرا تصور کریں اس بے چینی اور اضطراب کا کہ آپ فاصلوں کو پلک جھپکتے ہی سمیٹنا چاہتے ہیں لیکن راستہ ہے کہ چھلاوے کی طرح ہاتھ سے پھسلتا ہی جا رہا ہے۔ ایسا ہی ایک سفر چند سال پہلے میں نے اپنی امی کے ساتھ کیا اور وہ اپنی جزئیات سمیت میرے حافظے میں محفوظ ہے اور مجھے یقین ہے کہ ہمیشہ رہے گا۔

دراصل اس سفر میں ایڈونچر کم اور ٹینشن زیادہ تھی ۔۔ ٹینشن بھی ایسی کہ کوئی بہت ہی عزیز ہستی آپ کا سب سے پیارا رشتہ لمحہ بہ لمحہ آپ سے دور ہو رہا ہو اور آپ اس کے قریب جانے کی تگ و دو میں وقت اور قسمت کی ستم ظریفی کا شکار ہو رہے ہوں۔

ٹرین پہلے ہی چار گھنٹے لیٹ تھی ہم پنڈی اسٹیشن پر اترے تو شام گہری ہو چکی تھی بڑے ماموں کے گھر فون کر کے صورت حال معلوم کی تو پتا چلا کہ نانا جان اپنی سب سے لاڈلی بیٹی کے ہی منتظر ہیں اور پنڈی رات کو ٹھہرنے کے بجائے فوری طور پر ہمیں بس میں بیٹھ جانا چاہیے بس کا سفر پانچ گھنٹوں پر محیط تھا راولا کوٹ جانے والی یہ آخری بس تھی جس میں مسافر کم اور پھل و سبزیاں و دیگر اشیائے خورد و نوش زیادہ تھیں، مسافروں میں خواتین کی تعداد بس دو تھی پنڈی اسٹیشن پر ہمارے ایک قریبی عزیز نے ہمارا استقبال کیا تھا جو ہمارے انتظار میں ہی تھے۔

بہرحال اب ہم تین افراد تھے ڈرائیور کے بالکل پیچھے والی سیٹ ہماری تھی۔ ۹ بجے (وہاں کی بسیں عموماً کراچی کی کوچوں جیسی ہوتی ہیں)

ڈرائیور نے اپنی سیٹ سنبھالی کم عمر اور قدرے کھلنڈرے سے ڈرائیور نے امی کو ہولا دیا تھا۔ ایک تو رات کا سفر اور پھر ناتجربہ کار ڈرائیور (بقول امی) بہرحال سفر کے آغاز میں ہی آیات کا ورد شروع ہو گیا تھا۔

گو کہ ہم لوگ کئی سالوں سے کراچی تا پنڈی اور پھر راولا کوٹ تک کا سفر کر رہے ہیں لیکن اس دفعہ کے سفر میں نئی بات صرف یہ تھی کہ یہ سفر رات کے گھپ اندھیرے میں ہو رہا تھا۔ چاند کی روشنی بھی مدھم تھی کیونکہ قمری مہینے کا آغاز تھا۔ شہروں میں گھپ اندھیرا نہیں ہوتا اس لیے بہت سارے لوگ اس خوف کو محسوس نہیں کر سکتے جو پنڈی کے مصروف ترین شہر سے نکلنے کے بعد مضافات کے سفر کے دوران شدت سے محسوس ہوتا ہے۔ چلیں مضافات تک خیر ہے

کہیں کہیں دیا سلائی جلتی محسوس ہوتی ہے۔ اور تسلی ہوتی ہے کہ آدم زاد کا وجود ہے لیکن مضافات تو ڈرائیور کی پھرتی کے باعث پلک جھپکتے گزر جاتے ہیں اور پھر اس کے بعد جو سفر شروع ہوتا ہے وہ سراسر جنگلوں بیابانوں اور ویرانوں میں ہوتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ آزاد کشمیر پاکستان کی شہ رگ ہے لیکن پاکستان سے آزاد کشمیر تک جانے والے راستے میں اتنی خوفناک کھائیاں، پیچیدہ موڑ اور دیو ہیکل پہاڑ ہیں کہ ان پر چلتے ہوئے ساری محبتیں ایک طرف رہ جاتی ہیں اور صرف یہ سوال ذہن میں کلبلانے لگتا ہے کہ پاکستان آزاد کشمیر کے ساتھ سوتیلے بچوں والا سلوک کیوں کرتا ہے۔

قارئین کی دلچسپی کے لیے آٹھ سال پہلے کی صورت حال واضح کر دوں کہ پنڈی سے راولا کوٹ صرف ایک سڑک ہیوی ٹریفک کے لیے ہے۔ کہوٹہ سے نکلنے کے بعد سڑک کی کشادگی ختم ہونا شروع ہو جاتی ہے آزاد پتن کا دریا عبور کرنے کے بعد حال یہ ہوتا ہے کہ ایک بس دوسری گاڑی کو اوور ٹیک کرنے کی ہمت نہیں کر سکتی ورنہ.....!

اسٹریٹ لائٹ کا کوئی تصور نہیں، رات کی تاریکی، دیو ہیکل پہاڑوں اور گھنے درختوں کی وجہ سے مزید ہولناک ہو جاتی ہے۔ سڑک کے کنارے پٹرول پمپ اور چارپائی ہوٹل بھی ڈھونڈے سے نہیں ملے گا اور اگر دن کے اجالے میں کوئی ذی روح بکریاں چراتا ہوا نظر آئے تو فوری طور پر خیال آتا ہے کہ یہ بندہ بکریوں سمیت آسمان سے گرا ہے یا زمین سے اگا ہے کیونکہ دور دور تک آبادی کا نام و نشان نہیں ہوتا ہاں البتہ تیز اور خنک ہوائیں ضرور اٹھکیلیاں کرتی ہیں۔ اونچے لمبے پیڑ اور دیوار بھی آپس میں سرگوشیاں کرتے محسوس ہوتے ہیں اور اگر بارش ہو جائے تو سارا نظام درہم برہم صرف یہ خبر ساعتوں میں اترتی ہے کہ روڈ سلائیڈ کی وجہ سے گاڑیاں نہیں چل رہیں اور آزاد پتن کے دریا کے ساتھ ساتھ گاڑی یوں ہچکولے کھاتی ہے کہ آپ کو زندگی کے آخری سفر کا گمان ہونے لگتا ہے۔ (چونکہ صورت حال جوں کی توں ہے اس لیے میں نے کہیں بھی تھا کا صیغہ استعمال نہیں کیا) بہرحال ان سارے خطرات کے باوجود آزاد کشمیر اور پاکستان کے درمیان رشتے اور رابطے بحال ہیں اور سلام کرنے کو دل چاہتا ہے ان عظیم انسانوں کو جو ان دشوار گزار خطرناک راستوں میں "پرفیکٹ ڈرائیونگ" کرتے ہیں دراصل یہ ساری تمہید بھی ایک ڈرائیور کی مشاقی کو بیان کرنے کے لیے باندھی گئی ہے۔

سفر چونکہ گہری تاریکی میں ہو رہا تھا اس لیے گاڑی کی ہیڈ لائٹس روشنی کی لکیر سی بنا کر ماحول کی پراسراریت میں اضافہ کر رہی تھیں ڈرائیور کی خوش ذوقی کا اعلان کرتا ہوا بم میوزک مہیب سناٹے کو توڑنے میں کامیاب تھا مگر اس کے باوجود ہر ایک موڑ پر "خطرہ ہے" کے بڑے بڑے سائن بورڈ نگاہوں کے سامنے گھوم جاتے اور سارا ایڈونچر دھرا کا دھرا رہ جاتا۔

آزاد پتن کا پل عبور کرنے کے بعد ڈرائیور کا اصل امتحان شروع ہوتا ہے اور اس امتحان کی شدت کا اندازہ اس وقت لیجیے جب سفر کے دوران بس کی بجلی فیل ہو جائے، ہیڈ لائٹس اور بس کے اندر جلنے والے چھوٹے چھوٹے بلب بھی تاریک ہو جائیں۔ جی ہاں! یہ غیر متوقع حادثہ ہماری بس کے ساتھ پیش آیا تھا۔ بل کھاتی تنگ و تاریک سڑک پر ہماری بس اندھیرے میں ڈوب گئی تھی ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا اور جگہ بھی ایسی کہ جہاں کسی انسانی اور فنی امداد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

آگے کھائی پیچھے خندق..... سب نے سوچ لیا تھا کچھ دیر بعد اس ویرانے میں وحشی جانور ان کے گوشت سے اپنی تواضع کر رہے ہوں گے، ڈرائیور، کنڈیکٹر اور چند ایک مسافروں نے بہت کوشش کی کہ خرابی کو دور کیا جا سکے مگر رفتہ رفتہ سارے امکانات معدوم ہونے لگے اور یہ بات تو طے تھی کہ رات کے دوسرے پہر میں کسی گاڑی کی بجلی فیل ہو جائے تو بڑے سے بڑا مکینک بھی صبح ہونے کا انتظار کرے گا۔

مگر ڈرائیور کی مشاقی اور حوصلہ دیکھیے کہ وہ اللہ کا نام لے کر چل پڑا خطرہ تو دونوں صورتوں میں تھا۔ اس ویرانے میں ۔۔۔ ٹھہرنا بھی، تاریکی میں ڈرائیو کرنے

کے برابر ہی تھا۔

بس کی رفتار میں کوئی فرق نہیں آیا اور مسافروں کی زبانیں ورد کرنے لگیں۔ میں جو رات کے سفر کو تھرل سمجھتی تھی خوف کے مارے آنکھیں بند کر کے امی کی گود میں سر گھسا لیا تھا یاد تھا تو اتنا کہ اللہ ہمیں بخیر و خوبی نانا جان کے پاس پہنچا دے۔

ڈرائیور کی ذہنی بصارت اور بصیرت خوب کام کر رہی تھی کچھ دور تک تو ٹارچ وغیرہ کا بھی ساتھ رہا مگر کب تک آخر انہوں نے بھی آخری ہچکی لی اور اب ڈرائیور کے پاس صرف ایک حل تھا کہ وہ ماچس کی تیلی جلا کر ہاتھ میں رکھتا اور پھر اس نے یہی کیا۔

ہر ایک موڑ پر ہمارے دل اچھل کر حلق میں آجاتے اور وہ بڑی مہارت سے گاڑی موڑ کر سب کو حیران بالخصوص مجھے تو پریشان کر دیتا کیونکہ میں اندھیرے میں اندازہ لگاتی کہ گاڑی دائیں مڑے گی اور وہ بائیں موڑ دیتا (اسے شاید الہام ہوتا تھا)

سارے مسافروں نے اپنی اپنی ماچس اس کے حوالے کر دی تھی اور وہ ماچس کی تیلی جلاتا تو لمحے بھر کو روشنی کا جھماکا سا ہوتا اور یہی جھماکا اسے راہ دکھا دیتا۔

ڈرائیور ذہانت اور مہارت کی اعلا مثال قائم کرتے ہوئے کافی سفر طے کر چکا تو بس کے دو ٹائر ایک ساتھ پنکچر ہو گئے۔ ستم بالائے ستم... مسافر حضرات بس سے اتر کر سڑک کے کنارے بیٹھ گئے اور ہم خواتین کی حالت بری ہونے لگی (کون کون سے وہم تھے جو ستانے کو نہیں آ رہے تھے) ایک ٹائر تو اضافی موجود تھا لیکن دوسرا ٹائر کہاں سے آتا۔ ڈرائیور نے خوش مزاجی کا ثبوت دیتے ہوئے سب سے کہا کہ "اپنے اپنے گناہ معاف کروالیں۔" دوسرے ٹائر کے لیے کسی گاڑی کا انتظار تھا جو معجزاتی یا حادثاتی طور پر پیچھے سے آ رہی ہو، یا پھر جا رہی ہو... دو گھنٹے اس انتظار میں گزر گئے بس کے مسافروں نے کچی سبزیاں اور پھل کھانے شروع کر دیے تھے۔ رات کے ہولناک سناٹے میں پکنک کا سا سماں تھا حضرات خوش گپیوں میں مگن تھے اور ہماری جان سولی پر اٹکی ہوئی تھی ہمیں جلد از جلد گھر پہنچنا تھا مگر فاصلے سمیٹنے کی تگ و دو میں کیا کچھ نہ حائل تھے امی بے آواز آنسو بہا رہی تھیں اور میں کسی ہارر مووی کے سین ریوائنڈ کر رہی تھی۔

دو گھنٹے کے بعد اللہ نے سنی اور ایک ٹرک نے اضافی ٹائر ادھار دیا اور تھوڑی سی مشقت کے بعد پھر اسی جلتے بجھتے دیے والے سفر کا آغاز ہو گیا۔ ڈرائیور کی تھکان اتر چکی تھی اور وہ پہلے سے زیادہ تر و تازہ ہو کر ڈرائیو کر رہا تھا بس گہری تاریکی کے باوجود ہوا میں اڑ رہی تھی (ڈرائیور کا اعتماد دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا)

ہر حال بس جب ہمارے اڈے پر پہنچی تو فجر کی اذان ہو رہی تھی اور گھر پہنچنے تک صبح کا دھندلکا پھیل چکا تھا ہم لوگ تین گھنٹے لیٹ پہنچے تھے اور نانا جان کی آنکھیں تھک ہار کر ابدی نیند سو گئی تھیں۔

سفر تو بخیر و عافیت تمام ہو گیا تھا مگر جب میں وقت کے زیاں کا حساب لگانے بیٹھی تو مجھے پتا چلا کہ ٹرین چار گھنٹے اور بس تین گھنٹے لیٹ تھی۔ یہ سات گھنٹے اگر یہ سات گھنٹے ضائع نہ ہوتے تو امی نانا جان سے مل سکتی تھیں ان سے بات بھی کر سکتی تھیں اور میں بھی اپنے نانا جان کے بوڑھے ہاتھوں کا لمس اپنے چہرے پر محسوس کر سکتی تھی ماموں جان نے بتایا تھا وہ زندگی کے آخری لمحے تک بالکل ہوش و حواس میں تم لوگوں کو بار بار پوچھ رہے تھے۔

وقت نے بڑا ستم کیا تھا مگر مجھے تو یہ ستم اس پورے نظام کا لگتا ہے جو وقت کو ہرگز اہمیت نہیں دیتا۔ ٹرین لیٹ ہو جائے محکمہ ریلوے کو کوئی سروکار نہیں۔

آزاد کشمیر کے تعمیراتی و ترقیاتی ادارے کام کرتے ہوئے نظر آئیں تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے آنکھیں کوئی خوب صورت خواب دیکھ رہی ہیں۔ (خواب تو شاذ و نادر ہی خوب صورت ہوتے ہیں) کاش کہ آزاد کشمیر کی تعمیر و ترقی، سڑکوں کی درستگی اور ذرائع مواصلات کے نظام کی بہتری کا خواب شرمندہ تعبیر ہو اور اہل کشمیر بھی نئے دور میں داخل ہو کر مسافروں اور سیاحوں کو تمام تر گرم جوشی کے ساتھ خوش آمدید کہہ سکیں۔

☆ ☆

آواز دے کہاں ہے

ریحانہ علی احمد

ماہنامہ کرن کو اس کی سالگرہ کے موقع پر یہ نظم بطور پیغام

بے خودی یہ لبوں کی ہنسی مبارک ہو
تمہیں یہ سالگرہ کی خوشی مبارک ہو
کبھی نہ آئے کوئی غم قریب تمہارے
جہاں میں سب سے اچھے ہوں نصیب تمہارے
خلوص پیار بھری دوستی مبارک ہو
تمہیں یہ سالگرہ کی خوشی مبارک ہو

وہ رفعتیں ہوں بلندی بھی تجھ پہ ناز کرے
تمہاری یہ عمر خدا اور دراز کرے

نازیہ خان کا پیغام...... ایبٹ آباد سے

اپنے بھائی کے نام بہت پیارے اور اچھے بھائی مقبول بلوچ ہمیشہ خوش رہیں اور آپ نے جو خواب اپنے مستقبل کے لیے دیکھے ہوئے ہیں۔ خدا انہیں پورا کرے اور آپ کے لیے ایک شعر۔

تنہائی کا دکھ گہرا ہوتا ہے۔ سرما کی طویل راتیں ہوں یا پیلی دھوپ بھری اداس دوپہریں، بے نیازانہ چلتے چلتے لمحہ بھر کے لیے کوئی دیکھا بھالا منظر نظروں کے سامنے آتا ہے اور یادوں کے بہت سے در وا کر جاتا ہے۔ یادوں کے تہ خانے میں محفوظ وہ لمحات جو اثاثۂ کل ہوتے ہیں۔ انہیں کھول کر بیٹھو تو خوبصورت چمکتی یادیں، اذیت دیتی یادیں، لبوں کو مسکراہٹ بخشنے والی یادیں اس وقت کیسے رنگ جماتی ہیں، یہ وہی جانتے ہیں جو حساس دل رکھتے ہیں۔

جانے والے واپس لوٹنے کے لیے نہیں جاتے لیکن کبھی کبھی دل سے ہوک سی اٹھتی ہے کہ

بچھڑے ہوئے لوگوں کو صدا دے اے دل
تیری آواز پہ شاید کوئی مڑ کر دیکھے

اور پھر صرف ایک صدا ہی دینا تو ہماری دسترس میں ہوتا ہے۔ پلٹنے کا اختیار تو بہر حال مسافر کو ہی ہے۔ اور کبھی یوں بھی ہوا ہے کہ جانے والے منتظر رہتے ہیں کہ

بچھڑے ہوئے یاروں کی صدا کیوں نہیں آتی
اب روزنِ زنداں سے ہوا کیوں نہیں آتی
اے موسم خوشبو کی طرح روٹھنے والے
پیغام ترا لے کے صبا کیوں نہیں آتی

کبھی یادوں کی پٹاری کھولو تو کیسی رنگ برنگی یادیں جگنوؤں کی طرح آنکھوں کو خیرہ کرتی ادھر ادھر بکھر جاتی ہیں۔ کچھ یادیں تحریر کی صورت میں ہمارے پاس محفوظ ہوتی ہیں۔ جبھی تو شاعر نے "حسینوں کے خطوط اور تصویر بتاں" کو زندگی کا سرمایہ قرار دیا ہے۔ "آواز دے کہاں ہے" کے عنوان سے ہم آپ کی ان یادوں کے سلسلے کو جگہ دے رہے ہیں۔ وہ دوست احباب، پیارے اور دشمن جاں جو آپ سے دور ہیں اور آپ چاہتے ہیں کہ انہیں کوئی پیغام دیں، اس کے لیے آپ قلم کا سہارا لیں اور ہمیں ارسال کر دیں۔ ہم اسے شائع کر کے اس کی خوشبو سے قارئین کے ذہنوں کو بھی معطر کریں گے۔ اور کیا خبر کہ کوئی، آپ کی صدا کا منتظر ہو۔

پانچویں روز آنے کا وعدہ کیا ہے اس نے
کسی سے سن لیا ہو گا زندگی چار روزہ ہے

نسیم سردار کا پیغام گوجرانوالہ والا سے

مونگی میں مقیم اپنی بہن سائرہ ظہیر کے نام سائرہ ظہیر کی شادی کی سالگرہ کے موقع پر یہ پیغام دینا چاہتی ہوں۔

نئی دنوں کے نئے سفر میں
دھیان رکھنا خاموش چپ چاپ
کچھ ان کہی ان ساعتوں نے سونپ ڈالے
نئے تقاضے رفاقتوں کے
دھیان رکھنا کہ اپنے حصے کے سب
تقاضے نبھانے ہیں

فرزانہ وسیم کا پیغام سعودی عرب میں مقیم اپنی بہن حمیرا ممتاب کے نام

ڈھیر ساری دعاؤں کے ساتھ تم دونوں کو حج کی سعادت حاصل کرنے پر بہت بہت مبارک باد ساتھ ہی سالگرہ مبارک ہم سب تمہارا شدت سے انتظار کر رہے ہیں کہ تم اپریل میں پاکستان ضرور آؤ گی۔

ناز کالاہور سے پیغام اپنی دوست تبسم کے نام

"میری بہت بہت پیاری اور تھوڑی سی بیوقوف دوست تبسم، کیسی ہو اور اتنی دور بیٹھی کیا کر رہی ہو۔ اینڈ ہیپی برتھ ڈے یعنی سالگرہ مبارک کاش تم بھی کچھ پڑھ لکھ لیتیں اور پیارے لوگوں کی طرف سے پیاری سی نظم تمہارے لیے۔

چلو تم کو بتاتے ہیں
کہ تم کو دیکھ کر دل نے
کہا تم رشتہ جاں سے بھی بڑھ کر ہو
دعا کی سرحدوں پر
جو ادھوری ہے، میری ایسی تمنا ہو
تم ہی دل کا سہارا ہو
جو روح کے آسماں پر جگمگایا ہے محبت سے

افشاں کا پیغام لندن میں مقیم کرن سرمد اور زین کے نام

"سالگرہ مبارک ہو"
میری دعا ہے
تم عمر عزیز کے اس سال سے
خوب خوشیاں سمیٹو
پھول کی خوشبو بن کے مہکو
یہ سال تمہارے لیے
خوشیوں کا پیغام لائے

فاکہہ فردوس کا پیغام چاچڑاں شریف میں مقیم اپنی پھوپھو اور کزنز کے نام

جنہوں نے دولت کو محبتوں اور رشتوں پر فوقیت دی۔ ان خوبصورت رشتوں کا مان کھو دیا۔ وہ لوگ یہ بات بھول چکے ہیں کہ یہی رشتے ناطے تو متاع حیات ہوتے ہیں۔ دولت تو آنی جانی چیز ہے۔ لیکن اگر اسی میں خوش ہیں تو ہماری دعا ہے کہ وہ جہاں بھی رہیں خوش رہیں۔ ہمیں ان سے کوئی شکایت نہیں ہے شاید اس میں زیادہ قصور ہمارا ہے کہ ہم نے انہیں محبتیں بے حساب دیں جن کا انہوں نے یہ ریٹرن دیا کہ ہر رشتہ ہر تعلق توڑ دیا اپنے اور ہمارے درمیان کبھی نہ ختم ہونے والی دیوار کھڑی کر دی جس کو کراس کرنا ہمارے لیے ناممکن ہے۔

حسینہ ریاض کا شجاع آباد سے پیغام

اپنے بہت ہی پیارے بھانجے ملک حارث اور جان سے عزیز بھانجی حرا حسن کے نام اللہ تم دونوں کو لمبی زندگی دے تم ہمیں بہت یاد آتے ہو پلیز ہمیں یاد رکھا کرو۔ اپنی بہت ہی پیاری دوست صغری کے نام اور مصباح کے نام، اور بہت ہی قابل احترام ہستی کے نام جن کی سالگرہ مارچ میں ہے ان سب کے لیے یہ دعائیہ شعر۔ قدم قدم پہ ملے اک نئی خوشی تم کو
اندھیری راہ میں مل جائے روشنی تم کو
میری دعا ہے خدا سے کہ کاش لگ جائے
میری حیات کے لمحوں کی تازگی تم کو

رابعہ جتوئی کا لاڑکانہ سے پیغام

کراچی میں مقیم میرے کزن راجا ندیم اور ارم کے نام۔

تمہیں کتنا چاہتے ہیں
کبھی تم نے یہ بھی سوچا
کہ تمہارے دل گرفتہ
تمہیں کتنا چاہتے ہیں
تمہیں زندگی سے بڑھ کر
جو عزیز ہم نے جانا
سو کوئی سبب تو ہو گا
کبھی تم نے یہ جانا

المطرہ کا پیغام

دوستی کی پہلی سالگرہ پر ایک خوب صورت نظم دوست کے لیے۔

تیرا جیون
اور جیون کے سارے لمحے
ان لمحوں کے سارے دکھڑے
سارے غم سارے آلام
میرے دوست
میرے نام
میرا جیون
اور جیون کی ساری گھڑیاں
ان گھڑیوں کی ساری خوشیاں
سارے سکھ سارے آرام
میرے دوست
تیرے نام

شازیہ ریاض کا گھاروسے پیغام

دھابے جی میں مقیم اپنی پیاری سی دوست حبیب فاطمہ کے نام۔

ڈیئر ۲ مارچ کو آپ کی شادی ہے میری طرف سے بہت بہت مبارک ہو۔ اب کیا کہوں کہ "جا کے سسرال گوری میکے کی لاج رکھنا۔"

سائلہ خان کا پیغام اپنی دوست تحسین کے نام

"کیسی ہیں آپ اور ایگزامز کی تیاری کیسی ہو رہی ہے۔ امید ہے آپ کی تیاری اچھی ہو گی۔ ہماری دعاؤں سے انشاء اللہ آپ ضرور کامیاب ہوں گی۔

تیری حیات کا ہر لمحہ شادماں گزرے
بہار سجدہ کرے تو جہاں جہاں گزرے
خدا نصیب کرے تجھ کو نصیب کی خوشبو
تو سرخرو ہو کہ جب کوئی امتحان گزرے

انیلا شمیم کا فیصل آباد سے پیغام

ملتان میں رہائش پذیر اپنی بہت عزیز دوست عدیلہ خورشید کے نام۔

بینا ڈیئر! زندگی کے سفر میں انسان بہت سارے لوگوں سے ملتا اور بچھڑتا ہے جن میں سے کچھ لوگوں کو وہ بھول جاتا ہے۔ مگر کچھ ہمیشہ اس کے ساتھ رہتے ہیں خواہ انہیں بچھڑے کتنا ہی عرصہ کیوں نہ بیت جائے۔ میرے لیے تم بھی انہیں لوگوں جیسی ہو۔ اس لیے یہ نظم میں خاص تمہارے لیے لکھ رہی ہوں۔

مقدر کے ستاروں پر
زمانوں کے اشاروں پر
اداسی کے کناروں پر
کبھی ویران شہروں میں
کبھی سنسان رستوں پر
کبھی حیران آنکھوں میں
کبھی بے جان لمحوں پر
مجھے تم یاد آتے ہو

عائشہ بشیر کا سیالکوٹ سے پیغام اپنی فرینڈ تابندہ الطاف کے لیے

تابندہ تم سے بچھڑے مجھے دو سال ہو گئے ہیں۔ لیکن میں تم کو اب بھی یاد کرتی ہوں اور مجھے ہمیشہ کی طرح تمہاری سالگرہ یاد رہتی ہے ۳۱ مارچ اور مجھ سے ملنے ضرور آنا۔

شازیہ ناہید کا کھاریاں سے پیغام

۱۳ مارچ کو میرے چھوٹے بھائی اسد علی کی سالگرہ اور ۲۲ مارچ کو میرے ابو عبدالواحد کی سالگرہ اور ۱۴ مارچ کو نرگس یاسمین کی سالگرہ ہے سب کو دل کی گہرائیوں سے سالگرہ مبارک ہوں۔

☆ ☆

سنجیدہ سلطانہ

ادارہ

یہ میری خوش نصیبی ہے کہ مجھے ایف ایم کے مشہور پریزنٹو جیسا جیون ساتھی ملا ۹۵-۳-۲۳ کو میں نے ان کے نام کی انگوٹھی پہن لی۔

میرا مکمل نام سنجیدہ سلطانہ ہے اور پھر میں ان کے نام سے منسوب ہو گئی شب و روز یونہی گزرتے رہے۔ میں بہت شوق سے ایف ایم سنا کرتی تھی اور پھر وقت گزرتے ہوئے پتہ نہ چلا میں مسز شوبی بن کر ان کے آنگن میں آ گئی۔

مجھے گھریلو کاموں سے زیادہ دلچسپی ہے اور بہترین کھانے پکانے کا شوق ہے۔ میں بہت خوش نصیب ہوں کہ مجھے ایک مشہور ہستی ملی میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ وہ میرے جیون ساتھی بنیں گے۔ اچھی کتابیں وقت ملنے پر ضرور پڑھتی ہوں۔ فرق اتنا ہے کہ پہلے میں باقاعدگی سے ڈائجسٹ پڑھتی تھی مگر اب بچے کے سونے کا انتظار کرتی ہوں۔ میوزک سے دلچسپی ہے خوب صورت غزلیں اور گیت ضرور سنتی ہوں۔

یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہوتی ہے کہ کبھی کبھی بن مانگے ہی بہت کچھ حاصل ہو جاتا ہے۔ میرے شوہر ہمیشہ گھر کے کھانے کو فوقیت دیتے ہیں ہوٹل کے کھانے سے وہ بغیر کھائے رہنا زیادہ بہتر سمجھتے ہیں۔ کرن رسالہ بہت اچھا ہے اور یہ چھ سوالات بھی بہت ہی دلچسپ ہیں قارئین اب میرے جوابات کو غور سے پڑھ لیں کہیں بچے اسکول سے آ کر کھانے کے لیے بھوک بھوک کا اعلان تو نہیں کر رہے ہیں۔

۱۔ کھانے کے لیے جینے والے لوگ کچھ عجیب طبیعت کے مالک ہوتے ہیں اچھے کھانے کا شوق ہر باذوق شخص کو ہوتا ہے لیکن کھانے کے لیے نہیں جینا چاہیے بلکہ زندہ رہنے کے لیے اپنی خوراک کو مختصر رکھنا چاہیے۔ زندگی رہے تو انسان اپنی مرضی کا کھانا جب چاہے کھا سکتا ہے۔ ہر چیز کی زیادتی اچھی نہیں ہوتی۔ آپ کی اچھی اور بہتر صحت کے لیے ضروری ہے وقت پر کھائیں اور اچھا کھانا کھائیں۔ اتنا کھائیں کہ کچھ گنجائش رہ جائے۔ اچھی صحت برقرار رہے گی تو آپ دوسروں کے اچھے دوست اور ہمدرد رہ سکتے ہیں۔ وہ روزانہ کے کام جو ہماری زندگی کا حصہ ہیں۔ ان کو ہم اسی وقت پورے کر سکتے ہیں جب ہم تندرست و توانا ہوں گے۔ اپنے بچوں کی ذمہ داریاں بھی ہم اسی صورت پوری کر سکتے ہیں جب جینے کے لیے کھانا کھائیں گے کھانے کے لیے نہیں زندہ رہیں گے اسی لیے کسی نے کہا ہے کہ "تندرستی ہزار نعمت ہے"

۲۔ کچن کے کاموں میں دلچسپی اس حد تک ہے کہ وقت سے پہلے کھانا تیار ہو جائے اور تمام گھر والوں کو وقت پر مزیدار کھانا مل جائے۔ پڑھنے کا شوق وقت پر ہے جب بھی فراغت کی گھڑیاں مل جائیں مطالعہ کرنا ضروری سمجھتی ہوں۔ اچھی کتابیں پڑھنے میں میری اکلوتی نند میری بہت رہنمائی کرتی ہے اور کچن میں ہم دونوں اکثر مل جل کر دو تین ڈشز بنا کر تمام گھر والوں سے تعریف سنتے ہیں۔ وہ میری نند کم دوست زیادہ ہے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ ہر روز نئی ڈش بناؤں۔ اکیلے کھانا کھانے میں اس لیے مزا نہیں آتا کہ کوئی تعریف کرنے والا نہیں ہوتا۔ شادی کے بعد ہر لڑکی کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کا اپنا خوب صورت گھر ہو اور کچن میں ہر طرح کی کوکنگ کا سامان ہو شادی کے بعد گھرداری کا تصور بہت اچھا ہوتا ہے خاص کر پکانے کی شوقین لڑکیوں کے لیے وہ نئے نئے کھانے پکا کر سسرال والوں سے تعریفیں حاصل کریں۔

۳۔ واقعی آپ کا سوال بہت دلچسپ ہے مجھے ہنسی بھی آرہی ہے کہ جب کبھی کھانا اچھا نہ پکے۔ تو کھانا کھانے والے کے ریمارکس بہت ہی زبردست ہوتے ہیں۔ لیکن کیا کریں غلطیاں بھی تو اشرف المخلوقات سے ہوتی ہیں۔ ایک بار میں نے چکن قورمہ بنایا ہاں ہاں مرغی خرید کر (پڑوس کی مرغی کا نہیں) تو مسالا زیادہ براؤن ہونے کی صورت میں اس کا کلر اور مزا کچھ بدل گیا۔ سب سے پہلے میری نند (ملی) نے کہا کہ "بھابھی یہ قورمہ ہے یا دل جلے" مجھے بھی ہنسی آگئی پھر میری چھوٹی بہن صبیحہ نے دوسرا ریمارکس دیا کہ۔

"باجی چکن قورمہ کے بجائے اس ڈش کا نام جلا قورمہ رکھنا چاہیے۔"

میرے شوہر جو کہ ان باتوں سے لطف اندوز ہو کر مرغی کی ران سنبھالے بیٹھے تھے مسکراتے ہوئے کہنے لگے۔

"آج تو واقعی بیچاری مرغی کی قسمت پر دکھ ہو رہا ہے" میں بھی مسکراتی ہوئی کچن میں چلی گئی۔

۴۔ مجھے کتابیں پڑھنا پسند ہیں فارغ اوقات میں شاعری کی کتابوں کو پڑھتی ہوں اور مجھے لکھنے والوں میں رضیہ بٹ کے ناولز پسند ہیں اور وہ بہت بہترین لکھنے والی ہیں ان کی کہانیوں میں ایک سبق ہوتا ہے۔ ایک بار میں ان کی لکھی ہوئی بہت اچھی رومانوی سی کوئی کہانی پڑھ رہی تھی کہ اچانک مجھے پتہ چلا کہ کچھ دیر پہلے جو بریانی میں دم پر رکھ کر آئی تھی بریانی کی حالت خراب ہو گئی ہے، جلدی میں آنچ کم کرنا بھول گئی۔ اب آگے خود ہی سوچ لیجئے ماشاء اللہ آپ سمجھدار قارئین ہیں۔

۵۔ مجھ سے فرمائش کرنے والوں میں سب سے پہلے میری نند ہے وہ میرے پکائے ہوئے کھانوں کو بے حد پسند کرتی ہے اور اس کے بعد میرے شوہر کے تمام گھر والے اور دوست کرن کی سالگرہ کے موقع پر فروٹ ٹرائفل کی ترکیب پیش کر رہی ہوں۔

"فروٹ ٹرائفل"

کسٹرڈ	ایک ڈبہ
مکس فروٹ	ایک ڈبہ
کریم	ایک ڈبہ
جیلی	ایک پیکٹ
دودھ	ایک کلو
کیک پلین	دو عدد
انناس	کٹے ہوئے ٹکڑے

سب سے پہلے ایک چوڑی والی ڈش لے لیں۔ کیک کے بالکل پتلے سلائس کاٹ لیں۔ پھر ڈش میں کیک کے پیس بچھا دیں۔ دودھ میں کسٹرڈ تیار کر لیں کیک کے اوپر کسٹرڈ اتنا ڈالیں کہ کیک بالکل ڈیپ ہو جائے پھر فروٹ کے پیس اوپر بچھا دیں۔ اس کے بعد کریم اوپر سے بچھا دیں۔ اسی طرح دوبارہ کیک کی تہ جما دیں جتنی تہ آپ بچھا سکتی ہیں ٹرائفل اتنا ہی مزیدار ہو گا آخری تہ کے بعد جیلی جما کر آپ اوپر سے سجاوٹ کر دیں۔

۶۔ عام طور پر جو کہا جاتا ہے کہ (ان) کے دل میں اترنے کا راستہ معدے سے ہو کر گزرتا ہے۔ معدے سے گزارنے والا راستہ ہے (بہترین کھانا) ہر شوہر کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کی زندگی کی ساتھی گھر کو خوب صورت بنانے کے ساتھ ساتھ اس کے بچوں کی بہترین دیکھ بھال اور پھر بہترین کھانا پکانے کی ماہر ہو۔

کیونکہ جب بھی میں نے اپنے شوہر کو اچھی اچھی ڈشز بنا کر کھلائیں انہوں نے دل سے میری تعریف کی اور ان کے دل میں میرا احترام اور محبت زیادہ ہو گئی۔ تجربات تو زندگی میں بہت ہی ہوتے رہتے ہیں ایک بار میرے شوہر جب آفس سے آئے تو ان کا موڈ ٹھیک نہیں تھا تمام کاموں سے فراغت کے بعد میں نے کھانے کے لیے ان سے پوچھا تو کوئی جواب نہ ملا میں نے دسترخوان بچھایا اور میں نے ان کی پسندیدہ ڈش بنائی تھی جب ان کو اپنی پسند کے کھانے کی خوشبو آئی تو ان کا موڈ خوشگوار ہو گیا اور خوب مزے سے انہوں نے کھانا کھایا اور اب جب بھی ان کا موڈ خراب دیکھتی ہوں پسندیدہ ڈش بنانے کی تیاری میں لگ جاتی ہوں۔

☆ ☆

ہم بتاتے چلیں

روبینہ شریف

میں زینب النساء زندگی کے سفر میں خود کو ایک مناسب اچھے مقام پر پانا چاہتی ہوں بنا کسی کا حق تلف کیے ایک صاف ستھرے اور اگلی راستے کے ذریعے خدا کے سوا کسی سے کچھ بھی مانگنا اچھا نہیں لگتا۔ اپنی ماں کو اپنی ذات سے بہت خوشیاں دینا چاہتی ہوں اور بہن بھائی کو اچھے مقام پر دیکھنا بھی چاہتی ہوں۔

۲۔ زندگی گزارنے کے لیے ایک اصول یا پھر ایک بات مجھے بہت پسند ہے کہ تم جو چاہتے ہو وہ بالکل درست ہے تو ضرور اور ضرور حاصل کرو چاہے وہ کچھ بھی ہو۔ سو یہ اصول جس میں ہو میرے نزدیک وہ رائٹ پرسن ہے۔ اس کے علاوہ دنیاوی اصول اور ضابطے زندگی کے لیے مجھے اچھے نہیں لگتے۔ سادہ زندگی اور خالص اپنی زندگی کا مزہ ہی کچھ اور ہے۔

۳۔ اپنی فرینڈز، خالاؤں، ماموؤں، انکل اور گھر والوں کو ہر خوشی کے موقع پر وش کرنا بہت اچھا لگتا ہے۔ تحفہ لینے کا ایک خوشگوار واقعہ کہ نیو ایئر پر میں نے اپنی فرینڈ کو ایک خوب صورت کارڈ دیا اس نے بھی اسی وقت مجھے کارڈ کے ذریعے وش کیا پھر میں نے اپنا اور اس نے اپنا کارڈ کھولا اور اگلے پل ہم خوش اور حیران تھے کہ دونوں کارڈز ہو بہو ایک جیسے تھے۔ اور تحفہ دینے سے متعلق بھی ایک یاد تازہ ہو رہی ہے عید پر کالج میں دو گفٹ پیک لے کر گئی اور سارا دن اپنی دو دوستوں سے حفاظت کرواتی رہی کہ یہ مجھے میری وین فیلونے دیے ہیں اور وہ چھٹی کے ٹائم مجھ سے لے لے گی۔ وہ دونوں بیچاری سارا دن گفٹ سنبھالتی رہیں۔ چھٹی کے وقت میں ان سے ملی اور گیٹ کی طرف دوڑی اچانک ایک فرینڈ کو گفٹ یاد آئے تو وہ انہیں پکڑے مجھے دینے کے لیے بھاگی۔ وہ مجھے آوازیں دیتی میرے پیچھے بھاگی اور ہم مار دولت آگے آگے۔ آخر میں گیٹ کراس کر گئی اور اگلے دن کالج آنے پر ان دونوں نے دل کھول کر میری ٹھکائی کی، خود کے بے وقوف بنائے جانے پر۔ کیونکہ میرے بھاگ جانے پر انہوں نے شاپر کھول کر دیکھے تو گفٹ پر ان کے نام لکھے تھے۔ آج بھی ہم اس گفٹ دینے کے منفرد واقعہ پر ہنستے ہیں۔

۴۔ جیسے آج کل حالات ہو رہے ہیں کہ خوشی مناتے بھی خوف ہوتا ہے "کہیں یہ چھن نہ جائے" تو فرحت عباس شاہ کی یہ نظم ذہن میں ابھرتی ہے۔

مجھے اور کہیں لے چل سانول!
جہاں نفرت دل میں بس نہ سکے
جہاں کوئی کسی پہ ہنس نہ سکے
مجھے اور کہیں لے چل سانول!
جہاں درد کسی کو راس نہ ہو
جہاں کوئی ملول اداس نہ ہو
جہاں ظلمت کی بو باس نہ ہو
جہاں تو بھی زیادہ پاس نہ ہو
مجھے اور کہیں لے چل سانول!

"ہمیشہ خوش رہیں اور اس دعا کے ساتھ اللہ حافظ کہوں گی کہ ہمارا ملک ہمیشہ سلامت اور ہماری آزادی ہمیشہ برقرار رہے۔"

☆ ☆

شعاع محمود

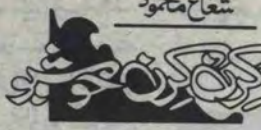

القرآن

● فلاح پا گیا وہ جس نے پاکیزگی اختیار کی اور اپنے رب کا نام یاد کیا پھر نماز پڑھی۔ مگر تم لوگ دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو۔ حالانکہ آخرت بہتر ہے اور باقی رہنے والی ہے یہی بات پہلے آئے ہوئے صحیفوں میں بھی کہی گئی تھی۔ ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں۔ (سورۃ الاعلیٰ ۱۴۔۱۹)

فرزانہ رحیم، گڈو بیراج

سخت دلی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے اپنی قساوت قلبی اور سخت دلی کی شکایت کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"یتیموں کے سر پر ہاتھ پھیرا کرو اور مسکینوں اور حاجت مندوں کو کھانا کھلایا کرو۔"

کشور منیر، کراچی

بڑے لوگوں کی بڑی باتیں

☆ ہر لمحہ ایک خوشی ہے لیکن آپ کی سوچ کا محتاج ہے۔

☆ جب محبت کامل ہو جاتی ہے تو ادب کی شرط گر جاتی ہے (حضرت جنید بغدادیؒ)

☆ نہ جھوٹی قسم کھاؤ نہ خدا کے نام کو قسموں کے لیے تختہ مشق بناؤ۔ (حضرت ادریسؑ)

☆ سچی محبت ایک نایاب شے ہے لیکن سچی دوستی اس سے بھی نایاب ہے۔ (لارڈ کنوکا)

☆ اطمینان سب سے بڑا سکھ ہے اور بے اطمینانی سب سے بڑا دکھ ہے (ارسطو)

☆ عورت کی زبان اس کی تلوار ہے اور وہ کبھی اسے زنگ آلود نہیں ہونے دیتی (فرینکلن)

☆ ایک لمحے کی نفرت سال ہا سال کی محبت کو بھلا دیتی ہے۔

☆ ہر خواہش کو پورا کرنے کے لیے کچھ نہ کچھ کھونا پڑتا ہے۔

☆ انسان کی فطرت اس کے چھوٹے چھوٹے کاموں سے معلوم ہوتی ہے (افلاطون)

☆ ایک ایسی غلطی جو آدمی میں عاجزی پیدا کر دے وہ اس کارنامے سے بہتر ہے جو غرور پیدا کر دے۔ (تھامس ولسن)

☆ اکثر لوگ اپنے بہترین دوستوں کی کمتری سے لطف اندوز ہوتے ہیں (چرفیلڈ)

☆ تکلف کی زیادتی محبت کی کمی کا باعث بنتی ہے۔ (حضرت امام غزالیؒ)

درثمن سلیم، سرگودھا

نو بہار ناز

اک نو بہار ناز کو مہماں کریں گے ہم
ہر داغ دل و رشک گلستاں کریں گے ہم
کہتے ہیں آسماں پہ وہ زلفیں بکھیر کر
جھلسی ہوئی زمین پہ احساس کریں گے ہم

زرقون فاطمہ، لاہور

سالگرہ

سالگرہ کی شام مبارک
شام کے لب پر
میری یاد
مچلتی رہنے دینا
اپنے حصے کی سب شمعیں
گل کر دینا لیکن
میرے نام کی آدھی شمعیں
جلتی رہنے دینا

ربیعہ نیازی، کراچی

تحفہ

اس عورت نے اپنے شوہر کو سالگرہ کا کون سا تحفہ پیش کیا تھا۔

"چاندی کا ایک سگریٹ کیس، جس کے اندر اس عورت کی تصویر تھی۔"

"شوہر کو پسند آگیا تھا۔؟"

"تم پسند کی بات کرتے ہو اس نے اس دن سے سگریٹ پینا ہی چھوڑ دیا ہے۔"

حنا فرحان، کراچی

باتوں سے خوشبو آئے

☆ محبت بھری نظروں سے دیکھنے والے ضروری نہیں کہ خیر خواہ بھی ہوں۔

☆ جو دوسروں کو شک کی نظر سے دیکھتا ہے وہ حقیقت میں اپنے کردار کی برائیاں دوسروں میں تلاش کرتا ہے۔

☆ جو شخص ارادے کا پکا ہو وہ دنیا کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھال لیتا ہے۔

☆ ہم انسانوں کے مزاج میں یہ عنصر شامل ہے کہ اپنی چھوٹی سی نیکی اور دوسرے کی ہلکی سی برائی بھی ہمیشہ یاد رکھتے ہیں۔

☆ تین چیزیں سخت ترین ہیں جوانی میں مفلسی، سفر میں بیماری اور تنگ دستی میں قرض۔

☆ جب تک قدر و طاقت ہو احسان کرو کیونکہ انسان کی قدرت ہمیشہ باقی نہیں رہتی۔

زینب صدیقی، کوٹ چھٹہ

ہم بھی اجالے کا ہنر رکھتے ہیں

○ کچھ لوگ چینی کے گلدان کی طرح ٹوٹتے ہیں جو ٹوٹنے پر بھی لکیریائی رہ جاتی ہے۔ کچھ لوگ کار کے شیشے کی طرح پل بھر میں مکمل چکنا چور چھوٹے چھوٹے ہزارہا ٹکڑوں میں کبھی نہ جڑ سکنے والے اور کچھ لوگ ترخ جاتے ہیں مٹی کے برتن کی طرح مکمل نہیں ٹوٹتے۔

○ سردیاں ہیں تو اچھی مگر جب یہ موسم رشتوں جذبوں اور مزاجوں پر ٹھہر جائے تو روح بھی سرد ہو جاتی ہے، سردیوں کی چبھن میں وہ تکلیف نہیں ہوتی جو اپنوں کی بے رخی میں ہے۔

○ عزت وہ نہیں ہوتی کہ لوگ ہمارے منہ پر میٹھا بولیں بلکہ عزت تو وہ ہوتی ہے کہ ہمارے پیچھے بھی ہمیں اچھے الفاظ میں یاد کیا جائے۔

○ جو لمحے جو وقت ہم جینا چاہیں جب ہم اس ساعت کو کھو دیں تو یہ حماقت ہے ہم جو لمحہ آئندہ جینے والے ہیں اسے ماضی کی یاد سے آلودہ کر کے اسے بھی ناخوش لوٹا دیں۔

○ اگر دنیا کے تمام غموں کو مساوی تقسیم کر دیا جائے ہر انسان میں تو ہر شخص یہی کہے گا نہیں نہیں میں اپنی موجودہ حالت میں خوش ہوں۔

ناہید غوری، کیہ

آئینہ

تمہاری آنکھوں کے سرخ ڈورے
جو بات کہنے کے منتظر ہیں
وہ بات تم نے اب تک کہی نہیں ہے
مگر تمہیں کچھ خبر نہیں ہے
تمہارا چہرہ اک آئینہ ہے

کہ جس پہ لکھی
شکست دل کی عبارتوں نے
بہت سی باتوں کو بن کہے بھی
ہماری آنکھوں سے کہہ دیا ہے!

رباب علی، علیزہ شاہ، کھلابٹ کالونی

یادگار دن

"بہت بہت مبارک ہو، آج تمہاری خوشیوں بھری زندگی کا یادگار دن ہے۔"

ایک دوست نے دوسرے دوست سے کہا۔

"شکریہ شاہد! لیکن یار تم مجھے آج کیوں مبارک باد دے رہے ہو شادی تو میری کل ہے۔"

"اسی لیے تو آج مبارک باد دے رہا ہوں، کل سے تو تم مظلوموں کی فہرست میں شامل ہو جاؤ گے۔"

ثناء قمر الدین، ٹیو کراچی

عشق کی انتہا

علامہ حضرت محمد اقبالؒ ایک مشاعرے میں شریک تھے انہوں نے وہاں پہ اپنا ایک شعر پڑھا۔

تیرے عشق کی انتہا چاہتا ہوں
میری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں

حاضرین محفل میں سے ایک شخص جلدی سے اٹھا اور علامہ اقبال سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔

"حضرت صاحب آپ نے یہ کیا کہہ دیا کہ تیرے عشق کی انتہا چاہتا ہوں عشق تو ہے ہی لا محدود جس کی کوئی حد نہیں جو بے حساب ہے غیر محدود ہے عشق کی انتہا نہ تو شادی ہے اور نہ ہی عمر گزرنے کے ساتھ یہ کم ہوتا ہے۔"

علامہ اقبال کافی دیر خاموش رہے بالآخر اس شخص سے مخاطب ہوئے اور فرمایا کہ۔

"میں مانتا ہوں میں نے ایسے ہی فرمایا لیکن آپ غور سے میرا شعر تو پڑھیں میں نے اسی سوال کا جواب بھی دے دیا ہے۔ یعنی۔

"میری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں۔"

شازیہ ناہید، کھاریاں

بہو

بہو جو ڈیڑھ فٹ چھ انچ کی معلوم ہوتی ہے
زباں دیکھو تو اس کی نو گزی معلوم ہوتی ہے
پڑے تھے اس کے ہاتھوں اس قدر باون برس پہلے
ابھی تک کھوپڑی دکھتی ہوئی معلوم ہوتی ہے

فوزیہ شبیر، بھیرہ

کرنیں

☆ جن لوگوں کے دلوں پر محبتوں کی کونپلیں بغیر کسی صلے یا تمنا کے پھوٹیں وہ بے حس نہیں بے غرض ہوتے ہیں۔

☆ آزمائش دوست کی ہو، محبت کی ہو، یا کسی دلبر لمحے کی کبھی بھی سود مند نہیں ہوتی کون جانے اس لمحے وہ کتنا مجبور ہو۔

☆ دعا دینے والی نظر کبھی نہیں لگتی۔

☆ دوسروں کی نگاہوں میں آپ کے لیے جو رنگ دکھائی دیتا ہے وہ آپ ہی کا بھرا ہوا ہوتا ہے۔

☆ کچھ چیزیں، کچھ لمحے اور کچھ پھول محفوظ کر لینے سے یادگار بن جاتے ہیں۔

☆ اعتبار عمل میں ہوتا ہے لفظوں میں نہیں۔

☆ محبت میں یہ قباحت ہے کہ جس سے محبت ہو جائے اسے آسانی سے آزاد نہیں کیا جا سکتا۔ اسے آزاد کرنے سے دل کو بڑی تکلیف ہوتی ہے۔

سیدہ رملہ بخاری، سرائے عالمگیر

غیر ملکی کہاوتیں

☆ غصیلی عورت اور ٹپکنے والا گھر یکساں ہوتے ہیں۔ (ہندوستانی کہاوت)

☆ سستی چیزیں اچھی نہیں ہوتیں اور اچھی چیزیں سستی نہیں ہوتیں (چینی کہاوت)

☆ عمدہ دوائی اکثر کڑوی ہوتی ہے۔ (جاپانی کہاوت)
☆ بھیڑ کو باپ نہیں صرف گھاس یاد آتی ہے۔ (جرمن کہاوت)
☆ مچھلی اور مہمان سے تین دن بعد بو آنے لگتی ہے۔ (امریکی کہاوت)
☆ نیلامی کے وقت اپنا منہ بند رکھو۔ (اسپینی کہاوت)

عائشہ بشیر، سیالکوٹ کینٹ

بکھرے موتی

☆ رات کی تنہائی میں انسان کی آنکھ سے ٹپکنے والے آنسو زمانے بدلتے ہیں اور طوفان کا رخ موڑ دیتے ہیں۔
☆ زندگی سے وفا نہ مانگو کیونکہ زندگی خود بے وفا ہے۔
☆ ضروری تو نہیں کہ زندگی کے البم میں آخری تصویر آخری ہی صفحے پر لگے۔

سمیرا عبدالغنی بٹ در نجف لودھرے

معائنہ

دماغی امراض کے ایک کلینک کے باہر لگی ہوئی تختی کی تحریر ملاحظہ کیجئے۔
"شادی سے پہلے اپنے دماغ کا معائنہ کروانے کے لیے آنے والے حضرات سے گزارش ہے کہ وہ شادی کے بعد آئیں کیونکہ اصولاً انہیں معائنے کی ضرورت شادی کے چھ ماہ بعد پڑے گی۔"

ارم عامر، کراچی

لفظوں کی مہک

○ خود احتسابی کا عمل جان لیوا ہی نہیں جان کنی کے عالم جیسا ہوتا ہے۔
○ جو لمحے جو وقت ہم جیسا چاہیں جب ہم وہ ساعت کھو دیں تو یہ حماقت ہے کہ ہم جو لمحہ آئندہ جینے والے ہیں اسے ماضی کی یاد سے آلودہ کر کے اسے بھی ناخوش لوٹا دیں۔
○ ہر رات زندگی میں اندھیرا نہیں لاتی بعض راتیں چاندنی راتیں ہوتی ہیں ان میں روشنی ہی نہیں سکون بھی ہوتا ہے۔
○ اعتبار عمل میں ہوتا ہے لفظوں میں نہیں۔

ناہید غوری، لیہ

مزاج پرسی

موسیقی سے ہمیں تب سے لگاؤ ہے جب ہم نئے نئے ہاسٹل میں آئے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ وہاں باتھ رومز کی کنڈیاں نہیں تھیں۔ تو نہاتے وقت ہمیں مسلسل گاتے رہنا پڑتا تھا تاکہ باہر والوں کو پتا چلتا رہے کہ اندر کوئی ہے۔ ہاسٹل کا پانی بھی موسم کے مطابق ہوتا تھا یعنی گرمیوں میں گرم اور سردیوں میں سرد۔ سو سر بھی اسی طرح سے نکلتے تھے۔
صحافت میں آکر جب بھی کسی کا انٹرویو کیا۔ گلوکار سے پہلا سوال یہی کیا "کیا آپ کے بھی باتھ روم میں کنڈی تھی کہ نہیں اور کچھ لوگ تو پیدا ہوتے ہی گاتے ہیں ان کی آواز سن کر معلوم ہوتا ہے کہ کوئی پیدا ہوا ہے۔ استاد نصرت فتح علی خان مرحوم کہتے تھے میرے باپ کی خواہش تھی کہ میں رووں بھی سر میں۔ اگر میں سر میں نہ روتا تو ڈانٹ پڑتی اور مہدی حسن صاحب تو ایسا سر میں روتے تھے کہ والدین چپ کرانے کی بجائے انہیں سننے بیٹھ جاتے تھے۔ البتہ عطا اللہ عیسیٰ خیلوی کی والدہ انہیں فوراً" چپ کرا دیتی تھیں۔ اسی طرح ہمارے ایک پاپ سنگر کو جب پہلا گانا گانے کے عوض پروڈیوسر نے ۲۰ روپے دیئے تو وہ بولے پروڈیوسر صاحب اس سے زیادہ تو میری والدہ مجھے چپ ہونے کے دیتی ہیں۔
(ڈاکٹر یونس بٹ کی کتاب مزاج پرسی سے)

امبر سلیم، لاہور

☆ ☆

بشریٰ محمود

یادوں کے دریچے سے

شہناز حمید کی ڈائری میں تحریر
پروین شاکر کی نظم

"سالگرہ"

یہ ہی وہ دن تھا
جب آج سے چار سال پہلے
اسی روش پر بنفشی بیلوں کے نرم سائے میں ہم ملے تھے
وہ لمحہ جب کہ ہمارے جسموں کو اپنے ہونے کا
حیرت آمیز، راحت افزا، نشاطِ اثبات مل چکا تھا
ہماری روحوں نے اپنا اپنا سنہری جنم لیا تھا
وہ ایک لمحہ
ہماری روحوں کو اپنے دستِ جمال سے چھو رہا ہے
اب تک
نظر کو شاداب کر رہا ہے
بدن کو مہتاب کر رہا ہے
ہم اس کے مقروض ہو چکے ہیں
سو اب آؤ اس عظیم لمحے کے نام کوئی دعا کریں ہم
اٹھائیں ہاتھ
اور محبتوں کی تمام تر شدتوں سے چاہیں
کہ جب بھی چھبیس جون کا آفتاب نکلے
تو ہم اسے ایک ساتھ دیکھیں

ریحانہ، کی ڈائری میں تحریر
محسن نقوی کی نظم

"سالگرہ"

زندگی تیز ۔ بہت تیز ہوا کا جھونکا
جلتی بجھتی ہوئی شمعیں میں مرو سال میرے

ڈھلتا سورج مرے ماضی کی لحد کا کتبہ
ریگِ صحرا کی لکیریں ہیں خدو خال میرے
چاند میرے تن مجروح پہ سنگِ اعزاز
دھوپ چھاؤں مرے صد چاک لبادے کا خراج
سب ستارے مری پوشاک کے پیوند نحیف
میرے آنسو میرا ورثہ میری آنکھوں کا مزاج
آج کی شام، کہ ہر سال اسی شام کے ساتھ
میری اکھڑی ہوئی سانسوں میں گرہ لگتی ہے
آسماں وقت کے آنچل کی دھنک بنتا ہے
ساری دھرتی تن عریاں کی زرہ لگتی ہے
آج کی شام گو ہر سال میرے زخم نواز
مسکراتے ہوئے کچھ پھول عطا کرتے ہیں
کچھ مسیحا میری خاطر میرا دل رکھنے کو
خط میں جینے کی دعا بھیج دیا کرتے ہیں
سالہا سال گزرنے پہ بھی اے دل زدگاں
آج کی شام مناتے ہوئے ڈر لگتا ہے
مسکراتے ہوئے چہروں کے بھنور میں لیکن
آخری شمع جلاتے ہوئے ڈر لگتا ہے
دل دھڑکتا ہے کہ جلتی ہوئی شمعوں کا دھواں
شعلہ کرب میں تحلیل نہ ہو جائے کہیں
جی لرزتا ہے کہ منظر کے ادھورے پن کی
آج کی شام سے تکمیل نہ ہو جائے کہیں
آؤ کچھ دیر کو ہم زخم شماری کر لیں
اور کچھ دیر میں ہر شمع پگھل جائے گی
آج کی بزم میں کھو جائیں، کہیں سو جائیں
آج کی شام بھی کچھ دیر میں ڈھل جائے گی
جلتی ہوئی شمعوں کا بھروسا کیا ہے
زندگی تیز بہت تیز ہوا کا جھونکا

روبینہ شریف، کی ڈائری میں تحریر
ساحرہ انور کی نظم

"دعاؤں کے پھول"

میں اپنی دعاؤں کے سارے پھول
تمہاری جھولی میں ڈال کر
تہی دامن واپس جا رہی ہوں
تم چاہو تو انہیں سمیٹ لو
یا مسل کے پھینک دو
اگر ایسا نہیں کر سکتے
تو میری جاگی ہوئی راتیں
میری عبادتیں
مجھے واپس کر دو

آمنہ ناز محمد، کی ڈائری میں تحریر
امجد اسلام امجد کی نظم

"سالگرہ"

بر تھ ڈے کیک پر جلتی ہوئی شمعوں کو بجھا دینے سے
کب بجھیں گے یہ شب و روز، ماہ و سال کے انگارے جنہیں
چھو نہ سکا
وقت کا سیلِ رواں
وقت کا سیلِ رواں جس کے خم و پیچ میں گم
ہم اور تم
ہم اور تم سے ہزاروں لاکھوں
گم سم
آج کی رات
میں نے ہر سال اسی طور سے کاٹی ہے کہ جیسے کوئی
قید خانے میں کرے عہدِ اسیری کا حساب
کرچیاں ہوتے ہوئے خواب چنے اور سنے
دشتِ احساس میں آہٹ کے سراب
کون، کب، کون سی منزل پہ ملا
کس طرح، بچھڑا، کہاں پر بچھڑا
دوست کس طرح ہوئے دشمنِ جاں
غیر کس طرح ہوئے سانس کی خوشبو جیسے
کس کو فرصت ہے کرے ان کا حساب
اور ہو بھی تو اس کام میں رکھا کیا ہے
آخر کار وہی سیلِ رواں ہو گا جواب
وقت کا سیلِ رواں
جس کے اس پار تمہیں رکھی ہے
گمشدہ عمر کے لمحوں کی کتاب
اور اس پار فقط ۔ خواب ہی خواب
جو بھی رت آئے کھلا کرتے ہیں
تیری یادوں کے کنول ۔ تیری جدائی کے گلاب

زرقون فاطمہ، کی ڈائری میں تحریر
شکیل جاذب کی غزل

جب بھی تنہائی تری یاد کے جگنو مانگے
دل بے نور مری آنکھ کے آنسو مانگے
کھوئی نظروں سے افق پار کو تکنے والو
ہم نے یہ تیر تو سینے میں ترازو مانگے
ایسا مشروط ہوا ہوں میں تری ہستی سے
مری ہر سانس ترے قرب کی خوشبو مانگے
یہ مرے اشک مرا قیمتی سرمایہ ہیں
یہ خزانہ بھی لٹا دوں گا اگر تو مانگے
تیرے ہونے کی تسلی بھی ہمیں کافی تھی!
تجھ سے کب ہم نے سہارے کو یہ بازو مانگے

نادیہ الیاس شیخ، کی ڈائری میں تحریر
فرحت عباس شاہ کی نظم

"آس"

جاناں
میں نے اب کے سال بھی سبز رتوں کا پہلا پھول
اک تیری خاطر شاخِ شجر سے توڑ کے
اپنی زرد کتاب میں لا رکھا ہے
کوئی نہ جانے
کبھی کوئی آوارہ بھولا بھٹکا بادل

عمر کے تر سے پیاسے دشت کی
پل میں پیاس بجھا جاتا ہے
کوئی نہ جانے
بعض اوقات ایک بھولی بسری ہوئی یاد بھی
ایسے پوری ہو جاتی ہے
جیسے عنبر آباد جزیرے
رستہ بھول کے آنے والے لوگوں سے بس جاتے ہیں
یوں میں نے اب کے سال بھی جاناں
سبز رُتوں کا پیلا پھول اک تیری خاطر
شاخِ شجر سے توڑ کے اپنی زرد کتاب میں لا رکھا ہے

نزہت ظفر، کی ڈائری میں تحریر

شفیق احمد خان کی غزل

وہ کہتی ہے تیری میری محبت راز ہے اب تک
میں کہتا ہوں کہ یہ وہ راز ہے جو کھل کے رہنا ہے

وہ مجھ سے پوچھتی ہے موسموں کے ڈھنگ کیسے ہیں
میں کہتا ہوں تمہارے پیرہن کے رنگ جیسے ہیں

وہ کہتی ہے محبت سے مسرت بھر گئی دل میں
میں کہتا ہوں ابھی کچھ غم بھی نکلیں گے تعاقب میں

وہ کہتی ہے محبت میں بہت نادان ہو تم تو
میں کہتا ہوں مسائل سے بہت انجان ہو تم تو

وہ کہتی ہے کہ کیا گزرے زمانے لوٹ آتے ہیں
میں کہتا ہوں کہ ایسا کب ہوا ممکن زمانے میں

وہ مجھ سے پوچھتی ہے کون روتا ہے کواڑوں میں
میں کہتا ہوں ابھی اک درد ہے دل کی دراڑوں میں

فوزیہ غزل، کی ڈائری میں تحریر

ایک نظم

سالگرہ

آج میری سالگرہ ہے
تم نے وِش کارڈ بھیجا ہے
کہنے کو یہ کاغذ کا ایک ٹکڑا ہے
مگر زندگی کے آنگن میں
خواب رنگ دریچے ہیں
اور اُن کے اندر
کومل کومل جذبے ہیں
چاہت کے ہفت رنگ
آسمان پر دو ہی نام لکھے ہیں
دو ہی رنگ سجے ہیں
یہ نام تیرا میرا ہے
یہ رنگ تیرے میرے ہیں
تیرے سنگ بیتا ہوا ہر لمحہ
عمر میں خوشی کی اک گرہ لگاتا ہے
اور یہ گرہیں مل کر
سال بنتی جاتی ہیں
تم آؤ تو ہم دونوں
یہ سب گرہیں تھام لیں
مل کر ہم جو ایک ساتھ مسکرائیں گے
پھول، جگنو، بہار، ساون
سب ہمارے پیار کی سالگرہ ہیں منائیں گے

کرن علی، کی ڈائری میں تحریر

نوشی گیلانی کی غزل

اک پشیمان سی حسرت سے مجھے سوچتا ہے
اب وہی شہرِ محبت سے مجھے سوچتا ہے
میں تو محدود سے لمحوں میں ملی تھی اس سے
پھر بھی وہ کتنی وضاحت سے مجھے سوچتا ہے
جس نے سوچا ہی نہ تھا ہجر کا ممکن ہونا
دکھ میں ڈوبی ہوئی حیرت سے مجھے سوچتا ہے
میں تو مر جاؤں اگر سوچنے لگ جاؤں اسے
اور وہ کتنی سہولت سے مجھے سوچتا ہے
گرچہ اب ترکِ مراسم کو بہت دیر ہوئی
اب بھی وہ میری اجازت سے مجھے سوچتا ہے
کتنا خوش فہم ہے وہ شخص کہ ہر موسم میں
اک نئے رُخ نئی صورت سے مجھے سوچتا ہے

شگفتہ سلیمان

مجھے یہ شعر پسند ہے

رباب علی، علیزہ شاہ ______ کھلابٹ کالونی

جا تو رہے ہو جیت سمیٹ کے مٹھی میں
سوچا تم نے کس کے حوالے مائیں کیں
چاند نے بس اک بار تمہارا پوچھا تھا
دیر تلک پھر ہم نے تمہاری باتیں کیں

فوزیہ بٹ ______ گجرات

برسوں بعد اُسے پھر دیکھا دل نے پھر محسوس کیا
اور بھی گہری چوٹ لگی ہے درد میں شدت اور بھی
اُس کو گنوا کر محسن اس کے درد کا قرض چکانا
ایک اذیت ماند پڑی ہے ایک اذیت اور بھی

صائمہ جبیں ______ کراچی

خود کو سبز ہی رکھا آنسوؤں کی بارش میں
ورنہ ہجر کا موسم کس کو راس آتا ہے

درثمن سلیم ______ سرگودھا

میں شجر ہوں شہر ملال کا میری ٹہنیوں کو نہال کر
کبھی بھیج اپنی نوازشیں کسی جام ابر میں ڈھال کر
مجھے خار خار مسافتوں کی ستم گری نے تھکا دیا
مجھے منزلوں کا سراغ دے میرے حوصلوں کو بحال کر

نیلم طاہر خواجہ ______ سرگودھا

سایہ طلب گئے جدھر بول اُٹھے وہیں شجر
آؤ ہوا ب مسافرو جب ہمیں دھوپ کھا گئی

شازیہ ریاض ______ گھارو

ملنے کی دُعا نہ کر، یہی رُت زخم دیتی ہے
کہ میں نے کہہ دیا اُس سے محبت زخم دیتی ہے
ہاں یہ فیصلہ کر لو، نہیں اب ٹوٹ کر ملنا
کہ اک عرصے تلک بیتی رفاقت زخم دیتی ہے

سمیرا انور ______ رحیم یار خان

جلتی بجھتی دُھوپ میں سرد ہوا میں رہنا سیکھ لیا
اُس سے بچھڑ کے ہجر کا اک اک موسم سہنا سیکھ لیا
اپنا دُکھ بس اپنا دُکھ ہوتا ہے یہ بھی جان لیا
اپنے آپ سے اپنی ساری باتیں کہنا سیکھ لیا

ندا یوسف ______ کراچی

ہم ارد گرد کے موسم سے جب بھی گھبرائیں
تیرے خیال کی چھاؤں میں بیٹھ جاتے ہیں

سمیرا عبدالغنی لبٹ ______ دُرِ نجف لودھرے

دوست کیا خوب وفاؤں کا صلہ دیتے ہیں
ہر نئے موڑ پر ایک زخم نیا دیتے ہیں
تم سے تو خیر گھڑی بھر کی ملاقات رہی
لوگ صدیوں کی رفاقت بھی بھلا دیتے ہیں

سکینہ عمر ______ خانقاہ شریف

مجھے فریب نہ دیں، میری خواہشوں سے کہو
نہ یاد آئیں، پرانی محبتوں سے کہو
جو ہمسفر تھے سبھی راستوں میں چھوڑ گئے
ہمارا ساتھ نہ چھوڑیں، مسافتوں سے کہو

ارم مصطفےٰ بٹ ______ بھوپالوالہ

تم سے پہلے دل سا بزدل کوئی نہ تھا
اور پھر دل سے دُنیا ڈرتی دیکھی ہے
بس اک جینے کی خواہش تھی اور وہ بھی
ہم نے اپنی آنکھوں سے مرتی دیکھی ہے

ریحانہ رسول ______ کراچی

سرِ ساحل ملے نہ تشنگی پھر
میں پیاس اپنی بجھانے جا رہا ہوں
تمہارے ہاتھ کے کچھ خط ملے ہیں
انہیں خود کو سنانے جا رہا ہوں

زبیدہ ریاض ______ کراچی

بیکراں تشہیر تو بہت بڑی شے ہے
ہم تو اخبار کی سُرخی سے سہم جاتے ہیں

فوزیہ غلام نبی ______ کراچی

کھینچتا ہوں ملالِ در بدری
ہجرتوں کے عذاب لکھتا ہوں

گُل رعنا ______ کراچی

سیکھ لیتے جو پتھروں کی زباں
آئینوں سے نہ گھر سجاتے ہم

جویریہ بٹ ______ جہلم

مخالف وقت اور ہر بدگمان کو روک رکھا ہے
ہر اک حاسد کی زہریلی زباں کو روک رکھا ہے
اُترتی نہیں مجھ پر اسی لیے کوئی آفت
میری ماں کی دُعا نے آسماں کو روک رکھا ہے

زینب صدیقی ______ کوٹ چھٹہ

میں نے تیری بھیگی پلکوں سے بارہا پوچھا
کہ ترکِ ربط پر تم کو وحشتی یاد آتے ہیں
تعلق توڑنا آساں تھا تو آنکھ کیوں نم ہے
انا پرور، جفا پیشہ بھی یوں آنسو بہاتے ہیں

صائمہ سلیم سندھو ______ کراچی

کیا کسی امید پر پھر سے درِ دل وا کروں
تجھ سے بڑھ کر خود بتا میرا آشنا سا کون تھا
وہ تو میں بس پیار کر بیٹھا کسی سے لے خدا
ورنہ تیرے کھلونوں سے بہلتا کون تھا

فوزیہ شبیر ______ بھیرہ

کسی ترنگ کسی سرخوشی میں رہتا تھا
یہ کل کی بات ہے دل زندگی میں رہتا تھا
بس اک شام بڑی خاموشی سے ٹوٹ گیا
ہمیں جو مان تیری دوستی میں رہتا تھا

کرن، بینش ______ کراچی

بہت تنگ کرتا ہے یہ خیال ان دنوں
تم پچھلے سال ساتھ ساتھ تھے ان دنوں

اے ناہید ______ لاہور

مٹ گئی آس تو جاگے تیری قربت کے نشاں
بجھ گئی پیاس تو رستے میں سمندر آیا

صدف عمران ______ کراچی

جسے چاہو اسے احساس خدائی دے دو
سلسلہ پیار کا رکھو تو عبادت جیسا
ہم بھرے شہر میں تنہا تو نہیں تھے لیکن
کوئی رشتہ نہ ملا پھر تیری چاہت جیسا

فوزیہ ______ گجرات

اے ضبطِ عشق اور نہ لے امتحان غم
ہم رو رہے ہیں نام کسی کا لیے بغیر

زیب یوسف ______ کراچی

بچھڑتے مجھے بڑی دیر تک وہ رویا تھا
وہ اس سے بڑھ کر میرا اعتراف کیا کرتا
یہاں تو پل میں بدل لیتے ہیں خدا بھی کئی
وہ ساری عمر ہی میرا طواف کیا کرتا

اسماء شمس ______ شیخوپورہ

تھوڑا تھوڑا جھوٹ ملا لے اپنی سچی باتوں میں
ورنہ جھوٹے لوگوں میں تو کیسے عمر گزارے گا
شہر کے چوراہے پر آئینہ لے کر مت جانا
اپنا چہرا دیکھ کے تجھ کو ہر کوئی پتھر مارے گا

نادیہ الیاس شیخ ______ سیالکوٹ

کوئی طلب بھی نہیں اور سوگوار بھی ہوں
پکارتا بھی نہیں، محوِ انتظار بھی ہوں
نہ جانے کتنے ارادوں میں بٹ گیا ہے وجود
بھلا دیا ہے اُسے اور بے قرار بھی ہوں

فاکہہ فردوس ______ بہاول پور

جب شوق سے بھولا ہے تو کیا بھول سے نکلے
مشکل ہے کہ اب قافلہ اس دُھول سے نکلے
اک عمر سے عادت ہے تیرے شام و سحر کی
اب کون تیری یاد کے معمول سے نکلے

چندرا سونی ______ ٹنڈو الہ یار

برسوں وہ مجھ سے دُور مجھ سے خفا رہا
لیکن میرے وجود کی دیمک بنا رہا
وہ شخص اجنبی تو نہیں دوست بھی نہیں
کل جب ملا تو دیر تلک دیکھتا رہا

فوزیہ غزل ______ شیخوپورہ

شاخوں سے پھول، پھول سے خوشبو جُدا نہ ہو
آباد شہر دل میں کوئی دوسرا نہ ہو
یوں کھوئے تیری یاد میں خود کو بھلا دیا
جیسے کہ ہم کو خود سے کوئی واسطہ نہ ہو

ایم۔آر۔کے ______ مظفر گڑھ

ہم کو یہ کھیل ادھورے نہیں اچھے لگتے
ہم اگر آتے تو پھر بازی الٹ کر آتے
چھوٹی سے چھوٹی پریشانی بھی یاد آئے گی
ہم کو یہ معلوم نہ تھا ورنہ نمٹ کر آتے

ریحانہ علی محمد

مسکراتی کرنیں

سچ

ایک خاتون نے دوسری خاتون سے پوچھا۔
"شادی سے پہلے تمہارے شوہر نے اپنے بارے میں جتنی باتیں کی تھیں کیا وہ سب سچ نکلیں؟"
"سب تو نہیں، صرف ایک بات سچ نکلی۔"
"وہ کیا؟"
"شادی سے پہلے وہ کہا کرتے تھے میں اپنے آپ کو تمہارے قابل نہیں سمجھتا۔"
رباب علی، علیزہ شاہ، کھلابٹ کالونی

تصحیح

بحری جہاز پوری رفتار سے چلا جا رہا تھا جب ایک نئے ملاح نے شور مچا دیا کہ "ایک آدمی سمندر میں گر گیا ہے۔"
چند ہی منٹ بعد کیپٹن کے حکم سے جہاز کا رخ موڑ دیا گیا۔ جب جہاز کئی میل پیچھے آ چکا اور کیپٹن عرشے پر پہنچا تو نئے ملاح نے ہکلاتے ہوئے کہا۔
"سر! مجھ سے غلطی ہو گئی۔ دراصل کوئی آدمی سمندر میں نہیں گرا ہے..."
کیپٹن اس پر خوب گرجا، برا بھلا کہا اور ایک بار پھر جہاز کا رخ موڑا گیا۔ جہاز تیز رفتاری سے دوبارہ اپنی اصلی سمت روانہ ہوا تو ملاح نے پھر سلسلہ کلام جوڑا۔
"سر! میں یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ سمندر میں کوئی آدمی نہیں گرا بلکہ... بلکہ ایک نرس گری ہے۔"
نزہت ظفر، جڑانوالہ

ڈراپ سین

کل اچانک میری ملاقات ایک حسین لڑکی سے ہو گئی۔ اس کو اپنے سامنے پا کر میرا دل خوشی سے بے قابو ہو گیا۔ میں نے ادھر ادھر نظریں دوڑائیں تو آس پاس کوئی نہ تھا۔ میں موقع غنیمت جانتے ہوئے اس کے قریب گیا اور اس سے مخاطب ہو کر پیار سے کہا۔
"چندا۔"
اس نے میری پوری بات سے بغیر فوراً" اپنا پرس کھولا اور پانچ روپے کا نوٹ میرے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا۔
"ذرا یہ بتاؤ کہ یہ چندا کسی مسجد کا ہے یا خیراتی ادارے کا؟"
اسماء الحسنیٰ، بھوپال والہ

شریف آدمی

ایک بڑے آفیسر نے اپنے سیکریٹری سے پوچھا۔
"کیوں میاں تمہارے والد صاحب کیا کرتے تھے۔"
"جی وہ جوتے بناتے تھے۔"
آفیسر موڈ میں تھا کہنے لگا۔ "انہوں نے تمہیں موچی کیوں نہ بنایا۔"
سیکریٹری بے چارہ بہت شرمندہ ہوا لیکن وہ چپ رہا کچھ دیر ٹھہر کر اس نے یہی سوال آفیسر سے کیا۔
"جناب آپ کے والد کیا کرتے تھے؟"
آفیسر نے لاپرواہی سے کہا۔
"وہ شریف آدمی تھے۔"
سیکریٹری نے کہا۔ "تو انہوں نے آپ کو شریف آدمی کیوں نہ بنایا۔"
فوزیہ غزل، رسالہ شیخوپورہ

پنگا

ہوائی جہاز میں ایک آدمی کے پاس ایک طوطا تھا وہ

طوطا اپنے آگے بیٹھی ہوئی لڑکی کو بار بار چھیڑ رہا تھا لڑکی پیچھے مڑ کر دیکھتی تو خاموش ہو جاتی کہ طوطا ہے یہ طوطا انسانوں کی طرح باتیں بھی کرتا تھا مگر پنجابی میں۔
طوطے کے پاس ایک سردار صاحب بھی تشریف رکھتے تھے انہوں نے جب لڑکی کو دیکھا کہ طوطا اسے چھیڑ رہا ہے تو انہوں نے بھی لڑکی کو چھیڑا لڑکی یہ سمجھی کہ اب کی بار بھی طوطے نے چھیڑا ہے۔
طوطے نے جب سردار جی کو دیکھا تو کہا
"تو انوں اڑنا اندا ہے"
سردار بولے "نہیں"
طوطے نے کہا
" فیر پنگا کیوں لیندا ایں"
ارم کرن، نصیر گوملی

خیر خواہ

ایک صاحب اپنی شکی مزاج بیوی سے رخصت ہو کر دوسرے شہر جانے کے لیے ریلوے اسٹیشن پہنچے تو گاڑی جا چکی تھی اس لیے وہ رات کو اسٹیشن کے قریب اپنی کسی دوست کے ہاں ٹھہر گئے گھر پہنچ کر انہوں نے اپنی بیوی کو بتایا کہ۔
"گاڑی چھوٹ جانے کی وجہ سے رات اپنے دوست کے ہاں ٹھہر گیا تھا۔"
بیوی نے ان کی ڈائری نکال کر ان کے پانچ دوستوں کے ٹیلی فون نمبر نوٹ کیے اور باری باری سب سے پوچھا۔
"کیا میرے شوہر رات کو آپ کے ہاں تھے۔"
ہر دوست نے اس کی جان بچانے کی خاطر کہا۔
"جی ہاں وہ رات کو ہمارے گھر میں تھے۔"
شبانہ عندلیب عباس، گوجرانوالہ

تشخیص

مریض نے شکایت کی۔
"ڈاکٹر صاحب جب میں انگلی سے پیشانی کو دباتا ہوں تو بڑا درد ہوتا ہے پیٹ کو دباتا ہوں تب بھی بڑا درد ہوتا۔"
ڈاکٹر نے معائنہ کیا تو چکرا گیا اس مرض کا کوئی سر پیر ان کی سمجھ میں نہ آیا انہوں نے مریض کو ایک اسپیشلسٹ کے پاس بھیج دیا دوسرے دن مریض دوبارہ ان کے پاس آیا تو انہوں نے پوچھا۔
"اسپیشلسٹ نے کیا بتایا۔"
"اس نے بتایا ہے کہ میری انگلی ٹوٹی ہوئی ہے۔"
نورین صدیق بٹ، دربجف گودھرے

ففٹی ففٹی

ایک بزنس مین دوسرے بزنس مین سے۔
"کیسا چل رہا ہے تمہارا بزنس؟"
دوسرے نے جواب دیا۔ "ففٹی ففٹی۔"
"ففٹی ففٹی کیا؟"
"مطلب یہ کہ صبح ایک آرڈر ملتا ہے شام کو کینسل ہو جاتا ہے۔"

وجہ

کلب کا نیا ممبر پرانے ممبر سے۔
"اچھا خاصا خوشحال مردوں کا کلب ہے پھر بھی یہاں ٹیلی فون نہیں ہے؟"
دوسرا ممبر "یہاں صرف کنوارے ہی نہیں بلکہ شادی شدہ ممبر بھی آتے ہیں۔"
عائشہ جاوید، لاہور

خواہش

ایک مرتبہ سعودیہ میں ایک انڈین، پاکستانی اور ایک چینی شراب پیتے ہوئے پکڑے گئے۔ تینوں کو اسی اسی کوڑوں کی سزا ہوئی مگر اسی روز سعودیہ میں عید تھی لہٰذا عید کی وجہ سے تینوں کی سزا میں چالیس چالیس کوڑوں کی کمی ہوئی اور ان کی کمزور جانوں کے پیش نظر ان کی ایک ایک خواہش پانے کا وعدہ بھی ہوا۔
چینی کی پہلے باری تھی اس نے کہا کہ، کوڑے

لگانے سے پہلے میری کمر پر تکیہ باندھ دیا جائے۔"
اس کی خواہش پوری ہوئی اس طرح اسے تکلیف کا کم احساس ہوا۔
دوسری باری انڈین کی تھی اس نے کہا۔ "میری کمر پر دو عدد تکیے باندھ دیے جائیں۔" اس کی بات بھی مانی گئی اس طرح اسے مزید کم تکلیف ہوئی۔
پاکستانی کی باری آئی اور اس سے کہا گیا کہ "تم مسلمان اور پاکستانی ہو اس لیے دو خواہشات بتاؤ۔"
پاکستانی بولا۔
"میری پہلی خواہش یہ ہے کہ مجھے چالیس کی بجائے اسی کوڑے لگائے جائیں۔"
پولیس نے حیران ہوتے ہوئے دوسری خواہش پوچھی تو بتایا گیا۔
"میری دوسری خواہش یہ ہے کہ میری کمر پر انڈین کو باندھ دیا جائے۔"

مسرت حبیب لاہور

جواب

ایک ہوٹل میں ایک صاحب کھانا کھاتے ہوئے بری طرح ہڈیاں چبا رہے تھے جس سے آوازیں آ رہی تھیں۔
دوسرے صاحب جو دوسری میز پر بیٹھے کھیر کھا رہے تھے انہوں نے دانت پیس کر کہا۔
"جناب آپ کے یہاں کتے کیا کھاتے ہیں۔۔۔؟"
ان صاحب نے جواب دیا۔
"جی وہ کھیر کھاتے ہیں۔"

نائلہ طارق، ضلع لیہ

چھینک

دو دوست ایک دکان پر کھڑے تھے کہ اچانک ان کی نظر ایک آدمی پر پڑی۔ جو آسمان کی طرف دیکھ رہا تھا ان دونوں نے قیاس آرائیاں کیں کہ یہ آدمی اوپر دیکھ رہا ہے۔ مگر دیکھ کیا رہا ہے۔
ایک آدمی نے کہا۔
"یہ اوپر پتنگ دیکھ رہا ہے۔"
دوسرے نے کہا۔
"نہیں یہ کبوتر دیکھ رہا ہے۔"
دونوں میں بحث و تکرار ہو گئی۔ اسی اثناء میں وہ آدمی پندرہ بیس قدم آگے چلا گیا۔ آخر دونوں میں یہ طے پایا کہ اس سے فیصلہ کروا لیتے ہیں کہ کس کی بات صحیح ہے چنانچہ ایک نے پوچھا۔
"بھئی تم اوپر کیا دیکھ رہے ہو۔"
اس نے جواب دیا۔ "مجھے آسمان کی طرف دیکھ کر چھینک آتی ہے۔ اور آج کافی دیر اوپر دیکھنے کے باوجود نہیں آئی۔"

فوزیہ غزل، شیخوپورہ

پوسٹ مارٹم

بعض اوقات ڈاکٹر اپنی بے پروائی سے موت اور زندگی کے درمیان فاصلے بہت کم کر دیتے ہیں۔
آپریشن ٹیبل پر مریض کو دیکھتے ہوئے سینئر سرجن نے نئے سرجن سے کہا۔
"آپ نے یہ کیسا آپریشن کیا ہے؟"
نئے سرجن نے چونک کر جواب دیا۔
"کیا اس کا آپریشن کرنا تھا میں نے تو پوسٹ مارٹم کر دیا۔"

فیس

ڈاکٹر نے آپریشن کا دیا ہے مشورہ
مان لو تو دل یقیناً" درد سے پھٹ جائے گا
ڈاکٹر کی فیس کی تفصیل میں نے جب سنی
یوں لگا جیسے کہ میرا سانس بھی گھٹ جائے گا

سیدہ شفق زہرا نقوی، سرجانی کراچی

سالگرہ

گفٹ وصول کرنے کا اچھا بہانہ ہے۔
ہم ہیں ڈھیٹ اک بار نہیں جاتے۔
وہ بھی ہیں ڈھیٹ کہتے ہیں تمہیں ضرور آنا ہے۔

چندر اسونی ٹنڈوالہ یار

خیال

ہم اپنی آٹوگراف بک ہاتھ میں لیے ایک آفس میں داخل ہو گئے ہمارا خیال تھا کہ وہاں ہماری ملاقات کورٹنی واش، برائن لارا، کرنل امبروز وغیرہ سے ہو جائے گی، لیکن ہماری توقع کے برعکس وہاں سیٹ پر کوئی ایسی شخصیت براجمان نہ تھی حالانکہ اس پبلک کال آفس کے باہر جلی حروف میں تحریر تھا۔
"غیر ملکی کالوں کا مرکز"

نادیہ الیاس شیخ، سیالکوٹ

شکریہ

ایک صاحب کو اپنی محبوبہ کی سالگرہ کے لیے ایک کم قیمت تحفے کی تلاش تھی آخر کار انہیں شیشے کا ایک خوب صورت گل دان مل گیا جس کے دو ٹکڑے ہو چکے تھے دوکان دار صرف پانچ روپے میں وہ گلدان ان کی محبوبہ کو بھجوانے پر تیار ہو گیا۔
ان صاحب نے سوچا، محبوبہ سوچے گی کہ گلدان راستے میں ٹوٹ گیا ہو گا چنانچہ وہ دکان دار کو اپنی محبوبہ کا پتا دے کر رخصت ہو گئے۔
ایک ہفتے کے بعد انہیں اپنی محبوبہ کی طرف سے پیغام ملا۔
"گلدان کے تحفے کا شکریہ اور جس احتیاط سے آپ نے دونوں ٹکڑوں کو الگ الگ رنگین کاغذ میں لپیٹ کر بھیجا اس کے لیے بھی شکریہ۔"

جلدی امراض

جلدی امراض کے ایک ڈاکٹر سے کسی نے پوچھا۔
"آپ نے خاص طور پر یہ لائن کیوں اختیار کی؟"
ڈاکٹر نے جواب دیا۔
"اس کی تین بڑی وجوہات تھیں پہلی یہ کہ میرے مریض رات کو نہیں جگاتے دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ مرتے نہیں اور تیسری یہ کہ وہ کبھی ٹھیک نہیں ہوتے۔

فاکہہ فردوس، بہاولپور

ہوتا ہے

ان کے رخ پر نقاب ہوتا ہے
رہزنی جن کا جاب ہوتا ہے
قرض خواہوں کی شکل دیکھتے ہی
جل کے یہ دل کباب ہوتا ہے
جو کراتا ہے دھاندلی ڈٹ کر
وہ یہاں کامیاب ہوتا ہے
اس کا خط جب بھی آئے انگلش میں
باعث اضطراب ہوتا ہے
اپنے محبوب کو گلاب نہ کہہ
بیگنی بھی گلاب ہوتا ہے
جس پہ پڑ جائے ڈاکٹر کی نظر
اس کا خانہ خراب ہوتا ہے
بے تحاشا ادھار بھی عاصی
عمر بھر کا عذاب ہوتا ہے

(مرزا عاصی اختر)

عائشہ بشیر، سیالکوٹ کینٹ

ترجیح

کشتی میں دریا پار کرتے ہوئے بڑھیا نے اپنے شادی شدہ بیٹے سے پوچھا۔
"کیوں رے اگر میں اور بہو دونوں دریا میں ڈوبنے لگیں تو تو کسے بچائے گا۔"
بیٹا پریشان ہو کر بیوی کی طرف دیکھنے لگا۔
بیوی نے مشورہ دیا۔ "اماں کو بچا لینا۔"
بڑھیا خوش ہو کر بہو سے بولی۔ "تجھے کیوں نہیں۔"
بہو نے جواب دیا "مجھے تو نکالنے کے لیے بہت سے دریا میں کود پڑیں گے۔"

شازیہ ناہید، کھاریاں

کرن کا دسترخوان

روبینہ شریف

ماربل کیک

اشیاء

میدہ	دو پیالی
انڈے	تین عدد
چینی	ایک پیالی (پسی ہوئی)
دودھ کریم	آدھی پیالی
کوکو پاؤڈر	ڈیڑھ کھانے کا چمچہ
بیکنگ پاؤڈر	دو چائے کے چمچے
مارجرین	بڑا پیکٹ تین چوتھائی حصہ لے لیں

مارجرین اور چینی کو ملا کر بلینڈر سے اچھی طرح پھینٹ لیں پھر باری باری ایک انڈا ملاتے جائیں اور اچھی طرح پھینٹ لیں۔ میدہ میں بیکنگ پاؤڈر ملا کر چھلنی سے تین یا چار مرتبہ چھان لیں۔ چھنا ہوا میدہ دودھ میں آہستہ آہستہ مارجرین اور انڈے والے مکسچر میں ملاتے جائیں۔ جب مل جائے تو تین حصے کر لیں ایک حصہ میں کوکو پاؤڈر ملا دیں دو حصے جو بغیر کوکو ملے ہوئے ہیں ان کو ایک جگہ کر دیں ایک آٹھ انچ کا پین ـــــ لے لیں اور ذرا سی چکنائی لگا کر خشک میدہ چھڑک دیں اور پین ذرا ہلائیں تاکہ خشک میدہ پھیل جائے پھر کوکو والا مکسچر اور سادہ مکسچر باری باری ڈالتے جائیں پہلے سے اوون گرم کریں پچاس پچیس منٹ تک بیک کریں تیار ہو جائے تو دس منٹ تک ٹھنڈا کریں پھر پیش کریں۔

بلیک فاریسٹ کیک

اشیاء

کوکنگ چاکلیٹ	آدھا کپ
گڑ کی شکر	دو کپ
انڈے	تین عدد
میدہ	دو کپ
بیکنگ پاؤڈر	دو چائے کے چمچے
نمک	چٹکی بھر
بیکنگ سوڈا	دو چائے کے چمچے
سادہ کریم	۳/۴ کپ
گرم پانی	آدھا کپ
بلو بینڈ مارجرین	ایک چھوٹا والا پیکٹ
ونیلا ایسنس	آدھا چائے کے چمچہ

فلنگ کے لیے

فریش کریم	تین پیالی
چیریز	ایک چھوٹا ٹن
چاکلیٹ کرل	عام طور پر بیکری سے مل جاتے ہیں

ترکیب

چاکلیٹ کو ایک کپ تیز گرم پانی میں ڈال کر گھول لیں۔ ایک برتن میں بلو بینڈ مارجرین، چینی اور ایسنس ڈال کر اچھی طرح پھینٹ لیں پھر ایک ایک انڈا ملاتے جائیں دوبارہ سے خوب اچھی طرح پھینٹ لیں۔ پھر پگھلی ہوئی چاکلیٹ ملا لیں میدہ، بیکنگ پاؤڈر ملا کر دو تین دفعہ چھان لیں، چاکلیٹ اور انڈوں کے ساتھ ملا دیں۔ اس کے لیے بھی دو سانچے لے لیں، جو گول ہوں اور تقریباً" نو انچ سائز کے ہوں۔ ان میں ذرا چکنائی اور خشک میدہ چھڑک کر تیار کیا ہوا آمیزہ الگ الگ ڈال دیں۔ پہلے سے گرم کیے ہوئے اوون میں پینتالیس سے پچاس منٹ تک بیک کر لیں۔ تیار ہو جائیں تو پانچ منٹ بعد پین سے نکالیں پھر ان دونوں

کیکوں کو درمیان میں سے کاٹ کر چار حصے کر لیں، اب جس ڈش میں آپ کو پیش کرنا ہو اس میں پہلا کیک کا حصہ رکھ کر پھینٹی ہوئی کریم اور چیری رکھ دیں۔ چیری کے ٹن کا جوس کریم ڈالنے سے پہلے کیک کے اوپر ضرور ڈالیں۔ اس طرح چاروں حصوں کو ایک کے اوپر ایک رکھ کر تیار کر لیں اب اس کیک کو فوائل میں لپیٹ کر ایک گھنٹے کے لیے فریج میں رکھ دیں، سب سے آخر میں کریم اور چاکلیٹ کرل سے سجا دیں۔

چاکلیٹ سوئیس رول

اشیاء

انڈے	۶ عدد
میدہ	۷۵ گرام
شکر	۲۵ گرام
کوکو پاؤڈر	۵۰ گرام
آئسنگ شوگر	آدھی پیالی
تازہ کریم	۳۰۰ گرام
شکر	۵۰ گرام

ترکیب

انڈوں کی سفیدی، زردی احتیاط سے الگ الگ کر لیں، میدے میں کوکو پاؤڈر ملا کر چھان لیجئے، آدھی شکر لے کر انڈوں کی زردی میں ملا لیں۔ شکر اور زردی کو الیکٹرک ایگ بیٹر سے اتنا پھینٹیں کہ شکر کا دانہ ختم ہو جائے، انڈوں کی سفیدی کو بھی اسی طرح شکر ملا کر پھینٹیں اور پھر سفیدی اور زردی کو ملا دیں، اسے یکجان کرنے کے لیے مزید چھ سات منٹ تک پھینٹیں۔ اوون کو ۳۵۰ فارن ہائٹ پر گرم کریں۔ کسی ٹرے میں براؤن کاغذ رکھیں اور اس کاغذ پر ہلکا ہلکا تیل یا گھی لگا دیں، پھینٹے ہوئے انڈے اور میدے کا مکسچر ٹرے میں ڈال کر دس منٹ کے اوون میں رکھ دیں، دس منٹ بعد اوون سے نکال کر کسی کپڑے کو گیلا کر کے اس کو ڈھانک دیں تاکہ یہ خشک ہونے نہ پائے، اس کو ایک گھنٹے کے لیے رکھ دیں تاکہ ٹھنڈا ہو جائے، تازہ کریم میں ۵۰ گرام شکر ملا کر پھینٹ لیں، اوون میں جو میدے کا مکسچر پکایا تھا، وہ اب ٹھنڈا ہو چکا ہو گا لہٰذا اس کا کاغذ الگ کر دیں اور اس کے اوپر پھینٹی ہوئی کریم کی ہلکی سی تہ لگا کر اسے رول کر لیں، اس رول کو پندرہ منٹ کے لیے فریج میں رکھ دیں، پندرہ منٹ بعد رول باہر نکال کر اس کے سلائس کاٹ لیں اور ان پر آئسنگ شوگر چھڑک لیں۔

سادہ کیک

اشیاء

میدہ	دو کپ
مکھن	چار اونس
بیکنگ پاؤڈر	تین چائے کے چمچے
چینی	ڈیڑھ کپ (پسی ہوئی)
نمک	۴/۱ چائے کا چمچہ
دودھ	۳/۲ کپ
انڈے	دو عدد

ترکیب

مکھن اور پسی ہوئی چینی کو چمچے سے ملا کر یکجا کر لیں۔ انڈوں کو خوب پھینٹ کر جھاگ بنا لیں اور پھر مکھن اور چینی میں ملا دیں اب دودھ بھی ڈال دیں اب کیک کے سانچے کی تہ اور کناروں پر کاغذ لگا دیں اور آمیزہ اس میں ڈال کر اوون میں گیس نمبر ۳ (۳۵۰ف) پر ۹۰ منٹ کے لیے رکھیں۔

وقت پورا ہونے پر کیک کو اوون میں سے نکال کر باہر کچھ دیر ٹھنڈا ہونے کے لیے رکھ دیں اور پھر سانچے میں سے نکالیں۔

اورنج سوفلے

اشیاء

کینو کا رس	چھ عدد کا

انڈے	تین عدد
اورنج فلیور کی جیلی	ایک پیکٹ
چینی	حسب ضرورت

ترکیب

انڈوں کی سفیدی کو اچھی طرح پھینٹ لیں کہ جھاگ بن جائے اب اورنج جیلی کو دو چائے کے کپ پانی میں پکا کر نیچے اتار کر خوب پھینٹیں کافی حد تک ٹھنڈا ہو جائے تو اس میں انڈوں کی سفیدی کینو کا رس اور چینی پسی ہوئی ڈال کر تھوڑا سا پھینٹیں اور پھر فریزر میں رکھ دیں۔

اخروٹ کی ٹافی

اشیاء

اخروٹ کی گری	ایک پاؤ
دودھ	ایک کلو
کھویا	آدھا پاؤ
چینی	ایک پاؤ
گھی یا مکھن	آدھی چھٹانک

ترکیب

دودھ کو پکنے کے لیے رکھ دیں اور اسے اتنا پکائیں کہ صرف ڈیڑھ پاؤ رہ جائے اب اس میں چینی ملا دیں۔ جب چینی کا پانی خشک ہو جائے تو اس میں اخروٹ کی گری پیس کر ڈال دیں۔ گری بالکل باریک ہونا چاہیے اور خوب چمچے سے ملائیں۔ جب اچھی طرح حل ہو جائے تو اس میں کھویا ڈال دیں اور چولہے سے نیچے اتار کر خوب حل کریں۔ جب سب چیزیں یکجان ہو جائیں تو ایک ٹرے میں گھی یا مکھن کی تہ لگا دیں اور یہ آمیزہ ٹرے میں اچھی طرح پھیلا دیں۔ جب ٹھنڈا ہو جائے تو اپنی پسند کے ٹکڑے کاٹ لیں۔

پورن پوری

اشیاء

میدہ	دو کپ
سوجی	آدھا کپ
دودھ	ایک کپ
آئل	ایک کپ

پوری میں بھرنے والا میوہ

پستے	پندرہ عدد
بادام	بیس عدد
ناریل	پسا ہوا ایک کپ
چینی	ایک کپ
کشمش	آدھا کپ
آئل تلنے کے لیے	حسب ضرورت

ترکیب

سوجی میں دودھ ڈال کر تقریباً" ڈیڑھ گھنٹے کے لیے رکھ دیں اب اس میں میدہ اور گھی ملا کر اچھی طرح گوندھ لیں اور گیلے کپڑے سے ڈھانک کر تھوڑی دیر کے لیے رکھ دیں۔

پستے اور بادام کو گرم پانی میں بھگو کر چھلکا اتار لیں اور باریک کاٹ لیں کشمش گرم پانی میں بھگو کر صاف کر لیں۔ اب ایک دیگچی میں دو کھانے کے چمچے گھی ڈال کر گرم کریں اس میں پستے بادام تل لیں اور نکال کر ٹھنڈا کریں اب اس میں چینی اور ناریل اور کشمش ملا دیں۔ اب میدہ اور سوجی کے چھوٹے چھوٹے پیڑے بنائیں، پوری کے سائز کی روٹی بیل کر اس میں میوہ بھر کر دونوں کنارے ملا کر بند کر دیں، کناروں کو اچھی طرح سے بند کریں تاکہ میوہ باہر نہ نکلے۔

اب ایک کڑاہی میں تیل گرم کریں اور مناسب آنچ پر پوریاں تلنا شروع کریں جب ہلکی سنہری مائل ہو جائیں تو نکال کر کاغذ پر رکھ لیں تاکہ گھی جذب ہو جائے۔

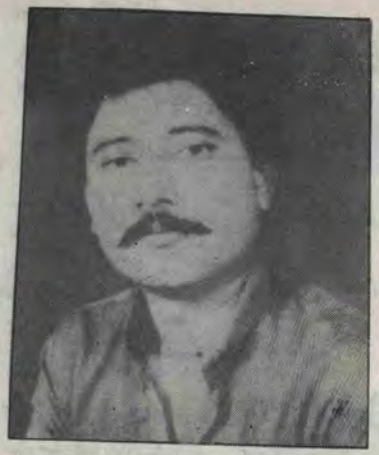

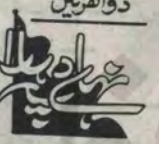

ذوالقرنین

ہمارے پیارے

طیبہ افشاں کھوکھر...... سکھر

س : اگر آپ کا بس چلے تو؟

ج : نہ بی بی نہ، غلط جملہ ہے اگر میری بس۔ چلے تو پولیس کا پیٹ بھرے گا اور میرا بھی اور، سفر کرنے والوں کو بھوک لگے گی۔

محمود بابر فیصل نے یہ شگفتہ سلسلہ ۱۹۷۸ء میں شروع کیا تھا، ان کی یاد میں یہ سوال و جواب شائع کیے جا رہے ہیں۔

شیریں خان...... وکٹرو

س : ذوالقرنین اتنی خوب صورتی کس پھول سے چرائی ہے؟

ج : دھوبی کے پھول سے۔

روبی نفیسی خان...... ملیر کراچی

س : ایکسکیوزمی مائیکل جیکسن کی روح یہ آج کل کی دنیا کدھر جا رہی ہے؟

ج : ہائے کیتھی جیکسن، تم اتنے دنوں کہاں رہیں۔

رخسانہ علی...... ٹنڈو جام

س : فاصلے ایسے بھی ہوں گے یہ کبھی سوچا نہ تھا
سامنے بیٹھا تھا میرے مگر وہ میرا نہ تھا

ج : اللہ کتنا جھوٹ بولتی ہو، میں کب.... کب بیٹھا تھا تمہارے سامنے۔

فرح اعجاز...... حیدر آباد

س : آپ کے کالم میں شرکت کرنے کے لیے کتنی رشوت دینی پڑتی ہے؟

ج : بد اچھا بدنام برا!... آئندہ ایسی بات نہ کرنا۔

مسز رابعہ انصار...... سعود آباد

س : ارے ارے یہ کل تم لنڈا بازار میں کیا کر رہے تھے۔

ج : عجیب خاتون ہیں آپ، آپ کیا کر رہی تھیں وہاں۔

زیڈ اے نصرت...... سرگودھا

س : نین صاحب اس "چورن کا نسخہ" بتا دیں جسے کھا کر۔ آپ بے شمار سوالات ہڑپ کر جاتے ہیں اور ڈکار بھی نہیں لیتے؟

ج : میری ڈکاروں کی چنگھاڑ سرگودھا تو پہنچنے سے رہی۔

ذکیہ ناز...... کوٹلی لوہاراں

س : میری قسمت میں جواب نہیں شاید پھر کیوں انتظار کرتی ہوں میں پچھلے ماہ بھی انتظار کرتی تھی میں

اس ماہ بھی انتظار کرتی ہوں؟

ج : فلمی مکالمے میرے شایان شان نہیں لیکن پھر بھی تمہارا انتظار ختم کیے دیتے ہیں۔

زیبی باجوہ.............حافظ آباد

س : اگر کوئی بغیر اجازت آپ کے رسالے میں آجائے تو کچھ کہیں گے تو نہیں؟

ج : کیوں کیا میں تصویر میں ایسا خطرناک نظر آتا ہوں۔

میمونہ حیات............بھکر پنجاب

س : دنیا کی نگری روشن روشن اور دل کی نگری سونی سونی کیوں ہوئی جاتی ہے؟

ج : چلو زیادہ اداس مت ہو۔ جواب پڑھ کر تو دل کی نگری روشن روشن ہو گئی ناں۔

رقیہ ناز.............جہلم

س : بھیا جب پانی سر سے اونچا ہو جائے تو کیا کرنا چاہیے؟

ج : ڈوب مرنا ہی چاہیے۔

ساجدہ گل.............حیدر آباد

س : آپ اپنی زندگی میں کب اور کس لمحے بے حد خوش ہوئے؟

ج : ابھی مجھے اس لمحے کا انتظار ہے۔

ریحانہ رزاق.............شکار پور

س : اگر عورت میک اپ اور مرد خود کو سنوارنا چھوڑ دے تو؟

ج : عورت میک اپ چھوڑ سکتی ہے۔ لیکن میں سنورنا نہیں چھوڑ سکتا۔

حنیفہ ناز.............شہداد پور

س : سوئے ہوئے انسان کو جھنجھوڑ کر اٹھایا جا سکتا ہے۔ سوئے ہوئے ضمیر کو کس طرح اٹھایا جائے؟

ج : قسم خدا کی میں کسی بھائی ضمیر کو نہیں جانتا۔ اگر آپ کی کہیں ملاقات ہو جائے تو اس سے پوچھ لیجیے گا کہ کس طرح اٹھایا جائے۔

کاظمہ سید.............راولپنڈی

س : بھیا جی خواتین کے رسالے میں آپ کا داخلہ کیسے ہے؟

ج : بھیا بھی کہتی ہو اور پابندیاں بھی لگاتی ہو کیسی بہن ہو۔ بھائی کا کچھ تو خیال کرو۔

مہرین برکی.............نوابشاہ سندھ

س : بھیا! دلہن کو منہ دکھائی کیا دیں گے؟

ج : یہ تو رخ زیبا دیکھنے کے بعد ہی فیصلہ ہو گا۔

شیدائے فاطمہ شیدا.............حیدر آباد

س : اگر محبت کرنے پر ٹیکس لگ جائے تو...؟

ج : گرلز کالجوں، یونیورسٹیوں اور بس اسٹاپوں سے رش چھٹ جائے گا۔

سلمیٰ اشتیاق.............کراچی

س : فلسفی بھیا سیر کی ہانڈی میں سوا سیر پکانا چاہتی ہوں بتائیے کس طرح پکاؤں؟

ج : کہو سوا سیر پکاؤ سیر ہی۔ کسی کو مت بتانا۔

لبنیٰ ندیم.............کوئٹہ

س : درد کے پیالے میں ڈوبنا آسان ہے یا خوشیوں کی پلیٹ میں تیرنا؟

ج : ڈوبنا آسان نہیں پھر تیرنا کیسا!

ماہ جبیں رحمان.............لاہور

س : بھیا! دلہن سسرال جاتے ہوئے روتی ہے۔ لیکن دولہا کے چہرے پر مسکراہٹ ہوتی ہے کیوں؟

ج : بے چارے کی آخری مسکراہٹ جو ٹھہری۔

✲ ✲

مُدیرہ

نامے میرے نام

سمیرا عبدالغنی بٹ در نجف.............لودھرے

سب سے پہلے آپ کرن کے تمام اسٹاف اور تمام قارئین بہنوں کو کرن کی سالگرہ مبارک اور جناب کرن اس دفعہ حیرت انگیز طور پہ ۱۰ فروری کو ملا اداریہ پڑھنے کے بعد حمد و نعت سے مستفید ہوئے اور جناب جلدی سے اپنا فیورٹ ناول "گرداب آرزو" پڑھا چلیے صاحب دیبا بیگم سالار کے ابا کے ہاں بھی پہنچ گئی اللہ خیر ہی کرے "دل کا دروازہ" رخ چوہدری کا ناول بہت تیز بھاگ رہا ہے وجاہت نے بازی مار ہی لی مکمل ناول انیلا کرن کا "میں نے ہار مانی ہے" انیلا جی عید کے موقع پر اتنی زبردست تحریر پیش کرنے پر شکریہ اور ناولٹ میں سعدیہ عزیز آفریدی کا "اک چراغ" کا دوسرا اور آخری حصہ پڑھا سعدیہ نے اپنی تحریر کے ساتھ پورا انصاف کیا اور ہماری فیورٹ رائٹر میمونہ علی کا ناولٹ "سنو ایسا نہیں کرتے" میمونہ جی بہت شکریہ عید کی خوشیاں دوبالا کرنے کا۔ افسانوں میں روحیلہ خان، حمیرا راحت اور شاہدہ چوہدری کے افسانے پسند آئے خاص کر حمیرا راحت کا "اک سفر اداسی کا" بہت ہی اچھا لگا جو ہمارے معاشرے کا جیتا جاگتا نمونہ لگا۔ صائمہ قریشی سے ملاقات اچھی لگی۔ اور "ایک حوالہ گھر میں ہے" میں صنم اقبال کی باتیں اچھی لگیں باقی تمام مستقل سلسلے بھی زبردست تھے اور جناب کرن کتاب اس دفعہ زبردست بلکہ بہت زبردست اس عید کے موقع پر ہم اس کتاب سے مکمل طور پر مستفید ہوئے اتنی فنٹاسٹک کتاب پیش کرنے پر شکریہ۔

در ثمن سلیم.............سرگودھا

کرن کے تمام قارئین کو جشن بہاراں مبارک ہو اس امید کے ساتھ کہ آپ سب کی عید بہت اچھی گزری ہو گی۔

"ہم بتاتے چلیں" میں اپنے جوابات دیکھ کر عید کا مزہ دوبالا ہو گیا۔ میں کرن والوں کی تہ دل سے ممنون و مشکور ہوں کہ آپ کی حوصلہ افزائی مجھے لکھنے پہ اکساتی ہے۔

انیلا کرن کا ناول بہت زبردست تھا اس دفعہ ان کی تحریر کے ساتھ ان کی تحریر کے نام نے بھی بہت متاثر کیا میری جانب سے انیلا کرن کو دلی مبارک باد ضرور دیں۔

تینوں ناولٹ بھی اچھے تھے... افسانوں میں ہر مہینے ہمیں بہت سے نئے لکھنے والی بہنوں کے نام پڑھنے کو ملتے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ کرن ڈائجسٹ نئے لکھنے والوں کی بھرپور حوصلہ افزائی کر رہا ہے یہی بات کرن کو تمام پرچوں سے ممتاز بناتی ہے۔

رابعہ اسلم.............رحیم یار خان

فروری کا شمارہ خلاف توقع جلدی مل گیا۔ ٹائٹل بہت زبردست لگا۔ سب سے پہلے سعدیہ عزیز آفریدی کا ناولٹ "اک چراغ" پڑھا جو ناولٹ میں ٹاپ آف دی لسٹ رہا۔ میمونہ علی کی تحریر لاجواب لگی۔ نور بانو کے ناولٹ کے اینڈ میں باقی آئندہ دیکھ کر بڑا غصہ آیا۔ افسانے سو سو ہی لگے۔ اب بات کروں گی انیلا کرن کے مکمل ناول "میں نے ہار مانی ہے" بہت خوب صورت ناول لکھا انیلا جی نے مبارک باد قبول ہو۔ "ہم بتاتے چلیں" میں در ثمن سے ملاقات بہت اچھی رہی۔ "کچن کارنرز" کی میزبان نبیلہ نے اچھے جوابات دیے۔ "کرن کرن خوشبو" کی خوشبو دیر تک ہمارے ساتھ رہی۔ "کام کی باتیں" تو کمال کی باتیں لگیں۔ "یادوں کے دریچے سے" میں ہمیشہ معیاری تحریر بھجوائی مگر آپ نے مجھے شامل نہ کرنے کی قسم کھائی ہوئی ہے۔

"مجھے یہ شعر پسند ہے" میں کافی رونق نظر آئی۔ میری کمی مجھے بہت محسوس ہوئی "مسکراتی کرنیں" پڑھ کر غصہ دور کیا۔ کرن کتاب نے تو جناب عید کا مزہ دوبالا کر دیا "آواز دے کہاں ہے" کا سلسلہ اچھا جا رہا ہے۔

"نہلے پہ دہلا" پڑھ کر چہرے پر مسکراہٹیں دوڑ گئیں باقی تمام شمارہ بہت زبردست رہا۔

اس وقت میں بخار میں پھنک رہی ہوں۔ ایگزام ہونے

والے ہیں۔ مگر کرن کے لیے ضرور لکھتی ہوں۔ میری محبتوں کو نظرانداز نہ کیا جائے۔ اتنے برے بھی کب ہیں اگر ہم بھلے نہیں۔

شاہینہ شیخ .... صدر حیدر آباد

کافی مہینوں سے کرن کی خاموش قاری ہوں اس بار سوچا شرکت کرلوں شاید ہمارے پسندیدہ رسالے میں میرا نام بھی شامل ہو جائے۔ کرن کے سرورق ہر بار مجھے بہت اچھے لگتے ہیں اور اس میں شامل ثمرہ بخاری کا مسلسل ناول مجھے بہت پسند ہے اس بار کی قسط بھی بہت پسند آئی اور "دل کا دروازہ" بھی بہت اچھا جارہا ہے البتہ "اک چراغ" کا اینڈ مجھے پسند نہیں آیا ویسے سعدیہ عزیز میری پسندیدہ رائٹر ہیں اور ان کی ہر کہانی کو میں جب تک دوبارہ نہ پڑھ لوں مجھے مزہ نہیں آتا یہ والا ناولٹ بھی مجموعی طور پر بہت اچھا رہا۔ انیلا کرن کے مکمل ناول کا تو جواب نہیں۔ سارا ایک نشست میں پڑھا۔

صائمہ قریشی سے ملاقات بہت اچھی تھی اور صنم اقبال تو میری فیورٹ اداکارہ ہیں۔ کرن کتاب کا اس بار بہت شدت سے انتظار تھا شکر ہے پکوان سے متعلق ہی آئی آخر میں یہ دعا ہے کہ ہمارا کرن دن دوگنی رات چوگنی ترقی کرے، پلیز میرا خط ضرور شامل کیجئے گا شکریہ۔

لبنیٰ مشتاق .... پھولنگر

۱۱فروری کو کرن ملا اور دل خوش کرگیا فوراً" کاپی پین پکڑا اور شکریہ کے ساتھ مزید تحریریں روانہ ہو چکی ہیں کتنا اچھا لگتا ہے جب ہمیں وہاں سے وہی پذیرائی ملے جس کی ہم خواہش کرتے ہیں جب ہماری چھوٹی چھوٹی خوشیوں کو اہمیت دی جاتی ہے تو یہی خوشیاں مل کر بڑی خوشیوں کی شکل بدل لیتی ہیں "کرن" نے ہمیشہ اپنے چاہنے والوں کی پذیرائی کی ان کی چھوٹی چھوٹی خوشیوں کو مزید اجاگر کیا۔ میں "کچن کارنر" کے حوالے سے تحریر بھیج رہی ہوں اگر قابل اشاعت ہو تو ضرور جگہ دیں۔

ناہید غوری .... لیہ

کرن کی سالگرہ مبارک

"ایک چراغ روشن ہے" سعدیہ عزیز آفریدی کوئی تحریر لکھیں اور ہمیں پسند نہ آئے ایسا تو ہو نہیں سکتا سعدیہ جی سالگرہ نمبر میں بھی ہم آپ کی تحریر کے منتظر رہیں گے "میں نے ہار مانی ہے" تھوڑی سی طوالت کا شکار تھی لیکن انیلا کرن نے بہت اچھا لکھا میمونہ علی کی ہلکی پھلکی تحریر "سنو ایسا نہیں کرتے" پسند آئی شکریہ "ہم بتاتے چلیں" میں در ثمن کے جوابات پڑھ کر اور ان سے مل کر بہت خوشی ہوئی آخر میں "کچن کارنر" میں موجود نبیلہ غلام رسول کو حسرت اور رشک بھری نگاہوں سے دیکھا اور سوچا کہ شاید کسی زمانے میں ہمیں بھی کچن کارنر کی میزبان بننے کا شرف حاصل ہو ہی جائے امید پر دنیا قائم ہے کیا خیال ہے۔

ایک بار پھر کرن سے وابستہ تمام افراد کو ہماری طرف سے کرن کی سالگرہ کی مبارک باد۔

کرن شعیب .... کراچی

میں یہ خط پہلی بار لکھنے کی کوشش کر رہی ہوں آپ میرا یہ خط ضرور شائع کیجیے گا۔ میں کرن ڈائجسٹ چھ مہینے سے پڑھ رہی ہوں مجھے یہ ڈائجسٹ بہت بہت زیادہ پسند ہے میں یہ ڈائجسٹ پڑھ کر کبھی بھی بور نہیں ہوتی بلکہ کرن پڑھنے کے بعد میں بہت خوش ہو جاتی ہوں۔ مجھے اس میں "پھلاں دے رنگ کالے" بہت اچھی لگی اور مجھے یہ پڑھنے میں بہت مزا آیا میری دعا ہے کہ کرن ہمیشہ ایسے ہی چلتا رہے۔

زاہدہ تبسم .... کراچی

میں نے پچھلی بار خط لکھا تھا اور اس بار یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی کہ میرا نام کرن میں شائع کیا گیا امید ہے کہ اس بار بھی آپ ہمارا خط ضرور شائع کریں گے کرن کے سارے سلسلے ہمیں بہت پسند ہیں اور "دل کا دروازہ" زبردست جا رہا ہے رخ چوہدری کو ہماری طرف سے بہت بہت مبارک باد قبول ہو۔ ہماری دعا ہے کہ کرن دن دگنی رات چوگنی ترقی کرے آمین ثم آمین۔

فوزیہ غزل .... شیخوپورہ

مسلسل ناولز اور دیگر مستقل سلسلوں سمیت کرن بہت اچھا لگ رہا ہے اور مکمل ناول اور ناولٹ تو کرن کی جان ہے بشریٰ سعید انجم نواب، عطیہ عمر ہمیشہ اچھا لکھتی ہیں۔ فرحت اشتیاق سے فرمائش ہے کہ کوئی بہترین سی تحریر ہمارے لیے ضرور لکھیں اور "آواز دے کہاں ہے" کا

سلسلہ بہت سے بچھڑے اور روٹھے عزیزوں، دوستوں کو ملا رہا ہے۔ ریحانہ کی محنت رنگ لا رہی ہے ریحانہ مبارک ہو۔ اگلے ماہ کرن کی سالگرہ ہے تو سب کو مبارک کباد۔
کرکٹ کے عظیم آل راؤنڈر وسیم اکرم کا تفصیلی انٹرویو دیں کیونکہ وہ ورلڈ کپ کے بعد کھیلنا بند کردیں گے اس لیے ایک یادگار ملاقات اس قومی ہیرو اور مایہ ناز پلیئر سے کروادیں۔

سیماب علی......ڈیرہ اسماعیل خان

فروری کا شمارہ دلکش کرن کتاب کے سنگ لذیذ و چٹخارے دار کھانوں سے سجا ہمیں وصول ہوا' سب سے پہلے اپنے نام کو ڈھونڈا تو بے حد مایوسی ہوئی خیر! جب ایسی پریشانی کے عالم میں حسین سلسلوں کو چھوا تو ہر سلسلہ خوش کن ثابت ہوا۔ پھر اسی کیف و رنگ میں صنم اقبال اور در ثمن سے ملاقات کی جو کہ دلچسپ رہی۔
"پھلاں دے رنگ کالے" اس ناولٹ کے اختتام پر فائزہ افتخار چند اصاحبہ کو خصوصی مبارکباد قبول ہو۔
"اک چراغ روشن ہے" سعدیہ عزیز آفریدی کے طلسماتی قلم کی نوک سے تراشا گیا ایک بے مثال ناولٹ تھا جس کا ہر حرف نصیحت اور سبق کی ایک خوب صورت روشنی تھا۔ کاش ہم سب کا فیہ' ملیحہ اور شہریار کی طرح بے لوث محبت و ایثار کے رنگ اس معاشرے میں بکھیر سکتے؟ یہی باتیں اسلام کی تعلیم ہیں جو کہ آج ہم مشرق کی تعلیم کو چھوڑ کر بھول چکے ہیں! ویل ڈن سعدیہ عزیز صاحبہ! بالکل اسی طرح افسانوں میں بنت زینب کا "استعارہ غم کا" ٹاپ پر تھا۔ مختصراً" فروری کا شمارہ مجموعی طور پر اے ون تھا۔
کرن کی کامیابی اور دعاؤں کے سنگ!

سعدیہ مسرور خاں......چک چوہلہ

فروری ۲۰۰۳ء کا شمارہ ۱۱ تاریخ کو ملا ٹائٹل بس سو سو رہا۔ پہلے اداریہ کو پڑھا پھر حمد و نعت کو اس کے بعد صائمہ قریشی سے ملاقات کرتے ہوئے اپنی فیورٹ ایکٹریس صنم اقبال سے گھریلو باتیں ہوئیں۔ بہت مزہ آیا۔
پھر "دل کا دروازہ" کی طرف دوڑ لگائی مگر یہ کیا کیا رخ جی آپ نے زینت کی شادی وجاہت سے کردی اور خرم کو موی کے ساتھ اتنا برا سلوک نہیں کرنا چاہیے۔ انیلا کرن کا مکمل ناول "میں نے ہار مانی ہے" زبردست رہا۔ مگر مائرہ کو نبیل سے فون والی بات چھپانی نہیں چاہیے تھی۔ باقی

میمونہ علی کا ناولٹ "سنو ایسا نہیں کرتے" بہت کام کی باتیں واقعی میں کام کی باتیں تھیں۔
آخر میں کرن ... نیک خواہشا...
اجازت چاہوں گی۔

شازیہ ناہید......بھاریاں

فروری کا کرن اس دفعہ کچھ تاخیر سے ملا۔ ٹائی... پسند آئی۔ عیدکی آمد کے ساتھ ساتھ کرن کا شد... "آواز دے کہاں" میں پیغام نہ پا کر تھوڑی... اس طرح تو ہوتا ہے۔ پھر سلسلہ وار ناو... اور "دل کا دروازہ" دونوں ہی زبر... "گرداب آرزو" کا اب اینڈ ہونا چاہیے... ناولٹ اور افسانے پسند آئے صائمہ قریشی اور... باتیں اچھی لگیں۔ کچن کارنر کی میزبان نبیلہ... کے دلچسپ جوابات پسند آئے تمام مستقل سلسل... تھے۔ کرن کتاب ہمیشہ کی طرح بہت پسند آئی۔

مبین کوثر......لاہور

آپ کے ماہنامہ کرن کو بہت شوق سے پڑھتی... آج پہلی بار آپ کو لکھ رہی ہوں۔ رسالے کے... شاندار ہیں۔ لیکن جس نے لکھنے پر مجبور کیا... ناول اور ناولٹ ہیں۔ اس بار کا کرن بھی شاندار... طور پر سعدیہ عزیز آفریدی کا ناولٹ "اک چرا... اچھا تھا۔ جبکہ انیلا کرن صاحبہ کا مکمل ناول "میں... ہے" سب سے زیادہ اچھا تھا افسانے بھی اچھے...
اس کے علاوہ تمام ادارے کو سا... مبارک ہو۔ خدا تعالیٰ کرن کو ہزاروں سالگر... توفیق دے۔ البتہ آپ سے گزارش... کو بھی آگے آنے کا موقعہ دیا جائے۔
کرن کی مستقل ناولوں میں "گرداب... دروازہ" بھی بہت شاندار ہیں۔
ثمرہ بخاری' نبیلہ ابر راجہ اور سعدیہ عزیز... پسندیدہ رائٹرز ہیں۔ مگر جنوری کے شمارے... جو کہ شاید نیا اضافہ ہیں "سنہری رت" لکھا... نے "کچھ پھول کھلنے ہیں" بہت شاندار لکھا... ان کو پڑھنے کی خواہش ہے اور امید ہے... نہیں کریں گی۔